قصص الاولین میں موعظۃ الآخرین

تاریخ امروہہ

مؤلفہ

محمود احمد الہاشمی العباسی

سابق سپرنٹنڈنٹ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علیگڑھ

مترجم تاریخ التعلیم ومؤلف "ذکر الادیب" ومرتب "نالۂ شبلی" و "لحن داؤدی" وغیرہ

طبع اول ۵۰۰ جلد — مطبعہ تجلی پرنٹنگ ورکس دہلی — قیمت [illegible]

انتساب

وطن عزیز کی بہار خزاں عروج و زوال کی داستان کا اب آخری صفحہ بھی لکھ

چکا قلم کا مسافر تاریخی حالات کے تجسس و تلاش میں مدتوں سرگرداں رہا سات آٹھ

صدیوں کی مسافت طے کرنے کے بعد اب قلمدان میں آ کر رکا ہی کہنہ اور بوسیدہ کاغذات

کا انبار سامنے ہی پھٹے پرانے ٹکڑوں کو جو برسوں ان کی رفیقِ تنہائی اور رات کی تاریکی میں

رفیقِ کار رہے حسرت بھرے دل سے رخصت کر رہا ہوں بار بار یہ خیال

ستاتا ہی کہ اب تک جو ہوا سو ہوا آئندہ کیا ہونا ہے؟ ساتھ ہی ساتھ ملہمِ غیبی کی

آواز بھی سنائی دیتی ہی کہ عزیزانِ وطن سے کہدو کہ شہرت ناموری عزو وقار

کے دربار میں اگر انھیں اپنی موروثی جگہ حاصل کرنی ہی تو سستی و کاہلی تعصب و تنگ

خیالی دنائت و پستی کی ردائے کہنہ اتار کر پھینکیں علم و ہنر عالی ہمتی و

روشن خیالی، محنت و جفاکشی کا نیا لباس زیب تن کریں۔ قوم و وطن کی آئندہ فلاح و بہبود کی جو کچھ توقع ہے وہ آئندہ نسل ہی سے ہے اس لئے

اے میرے ہموطن نوجوانو!

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو جس میں تمھارے وطن کے گذشتہ تاریخی حالات بے کم و کاست بیان کرنے کی کوشش کی ہے اس توقع اور امید پر تمھارے نام معنون کرتا ہوں کہ اسکی روشنی میں تم اپنا فرض اور اپنی ذمہ داریاں پہچانو اور

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو! — اٹھو! تہذیب سیکھو، صنعتیں سیکھو، ہنر سیکھو!
بڑھاؤ تجربے، اطرافِ دنیا میں سفر سیکھو! — خواصِ خشک و تر سیکھو، علومِ بحر و بر سیکھو!
خدا کے واسطے اے نوجوانو! ہوش میں آؤ! — دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو، جوش میں آؤ!

اچھا اب رخصت!

تم سے تھے تو تھا مو عزت کو قوم کی کچھ — اپنے تو قافلے اب پا در رکاب یاں ہیں!

بندۂ احقر خستہ جگر
محمود احمد

داؤد منزل۔ امروہہ
یکم اپریل ۱۹۳۰ء

فہرست مضامین

نامہ آغازم بنامِ ذو الجلال آنکہ بیرون است از وہم و خیال

مقدمہ

ابتداءً میرا یہ خیال ہرگز نہ تھا کہ امروہہ کے تاریخی حالات میں کوئی کتاب مدوّن کروں۔ وطن کے ارباب کمال اور سلف صالحین کے سوانح حیات مرتّب کرنے کا البتہ مدّت سے شوق دامن گیر تھا۔ یہ شوق بھی اسلاف پرستی کی بنا پر نہیں بلکہ اس خیال اور اس یقین سے پیدا ہوا تھا کہ کوئی قوم و ملّت اپنے ماضی سے قطعًا بے تعلق و بیگانہ نہیں ہوسکتی۔ زمانہ کتنے ہی پلٹے کھائے اور انقلاب زمانہ کچھ سے کچھ ہوجائے یہ ممکن نہیں کہ حال کے چہرہ پہ ماضی کے خط و خال کا عکس نہ پڑے اور مستقبل حال کے آغوش تربیت کا شرمندۂ احسان نہ ہو۔

افراد کی طرح قوموں کی زندگی میں بھی مختلف دور آتے، بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے آثار اُن پہ بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ کبھی ترقی کا دور ہے تو کبھی تنزّل کا۔ بہار کا دامن ہمیشہ خزاں سے وابستہ رہتا ہے۔ تنزل و انحطاط کی بلائیں تو صدیوں سے مسلمانان ہند پر مسلّط ہیں فصل بہار کا انتظار کیسا اس کا تو وہم و خیال بھی اب باقی نہیں لیکن گذشتہ نصف صدی سے قوم و ملّت میں قحط الرجال نہایت شدید ہے گلستان ہند میں ہمارے قومی چمن کی پائمالی اندوہناک ہے۔ پرانی تعلیم و تربیت، اسلامی تہذیب و معاشرت اور علوم مشرقی کے جو چند ممتاز نمونے دستبرد زمانہ سے کچھ مدت پیشتر باقی تھے وہ بھی ایک ایک کرکے رخصت ہوچکے ہیں

لے گئی اُن کو آخر کار بحرِ فنا کی موج بہا

دوسری طرف انقلاب زمانہ بیسویں صدی کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اسے شروع ہوئے کچھ زیادہ مدت نہیں گذری، ابھی تو ایک صدی کا صرف تہائی حصہ اسکے دامن میں آسودہ ہوا ہے، بایں ہمہ مغربی تہذیب و تمدّن کی برقی روشنی کی کرنیں ایوانخانوں سے گذر کر خلوت کداؤں کے تاریک

گوشوں تک پہنچ چکی ہیں، انسان ضعیف البنیان نے آب و خاک اور ہوا تینوں کروں پر قبضہ و تسلط جما رکھا ہے۔ مشرق کی خفتہ اقوام کی آنکھیں اہل مغرب کے محیر العقول کارناموں اور سائنس کی برق پاش صناعیوں سے خیرہ ہو رہی ہیں۔ ترقی یافتہ قوموں کی دیکھا دیکھی خفتگان ہند نے بھی بیداری کی کروٹیں بدلنی شروع کی ہیں، تہذیب میں، تمدن میں، معاشرت میں حتی کہ معتقدات میں انقلاب عظیم بپا ہو رہا ہے۔ اقبالمند قوموں کی تقلید بلکہ نقالی کا جذبہ خیال سے گذر کر عملی صورت اختیار کر چکا ہے۔ ان حالات کے اندر محض اس خیال سے کہ دور ماضی کے واقعات اور اسلاف کرام کے سوانح حیات موجودہ نسل کے لئے شاید کچھ مفید اور کارآمد ثابت ہوں تذکرۂ سلف لکھنا شروع کیا، اس کی ترتیب و تدوین کے دوران میں ہزارہا کہنہ و دیرینہ کاغذات اور کرم خوردہ کتابوں کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ نیز ان کتابوں کے بھی غور سے پڑھنے کا پہلی مرتبہ موقع ملا جو امروہہ کے تاریخی حالات میں اب تک شایع ہو چکی ہیں۔

ان میں سب سے قدیم کتاب مولوی محب علی خان عباسی کی تالیف **آئینۂ عباسی** ہے جو ۱۸۷۷ء میں طبع ہوئی تھی۔ اس مختصر کتاب میں، جو ایک رسالہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، سادات و شرفاء امروہہ کے خاندانوں کا اجمالی تذکرہ ہے، کہیں کہیں چند جملے تاریخی حالات سے بھی متعلق ہیں۔ آئینۂ عباسی کی اشاعت سے دو برس بعد مولانا آل حسن بخشی نے فارسی زبان میں **نخبۃ التواریخ** نام ایک کتاب تالیف کی جس میں اہل امروہہ کے خاندانی حالات زرا تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں لیکن اس قدیم بستی کے تاریخی حالات و واقعات کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا گیا۔ خاندانی تذکروں میں بھی تحقیق سے مطلق سروکار نہیں رکھا گیا۔ تیسری کتاب سید جعفر حسین نقوی کی مؤلفہ **تاریخ اصغری** ہے جو مسٹر اسٹیفن اس زمانہ کے اسسٹنٹ کلکٹر مرادآباد کی منشاء اور حکیم نیاز علی خان مرحوم کے ایما سے ۱۸۸۹ء میں لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب اس لحاظ سے سابقہ تالیفات سے کچھ بہتر ہے کہ تبھر

سے متعلق بعض تاریخی حالات کا اس میں اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے مگر افسوس ہے مؤلف تاریخ اصغری نے بھی تاریخی واقعات و حالات لکھتے وقت روایتوں کی تحقیق و تنقید سے مطلق کام نہیں لیا، غلط اور مہمل روایتیں بھی درج کر دی ہیں۔ سب سے آخر لیکن سب سے بدتر تالیف **تاریخ واسطیہ** ہے جو ۱۳۴۲ھ میں شایع ہوئی تھی۔ یہ کتاب امروہہ کے سادات فاطمی کے چند خاندانوں بالخصوص اولاد حضرت شرف الدین شاہ ولایتؒ اور قاضی زادگان کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ یہ خاندانی تذکرے بھی زیادہ تر مہمل و مضحکہ انگیز روایتوں پر مبنی ہیں۔[۱]

انسان کی طبیعت عجائبات اور مافوق العادت باتوں کی شیفتہ واقع ہوئی ہے اس لئے تاریخ و تذکرہ کی عام کتابوں میں سراپا لغو، مہمل، مضحکہ خیز اور وضعی روایتوں اور قصص و حکایات کا موجود ہونا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہے۔ **علامہ ابن خلدون** نے مورخین کے "**خرافات واہیہ**" کا تفصیلی تذکرہ اپنے مشہور "مقدمہ تاریخ" میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ:-

> نااہلوں نے اس فن (تاریخ) کو اپنی رخنہ انداز بیہودہ روایات سے خلط ملط کیا، لغو قصے کہانی ادھر ادھر سے لیکر اور خود وضع کر کے بھر دیئے، آنے والی نسلوں نے ان کے بعد ان کے آثار و اخبار کی پیروی کی اور جیسا سنا سلسلہ بہ سلسلہ ہم تک پہنچا دیا، نہ واقعات کے اسباب کی جانچ پڑتال کی، نہ ان بیہودہ روایتوں کو ترک کیا، نہ ان کی تردید کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کی موجودہ تاریخیں اکثر تحقیق سے خالی ہیں، تنقیح کا کہیں پتہ نہیں لگتا، روایتیں اغلاط و موہومات سے بھری پڑی ہیں، تقلید عام طور سے پھیلی ہوئی ہے،

---

[۱] ان چار کتب تاریخ کے علاوہ بعض خاندانوں کے حالات میں چند اور کتابیں بھی وقتاً

نا اہل علوم و فنون کے مدعی بنے ہوئے ہیں۔ ..... لیکن حق ہمیشہ غالب ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ باطل مردود و نامقبول ہے ناقلین رطب و یابس جو چاہیں لکھیں اور نقل کریں مبصر دیکھتے ہی کھوٹا کھرا پرکھ لیتے ہیں۔[1]

امروہہ کی کتب تاریخ کے صفحات بھی اس قسم کی بہت سی مہمل اور بے سروپا روایتوں اور افسانوں سے پُر ہیں۔ تاریخ واسطیہ کے اوراق پر تو "خرافات واہیہ" کا ایک انبار لگا ہوا ہے اس کے مؤلف نے بعض جگہ قصداً اور عمداً غلط بیانی سے بھی گریز نہیں کیا ہے۔[2]

ان حالات و واقعات کو پیش نظر رکھکر باوجود اپنی بے بضاعتی اور ناقابلیت کے میں نے اس کتاب کے لکھنے کا قصد کیا تاکہ اس قدیم بستی کے صحیح تاریخی حالات سے موجودہ اور آئندہ نسلیں باخبر ہوسکیں اور جو مہمل اور بے سروپا افسانے تاریخی واقعات کا درجہ حاصل کرچکے ہیں ان کی حقیقت ناظرین پر منکشف ہوجائے۔

آٹھ نو صدیوں کے گذشتہ تاریخی حالات کی تلاش و تجسس، روایتوں کی تحقیق و تنقید اغلاط و موہومات کی تردید و تکذیب جس درجہ کٹھن اور مشکل کام ہے اسکا پورا اندازہ وہ ہی حضرات

(بہ سلسلۂ گذشتہ) وقتاً فوقتاً شایع ہوئیں یعنی شمس التواریخ مؤلفہ حکیم نواب علی خاں جو ۱۳۱۶ھ میں شایع ہوئی لیکن اسکا ایک خلاصہ کنز المعرفت مصنفہ حکیم محمد علی خاں کے ساتھ اس سے قبل شایع کیا گیا تھا نیز منشی سبط نبی بن شیخ معشوق علی نے تلخیص التواریخ نام سے اسی کتاب کا خلاصہ شایع کیا تھا۔ یہ کتابیں خاندان حضرات کمبوہ سے متعلق ہیں۔ علاوہ ازیں خاندان حضرات ٹڑیگیہ کے اظہار سیادت نسبی میں ایک رسالہ شجرۂ مبارکہ مؤلفہ مولانا حکیم محمد حسن مرحوم ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوکر شایع ہوا اور شاہ ضیاء الدین احمد نے بھی اپنی تالیف مرآۃ الانساب مطبوعہ ۱۳۲۵ھ میں امروہہ کے مختلف خاندانوں کے انساب درج کئے ہیں۔ [1] مقدمۂ تاریخ ابن خلدون [2] ملاحظہ ہو

کر سکتے ہیں جن کو اس قسم کی تصانیف پر قلم فرسائی کا موقع حاصل ہوا ہو۔ اگرچہ اس تالیف میں واقعات کے اظہار و بیان کا پورا حق تو ادا نہیں ہوا تاہم یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ہجوم مشکلات میں جس قدر ہو گیا اس کی بھی امید نہ تھی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالشُّکْرُ لَہٗ

اس کتاب کے لکھنے میں علاوہ اس کے کہ بعض اُن نایاب قلمی کتابوں کے مُطالعہ و اخذِ مطالب کی غرض سے جو مُلک کے مشہور کتب خانوں میں محفوظ ہیں، مجھے متعدد بار طویل سفر اختیار کرنے پڑے کہنہ و دیرینہ کاغذات و دستاویزات کے مطالعہ و حصول کے لئے امروہہ میں مہینوں دربدر پھرنا ہوا۔ اہل شہر میں سے معدودے چند حضرات نے میرے مقصد سے کسی قدر عملی دلچسپی کا اظہار کیا اور بخندہ پیشانی کاغذات دکھائے اس سلسلہ میں قاضی سیّد علی حسن صاحب خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں جنھوں نے کہنہ کاغذات کے اس انبار کو، جو قضاۃ امروہہ کے دفتر کے جزوی حصّہ کے طور سے دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہ گیا تھا، میرے حوالہ کر دیا ورنہ بالعموم لوگوں نے کاغذات دکھانے میں بخل سے کام لیا اور کاغذات مطالعہ کرائے بھی تو بار بار کے تقاضوں اور حاضری کے بعد، کچھ کاغذات قیمتاً بھی حاصل کئے گئے غرضکہ اسطرح تقریباً **دس ہزار** کاغذات مُطالعہ ہوئے جن سے بعض تاریخی حالات پر بڑی حد تک روشنی پڑی۔

امروہہ کے قدیم خاندانوں میں جو کاغذات نسلاً بعد نسلٍ محفوظ چلے آتے تھے ان کا بہت بڑا حصّہ تو انقلاب سلطنت اور غدر ۱۸۵۷ء کی قیامت خیز ہنگامہ کی تباہیوں میں ضائع ہو گیا، جو حصّہ آفات زمانہ سے محفوظ و مصئون رہا اس میں سے اسناد و فرامین کا معقول حصّہ ایک ایسے بزرگوار کے دست تطاول کی نذر ہوا جو وطن کی ان یادگاروں کو مختلف تدابیر سے حاصل کرتے ہیں اور ان کی خرید و فروخت کو انہوں نے اپنی معاش کا ذریعہ بنا لیا ہی بایں ہمہ تلاش و جستجو سے ایسے کہنہ کاغذات بھی حاصل ہو گئے جن سے بعض تاریخی

(گذشتہ سے پیوستہ) صفحات نمبر ۳۱۷ لغایت ۳۲۰ کتاب ہٰذا۔

گتھیوں کے سلجھانے میں مدد ملی۔

ان مشکلات و موانعات کے ساتھ ساتھ خاکسار مؤلف کو بعض حضرات کے سوءِ ظن کی بنا پر ہدف ملامت بننا پڑا، نسبی و خاندانی حالات کے اظہار کا تعلّق جہانتک اس تاریخ سے ہے اس کے اظہار میں نہ دھمکیوں کا ڈر رہا اور نہ لالچ کا اثر، صدق بیانی کا جو مسلک بتوفیق ایزدی اختیار کیا تھا اس سے قدم کو لغزش نہ ہوئی۔ بعض گمنام تحریرات تو وقتاً فوقتاً موصول ہوتی رہیں ذیل میں ایک مکتوب کی نقل درج کرتا ہوں جو حال ہی میں موصول ہوا ہے، اس میں دھمکی بھی ہے اور لالچ بھی، فرستندہ مکتوب سے کیا عرض کروں کہ خاکسار مؤلف نے کسی تجارتی مقصد کو پیش نظر رکھکر یہ محنت شاقّہ اختیار نہیں کی، صداقت بیانی میں نہ صلۂ و تحسین کی آرزو ہے اور نہ نفرت و دشنام کا خوف۔ "تین سو سے زائد" جلدین خریدنے اور مالی منفعت کا لالچ دینے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ اگر آپ مجھکو خریدنا چاہتے ہیں تو یقین کیجئے اس کے لئے یہ بھی بہت ہے، میں تو اپنی قیمت میں خس و خاشاک کے ایک ٹوکری کو بھی گراں سمجھتا ہوں لیکن اگر اس سے میری رائے اور میرا ضمیر خریدنا مقصود ہے تو بادب عرض ہے کہ چند جلدوں کی قیمت یا چند خزف ریزہائے طلائی کی تو کیا حقیقت ہے ایک صداقت پرست ضمیر کو تو دنیا کی کوئی دولت بھی نہیں خرید سکتی!

Serokhi stat (ء؟) [1]

Rajputana.

15-2-30.

مکرمی بندہ جناب مسٹر محمود احمد صاحب عبّاسی کرمہٗ (؟)

السّلام علیکم۔ میں اپنا تعارف خود ہی عرض کرتا ہوں کہ مجھکو قدوۃ العارفین

---

[1] اس تحریر میں جہاں جہاں کتابت کی غلطیاں ہیں وہاں علامت استفہامیہ بنا دیگئی ہے لیکن خط کی نقل بجنسہٖ درج کر دیگئی ہے

زبدۃ السالکین حضرت مخدوم سید عبد اللہ ابو الفتح المعروف بہ شیخ ابن بدر چشتی امروہوی قدس سرہ السامی کی اولاد میں ہونے کا فخر حاصل ہے۔ نیز کچھ عرصہ سے معتمد عرس (سکریٹری) بھی ہوں۔ میرا نام ...... ہے خانقاہ کے متصل ہی غریب خانہ ہے۔

آمدم بر سر مطلب۔ گذشتہ سال جبکہ ذالحجہ کے مہینہ میں میں امروہہ حاضر ہوا تھا۔ اس وقت میں نے سنا تھا کہ آپ نے کسی تاریخ کے لکھنے کا کام شروع کر دیا ہے اور جس میں قریب قریب امروہہ شریف کے کل خاندانوں کا حال بالتحقیق اور باالترتیب (؟) لکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ میں صرف یکدرا (؟) روز امروہہ قیام کر سکا اور عرس حضرت بدر چشتیؒ کی مشغولیت کے سبب سے آپ سے نیاز حاصل نہ کر سکا۔

مجھکو یہ عرض کرنا ہے کہ کتاب جو آنجناب نے لکھی ہے وغالباً ضخامت پوری رکھتی ہوگی اسلئے ہر شخص کو اس کی خریداری مشکل ہے۔ لہذا تیار ہونے پر آپ مجھکو مطلع فرماویں تاکہ متعدد جلدیں میں اُس کی اپنے خاندانی حضرات کی خدمت میں بھجوا سکوں۔ انشاء اللہ آپ کو مالی فائدہ کثیر پہونچ جائے گا لیکن ہمارا سلسلہ نسب حکیم ...... یا مولوی ...... سے لیکر درج فرماویں۔ اوسکی تصدیق اور بحث مذکورہ حضرات سے کر لی جاوے بصورت اختلاف ہم کو اس تاریخ سے اختلاف ہوگا۔ اور آپ کی محنت وجانفشانی کی داد جیسی کہ چاہیے نہ مل سکے گی بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اوس کی خریداری ہی نہ ہوگی جس سے آپ کو مبلغی نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوگا اور مذکورہ حضرات ہی مخالفت کریں گے

میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میرے خاندان میں اختلاف نہ ہوا تو دوسو بلکہ تین سو جلدیں یا کم و بیش میں فروخت کرادوں گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ والسّلام فقط

آپ کا نیاز مند

ط۱ ....

ریاست سروہی۔ راجپوتانہ

تاریخ نویسی میں صداقت بیانی کو اگر خاص اہمیت نہ دی جائے، واقعات وحالات کے اظہار میں مورّخ کے قلم کو خارجی اثرات سے لغزش ہو یا وہ تعصّب یا بیجا طرفداری کا اثر قبول کرے تو نہ وہ تاریخ تاریخ کہلائی جانے کی مستحق ہے اور نہ ایسی تالیفات کچھ مفید و کارآمد ہوسکتی ہیں۔ خاکسار مؤلف نے ہر قسم کے اثرات سے بالاتر ہوکر تاریخی حالات وواقعات کے راست راست وبے کم وکاست بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب کو سہولت کے لحاظ سے تین حصّوں پر منقسم کیا گیا ہے :۔

پہلا حصّہ **تاریخ امروہہ** ہے، جو اس وقت ناظرین کے سامنے ہے۔ اس حصہ میں اس قدیم بستی اور یہاں کے قدیم خاندانوں اور عام باشندگان شہر کے حالات گزشتہ کے طرز پر مرتّب کئے گئے ہیں۔ اس میں ہندو مسلمانوں کی بعض قوموں کے نسب پر بھی تاریخ اور علم انساب کی روشنی میں اجمالی بحث کی گئی ہے۔ اس بحث کا تعلق بھی صرف تاریخی مسائل سے ہے، میں اپنے ذاتی خیالات کے اعتبار سے نسب کو شرافت و رذالت کا معیار نہیں سمجھتا۔ افراد اور اقوام کی عزّت وذلّت خود ان کی اپنی حالت سے وابستہ ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان، جو اپنے شاندار ماضی کے ماتم گسار اور ایک غیر قوم کے محکوم و غلام ہیں، عزّت وشرافت

ط۱ مُرسِلندہٗ خط کے نام کے اظہار کو میں نے مناسب نہیں سمجھا۔

کا آج کس منہ سے دعویٰ پیش کر سکتے ہیں۔ غلاموں کی کیا عزت اور محکوموں کو کیا دعویٰ شرافت!
شریف وہی ہے جس کی ذات میں شرافت کا جوہر موجود ہو۔ کسی عربی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

اِنَّ الفتیٰ مَن یَّقُولُ ھَا اَنَا ذا　　لَیسَ الفتیٰ مَن یَّقُولُ کَانَ اَبِی

بیشک وہی بہادر ہے جو یہ کہہ سکے کہ دیکھو میں ایسا ہوں　　وہ بہادر نہیں جو یہ کہے کہ میرا باپ ایسا تھا

دوسرا حصہ **تذکرۃ الکرام** ہے جس میں امروہہ کے مشاہیر اولیا و علما و حکما و امرا و شعرا کے سوانح حیات اور ان کے خاندانوں کے تفصیلی تذکرے ہیں۔ یہ حصہ زیر طبع ہے۔

تیسرا حصہ **تحقیق الانساب** ہے۔ اس میں سادات و شرفاء امروہہ کے نسبی حالات پر تاریخی لحاظ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ حصہ زیر ترتیب ہے۔

ان تین حصوں میں سے ابھی صرف پہلے حصہ کو طبع کرانے کا موقع ملا ہے اور اس میں بھی گوناگون موانعات کی وجہ سے تاخیر ہوتی رہی، زندگی کی مشکلات اور مصائب کا سلسلہ ہمیشہ غیر منقطع رہا، ناگہانی حوادث کے پیہم حملوں نے کبھی دم لینے کی مہلت نہ دی، علائق کی زنجیریں چند سال سے اور بھاری ہو گئیں تاہم کسی نہ کسی طرح اس کام کو پورا کیا۔ احباب کو انتظار کی زحمت ضرور ہوئی مگر اس تاخیر سے بعض مباحث پر تفصیلی بحث کرنے کا موقع مل گیا ؎

گر دیر بر آئیم ز گرداب میندیش　　کاندر طلب گوہر نایاب نشستیم

اس حصہ کی ترتیب اور طباعت میں معقول رقم صرف ہو چکی ہے، دل تو یہ چاہتا تھا کہ امروہہ کی تمام قدیم عمارتوں کے ہاف ٹون بلاکس کی تصویریں شامل کروں لیکن اہل وطن کے ذوق قدردانی کے بھروسہ پر مزید صرف زر کی ہمت نہ ہوئی مجبوراً خاص خاص عمارتوں کے فوٹوؤں پر اکتفا کرنا پڑا، اس میں سے بھی محبی پیر رئیس الدین احمد اور مولانا احمد حسین خان نے اپنے خاندانی بزرگوں کے روضوں کے فوٹو کے مصارف خود برداشت کئے۔ اہل وطن جس قدردانی کا اظہار فرمائیں گے اسی اعتبار سے دوسرے حصوں کی اشاعت کا موقع ملے گا ؎

ابھی تو دیکھتا ہوں ظرف بادہ خواروں کا　　سبُو و خُم کی بھی ٹھیرے گی دورِ جام کے بعد

اردو کے بعض الفاظ اور بعض محلّوں کے ناموں کی کتابت میں روشِ عام کی پیروی نہیں کی گئی مثلاً لفظ **قسائی** کو حرف **س** سے لکھا گیا ہے، اس کی تشریح موقع پر کر دی گئی ہے یا مثلاً محلّہ **صدّو** کا املا گو روشِ عام کے خلاف ہے لیکن قدیم تحریرات کے مطابق ہے۔ سابق میں اس محلّہ کا نام محلّہ "**مسجد جامع**" تھا، اب نہ وہ مسجد جامع رہی اور نہ محلّہ کا نام باقی رہا۔ اسی طرح محلّہ **شیخ زادگان** کے بجائے محلّہ **جھنڈا شہید** مشہور ہو گیا ہے، محلّہ **مُلّانہ** کا نام عہدِ اکبری کی تمام دستاویزات میں محلّہ **مولانا** درج ہے، اس کے بعد عہدِ عالمگیری تک عام طور سے محلّہ **مولانہ** لکھا جاتا تھا۔ ممکن ہے کچھ لوگ اس طرز املا پر معترض ہوں، میں نے اس معاملہ میں متقدمین کی تقلید کی ہے۔

اس کے علاوہ سیّد العارفین حضرت سیّد **شرف الدّین** شاہ ولایت قدّس سرّہ العزیز کے اصلی نام کے معلوم کرنے کا بھی اس بندۂ ناچیز کو شرف حاصل ہوا۔ **فیضی** نے جب تفسیر سواطع الالہام لکھنا شروع کی تو زرِ کثیر خرچ کر کے لغت کی کتابیں خریدیں۔ کسی نے کہا کہ آپ کو لغات خریدنے کی کیا ضرورت تھی، آپ کی ذات تو خود لغات ہے۔ فیضی نے جواب دیا کہ مجھے ان کتابوں میں ایک لفظ ایسا ملا ہے جس کے معنی معلوم نہ تھے اور اسی کو گویا اپنی کل محنت اور صرف کا معاوضہ سمجھتا ہوں۔ چنانچہ میں بھی صرف اسی ایک انکشاف کو اپنی چند سالہ تفتیش و تحقیق کی دیوانگی کا نسخہ سمجھتا ہوں کہ حضرت شاہ ولایتؒ کے صحیح اسم مبارک اور آپ کے خاندانی حالات کے معلوم کرنے کا مجھے شرف بخشا گیا۔

مگر آہ! میں اس بےچین دل کو کیا کہہ کے سمجھاؤں اور کس طرح تسکین دوں کہ جس بزرگ ہستی کے انکشافِ اسم و دریافتِ حالات کو میں باعثِ فخر و مباہات سمجھتا ہوں اس بزرگ کے اخلاف آج کس دورِ تنزّل و گردابِ بلا میں پھنسے ہوئے ہیں۔

امروہہ! پیارے وطن! اے آغوشِ سادات کی نازپروردہ بستی! پیچھے ہٹ، اور اتنا پیچھے کہ ہمیں وہ سماں برائے العین نظر آ جائے جب حضرت شاہ ولایتؒ نے

اس بستی کو اپنی تشریف آوری سے شرف بخشا تھا - ہاں، پیارے وطن اپنے اوج و عروج کے زمانہ سے حاصل اور ہمیں ایک نظر وہ منظر، وہ سماں دکھادے، وہ غازیوں کے گھوڑوں کی ہنہناہٹ، وہ ان کے ٹاپوں کی صدا، وہ نعرۂ تکبیر کی آوازیں، وہ دامنِ گرد چیر کر مجاہدین کے گروہ کا باطل کو پامال کرتے آگے بڑھ آنا، امروہہ میں پڑاؤ ڈالنا، وہ ان کے غازیانہ ولولے وہ ان کا عربی لب و لہجہ، وہ ان کی ہاشمی شجاعت، وہ **حاتم خاں** کی بہادر فوج اور مسلم نبرد آزماؤں کی چھاؤنی، وہ شہزادہ **خضر خاں** کی قیامگاہ، وہ سلطان **فیروز تغلق** کی مجاہدانہ ترکتاز کا مقام، وہ **ابن بطوطہ** کی سیاحت گاہ، خدا کے لئے یہ سماں ہمیں بھی ایک نظر دکھادے!۔

سُن او گردشِ ایام سُن! اس دل صد پارہ، اس جگر خستہ کی التجا سُن!

تغلقوں کا زمانہ نہ سہی، خلجیوں کا عہد نہ سہی، سیدوں کا نہ سہی، لودیوں کا نہ سہی، مغلوں کا اور صرف مغلوں کا زمانہ ہی دکھادے - وہ **عہد اکبری** میں امروہہ کے علما و فضلا **میر سید محمد میر عدل، مولانا سید امیر علی، مولانا اللہ داد عباسی، مولانا ابن عباسی، مولانا عبد الملک نجشی وغیرہ** کے علم و فضل اور ان کے علمی کارنامے، وہ حضرت **شاہ ابن** بدر چشتی قدس سرہ اور دوسرے مشائخ کرام کے افادات روحانی کے مناظر، وہ **سید ابو المعالی و سید ابو القاسم** اور دوسرے شجاعان زمان کے جنگی فتوحات اور معرکوں کے حالات ہی کا کوئی سماں دکھادے -

یہ نہ سہی تو اب چند صدی پیشتر کے بزرگوں کے وہ امیرانہ ٹھاٹھ، وہ ہاشمیانہ مہماں نوازی، وہ **سیدانہ** پاکیزہ خصالی، وہ ان کے **حیدری** دل گردے کے کارنامے وہ ان کی **نقوی** خوبو، وہ ان کے **حجازی** خط و خال، خدا کے لئے ایک بار اور صرف ایک بار ہی دکھادے!!

مگر آہ! اے زمانے! اے گردش ایام! ہم جانتے ہیں کہ تو اب نہ تغلقیہ عہد

واپس لاسکتا ہے اور نہ دَورِ مخلیہ، اچھا یہ نہیں تو اس دَور مصیبت میں اپنی حالت کا ہمیں **صحیح احساس** ہی عنایت کر!

یا رب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے   جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے!

احساس عنایت کر آثار مصیبت کا   امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے!

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اُجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو داتا دے

خاکسار

محمود احمد

یکم اپریل ۱۹۳۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حسن یار چیزے فزوں کنند کہ تماشا بما رسید

امروہہ کے تاریخی حالات

امروہہ کب بسا امروہہ کب سے آباد ہے، کب بسا، کس نے بسایا، ان سوالوں کا ٹھیک ٹھیک اور صحیح جواب محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ اسلامی عہد سے قبل کی کوئی مستند تاریخ موجود نہیں اور ہوتی کیسے؟ ہندوؤں میں تاریخ نویسی کا رواج ہی نہ تھا۔ کتب تاریخ سے قطع نظر امروہہ یا اسکے نواح میں ہندوؤں کے عہد کے آثار قدیمہ بھی ایسے باقی نہیں جن سے بعض اہم تاریخی حالات و واقعات کا کچھ پتہ نشان ملتا، البتہ اس بستی کے سنسکرت نام سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ یہ نگری کسی ایسے زمانہ میں بسی تھی جب سنسکرت زبان بول چال میں یا مروج یا کم از کم شہروں اور بستیوں کے نام رکھنے میں مستعمل تھی۔ ایسے زمانہ کی کم سے کم مدت تقریباً پانسو سال قبل مسیح شمار ہو سکتی ہے، اس اعتبار سے امروہہ کو تقریباً ڈھائی ہزار برس سے آباد سمجھنا چاہئے۔

روایت مخصص المقام سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے، جس میں اس بستی کا بسانا ہستناپور کے ایک راجہ امرجودہ سے منسوب کیا جاتا ہے[1]۔ امروہہ کے مغرب میں پانچ کوس کے

---

[1] سنہ ۱۴۵۰ قبل مسیح سے سنہ ۱۲۱۲ ق م تک ہستناپور راجدھانی رہا۔ یہاں کے راجاؤں میں راجہ پانڈو کا بیٹا راجہ یدھشٹر پہلا

فاصلہ پر **گجستھل** (गजस्थल) ایک موضع اتبک آباد ہی۔ مشہور ہی کہ یہاں امروہہ کے راجہ کا ہاتھی خانہ تھا۔ اس موضع کا نام سنسکرت زبان کے الفاظ (گج) गज (بمعنی ہاتھی) اور **استھل** अस्थल (بمعنی تھان) سے مرکب ہی جو اس امر کی بیّن دلیل ہی کہ اس نواح میں بستیوں کی آبادی ضرور اُس زمانہ میں ہوئی جب سنسکرت زبان بول چال میں مستعمل تھی

وجہ تسمیہ "امروہہ" اصلاً سنسکرت زبان کے ایک مرکب لفظ अमरोवनम "امروانم" Amrovanam سے مشتق ہی جسکے معنی ہیں "آموں کی جگہ"۔

ایرین قوم کے زمانۂ عروج میں شمالی ہند کی اکثر قدیم بستیوں کے نام مختلف اقسام کے کارآمد درختوں، دریاؤں، اناج کے پودوں، مفید اور کارآمد جانوروں وغیرہ کی مناسبت سے اُس زمانہ کی مروّج زبان سنسکرت میں رکھے جاتے تھے چنانچہ صوبجات متحدہ میں متعدد بستیوں کے نام، جہاں آم اور مہوہ کے درختوں کی روئیدگی بکثرت تھی یا ان درختوں کے خودرو جنگل موجود تھے، اسی مناسبت سے رکھے گئے ہیں۔ مثلاً ضلع کانپور و بستی میں امرودہ و آموریا وغیرہ۔

بمرورِ ایام ان ناموں کے شروع و آخر کے حرفوں میں تبدیلی ہوتی رہی، "امروانم" سے "اَمرُوَہا" ہوا اور "اَمرُوَہا" سے امروہہ[1] رہگیا۔ اسلامی عہد کے فارسی نویس بھی "انبہ" (آم،

(بقیہ صفحہ ۱) حکمراں تھا، اس نے ۳۶ سال راج کیا۔ کرشن جی مہاراج کی وفات کے بعد راج چھوڑ کر ہماچل پہاڑ میں اس نے اپنے تئیں برف میں ڈالکر گلادیا۔ اس راجہ کے بعد ارجن کا پوتا گدی پر بیٹھا جسکی نسل میں عرصہ دراز تک راج قایم رہا۔ اسکی چھٹی پشت میں راجہ دشٹ داآن ہوا، جس نے ۱۲۱۲ق م میں ہستنا پور کی بجائے گومتی ندی کے کنارے ایک شہر بسایا، اسکو بھی چھوڑکر پھر وہ اندرپت (دہلی قدیم) چلا آیا۔ راجہ امرجودہ ۴۸۴ ق م گدی پر بیٹھا۔ اسکی راجدھانی اندرپت تھی۔ ۱۲ سال سلطنت کی۔

[1] The Gazetter tells us that the local interpretation of the name is from Am, mango, and Rohu, a fish which abounds in the surrounding tanks, a derivation scarcely worth refuting

کی مناسبت سے "انبروہہ" لکھا کرتے تھے۔ عہد اکبر و جہانگیر کے اکثر فرامین اور اُس
عہد کی بعض تاریخی یا قلمی کتابوں میں "امروہہ" کا نام "انبروہہ" لکھا ہوا ملتا ہے سلہ

امروہہ ہندوؤں کے عہد حکومت میں

ہندوؤں کے زمانہ کے تاریخی حالات مہابھارت وغیرہ کے چند
افسانوں، زبانی روایتوں یا اُس عہد کے آثار قدیمہ کی زبان
حال کے سوائے تاریخ کی کسی کتاب سے معلوم نہیں ہو سکتے۔ افسوس کہ ایسے آثار قدیمہ بھی
اس نواح میں موجود نہیں جنکی زبان حال ہی سے ہم یہ افسانہ کہن سنتے۔

پُرانوں سے البتہ یہ بات ثابت ہے کہ مہابھارت کی لڑائی مگدھ کے راجہ نندا کے
جلوس سے ایکہزار پچاس برس قبل ہوئی تھی اور معتبر کتب سے یہ بھی ثابت ہے کہ راجہ نندا چارسو برس
قبل حضرت مسیح مسند نشین ہوا۔ گویا یہ جنگ عظیم ایکہزار چارسو پچاس برس تخمیناً قبل حضرت

The R in Amroha comes from the Sanskrit form Amrah and the O is presumably due to the Sanskrit rule that Visarga in a compound followed by a sonant letter changes to O. We must therefore look for a Sanskrit compound in which the second element begins with sonant. There is the recognised Amrovanam, forest of mangoes, which might aptly be applied to a place encircled, as Amroha is, with mango groves. The base—vanam has dropped away and the vowel suffix Ā has been substituted and then an aspirate has been inserted to separate the vowels. Or Amroha may be explained as Amrodha for Amrodhanam (dwelling) or Amrodha (pool).

OR
{Journal of the United Provinces Historical society vol. III.

سلہ امروہہ کے عوام میں امروہہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق آم اور روہو مچھلی کی ایک من گھڑت کہاوت شہرت رکھتی ہے جو محض لغو و بے بنیاد ہے۔ جن بزرگ کا نام اس سلسلہ میں لیا جاتا ہے کہ انہوں نے آم اور روہو کی مناسبت سے اس بستی کا یہ نام رکھا، یعنی شاہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ آپکی تشریف آوری بلکہ ولادت سے بھی بہت پہلے سے اس مقام کا یہی نام اسلامی تاریخوں میں جابجا ملتا ہے۔

مسیح واقع ہوئی تھی، اس حساب سے مہابھارت کو اب تک تین ہزار تین سو اسّی برس ہوئے[۱] مہابھارت کے بعد راجہ یدھشٹر نے ہستنا پور میں راجدھانی قایم کی، سلطنت کو وسعت دی اسکے اور اسکے بعد چندر بنسی خاندان کے مختلف حکمرانوں نے متعدد شہر بسائے۔ ہستنا پور دریائے جمنا کے کنارے، موجودہ دہلی سے کئی کوس دور، واقع تھا۔ دریا کے چڑھاؤ سے جب یہ شہر بہہ گیا تو اسی خاندان کا راجہ وشٹ داں، جو ۱۲۱۲ قبل مسیح گدی نشین ہوا، ہستنا پور چھوڑ کر اندرپت (اندر پرست) چلا آیا۔ اس راجہ کی ستویں پشت میں راجہ **امر جودہ** ہوا جو ۴۷۴ قبل مسیح راجگدی پر بیٹھا، اسی راجہ کو **امروہہ** کا بانی بتایا جاتا ہے[۲] ہستنا پور کے راجگان کے بعد تومر راجپوت حکمراں ہوئے۔

راجپوتوں کا راج

تومر یا تنور راجپوت چندر بنسی خاندان کی مشہور شاخ ہیں، یہ لوگ اپنی نسل جمنجیہ راجہ کے پوتے شتانیک سے قرار دیتے ہیں۔ ان لوگوں کی حکومت عرصہ دراز تک اس علاقہ پر رہی، درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے انکا راج اوروں نے چھین لیا تھا لیکن سمت ۳۳۳ مطابق ۷۷۶ء میں اسی قوم کے ایک شخص اننگپال تومر نے دوبارہ راج قایم کیا اور مشہور اسلامی سیاح اور مورخ ابوالحسن مسعودی[۳] کے ہندوستان آنے کے زمانہ ۹۱۵ء میں دہلی سے قنوج تک اسی خاندان کی حکومت تھی، امروہہ پر بھی یہی خاندان حکمران تھا۔ راجہ اننگپال کی دسویں پشت میں راجہ مہیپال ہوا ہے جسکا بہت کچھ اثر و اقتدار اس نواح میں تھا، گڈھ مکتیسر کے قرب و جوار کے مواضعات میں اسکی نسل کے لوگ آجتک آباد ہیں۔ اس خاندان کے آخری راجہ اننگپال کا نواسہ پرتھی راج تھا جسنے ۲۲ سال ۲ مہینے اور ۱۶ دن حکومت کی۔ اسی نے سنبھل اور امروہہ میں قلعے تعمیر کئے[۴]۔ ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ اسی راجہ کی بہن رانی امبا نے امروہہ کے قلعہ کو، جو کسی افتاد سے مسمار ہو گیا تھا، از سر نو تعمیر کیا تھا جس کی بنیادوں کی اینٹیں بعض بعض مقامات سے اب تک نکلتی ہیں۔

---

۱ آثار الصنادید ۲ گزیٹیر مرادآباد ۳ علم ریاضی کی نادر اور مشہور کتاب قانون مسعودی ان ہی کی تصنیف ہے ۴ گزیٹیر مرادآباد صفحہ ۱۴۲

تومر راجپوتوں کا راج سمت ۱۱۵۲ مطابق ۱۰۷۶ء تک یعنی چارسو انیس برس سات مہینے اٹھائیس دن قایم رہا[۱]۔ بالآخر بلدیو چوہان نے انکے ہاتھ سے زمام حکومت چھین لی۔ چوہانوں میں کل سات راجہ ہوئے۔ سمت ۱۱۹۸ مطابق ۱۱۴۱ء تک انکا راج قایم رہا۔

کالیستوں کا راج

چوہانوں کے بعد اس علاقہ پر کچھ عرصہ تک کالیستوں کے ایک خاندان، سورج دھج[۲]، کی حکومت رہی۔ راجہ کرپا ناتھ ان میں مشہور راجہ ہوا۔ امروہہ میں بعض کنوئیں اور کچھ ولہ کے قریب بگد جھیل کا پل اتبک انکی یادگار ہیں[۳]۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مکندوالے باغ کے اطراف و جوانب میں جو پرانے زمانہ کے کنوئیں ہیں وہ بھی اسی سورج دھج خاندان کے بنائے ہوئے ہیں۔

تگوں کی حکومت

مسلمانوں کی آمد کے زمانہ میں تگا قوم کا یہاں عروج ہوا، امروہہ اور اسکے نواح میں اس قوم نے اپنی حکومت قایم کی۔ بجھراج نامی ایک تگے سردار[۴] نے

---

[۱] اسی تومر خاندان کے ایک شخص بیر سنگھ دیو نے سلطان علاؤالدین خلجی کی وفات کے بعد گوالیار کے قلعہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسکی اولاد میں متعدد اشخاص گوالیار کے علاقہ میں اپنی ریاست پر قابض رہے۔ بہلول لودھی، سکندر لودھی اور ابراہیم لودھی سے معرکہائے جنگ ہوتے رہے، ان میں راجہ مان سنگھ بہت طاقتور ہوا، اسکے بیٹے بکرماجیت کو اعظم ہمایوں نے شکست دی اور وہ قید ہوکر آگرہ بھیجدیا گیا۔ لیکن ۱۵۲۶ء میں ابراہیم لودھی کے ساتھ آخری جنگ پانی پت میں مارا گیا۔ اسکے بعد بابر نے گوالیار فتح کر لیا۔ اسکی نسل کے کچھ لوگ اودیپور چلے گئے جہاں اب وہ زمینداری پیشہ ہیں [۲] انمیں سے بعض اپنے کو برہمن بتاتے ہیں لیکن عام طور سے انکا شمار کالیستوں میں ہوتا ہے۔ [۳] ڈسٹرکٹ گزیٹیر مراداباد صفحہ ۸۱۔ [۴] تگوں کے نسب کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ گور برہمنوں سے انکا نکاس ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ سارسوت برہمنوں سے نکلے ہیں تگا کا مخرج سنسکرت لفظ تیاگ بتایا جاتا ہے جسکے معنی "ترک کرنے" اور "دان دینے" کے ہیں، چونکہ یہ لوگ بالعموم زراعت کا پیشہ کرتے اور زمین کا دان لیتے تھے اسلئے تیاگا کہلائے۔ تیاگا کثرت استعمال سے تگا ہوگیا۔ اسکے علاوہ اور بھی روایتیں مشہور ہیں جنکا مفاد یہ ہے کہ برہمن مرد اور کسی نیچ قوم کے میل سے جو اولاد ہوئی وہ تگا کہلائی۔ بہرحال انکے نسب و قومیت کے متعلق جو روایت بھی صحیح ہو انکے خصائص قومی میں دو مابہ الامتیاز خصوصیتیں ہیں یعنی زراعت اور کاشتکاری میں نہایت درجہ جفاکش اور محنتی اور اسی کے ساتھ سخت جھگڑالو۔ ان میں دو فریق ہیں ایک "دسا" اور دوسرا "بیسا" یعنی اصلی اور دوغلے

اپنے نام پر بچھراؤں آباد کیا۔ انہیں راجہ کرن اور راجہ ساسا چندان نامور راجہ ہوئے ہیں مگر یہ لوگ ڈور راجپوت خاندان کے راجہ ہردت کے ماتحت تھے جسکی حکومت قنوج اور تھانیسر کے درمیانی علاقہ پر تھی اسمیں امروہہ، سنبھل، میرٹھ، کول (علی گڈھ) برن (بلندشہر) متھرا اور ایٹہ کا علاقہ شامل تھا۔ اسی راجہ نے اپنے نام پر ہراپور (موجودہ ہاپڑ) آباد کیا تھا۔

قدیم زمانہ میں دریائے گنگا کے دونوں جانب بہت گھنا جنگل تھا جو ضلع بلندشہر کے علاقہ میں "کھانڈو بن" کہلاتا تھا اور گنگا سے اسطرف حسنپور کی تحصیل سے لیکر پہاڑی علاقہ تک چلا گیا تھا۔ اس جنگلی علاقہ میں مختلف جنگلی قومیں بھیل، ناگے، آہر، بہیر وغیرہ رہتی تھیں۔ گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز سے راجپوتوں کے مختلف فرقوں کی آبادی یہاں شروع ہوئی۔ ان میں کٹھیریے راجپوت زیادہ طاقتور اور ذی اثر ہوئے۔ اسی قوم کے نام سے یہ علاقہ بعد میں ملک کٹھیر سے موسوم ہوا[۲]۔

کٹھیریے راجپوتوں کے علاوہ گوجر، جاٹ اور تگے اس علاقہ میں زیادہ با اثر اور بارسوخ تھے۔ ان راجپوتوں اور بالخصوص تگوں نے مسلمانوں سے بڑی بڑی لڑائیاں لڑیں اور داد مردانگی دی۔ امروہہ میں تگوں کا کوئی خاندان اب موجود نہیں ہے، البتہ ایک مکان "تگے والی حویلی" ابتک مشہور ہے۔ تاجپور اور ہلدور ضلع بجنور کے چودھریوں کے خاندان اس قوم کے عروج کی یادگار ہیں، انہیں سے بہت سے لوگ بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔ بچھراؤں، سہسپور، ڈھکہ، ڈھبارسی، اجھاری اور چوچیلا کے چودھری صاحبان اسی نسل سے ہیں۔

Historical memoirs of Bullandsheher [۱]

[۲] ایک روایت یہ بھی ہے کہ لفظ کٹھیر کے معنی سخت زمین کے ہیں چونکہ روہیلکھنڈ کی زمین کا زیادہ حصہ سخت ہے اسلئے قدیم زمانہ میں اس خطہ ملک کو کٹھیر کہتے تھے۔ راجپوتوں کے جو قبیلے یہاں آکر متوطن ہوئے ان کو "کٹھیریہ" کہنے لگے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد

عام خیال ہے کہ محمد بن قاسم ثقفی پہلا مسلمان ہے جس نے ہندوستان کے غربی حصہ ملک سندھ پر ۹۳ھ میں اسلامی فتح کا پھریرا لہرایا لیکن تاریخ سے ثابت ہے کہ ہندوستان پر مسلمانوں کے فاتحانہ حملے اس سے بہت پیشتر سے شروع ہو گئے تھے۔ جناب رسالت مآب علیہ وآلہ وسلم کے رحلت فرمانے کے صرف پانچ سال بعد ہی یعنی ۱۵ھ میں فاروق اعظمؓ نے بحرین و عمان کی حکومت پر عثمان بن العاصی ایک صحابی کو مقرر فرمایا تھا جنھوں نے اپنے بھائی حکم بن العاصی کو حکم دیا کہ وہ ہندوستان پر فوجکشی کریں، چنانچہ حکم نے دریائی سفر کے راستہ سخت منزلیں طے کر کے سب سے پہلے تھانہ[1] پر حملہ کیا جو اس زمانہ میں بہت بارونق بندرگاہ تھا اور آج ضلع کا صدر مقام ہے۔ دوسرا حملہ حکم نے بھروچ پر کیا۔ ان دونوں حملوں میں اچھی خاصی کامیابی ہوئی لیکن فاروق اعظمؓ کی رائے چونکہ دریائی سفر کے خلاف تھی اسوجہ سے مدت تک مسلمانوں نے پھر اسطرف توجہ نہیں کی[2]۔

بنو امیہ کے زمانہ میں ہندوستان پر پھر فوجکشی کا خیال ہوا اور ۹۳ھ میں ملک سندھ مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں آیا۔ ۱۰۷ھ میں ہشام بن عبدالملک خلیفہ دمشق نے جنید بن عبدالرحمن مری کو سندھ کی حکومت تفویض کی۔ جنید نہایت من چلا شخص تھا، اس نے کچھ اور مالوہ پر فوجکشی کر کے فتوحات حاصل کیں[3]۔ خلفائے بنو عباس میں خلیفہ المہدی باللہ

---

[1] عربی تاریخوں میں تھانہ کو طانہ، بھروچ کو بروص یا بروج اور کچھ کو قصہ لکھا ہے۔ [2] فتوح البلدان بلاذری [3] معجم البلدان حموی [4] فتوح البلدان بلاذری [5] اس فوج کے ساتھ ابوبکر ربیع بن صبیح السعدی البصری بھی تھے جنکو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حدیث میں کتاب تصنیف کی۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ هُوَ اَوَّلُ مَنْ صَنَّفَ فِی الْاِسْلَامِ (مسلمانوں میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب تصنیف کی) آپنے گجرات میں شہادت پائی اور اسطرح سرزمین ہند کو یہ شرف و امتیاز حاصل ہوا کہ اسکے آغوش میں ایسا شخص محو خواب ہے جو فن حدیث کا پہلا مصنف ہے۔ ان کے متعلق صاحب مغنی کا بیان ہے کہ:- مَاتَ بِاَرْضِ الْهِنْدِ فِیْ سَنَةِ سِتِّیْنَ وَمِائَةٍ

العباسی نے ۲۶۰ھ میں عبد الملک بن الشہاب المسمعی کو کافی سازوسامان کے ساتھ ہندوستان میں جہاد کیلئے روانہ کیا۔[1] اس مرتبہ گجرات پر بھی دھاوا کیا گیا، غرضکہ پانچویں صدی ہجری کے اوائل تک صرف ملک سندھ پر، جسکی حدود اس زمانہ میں ایک جانب کچھ، گجرات، مالوہ اور راجپوتانہ سے اور دوسری جانب ملتان اور وادی کشمیر سے ملتی تھیں، گماشتگان خلفائے عباسیہ کی حکومت تھی لیکن شمالی ہندوستان ابھی تک مسلمان حملہ آوروں کی ترکتاز اور مجاہدانہ جانبازیوں سے محروم تھا۔

سلطان محمود غزنوی کے حملے

پانچویں صدی ہجری کے شروع میں سلطان محمود غزنوی نے شمالی ہند پر متواتر حملے شروع کئے۔ سنہ ۴۰۸ھ ۱۰۱۷ء میں میرٹھ کا محاصرہ کیا، اسوقت میرٹھ کا راجہ ہردت تھا جسکا راج قنوج اور تھانیسر کے درمیانی علاقہ پر تھا۔ اس علاقہ کی حدود ایک جانب برن (بلندشہر) کول (علیگڈھ) متھرا اور اٹہ تھیں اور دوسری جانب امروہہ و سنبھل کے علاقہ تک۔[2] راجہ ہردت اس حملہ کی تاب نہ لاسکا، ایک ارب درہم (مساوی ڈھائی لاکھ روپیہ سکہ حال) خراج ادا کرنے پر معاملہ ٹھیرا۔ پانچ سال بعد پھر سلطان محمود غزنوی نے ملک کٹھیر پر حملہ کیا، علاقہ امروہہ میں رہب ندی (یعنی رام گنگا) کے کنارے شدید جنگ ہوئی جس میں ہندوؤں کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔[2] سلطان محمود کے چلے جانے کے بعد یہاں پھر ہندو راجاؤں کی حکومت قایم ہوگئی اور سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ تک باقی رہی۔

اسلامی سلطنت کی بنیاد

سلاطین غزنویہ نے اپنے زمانہ سلطنت میں ہندوستان پر بہت سے حملے کئے۔ سلطان محمود نے عظیم الشان فتوحات بھی حاصل کیں، بے شمار دولت مال غنیمت میں وصول کی لیکن یہاں کبھی مستقل حکومت کی بنیاد نہیں ڈالی۔ سلطان

---

[1] فتوح البلدان [2] ہسٹاریکل میموائرس آف بلندشہر۔ [3] امپیریل گزیٹر آف انڈیا جلد دوم۔

محمود کے بعد اسکی اولاد کی حکومت بھی لاہور سے آگے دریائے چناب سے اسطرف نہ بڑھنے پائی۔ البتہ غزنویوں کے ہاتھ سے زمام حکومت جب غوریوں نے چھین لی اور سلطان معز الدین محمد بن سام المشہور بہ سلطان شہاب الدین غوری کچھ عرصہ بعد تخت سلطنت پر بیٹھا اسنے ہندوستان کے فتح کرنے کا عزم بالجزم کیا ۵۸۲ھ ۱۱۸۵ء میں خسرو ملک کو جو غزنوی خاندان کا یہاں آخری حکمراں تھا، لاہور میں شکست دیکر پھر شمالی ہند کو اپنی تیغ آبدار کی ضرب سے فتح کیا ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء میں تراوڑی (تھانیسر) کے میدان میں رائے پتھورا کو ہزیمت ہوئی اور ہندوؤں کے ہاتھ سے سلطنت نکلکر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی۔ اور اسطرح حکومت اسلامی کی بنیاد پڑی۔

حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں [1]:-

چنیں گوید خبر دانندۂ حال ٭ کزاں ہمیوں خبر میموں شدش فال
کہ از غزنین چو بیروں کرد صمصام ٭ معز الدین محمد گوہر سام
ازاں سلطان غازی بے مدارا ٭ بہ ہندوستان شد اسلام آشکارا
سریر دہلی ازوی یافت بنیاد ٭ کہ بنیاد سریرش تا ابد باد
ہر آنچہ آں شہ غازی کرد بنیاد ٭ ز قطب الدین سلطاں گشت آباد

---

[1] حضرت امیر خسرو کا نام نامی ابو الحسن ہے۔ انکے والد امیر سیف الدین محمود بلخ کے امیرزادوں میں تھے۔ فتنہ چنگیز خانی کے زمانہ کے قریب ہندوستان آئے، اور امرائے شاہی میں منسلک ہوئے۔ حضرت امیر خسرو ۶۵۲ھ میں ضلع ایٹہ کے ایک قصبہ مومن آباد میں جسکو اب پٹیالی کہتے ہیں، پیدا ہوئے۔ ابتدائے عمر میں حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاؒ سے بیعت کی اور مدت العمر فیض صحبت پایا۔ حضرت ممدوح انکو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اولاً شہزادہ محمد سلطان خان شہید کے مقرب و ندیم رہے پھر ملک امیر علی حاتم خان، جاگیردار امروہہ کے پاس پانچ سال تک رہے۔ جتنے بادشاہ ان کے زمانہ میں دہلی کے تخت پر بیٹھے سب ان کا اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ شیخ سعدیؒ نے ان کی قابلیت شعری کا اعتراف کیا۔ تقریباً چار لاکھ شعر ان سے منسوب ہیں۔ ۷۲۵ھ میں انتقال کیا اور اپنے مرشد کے مزار پر انوار کے قریب مدفون ہوئے۔

شد عدیم المثل یک تاریخ او ٭ دیگرے شد، طوطی شکر مقال
۷۲۵ھ ٭ ۷۲۵ھ

امروہہ پر مسلمانوں کا تسلط

اسلامی عہد کی کسی معتبر تاریخ میں اس کی تصریح نہیں کہ اسلامی لشکر نے کس سنہ میں امروہہ فتح کیا اور کب مسلمانوں کا اس پر قبضہ ہوا۔ سلف سے البتہ یہ روایت مشہور چلی آتی ہے کہ اس نواح میں سب سے پہلے سالار مسعود غازیؒ نے مجاہدانہ حملے کیے اور امروہہ و سنبھل کے قلعے ان ہی کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ حضرت سالار غازی مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ بہرائچ میں ان کا مزار ہے بقول سید الشاہ

دل کی بہرائچ نہیں ہے ترکتازی کا مقام   ہے یہاں پر حضرت مسعود غازیؒ کا مقام

کہا جاتا ہے کہ موضع شہباز پور میں، جو سنبھل سے تقریباً چار میل مشرق میں واقع ہے، سالار مسعود غازی اور انکے ہمراہیوں نے ہندوؤں پر فتح حاصل کی تھی جسکی یادگار میں ہر سال وہاں ایک دن میلہ لگتا ہے جو نیزہ کا میلہ کہلاتا ہے اور دوسرے دن یہ میلہ خاص شہر سنبھل میں غالباً فاتحین کے فاتحانہ داخلہ کی یادگار میں لگتا ہے جو باسی نیزہ کا میلہ مشہور ہے۔ پورنپور اور امروہہ کے نیزے کے میلے بھی اسی فتح کی یادگار بتائے جاتے ہیں۔ نیز یہ بھی مشہور ہے کہ امروہہ اور اسکے نواح میں جو شہدا آسودہ ہیں وہ سالار مسعود غازیؒ کے ان جانباز ہمراہیوں میں سے ہیں جنہوں نے معرکہ ہائے جدال و قتال میں جام شہادت نوش کیا تھا۔ مراۃ مسعودیؒ میں بیان

---

[1] مراۃ مسعودی ایک کتاب سالار مسعود غازیؒ کے حالات میں ہے، جو ایک شخص عبدالرحمن چشتی نے جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں یعنی سالار مسعودؒ کے زمانہ سے تقریباً پانسو برس بعد کی تالیف ہے۔ اس میں غازی موصوف کے باپ کا نام سالار ساہو، ماں کا نام ستر معلّٰی، سال پیدائش سنہ ۴۰۵ھ، مقام پیدائش اجمیر اور سال وفات سنہ ۴۲۴ھ تحریر کیا ہے، مگر یہ کتاب ایک فسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، اسکے مستند تاریخ ہونے میں بہت کلام ہے۔ علامہ ابوالفضل نے سالار غازیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ "خویشاوند سلطان محمود غزنوی است"۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ "از اقارب سلطان محمود غزنوی بودہ کہ در عہد اولاد سلطان محمود غزنوی در سنہ ۵۵۵ھ بدست کفار مقتول گردید"۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ نواب محمد خاں سلیمان شکوہ نے ایک دن حضرت شیخ الہدیہ خیرآبادی سے جو مشائخ کبار اور علمائے متبحرین سے تھے دریافت کیا کہ "سالار مسعود کہ عوام

کیا گیا ہے کہ سالار مسعود غازیؒ نے اول میرٹھ پر حملہ کیا، پھر وہ دریائے گنگا عبور کرکے قنوج کی سمت روانہ ہوئے۔ مراۃ مسعودی کے بیان کو اگر باور کیا جائے تو یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ غازیانِ اسلام

(بقیہ صفحہ ۱۰) ہند و رامی پرستند چہ طور کسے بود شیخ فرمود "**افغانے**" بود کہ شہید شدہ است"۔

میری رائے میں فرشتہ کا یہ قول درست ہے کہ سلطان محمود غزنوی کی اولاد میں سے کسی کے عہد میں سالار مسعود غازیؒ ہندوستان میں بقصد جہاد آئے۔ لیکن فرشتہ نے انکی آمد کا جو زمانہ متعین کیا ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ سنہ ۵۵۰ھ میں سلاطین غزنویہ میں اسقدر طاقت نہیں رہی تھی کہ ہندوستان میں اسقدر دور دراز مقامات پر فوجکشی کی جاتی غالباً یہ زمانہ بہرام شاہ بن سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کا ہوگا یعنی ۵۱۲ھ لغایت ۵۴۷ھ۔ ایک اور واقعہ بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ قلعہ بیانہ کا فتح ہونا بھی سالار غازی کے ہاتھ پر بیان کیا جاتا ہے۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر قندھاریؒ بھی تھے جنکی خانقاہ اب تک وہاں موجود ہے اور ہندی دوہرہ بھی عوام کے زبان زد ہے ؎

اگارہ سو تہتر پھاگ تیجے ربی وار ﴿ بجے مندر گڑھ توڑا ابوبکر قندھار

یعنی سمت ۱۱۷۳ پھاگن کے مہینہ میں تیسری تاریخ کو ابوبکر قندھاری نے قلعہ بیانہ کو فتح کیا۔ یہ زمانہ ۵۱۲ھ / ۱۱۱۸ء کے مطابق ہوتا ہے جو بہرام شاہ بن سلطان مسعود غزنویؒ کے جلوس کا سال تھا۔ سلطان بہرام شاہ بن مسعود غزنوی ۵۱۲ھ / ۱۱۱۸ء میں تخت نشین ہوا، اور ۵۴۷ھ / ۱۱۵۲ء میں انتقال کیا۔ کتاب کلیلہ دمنہ اسی کے عہد میں اور اسی کے نام پر تصنیف ہوئی۔ حکیم سنائی نے حالت قید میں کتاب حدیقۃ الحقیقہ اسی کے نام پر لکھی تھی جسکا ایک شعر یہ ہے ؎

عرش گر بارگاہ را زیبد ﴿ شاہ بہرام شاہ را زیبد

مورخین نے لکھا ہے کہ اسنے تخت نشین ہو کر ہندوستان کی طرف لشکر بھیجا اور ایسے مقام جو اسکے بزرگوں سے بھی فتح نہ ہوئے تھے، فتح کئے۔ پس کیا تعجب کہ سالار مسعود غازی بھی اسی لشکر کے ساتھ ہوں اور انہوں نے اس نواح میں مجاہدانہ حملے کرکے امروہہ و سنبھل کے قلعے فتح کئے ہوں۔

مراۃ مسعودی کے مؤلف نے سالار غازیؒ کو سیدنا امام محمد حنفیہ بن حضرت علیؓ کی اولاد میں لکھا ہے اور بتایا ہے کہ سالار غازی عبدالمنان بن امام محمد حنفیہ کی نسل سے تھے۔ امام موصوف کے اس نے عبدالفلاح و عبدالمنان دو بیٹے لکھے ہیں لیکن

کے اس لشکر نے گڑھ مکتیسر کے مقام پر دریائے گنگا کو عبور کیا ہوگا اور قنوج جاتے ہوئے امروہہ اور سنبھل کے قلعے بھی فتح کئے ہونگے، لیکن خود سالار مسعود غازیؒ کے حالات اور کارنامے، جو مراۃ مسعودی وغیرہ میں بیان کئے گئے ہیں، بہت کچھ مشتبہ اور تحقیق طلب ہیں۔ انکی شخصیت، انکا سنہ پیدائش و وفات اور غازیان اسلام کے مجاہدانہ ترکتاز کا جو زمانہ بیان کیا جاتا ہے۔ تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ بہرکیف واقعہ اگر یہی ہو کہ سالار مسعود غازیؒ اور ان کے ساتھیوں نے پانچویں صدی کے اوائل میں میرٹھ، امروہہ اور سنبھل اور اس نواح کے دوسرے مقامات فتح کئے تب بھی یہ ثابت نہیں کہ لشکر اسلام کے اس نواح سے بسمت قنوج روانہ ہونے کے بعد ان مقامات پر مسلمانوں کا قبضہ و تسلط باقی رہا کیونکہ تمام معتبر کتب تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ ۵۸۵ھ ۱۱۸۹ء سے ۵۹۱ھ ۱۱۹۵ء تک اس چھ سالہ مدت میں سلطان شہاب الدین غوری اور قطب الدین ایبک نے ہندو راجاؤں سے سخت سے سخت معرکہ آرائی[۱]

(بقیہ صفحہ ۱۱) ہرگز صحیح نہیں۔ امام محمد حنفیہؓ کے بیٹوں یا پوتوں کے یہ نام کسی قدیم کتاب الانساب میں نہیں ملتے۔ معارف ابن قتیبہ و دیگر مستند کتاب الانساب میں امام موصوف کے بیٹوں کے جو نام ملتے ہیں وہ یہ ہیں: حسن، عبداللہ، ابوہاشم، جعفر الاکبر، حمزہ، علی، جعفر الاصغر، عون، القاسم اور ابراہیم الملقب بعشرۃ۔ عمدۃ الطالب و دیگر معتبر کتب انساب میں بیان کیا گیا ہے کہ سوائے عبداللہ بن محمد، جعفر بن محمد اور علی بن محمد حنفیہ کے اور کسی بیٹے کی نسل نہیں چلی۔ مجھے سالار مسعود غازیؒ کی علویت سے انکار نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ علوی ہوں لیکن مراۃ مسعودی میں جو نام امام محمد حنفیہؓ کے بیٹوں کے لکھے ہیں وہ گھڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

[۱] تاریخوں میں بیان کیا گیا ہے کہ فتح دہلی کے بعد قطب الدین ایبک نے برن (بلند شہر) کو فتح کیا لیکن سلطان شہاب الدین غوری کے ایک فرمان سے، جسکی اصل میرے عزیز دوست سید حسین برنی بی اے۔ ایل ایل بی وکیل بلند شہر کے پاس ہے اور اسی فرمان کی ایک مصدقہ نقل، جو عہد عالمگیری کی ہے، خاکسار مؤلف کو دستیاب ہوئی ہے، یہ ثابت ہے کہ برن (بلند شہر) کو سلطان شہاب الدین نے بذات خود ۵۸۵ھ میں یعنی فتح دہلی سے تقریباً ۴ سال قبل فتح کیا۔ برن (بلند شہر) کی چودھرا کا عہدہ اجیپال الانبیہ کو، جو مشرف باسلام ہو کر ملک محمد قدر دراز کے نام سے

جنگ کے بعد میرٹھ، برن (بلند شہر)، بدایون، کول (علی گڈھ)، دہلی اور دوسرے مقامات کو فتح کرکے تسلّط اور قبضہ حاصل کیا اور اسطرح اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی[1] ۵۸۸ھ (۱۱۹۲ع) میں ترائن کے میدان میں جب سلطان شہاب الدین غوری رائے پتھورا کو، جسکے ساتھ ڈیڑھ سو راجپوت راجاؤں کا متحدہ لشکر تھا، شکست فاش دیکر غزنین واپس گیا تو اسکے نائب اور سپہ سالار قطب الدین ایبک نے اس نواح کے متعدد قلعے فتح کئے:۔

"ملک قطب الدین ایبک درہماں سال (۵۸۸ھ)
"لشکر کشیدہ قلعہ میرٹھ و دہلی را از تصرف خویشان
"پتھورا و کھنڈے رائے برآوردہ در ۵۸۹ھ
"تسع و ثمانین و خمسمأتہ قلعہ کول را مسخر کردہ و
"دہلی را دارالملک ساختہ آنجا قرار گرفت
"و اطراف و نواحی آں را در ضبط آوردہ شعائر
"اسلام ظاہر ساخت"۔[2]

اسی سال (۵۸۸ھ) ملک قطب الدین ایبک نے فوجکشی کرکے قلعہ میرٹھ اور دہلی کو (راجہ) پتھورا اور کھنڈے رائے کے خاندان والوں سے چھین لیا، اور ۵۸۹ھ میں قلعہ کول (علی گڈھ) کو فتح کیا اور دہلی کو دارالسلطنت بناکر وہاں قیام کیا اور وہاں کے قرب و جوار اطراف کے مالکات پر قبضہ کرکے شعائر اسلامی کا اجراء کیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امروہہ و سنبھل پر بھی مسلمانوں کا تسلّط اور قبضہ ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ع) یا ۵۹۰ھ (۱۱۹۴ع) سے یعنی سلاطین غوریہ کے زمانہ سے شروع ہوا۔

امروہہ کی قدیم آبادی چھٹی صدی ہجری کے آخر میں جب امروہہ کو مسلمانوں نے فتح کیا ہے اسوقت یہ ایک چھوٹی سی خوبصورت بستی تھی۔ ایک طرف پختہ قلعہ اور راجہ کے محلات تھے اور دوسری جانب رعایا کے مکانات، بازار، مندر وغیرہ۔ شہر کے چاروں طرف پختہ اور مستحکم فصیل[3] تھی۔

(بقیہ صفحہ ۱۲) موسوم ہوا عنایت ہوا اور قاضی نورالدین عباسی وہاں کے حاکم مقرر ہوئے۔ [1] طبقات ناصری، فرشتہ وغیرہ

[2] تاریخ فرشتہ [3] مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹر مرادآباد مطبوعہ ۱۹۱۲ع کا یہ بیان صحیح نہیں کہ اس فصیل کا کوئی حصہ یا ایک دروازہ یہاں اب تک باقی ہے۔ غالباً انکی مراد قلعہ حضرت سید عبدالماجد کے دروازہ اور فصیل سے ہے جو عہد شاہجہاں کی تعمیر ہے۔ اس سے

اور تالاب تھے۔ سوت ندی بھی اس زمانہ میں خوب بہتی تھی۔ پرانی بستی اور قلعہ میں جو قصبہ آبادی کا اسوقت شامل تھا آج اس رقبہ میں محلہ مولانہ، بچپدرہ، نوبت خانہ، شاہی چبوترہ، قلعہ، تربولیہ، قاضی زادہ، پاربوتیاں، صدو، جڑودیہ، چاہ شور، لوگیاں، جھنڈا شہید، چاہ ملا مان وغیرہ محلے آباد ہیں۔ قدیم قلعہ اور فصیل کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں۔ شاہان مغلیہ کے عہد حکومت کے وسطی زمانہ تک دستاویزات میں البتہ "اندرون حصار" اور "بیرون حصار قدیم" کے الفاظ عام طور سے درج ہوا کرتے تھے۔

امروہہ مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت میں

سلطنت اسلامی کے ابتدائی ایام میں جبکہ حکومت کا نظم و نسق کامل طور سے قائم نہیں ہوا تھا، بدایوں، سنبھل اور امروہہ ایک ہی حاکم کے ماتحت رکھے گئے۔ سلطان قطب الدین ایبک[۱] نے اپنے زمانہ نیابت میں التمش کو جو بعد میں بادشاہ ہو کر سلطان شمس الدین التمش[۲] کے نام سے موسوم ہوا، ۶۱۰ھ ۱۲۱۳ء میں اس علاقہ کا مقطع (حاکم) مقرر کیا۔ ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء میں سلطان التمش نے جب زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی ممالک مقبوضہ کا از سر نو انتظام کیا۔ مختلف اقطاع ملک کو ولایات (صوبوں) میں تقسیم کیا۔

(بقیہ صفحہ ۱۳) اور قدیم حصار سے کوئی تعلق نہیں۔ [۱] قطب الدین ایبک بعد وفات اپنے آقا سلطان شہاب الدین غوری ۶۰۲ھ میں دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور صرف چار سال و چند ماہ سریر آرائے سلطنت رہکر لاہور میں پولو یعنی چوگان بازی کھیلتے وقت ۶۰۷ھ میں گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ [۲] سلطان شمس الدین التمش نسباً ترک قبیلہ البری سے تھا، اسکا حال بھی حضرت یوسفؑ کا سا ہوا۔ اسکے بھائیوں کو اسکے حسن صورت اور فراست پر حسد ہوا۔ ماں باپ سے بہانہ کر کے وطن سے باہر لیجا کر ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ سوداگر نے بخارا میں کسی اور کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ پھر حاجی کمال الدین قبا چست نے خرید لیا ان سے سلطان معز الدین محمد سام نے ایبک اور التمش کو ایک لاکھ جیتل میں خرید کیا۔ اول گوالیار کا حاکم بنایا پھر بدایوں کا ناظم کیا۔ رفتہ رفتہ اپنی لیاقت اور شجاعت سے امیر الامرائی کے درجہ تک پہنچا اور سلطان قطب الدین نے اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کر دیا۔ چھبیس[۲۶] سال سلطنت کی۔ حوض شمسی اور قطب کی لاٹھ اسکی یادگار ہیں۔

انکے لئے حاکم، جنکو اس زمانہ کی اصطلاح میں "مقطع" کہتے تھے، مقرر کئے۔ یہ علاقہ بھی ولایت امروہہ کے نام سے موسوم ہوا اور یہاں بھی علیحدہ حاکم (مقطع) مقرر ہوا اور لشکر اسلامی کا ایک حصہ یہاں متعین کیا گیا[۱]

ہندو رعایا کی بغاوتیں

یہ وہ زمانہ تھا کہ اس علاقہ کی ہندو رعایا پورے طور پر مطیع و منقاد نہیں ہوئی تھی، متواتر بلوے اور بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ راجپوتوں کے مختلف قبیلے تکّے، اہیر، بڑگوجر وغیرہ جنگجو اور سرکش قومیں، جو اس علاقہ میں کثرت سے آباد تھیں، جب موقع پاتیں حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیتیں۔ سنہ ۶۴۲ھ (۱۲۴۴ء) میں بعہد سلطان علاء الدین مسعود شاہ اس علاقہ میں وہ شورش برپا ہوئی کہ ملک جلال الدین حاکم بدایوں و مقطعان سنبھل و امروہہ انتظام قائم نہ رکھ سکے۔ سلطان ناصر الدین محمود[۲] بہت

(بقیہ صفحہ ۱۴) سلطانہ رضیہ اسی کی بیٹی تھی۔ [۱] طبقات ناصری۔ [۲] سلطان ناصر الدین محمود سلطان شمس الدین التمش کا چھوٹا بیٹا تھا، سنہ ۶۴۳ء تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ شجاع، عابد و زاہد اور سخی تھا۔ شاہی دربار اگرچہ تکلفات سے پر تھا لیکن اسکی محلسرا کے تکلف نہ تھی بلکہ ایک نہایت سادہ گھر تھا۔ اسکے ایک ہی زوجہ تھی، وہی اپنے گھر کا سارا کام کرتی اور اپنے ہاتھ سے اپنے شوہر کے لئے روٹی پکاتی۔ ایک دن اس نیک بخت بی بی نے کہا کہ روٹی پکانے سے میرے ہاتھ جلتے ہیں، کوئی لونڈی خرید لو کہ وہ کھانا پکا دیا کرے، اسپر بادشاہ نے جواب دیا کہ بیت المال میں تو بندگان خدا کا حق ہے۔ میرا مال اس میں کچھ نہیں کہ روپیہ سے لونڈی خرید دوں، صبر کرو، خدا اسکا اجر دیگا۔ یہ نیک بخت خاموش ہوگئی۔ الغرض ساری عمر فقیرانہ بسر کی۔ قرآن شریف کی کتابت ذریعہ معاش تھی۔ کبھی خزانہ شاہی سے ایک پیسہ اپنے ذاتی خرچ کے لئے نہ لیا۔ اتفاقاً ایک امیر نے اسکے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف زیادہ قیمت کو خرید لیا، بادشاہ کو معلوم ہوا تو بہت ناگوار گذرا۔ اسکے بعد سے اپنے لکھے ہوئے قرآن شریف کا ہدیہ معمولی قیمت پر مخفیہ کیا کرتا۔ ایک دن ایک محتاج اسکے پاس آیا، اس نے قرآن شریف میں دو فیہ برابر لکھے ہوئے دیکھکر کہا کہ ایک فیہ اس میں غلط ہے، سلطان نے قلم دوات منگا کر اس فیہ پر حلقہ کھینچ دیا اور اس محتاج

نیک مزاج اور درویش صفت بادشاہ تھا۔ اسکا عہد اگرچہ عام طور پر امن و امان کا عہد تھا جسکا تذکرہ امیر خسرو نے ان الفاظ میں کیا ہے ؎

عجب عہدے ہمہ در کامرانی ⁂ بہر خانہ نشاط و شادمانی
نہ کس دادے کند کینہ را تاب ⁂ نہ کس دیدے خیال فتنہ در خواب
مسلماں چیرہ دست و ہندواں رام ⁂ ندانستے کس از جنس مغل نام
شہے ور زاتش از یزداں شکوہے ⁂ ہم از سنگ و ہم از گوہر جو کوہے
خود او مستغرق کار الٰہی ⁂ بامرش بندگاں در کار شاہی

لیکن سلطان ناصر الدین محمود کے عہد سلطنت میں بھی اس علاقہ میں فتنہ و فساد کی وارداتیں ہوتی رہیں حتیٰ کہ ۶۵۲ھ ۱۲۵۴ء میں سلطان کو باغیوں کے مقابلہ کے لئے بذات خود یہاں آنا پڑا۔ تیرہ سال بعد یعنی ۶۶۵ھ ۱۲۶۶ء میں مفسدوں نے پھر سر اٹھایا اور اس مرتبہ فتنہ و فساد اور بغاوت کا وہ زور شور ہوا کہ حکومت کو اپنا آپا سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اس فتنہ و فساد کے متعلق ضیائے برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی نے بتایا ہے کہ :-

"متواتر خبر می رسید از کٹھیر کہ مفسداں کٹھیر	متواتر خبریں پہنچیں کہ کٹھیر میں مفسد بہت ہو گئے
"بسیار شدند و دہ ہائے رعیت را نہب و	ہیں، رعایا کے مواضعات لوٹتے اور خراب کرتے
"تاراج می کنند و ولایت بدایوں و امروہہ را مزاحمت	ہیں، صوبہ بدایوں اور امروہہ کو نقصان
"می نمایند و فساد ہا آشکارا میکنند و چناں با قوت	پہونچاتے اور کھلم کھلا فساد کرتے ہیں اور انکی قوت

(بقیہ صفحہ ۱۵) کی احتیاج رفع کر کے اسے رخصت کیا پھر چاقو لیکر اس حلقہ کو حک کیا۔ کسی نے پوچھا کہ حلقہ بنایا کیوں تھا اور اسکو مٹایا کیوں؟ سلطان نے جواب دیا کہ محتاج آیا تھا اگر اسوقت میں کہتا کہ تو غلط کہتا ہے اسکا دل رنجیدہ ہوتا اس کا رنج کاٹنا اس حلقہ کے مٹانے سے زیادہ ہوتا، صلاح کار نیک اندیش کا دل اس نے خوش کر دیا۔ اسکا ایک ندیم محمد نام تھا۔ اتفاقاً ایک دن بادشاہ نے تاج الدین کہکر اسے پکارا اور کچھ کام کرایا۔ اسنے کام تو کر دیا لیکن بادشاہ سے اصلی نام نہ لینے کی وجہ دریافت کی تو اس نے

"شدہ اند کہ از مقطع بداؤں و مقطع امروہہ چشم نمی زنند و از بسیاری و غلبۂ ایشان والیان جوار گرد ایشاں نمی توانند گشت"۔

اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ حاکم بداؤں اور حاکم امروہہ سے نہیں دبتے۔ انکی زیادتی اور غلبہ کی وجہ سے قرب و جوار کے پرگنوں کے حاکم ان کے مقابلہ میں نہیں آسکتے۔

بغاوت کا خوفناک انتقام

اس فتنہ و فساد کی خبر پاکر سلطان غیاث الدین بلبن[۵]، جو اسوقت کپنل و پٹیالی کے نواح میں تھا، فی الفور دہلی واپس آیا اور پانچ ہزار

(بقیہ صفحہ ۱۶) کہا کہ میں باوضو نہ تھا اسلئے حضور سرورِ کائنات ﷺ کا نام لیتے مجھے شرم آتی تھی۔ طبقات ناصری جو مشہور تاریخ ہے، اسی بادشاہ کے نام پر ہے۔ گیارہویں جمادی الاول ۶۶۴ھ میں یہ نیک سیرت بادشاہ فوت ہوا۔

۵ سلطان غیاث الدین بلبن کا اصلی نام الغ خان تھا، نسباً ترک قراخطا و طائفہ البری میں سے تھا۔ اسکا باپ بغداد میں بڑا فوجی عہدہ دار تھا۔ جب مغلوں نے بغداد فتح کیا اوروں کی طرح بلبن بھی انکے ہاتھوں اسیر ہوا۔ ایک سوداگر نے اسے خریدا اور جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ جمال الدین بصری نے اس خیال سے کہ وہ سلطان شمس الدین التمش کا ہم قوم تھا اسکی نذر کیا۔ سلطان نے اسکے چہرہ کے آثار دیکھکر باردار خاصہ کا مقرر کیا اور بتدریج معزز عہدوں پر سرفراز کیا۔ التمش کے جانشینوں کے زمانہ میں وہ اپنی ذاتی قابلیت سے رفتہ رفتہ امیر الامرائی کے درجہ تک ترقی کر گیا۔ سلطان ناصر الدین محمود بیس برس تک بلبن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح رہا۔ اسکے انتقال کے بعد ۶۶۴ھ میں تخت نشین ہوا۔ بلبن کو اراذل سے یہانتک نفرت تھی کہ کبھی کسی رذیل سے ہمکلام نہوا۔ جبتک زندہ رہا کسی امیر کا مقدور نہ تھا کہ کسی کمینہ کی سفارش کرے۔ اسکے عہد میں یہ دستور العمل ہو گیا تھا کہ اراذل میں سے کسی شخص کو ملکی کام نہ ملے۔ جب کوئی شخص نوکر ہوتا اسکے حسب نسب کی بڑی تحقیقات ہوتی۔ بعد نوکر ہو جانے کے اگر اسکے نسب میں کچھ فرق ہوتا تو برطرف کر دیا جاتا۔ ہندوؤں کو معزز عہدوں کا ملنا موقوف ہو گیا تھا۔ اس بادشاہ کی یہ اقبالمندی اور خوش نصیبی تھی کہ تاتاریوں کا سیلاب اس عہد کی اور اسلامی سلطنتیں بہا لے گیا لیکن ہندوستان میں اہل اسلام کی سلطنت بدستور قائم رہی۔ اس بادشاہ کے عہد میں پندرہ بادشاہ اور بادشاہزادے اور امرا مغلوں کے ڈر سے اپنا اپنا ملک چھوڑ کر یہاں آئے تھے۔ بلبن انکی بڑی خاطرداری اور تعظیم و تکریم کرتا۔ یہ سب شاہزادے دربار میں اسکے تخت کے گرد کھڑے ہوتے۔ صرف دو چار کو جو خلفائے عباسی

چیدہ اور منتخب سوار ساتھ لیکر یکایک اس ملک پر آپڑا۔ بغاوت کا جو خوفناک انتقام لیا گیا اسکا حال فرشتہ کے الفاظ میں سنئے :-

"سلطان پنجہزار سوار انتخابی ملیغار کردہ دو شب درمیان از گنگ عبور نمودہ بولایت کہیٹر درآمد بجز از زنان و طفلان حکم قتل عام فرمود کسے را زندہ نہ گذاشت و نوعے آں ولایت را پاک ساخت کہ بدایوں و امروہہ و سنبھل از شر آں جماعت تا عہد جلالی در کہیٹر کسے نام مفسد نمی شنید۔" [۱]

سلطان بلبن پانچہزار چیدہ سوار اپنے ساتھ لیکر روانہ ہوا اور دوسرے دن دریائے گنگا کے پار اتر کر صوبہ کٹھیر میں جا پہنچا۔ عورتوں اور بچوں کے سوائے اور سب کے قتل کرنے کا عام حکم دیا کہ کسیکو زندہ باقی نہ چھوڑا جائے۔ اس خطہ ملک کو اسنے اس طریقہ پر پاک و صاف کر دیا کہ بداؤں، امروہہ اور سنبھل اس جماعت کے شر و فساد سے محفوظ ہو گئے اور عہد جلالی تک کٹھیر میں کسی ایک مفسد کا نام بھی کوئی نہیں سنتا تھا۔

شخصی اور قومی حقوق، آزادی اور آزاد خیالی کی جس آب و ہوا میں آج ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اور حاکم و محکوم کے تعلقات کی جو نوعیت زمانہ حال میں قایم ہوئی ہے اسکے لحاظ سے سات سو برس پہلے کے مخصوص حالات، وقتی ضروریات اور سیاسی مصلحتوں کے متعلق کوئی صحیح اندازہ قایم کرنا مشکل ہے، مادر گیتی نے قتل و غارتگری کے ایسے خوفناک منظر خدا معلوم کتنے دیکھے ہونگے۔

اس نواح کے گھنے جنگل، ناقابل گذر صحرا اور بن مفسدوں اور باغیوں کے لئے جائے پناہ اور کمین گاہ کا کام دیتے تھے۔ کٹھیریوں کے مختلف قبیلے ان میں پناہ گزین تھے۔ اسی زمانہ میں جنگلوں کو کاٹ کر مختلف سڑکیں اور راہیں نکالی گئیں [۲] اسلئے آج جن عمدہ اور محفوظ سڑکوں پر ہم اس نواح میں سفر کرتے ہیں اُنکے متعلق یہ معلوم ہوا کہ ابتدا کس ضرورت سے نکالی گئی

(بقیہ صفحہ ۱۷) کی اولاد تھے، تخت پر بیٹھنے کی اجازت تھی۔ ان امیروں اور شہزادوں کے نام پر دہلی میں محلے اور بازار آباد ہو گئے تھے۔ محلہ عباسی و سنجری، خوارزمی دیلمی، علوی، اتابکی، غوری، رومی، یمنی، سمرقندی وغیرہ ۶۸۶ھ میں بیس سال بڑے دبدبہ سے سلطنت کرکے انتقال کیا۔ [۲] تاریخ فیروز شاہی صفحہ (۵۹)۔]

[۱] تاریخ فرشتہ صفحہ ۷۷۔ [۲] ایلیٹ صفحہ ۲۵۳۔

تھیں یقیناً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ملک امیر علی حاتم خان امروہہ کا پہلا جاگیردار

اوائل جلوس بلبنی میں ولایت امروہہ کے انتظام و انصرام کی عمدگی و بہتری کے خیال سے اقطاع امروہہ ملک امیر علی المخاطب بہ حاتم خان سرجاندار کے جاگیر میں دے گئے[2] ملک موصوف سلطان غیاث الدین بلبن کا مولازادہ، نہایت فیّاض، سیرچشم، کریم النفس، قدردانِ علم، عالی ہمّت، فراخ دل تھا۔ اسکی فیاضی اور بخشش کی بہتات کی وجہ سے اسکا لقب "حاتم خان" پڑ گیا تھا۔ حضرت امیر خسرو اسکے سرکار میں متوسل رہے۔ اسی امیر کے نام پر انھوں نے "اسپ نامہ" تصنیف کیا تھا۔ آ

---

[1] اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ قابل تذکرہ ہے۔ سلطان بلبن نے اقطاع امروہہ کے انتظام کے لئے اپنے ارکین سلطنت سے فرمائش کی کہ کسی ایسے شخص کو تجویز کریں جو اس خدمت (یعنی **خواجگی امروہہ**) کے لائق ہو نیز "اصیل باشد و ہم کاردان" ایسے شخص کو تجویز کرکے ہمارے سامنے پیش کرو۔ ارکین سلطنت نے ایک شخص کمال مہیار نامی کو منتخب کرکے "بجہت **خواجگی امروہہ** پیش تخت گذرانیدند" سلطان نے فرمایا کہ اس سے دریافت کرو کہ اسکے نام میں مہیار کا جو لفظ شامل ہے اسکے کیا معنی ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا کہ مہیار میرے باپ کا نام ہے، وہ ایک ہندو کا غلام تھا۔ یہ سنتے ہی سلطان بلبن غصّہ سے بیتاب ہو گیا، ضبط نہ کر سکا تو محل سرا میں چلا گیا۔ ارکین سلطنت سلطان کی برہمی مزاج سے سخت خائف تھے۔ کچھ دیر کے بعد چند خاص ارکین کو سلطان نے باریابی کا موقع دیا اسوقت فرمایا کہ مجھے اس بات سے سخت رنج پہونچا کہ تم لوگ بخوبی واقف ہو کہ میں حکومت کے کسی کام پر کسی کم اصل، سفلہ یا رذیل شخص کو ہرگز مقرر نہیں کرتا اسپر بھی تم نے ایسے شخص کو امروہہ کی خواجگی کے لئے تجویز کیا۔ آیندہ اس بارے میں سخت احتیاط اور تاکید جانو۔ اور فرمایا کہ:-

"من نتوانم کہ لئیم و کم اصل و ناکس زادہ را در صدر دولتے کہ از خدا یافتہ ام شریک کنم۔ و شغل و اقطاع و"
"تصرف دہم اگر بعد ازیں در معرض دادن اشغال و اقطاع و خواجگی و مشرفی و مدبری بہ لئیمے و بداصلے و رذالہ"
"زادہ را اگر ہزار نوع ہنرمند باشد ابن کاروان (و زنا) پیش من ذکر کنند من با ایشان آنحکم کنم کہ عبرت جہانیاں گردد" (تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲)

دیوان میں اس فیاض امیر کی مدح میں متعدد مدایح و قصائد ہیں۔ ایک جگہہ فرماتے ہیں:۔

شاہ عہد اختیار دولت و دیں ۔۔۔ آفتاب شرف بخانۂ زیں
ہم علی نام ہم بہ شیر دلی ۔۔۔ شیر دُلدُل سوار ہمچو علیؑ
عالمی چوں عناں بجنبانی ۔۔۔ بسر تازیانہ بستانی

صاحب تاریخ فیروز شاہی اس امیر کے حالات میں لکھتے ہیں کہ:۔

"چہ مولا زادۂ کریم و نفیس و غریب و عجیب بود کہ او را شاہ عہد گویند و حاتم خان"
"خوانند و بخشش و اعطاء ملک امیر علی سرجاندار ہمہ ہزار ما بودے چنانکہ امیر خسرو"
"در مدح او گفتہ:۔

"بحر گفتم مانی بدست خان کرم ؛ رواں بلرزہ در آمد کہ ایں مثل نہ مراست"
"دگہ سخا دُر و یاقوت ما یہ کف او ست ؛ گہ عطا خس و خاشاک ما یہ کف ہاست" [۱]

ملک اعزّالدین غوری حاکم امروہہ عہد بلبنی میں کچھ عرصہ تک "خواجگی امروہہ" پر ملک اعزالدین غوری ہی مامور رہا۔ غالباً "چاہ غوری" جسے عوام "گوری کنواں" کہتے ہیں [۲]، اسی نامور حاکم سے منسوب ہے۔ سلطان معزالدین کیقباد کے عہد سلطنت میں ملک موصوف بادشاہ کے مقرّبان خاص اور نامور ارکین میں شامل تھا [۳]۔

ملک عنبر سلطانی حاکم امروہہ سلطان معزّالدین کیقباد کے عہد میں امروہہ کا حاکم ملک عنبر سلطانی تھا۔ یہ شخص بہت بارسوخ اور منتظم تھا۔ امروہہ کی قدیم جامع مسجد

(بقیہ صفحہ ۱۹) [۲] تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۳۶] [۱] تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ صفحہ ۱۱۹
[۲] مؤلف تاریخ اصغری نے "چاہ غوری" کو محلہ شفاعت پوتہ کی ایک سیدانی مسماۃ گوری کا تعمیر کردہ لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ محلہ شفاعت پوتہ کی آبادی سے بہت پہلے ہی اس کنوئیں کا نام "چاہ غوری" کہنہ دستاویزات میں بغرض اظہار حدود

جواب صدؤ کی مسجد کے نام سے موسوم ہے، اسی نے ۶۸۶ھ ۱۲۸۷ء میں تعمیر کرائی تھی۔ اسی کے ساتھ "مدرسہ معزیہ" بھی قائم کیا تھا۔ مدرسہ اور دارالاقامہ کی عمارتیں بھی اس مقام پر تھیں جہاں اب مسکونہ مکانات ہیں، اسی کے متصل خانقاہ بھی تھی، علوم ظاہری و باطنی کے طالب آتے اور فیض پاتے ۔ ۵

مدارس درو بے حد و خانقاہ ٭ برائے مسافر کہ آید ز راہ

ملک چھجو سے نواح امروہہ میں جنگ

ملک چھجو سلطان غیاث الدین بلبن کا برادر زادہ تھا، سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے اسے اقطاع کٹرہ کا حاکم بنایا تھا۔ ملک چھجو نے سلطان سے بغاوت اختیار کی، امیر علی حاتم خان سے، جو علاقہ امروہہ کا جاگیر دار تھا، ملک چھجو کے مراسم اتحاد و یگانگت تھے۔ اسلئے وہ بادشاہی فوج سے مقابلہ کے لئے امروہہ آیا۔ ارکلی خان کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ ملک چھجو کو شکست ہوئی، وہ دریائے رام گنگا پار اتر کے بھاگا لیکن مواسی مقدم نے گرفتار کرکے ارکلی خان کے حوالے کیا۔ سلطان نے قصور معاف کرکے ملتان کا حاکم بنا دیا ۔ ١ ۵

تقریباً چوبیس برس تک اس نواح میں امن و امان رہا، کوئی فتنہ و فساد برپا نہ ہوا۔ ۶۸۹ھ ۱۲۹۰ء میں باغیوں اور مفسدوں نے پھر سر اٹھایا جسکو حکومت کے زبردست ہاتھ نے پھر اسی سختی سے کچل دیا۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی بہت حلیم و کریم انصاف پرور اور نیک نہاد بادشاہ گذرا ہے اُسکے عہد سلطنت میں رعایا بہت شاد و آباد رہی۔ سلطان جلال الدین کے بعد سلطان علاء الدین اپنے چچا و خسر اور ولی نعمت کو دھوکے سے قتل کرکے تخت و تاج کا مالک بنا۔ علاء الدین بڑا زبردست لیکن درشت مزاج بادشاہ تھا۔ پدماوت کے قصوں میں آج تک اسکا نام زبان زد خاص و عام ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۰) قطعات آراضی ملتا ہے نیز اس کی طرز تعمیر بھی بہ لحاظ قدامت عہد مغلیہ سے پہلے کی معلوم ہوتی ہے ۵ تاریخ مبارک شاہی و فیروز شاہی۔ ١ منتخب التواریخ و کنز التاریخ ۔

علاء الدین خلجی کی سخت گیری کا اثر

اس بادشاہ کے عہد میں ملک کے مختلف حصّوں میں متعدد بغاوتیں ہوئیں جن کو بڑی سختی کے ساتھ فرو کیا گیا۔ ان بغاوتوں کے وجوہ و اسباب بادشاہ کے مشیروں نے یہ بتلائے تھے:۔

(۱) لوگوں کے معاملات سے بادشاہ کا بے خبر ولاعلم ہونا۔ (۲) شراب خوری کا رواج عام (۳) امراء و ملوک کی آپس میں محبّت و قرابتیں۔ (۴) مال و زر کی رعایا میں بہتات۔

لوگوں کے حالات کے تجسّس کے لئے جاسوس مقرر کئے، شراب کی فروخت قطعاً موقوف کردی، امراء و ملوک کو ایک دوسرے سے میل و ملاقات کی ممانعت کی لیکن اس جابرانہ اور سخت گیر بادشاہ کی سخت گیری کا جو اثر امروہہ و نواح امروہہ کی عام رعایا پر پڑا وہ اخذ اموال اور کشید زر کی جابرانہ پالیسی کا نتیجہ تھا۔ اس زمانہ کا مصنف ضیاء برنی لکھتا ہے کہ ولایت میان دوآب اور امروہہ و افغان پور اور تمام ملک کٹھیر سے طلب خراج کی اس سخت گیری کا یہ نتیجہ ہوا کہ:۔

"و این کارچنان مستقیم کرد کہ تمرّد و عصیان و اسپ سوار شدن و سلاح بردست گرفتن"
"و جامۂ خوب پوشیدن و تنبول خوردن از چودھریان و خوطان و مقدمان یکبار برفت"
"و در ستدن خراج ہر ہمہ را یک حکم شد و کار اطاعت بجائے رسید کہ یک سرہنگ دیوان بیست"
"قصبات بست خوط و مقدم و چودھری را رشتہ در گردن کردہ از برائے مطالبۂ خراج"
"از لت و چوب میزد و ہندو را سر بالا کردن ممکن نبودہ و در خانۂ ہندوان نقش زر و نقرہ"
"و تنکہ و جتیل و اسباب زیادتی کہ در دیانندہ و عصیان است نماندہ بود و از بے برگی زنان"
"خوطہ و مقدماں در خانہائے مسلماناں می آمدند و کار می کردند و مزدوری می یافتند"[1]

غلہ و کپڑے کی ارزانی کے ضوابط

سلطان علاؤ الدین کے عہد حکومت میں مغلوں نے ہندوستان پر متواتر حملے کئے، بادشاہ کو ان کے مقابلہ میں جنگی ساز و سامان کو

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ صفحہ ۲۸۸۔

درست اور مستعد حالت میں رکھنا اور لشکر و سپاہ کی تعداد میں اضافہ کرنا ضروری تھا جسکے متعلق اُسکے وزیروں اور مشیروں نے متفق اللفظ ہو کر کہا کہ تاوقتیکہ گھوڑے اور اسلحہ اور سپاہی کی تمام ضروریات اور لشکریوں اور اُن کے اہل و عیال کے اسباب معاش انتہائی ارزانی پر نہ آجاویں اُسوقت تک لشکر کی تعداد اور فوج کی حالت بادشاہ کی آرزو و خواہش کے مطابق نہ درست ہوسکتی ہے اور نہ مستقل رہ سکتی ہے۔ بادشاہ نے پونے پانچ لاکھ سوار رکھنے کا انتظام کیا اور اس غرض سے گھوڑے، غلّہ اور کپڑے وغیرہ کی ارزانی کے لئے چند ضابطے مقرر ہوئے جن کو مورّخین نے آٹھ حصّوں میں منقسم کیا ہے، ازانجملہ غلّہ کی شرح کا بادشاہ کے دربار سے مقرر ہونا، سرکاری کھتیوں میں غلّہ کا اکٹھا کرنا، ہر منڈی میں شحنہ اور "معتبران" کا مقرر ہونا، ملک بھر کے تاجروں کی اسم نویسی اور اُنکا شحنہ منڈی کے زیر نگرانی رہنا، اور ہر منڈی کی حالت کی دربار میں اطلاع ہونا وقس علیٰ ہذا۔ چنانچہ سوئی سے لیکر گھوڑے تک کی قیمت کا نرخ بادشاہ نے خود مقرر کیا۔ خالصہ کے دیہات سے بجائے نقدی کے غلہ لیتا تھا، وہ غلّہ خشک سالی کے موسم میں اپنے گوداموں سے اسی نرخ پر بیچتا تھا ان ضوابط میں سے صرف ضابطہ پنجم کو ذیل میں نقل کرتا ہوں اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس ضابطہ کا اس خطہ ملک کے باشندگان پر جس میں شہر امروہہ واقع ہے کیا اثر پڑا ہوگا:۔

"ضابطہ پنجم۔ خراج میان دوآب ولایت صد کردہی بہجے کنند کہ رعایا نتوانند کہ دہ من غلہ ذخیرہ کنند و چناں بشدت بطلبند کہ رعیت غلہ بر سر کشت بدست کاروانیان بفروشند"[۱]	پانچواں ضابطہ۔ ملک دوآبہ اور دوسرے صوبہ سے مالگذاری اس طریقہ پر وصول کیجائے کہ رعایا میں سے کوئی اپنے یہاں دس من غلّہ اکٹھا نہ کر سکے اور مالگذاری کے وصول کرنے میں اتنی سختی کیجائے کہ رعایا فصل کے وقت غلّہ بنجاروں کے ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور ہو۔

شرح اجناس کا موازنہ

غالباً یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ چھ سو برس پہلے جو شرح اجناس سلطان علاء الدین خلجی نے ارزانی غلّہ کے لئے مقرر کی تھی وہ کیا تھی؟

---

[۱] تاریخ فیروزشاہی صفحہ ۳۰۵ ۔

ذیل میں وہ نرخ نامہ ایک نقشہ کی شکل میں ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے درج کیا جاتا ہے۔ اس شرح نرخ کے متعلق اُس زمانہ کا مورّخ لکھتا ہے کہ یہ امر عجائب روزگار میں سے ہے کہ نرخ مذکور نزول باراں و امساک باراں دونوں حالتوں میں سلطان علاء الدین کے زمانہ تک بدستور قایم رہا۔ مزید واقفیت کے لئے نرخ اجناس بعہد اکبری و قیمت سکہ حال بطور موازنہ درج ہے۔ اگرچہ عہد ماضیہ میں سکہ کی کمیابی اور زمانہ حال میں اسکی بہتات و فراوانی کا لحاظ کرتے ہوئے ان تینوں زمانوں کی مروّجہ قیمت کا صحیح موازنہ کرنا دشواری سے خالی نہیں تاہم ایک سرسری اندازہ اس امر کا ضرور ہوسکتا ہے کہ اب سے چھ سو برس پیشتر انسانوں کو اپنی ضروریات زندگی و مایحتاج حاصل کرنے کے لئے آجکل کی سی جدّ وجہد کی مطلق ضرورت نہ تھی اور نہ موجودہ کشمکش حیات کا کوئی تلخ اثر اس زمانہ کے لوگوں کی زندگی کو بدمزہ کئے ہوئے تھا:۔

موازنہ نرخ اجناس

نام جنس	ور	شرح اجناس بزمانہ علاء الدین خلجی سنہ ۶۹۵-۱۵ھ — سکہ رائج الوقت	مطابق سکہ حال	شرح اجناس بزمانہ شہنشاہ اکبر سنہ ۹۶۳-۱۰۱۴ھ — سکہ رائج الوقت	مطابق قیمت سکہ حال
حنطہ (گندم)	دمن[1]	۷½ جیتل	۱½ پیسہ	۱۲ دام	۲ ر ۸ پائی
جو	"	۴ "	⅘ پیسہ	۸ دام	۳ ر ۳ پائی
شالی (چاول)	"	۵ "	۱ پیسہ قدرے کم	۱۰ دام	دو روپیہ آٹھ آنہ
ماش	"	۵ "	۱ "	۱۶ دام	۶ ر ۵ پائی
نخود	"	۵ "	۱ پیسہ	۸ دام	۳ ر ۲ پائی
موٹھ	"	۳ "	⅗ پیسہ	۱۲ دام	۴ ر ۱ پائی
نبات	یک سیر	دو نیم جیتل	½ پیسہ قدرے زاید	۶ دام	۲ ر ۱۰ پائی

[1] اکبری من زمانہ حال کے ۲۶ سیر کی برابر تھا ــــــ اور سلطان علاؤ الدین کے زمانہ میں تقریباً ۱۴ سیر

شرح اجناس بزمانہ علاءالدین خلجی سنہ ۶۹۵-۷۱۵ھ				شرح اجناس بزمانہ شہنشاہ اکبر سنہ ۹۶۳-۱۰۱۴ھ	
نام جنس	در	سکہ رائج الوقت	مطابق سکہ حال	سکہ رائج الوقت	قیمت سکہ حال
شکر سرخ	۳ سیر	یک نیم جیتل	لم پیسہ		
شکر تری	یک سیر	یک نیم جیتل	لم پیسہ		
روغن کنجد	سہ سیر	یک جیتل	لہ پیسہ	۸۰ دام	عاہ
مادہ گاؤ گوشتی	یک راس	۳ تنکہ	۱۲ آنے		
" شیر آور	"	۴ "	ﷲ		
گاؤمیش گوشتی	"	۵ "	۴ھ		
" شیر آور	"	۱۰ "	۸ھہ		
(چربی) روغن ستور	½	یک جیتل	لہ پیسہ		
نمک	بکمن دیدو	۵ جیتل	ار قدر کم پیسہ		

غلہ اور اشیاء خوردنی کی طرح ضروریات زندگی کی اور چیزیں بھی یقیناً سستی ہونگی۔ ضیاء برنی نے اپنی کتاب میں کپڑے کی مختلف اقسام کے نرخ جو اُس زمانہ میں رائج تھے درج کئے ہیں۔ اسلحہ وگھوڑے ودیگر ضروریات کی قیمتیں لکھی ہیں۔

ارزانی نرخ کے متعلق اس تمام جدوجہد کا جس میں جبر اور انتہائی سخت گیری سے کام لیا گیا تھا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ سلطان کے حشم وخدم اور فوج ولشکر کی تعداد بڑھ گئی اور حالت سدھر گئی جسکی بدولت مغلوں کو پے درپے شکستیں دی جا سکیں:۔

"وبعد ارزانی اسباب واستقامت حشم شہر پاسبا"
"کہ مغل قصد دہلی وولایت دہلی میکرد منہزم میگشت"[۱۵]

چیزوں کی ارزانی اور بادشاہ کے لشکر کی عمدگی کی وجہ سے جب کبھی مغل دہلی اور ممالک دہلی پر حملہ آور ہوتے شکست کھاتے

---

[۱۵] تاریخ فیروز شاہی۔

ولایت امروہہ میں مغلوں سے جنگ

ساتویں صدی ہجری میں تاتاری مغلوں کا ٹڈی دل تمام دنیا کے فتح کرنے کے قصد سے منگولیا کے پہاڑوں سے اُمڈا، ایک طرف تو خوارزم، بخارا، ترکستان، ایران وغیرہ ممالک اسلامی کو روندتا ہوا عراق عرب تک پہونچا اور خلافت و سلطنت اسلامی کا خاتمہ کردیا۔ دوسری طرف یہ سیلاب ہندوستان کی جانب بڑھا۔ اور ہندوستان کے سرحدی مقامات سے بار بار ٹکرایا۔ اس زمانہ میں مغلوں کی قوم دین اسلام سے ناآشنا اور کفر و شرک کی ضلالت میں گرفتار تھی۔ جس سفاکی اور بربریت کی کارروائیاں ان لادینوں کے ہاتھوں اسلامی ممالک میں ہوئیں اسکے دردناک حالات سے تاریخ کے صفحات سیاہ ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ طوفان نوحؑ کے بعد جو بلائے عظیم انسانوں پر نازل ہوئی وہ یہ چنگیز خانی طوفان تھا۔ انکا مذہب تو معلوم نہیں مگر ایمان یہ تھا جہاں جائیں وہاں نسل انسانی مٹائیں ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء میں جلال الدین بادشاہ خوارزم اپنی جان بچانے کے لئے خوارزم سے بھاگ کر دریائے سندھ کے اسطرف چلا آیا، اسکے پیچھے مغلوں کی فوج بھی ملتان و سندھ میں داخل ہوئی۔ یہ زمانہ سلطان التمش کا تھا وہ بھی بہت سا لشکر لیکر پہنچا لیکن جلال الدین نے یہاں قیام کا موقع نہ دیکھا کیچ و مکران کی جانب چلا گیا اسلئے مغلوں کی فوج بھی الٹی پھر گئی مگر چلتے چلتے دس ہزار ہندیوں کو لونڈی غلام بنا کرلے چلی لیکن رسد کی تنگی کے باعث راستہ ہی میں ان سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اسکے بعد تقریباً بیس سال تک مغلوں نے ادہر توجہ نہ کی سلطان التمش کے بیٹے معز الدین بہرام شاہ کے وقت میں لاہور پر چنگیز خانی مغلوں نے ۶۳۹ھ / ۱۲۴۱ء میں پھر حملہ کرکے مسلمانوں کو قتل و اسیر کیا۔ ابتدائی عہد بلبنی میں یہ بلا ہندوستان پر منڈلا رہی تھی۔ سلطان غیاث الدین بلبن سے جب وزرا و مشیران سلطنت عرض کرتے کہ شاہان سابق کی طرح ہندوستان کے مختلف اقطاعات پر فوجکشی کیجیے تو وہ ان مغلوں کے ارادوں کا ذکر کرتا اور کہتا :-

"اینچہ در کار جہانگیری شمامی گوئید در دل من بیش ازاں است فاما شما می شنوید کہ تہمہاے مغل چنگیز خانی بر زن و بچہ و کلہ و رمہ ور نیا گوش مملکت من نشستہ ہست و در غزنین و ترمذ و ما ورا النہر ساکن شدہ و ہلاکو نبیرۂ چنگیز خان با چندیں تمن مغل عراق را فرو گرفتہ است و در بغداد متمکن گشتہ و آں ملاعین بسیار مال و منال ہندوستان شنیدہ اند و نہب و تاراج ہندوستان در دل دارند۔ لاہور کہ سرحد ممالکت ما ست زدہ اند و خراب کردہ و سالے نمی گذارند کہ ایشاں در مملکت ما نمی آیند و تلونڈیہا را نہب نمی کنند" [1]

خلاصہ یہ کہ عہد بلبنی میں مغلوں نے ملتان و سندھ کی جانب سے متعدد بار حملے کئے اوّل اوّل تو شیر خان [2] حاکم پنجاب اس سیلاب کو اپنی پامردی سے روکتا رہا۔ اسکے انتقال پر سلطان بلبن نے اپنے بڑے بیٹے محمد سلطان [3] کو، جو خان شہید کے نام سے مشہور ہے، قاآن الملک کا خطاب

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۸۰۔ [2] شیر خان سلطان غیاث الدین بلبن کا چچا زاد بھائی تھا شجاعت و جوانمردی میں مشہور آفاق۔ سلطان التمش کے مرنے کے تیس ۳۰ سال بعد تک صرف اسی کی شخصیت تھی کہ سرحد ہند پر مغلوں کے حملوں کی سپر بنکر رہا۔ اسنے جاٹوں، گکھروں، بھٹیوں، پنجاب کی اور دوسری سرکش قوموں کو مار دھاڑ کر کے قابو میں رکھا تھا۔ بٹھنڈہ میں عالیشان گنبد اور بھٹنیر کا حصار اسی کے تعمیر کرائے ہوئے تھے۔

[3] محمد سلطان خان نام، قاآن الملک لقب۔ سلطان غیاث الدین بلبن کا فرزند اکبر، جو خان شہید کے نام سے مشہور ہے، بذات خود بڑا صاحب کمال تھا۔ اسکے یہاں بہت سے علما و فضلا، جو اس زمانہ میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے، جمع تھے۔ حضرت امیر خسرو اور خواجہ حسن پانچ سال تک اسی شہزادہ کے نوکر رہے، وہ انکی بہت تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ حضرت امیر خسرو کا قول ہے کہ "بجودت طبع و دریافت معنی دقیق و سخن شناسی و یادداشت معنی اشعار متقدمین و متاخرین ہمچو محمد سلطان کسے را کم دیدہ ام۔" اسی لیاقت و قابلیت کی بنا پر اسنے بیس ہزار منتخب اشعار کی ایک بیاض مرتب کی تھی، شعرائے زمانہ اسکی نقل حاصل کرنے کی تمنا رکھتے تھے۔ اسی شہزادہ نے حضرت شیخ سعدی کو بھی ہمر

و کیر پنجاب و ملتان کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن مغلوں کی ایک لڑائی میں یہ شہزادہ شہید ہوا۔ اسی لڑائی میں حضرت امیر خسرو اور خواجہ حسن مغلوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے تھے۔

"درشہور اربع وثمانین وستمایۃ خان ملتان را	سنہ ۶۸۴ھ ۱۲۸۵ء میں خان ملتان کو، جو سلطان بلبن کا بڑا بیٹا،
کہ پسر بزرگ سلطان بلبن ولیعہد او و پشت پناہ	ولیعہد اور اسکے ملک و سلطنت کا پشت پناہ تھا، لاہور
ملک او بود درمیان لوہور و دیوبالپور با تمر ملعون	اور دیبالپور کے درمیان تمر ملعون سے، جو چنگیز خانی کتوں
کہ سگے سگ از سگان چنگیز خانی بود محاربہ	میں بڑا کتا تھا، معرکہ قتال و جدال پیش آیا۔ خدا تعالے کی
مقاتلہ افتاد و از قضا و قدر باری تعالی خان ملتان	مرضی کہ خان ملتان امرا اور لشکر کے سرداروں کے
با امرا و سروران و معتبران لشکر در آن محاربہ شہید شد ۶۸۴ھ"	ساتھ اس جنگ میں شہید ہو گیا۔

(بقیہ صفحہ ۲۷) خرچ بھیجکر بلایا تھا مگر انھوں نے اپنی پیرانہ سالی کا عذر کیا اور ایک کتاب اپنے اشعار کی تحفتاً بھیجی اور حضرت امیر خسرو کی سفارش کی اور انکے ہم صحبت ہونے کی مبارکباد دی۔ خان شہید درویشوں کا بڑا خدمتگذار تھا اور ایسا مہذب و مؤدب کہ عمر بھر کبھی زبان سے کسیکو برا لفظ نہ کہا۔ ارغون خان بن اباقا خان بن ہلاکو خان نے تیمور خان حاکم غزنی کو ہندوستان کی تسخیر کیلئے بھیجا جب اسنے دیبالپور اور لاہور کے درمیان بیس ہزار سوار لیکر تاخت و تاراج شروع کی اور ملتان کی طرف متوجہ ہوا تو خان شہید دن چڑھے اسکے مقابلہ کو ملتان سے باہر نکلا اور دوپہر کو دریا کے کنارے ظہر کی نماز کے وقت پہنچا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ مغلوں کے کئی نامی سردار قتل ہوئے تیمر بھاگ گیا امرا ہند نے برخلاف حزم و احتیاط اسکا تعاقب کیا۔ خان شہید اجل رسیدہ نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی وہ ایک تالاب پر وضو کر کے پانسو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنے لگا کہ اس اثنا میں ایک مغل سردار نے جو دو ہزار سوار لئے ساتھ کمین میں بیٹھا تھا یکایک حملہ کر دیا۔ شہزادہ اور اسکے ساتھیوں نے بھی خوب مقابلہ کیا اور داد شجاعت دی متعدد حملے کر کے مغلوں کو پسپا کیا اور قریب تھا۔ کہ مظفر و کامیاب ہو کہ ناگاہ ایک تیر شہزادہ کے آ لگا کہ وہ پیغام اجل تھا۔ شہزادہ کی شہادت اس زمانہ میں ایک ایسا حادثہ ہوا کہ چھوٹے بڑے سب آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے۔ حضرت امیر خسرو نے خان شہید کا بڑا دردناک مرثیہ کہا جسکے چند شعر یہ ہیں ؎

واقعہ ہست یا بلا از آسمان آمد پدید
آفت است این یا قیامت در جہان آمد پدید

۶۹۱ھ / ۱۲۹۲ء میں بعہد سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی مغلوں نے پھر اسی طرف سے ہندوستان پر چڑھائی کی۔ اس مرتبہ معاملہ صلح پر ختم ہوا اور کچھ مغلوں نے دین اسلام قبول کر کے ہندوستان میں سکونت اختیار کر لی۔

"والغو نبیرۂ چنگیز خان لعین با چند امیر ہزارہ و امیر صدہ مغل بسلطان پیوست و آں مغلاں ہر ہمہ کلمہ گفتند و مسلمان شدند و سلطان الغو را بہ دامادی مشرف گردانید[1]"

اور الغو چنگیز خان کا پوتا مغلوں کے چند ہزاری اور صدی امیروں کے ساتھ سلطان سے آملا۔ ان مغلوں نے دین اسلام قبول کر لیا اور سلطان نے الغو کو اپنی دامادی کا بھی شرف بخشا۔

اسکے بعد مغلوں کے حملے ہوتے رہے لیکن یہ سب حملے ہندوستان کے شمال و مغربی سرحد کی جانب ہوتے تھے۔ ۷۰۴ھ / ۱۳۰۵ء میں بعہد سلطان علاء الدین خلجی مغلوں نے بڑی جمعیت کے ساتھ ہندوستان پر فوج کشی کی لیکن اس مرتبہ بجائے شمال و مغرب کی جانب سے حملہ آور ہونے کے کوہ سوالک کی تلیہٹی میں ہو کر **ولایت امروہہ** پر حملہ آور ہوئے۔

"علی بیگ و ترتاک کہ سران لشکر مغل بودند و نام گرفتہ و علی بیگ را از فرزندان چنگیز خان ملعون می گفتند با سی و چہل ہزار سوار مغل کنارہ کوہ گرفتہ در ولایت امروہہ در آمدند[2]"

علی بیگ اور ترتاک جو مغلوں کے لشکر کے نامور سردار تھے اور علی بیگ کو لوگ چنگیز خان کی اولاد میں بتاتے تھے وہ تیس یا چالیس ہزار مغل سواروں کے ساتھ پہاڑوں کی تلیہٹی میں ہو کر ولایت امروہہ میں داخل ہو گئے۔

یہ لوگ دامن کوہ سوالک سے ہوتے ہوئے ضلع بجنور کی جنوبی سمت سے امروہہ کے علاقہ میں داخل ہوئے۔ امروہہ اور علاقہ امروہہ کو بھی خوب لوٹا کھسوٹا تباہ و برباد کیا۔

(بقیہ صفحہ ۲۸)

راہ در بنیاد عالم داد سیل فتنہ را — رخنہ کامسال در ہندوستاں آمد پدید

مجلس یاراں پریشاں شد چو برگ گل ز باد — برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید

[3] تاریخ فیروز شاہی تا صفحہ ۲۹) [1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۱۹۔ [2] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲۲ -

"و در کندن و سوختن و کشتن و بند کردن و فسق و فجور دقیقہ فرو نگذاشتند" [1]	لوٹ کھسوٹ، قتل و غارتگری اور فسق و فجور میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

بادشاہ نے مغلوں کے حملہ کی خبر پاتے ہی ملک کافور یعنی (ملک نائب) اور غازی ملک تغلق کو بڑے بھاری لشکر کے ساتھ مغلوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا اور ہدایت کی کہ نہایت عجلت کے ساتھ امروہہ پہونچیں اور ایک مغل کو بھی زندہ نہ چھوڑیں چنانچہ حدود امروہہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور بڑا سخت رن پڑا۔

"سلطان علاء الدین ملک نائب باربک را با لشکر اسلام نامزد لشکر مغل کرد ہم در اں حدود امروہہ ہر دو لشکر را محاربہ روداد و باریتعالیٰ لشکر اسلام را ظفر بخشید" [2]	سلطان علاء الدین نے ملک نائب باربک کو لشکر اسلام کے ساتھ مغلوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا حدود امروہہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ جنگ میں خدا تعالیٰ نے لشکر اسلام کو فتحیاب کیا۔

یہ لڑائی رہب ندی (یعنی دریائے رام گنگا) کے کنارے ہوئی تھی۔ طرفین سے نبرد آزما دل کھول کر لڑے مگر نتیجہ مغلوں کے خلاف ہوا، انکے دونوں سردار زندہ گرفتار ہوئے اور ہزاروں اس معرکہ میں کام آئے اور جو گرفتار ہوئے وہ اپنے دونوں سرداروں کے ساتھ دہلی بھیجے گئے۔ اس لڑائی میں بہت کچھ مال غنیمت شاہی لشکر کے ہاتھ آیا صرف گھوڑوں کی تعداد بیس ہزار تھی۔

شاہی لشکر مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ جب دہلی پہنچا بادشاہ نے شہر سے باہر آکر چبوترۂ سلطانی پر دربار عام کیا اور اس مقام سے اندر پت (دہلی قدیم) تک دو رویہ لشکر کھڑا کیا گیا تھا اور اس روز اژدہام خلق اتنا تھا کہ پانی کا ایک کوزہ بیس جیتل یا نصف تنکہ میں بھی نہیں ملتا تھا۔ دونوں مغل سرداروں کو ہاتھی کے پیروں سے کچلوا یا گیا اور قیدی مغل گردن مار نگئے

---

[1] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۱۴۔ نول کشور۔
[2] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲۲

اور آٹھ ہزار مغلوں کے سر نیزوں پر آویزاں کر کے شہر میں گشت کرائے گئے بروایت صاحب تاریخ وصّاف مقتولین کے سروں کا شمار ساٹھ ہزار تک پہنچا تھا، اس جنگ کے بعد پھر کبھی مغلوں کو امروہہ پر فوجکشی کی جرأت نہیں ہوئی۔

مغلوں کے سر قلعہ کے دروازہ پر عبرت کے لئے لٹکائے گئے تھے۔ ایک شاعر نے اس زمانہ میں ایک کتبہ لکھکر مغلوں کے سروں کے برابر دروازۂ قلعہ پر آویزاں کیا تھا وہ رباعی یہ ہے:-

اے حصن کہ تائید خدا یار تو باد — فتح و ظفر شاہ علمدار تو باد
از تو ملک زمانہ معمار تو باد — طرغی چو علابیگ گرفتار تو باد

امروہہ میں شاہی فوج کی چھاؤنی

مغلوں کے حملہ کے خوف سے امروہہ میں فوجی چھاؤنی قایم کیگئی اور کافی تعداد میں لشکر یہاں رکھا گیا۔ سلطان علاءالدین خلجی کے ندیمان اور مقرّبان خاص میں سے ملک ہزبرالدین ظفر خان، جو شجاعت اور دلاوری میں اپنا ثانی و نظیر نہ رکھتا تھا اور جسکا نام ہی مغلوں کے لئے خوف و ہراس کا باعث تھا اسکی فوج کا بڑا حصّہ یہاں متعیّن تھا۔ خود یہ نامور امیر بھی کچھ مدّت تک امروہہ میں مقیم رہا۔ اسکے عمّال و کارکن یہاں رہتے تھے۔ سلطان علاءالدین کے عہد میں جب حاجی مولائے بغاوت کی اور ملک حمیدالدین امیر کوہ نے باغیوں کا مقابلہ کیا تو ظفر خان کے آدمیوں نے جو امروہہ سے اس زمانہ میں (۶۹۹ھ ۱۳۰۰ء) دہلی گئے ہوئے تھے بغاوت فرو کرنے میں ملک موصوف کی امداد و اعانت کی۔

"وچندے یاران ظفر خان کہ بجہت عرض گذاشتن از امروہہ در شہر دہلی آمدہ بودند باملک امیر کوہ و پسران او یار شدند"[1]

اور ظفر خان کے کچھ آدمی جو عرضداشت پیش کرنے کی غرض سے امروہہ سے دارالخلافہ دہلی میں آئے ہوئے تھے ملک امیر کوہ اور اس کے بیٹوں کی مدد پر مستعد ہو گئے۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ صفحہ ۲۸۱۔

اس زمانہ میں امروہہ کا علاقہ نیز قرب وجوار کے علاقہ جات تمام تر خالصہ[۱] تھے اور شاہی لشکر کے مصارف میں اسکی آمدنی خرچ ہوتی تھی۔

"کول و برن و میرٹھ و امروہہ و افغانپور و کابیر و تمامی ولایات میان دوآب در طاعت حکم یکدہ گرفت و در خالصہ در آورند و در وجہہ حشم نہادند۔"[۲]

کول (علیگڈھ)، برن (بلندشہر)، میرٹھ، امروہہ، افغانپور و کابیر دوآبہ کے ان تمام علاقوں کو ایک حیثیت میں لاکر خالصہ میں شامل کر لیا گیا اور انکی آمدنی فوج کے اخراجات کیلئے مخصوص کردی گئی۔"

شہزادہ خضر خان کا امروہہ میں قیام

سلطان علاءالدین خلجی کا بڑا بیٹا شہزادہ خضر خان[۳] جو ولیعہد سلطنت بھی تھا کچھ عرصہ بحکم شاہی امروہہ میں مقیم رہا۔

---

[۱] خالصہ کے لغوی معنی خالص اور ایسی چیز کے ہیں جس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہو۔ اصطلاح میں اس زمین اور ملک کو کہتے ہیں جو شاہی مصارف کیلئے مخصوص ہو اور کسی دوسرے کی جاگیر میں شامل نہ ہو۔ [۲] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲۴۔ [۳] شہزادہ خضر خان پسر سلطان علاءالدین خلجی ملکہ جہان کے بطن سے تھا۔ حضرت امیر خسرو نے اس شاہزادہ اور راجہ کرن والی گجرات کی بیٹی دیولدی کے عشق ومحبت کی تاریخی داستان اپنی مشہور مثنوی دولرانی خضر خان میں، جسکا دوسرا نام عشقیہ بھی ہے، بیان کی ہے۔ خضر خان کی پہلی شادی اپنے ماموں الپ خان کی لڑکی سے ۷۱۱ھ/۱۳۱۱ء میں ہوئی تھی۔ دوسرا نکاح دولرانی کے ساتھ ۷۱۳ھ/۱۳۱۴ء میں ہوا۔ راجکماری دیولدی کے حرمسرائے شاہی میں آنے کی داستان دلچسپ ہے جو مختصراً یہاں درج کیجاتی ہے، ۶۹۷ھ/۱۲۹۷ء کے ابتدائی مہینوں میں الماس بیگ الملقب بہ الغ خان، جو سلطان علاءالدین خلجی کا بھائی تھا، اور نصرت خان جالیسری، جو منصب وزارت پر ممتاز تھا، مہم گجرات پر مامور ہوئے اور ایک لشکر جرار لیکر راجہ کرن والی گجرات پر حملہ آور ہوئے۔ راجہ شاہی لشکر کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکا۔ فرار ہوگیا۔ اس جنگ میں مال غنیمت کے ساتھ راجہ کرن کی رانی کنولا دیوی اور دوسری عورتیں بھی اسیر ہوکر دہلی آئیں۔ کنولا دیوی حرم شاہی میں داخل کیگئی اور بوجہہ اپنی خوبصورتی، خوش سیرتی اور سلیقہ مندی کے سلطان علاءالدین کے دل میں بہت جلد اسنے قدر ومنزلت پیدا کرلی۔ ایک دن سلطان کو خوش پاکر اسنے یہ درخواست کی کہ میری دو لڑکیاں جو گجرات میں چھوٹ گئی تھیں، ان میں سے ایک تو خدام شاہی پر تصدق ہوچکی ہے مگر دوسری زندہ ہے، خون کے تعلق سے دل

مورخین نے لکھا ہے کہ سلطان علاءالدین بیمار پڑا، خضر خان اور اسکی والدہ ملکہ جہاں اور اسکے ماموں الپ خان کی جانب سے ملک کافور نے جو عرصہ سے حصول سلطنت کا خیال دماغ میں پکا رہا تھا، جھوٹے سچے قصے ملا کر بادشاہ کو بدظن کر دیا۔ الپ خان تو فوراً قتل کر دیا گیا لیکن خضر خان کو نسبتاً کم سزا دیگئی۔ چتر و دورباش، جو ولیعہدی کی علامتیں تھیں، اس سے واپس لے لی گئیں اور اسے امروہہ رہنے کا حکم ہوا، نیز یہ کہ بلا طلب دہلی نہ آئے۔ خضر خان جب میرٹھ کے علاقہ سے آگے بڑھا تو یہ شاہی عتاب نامہ ملک حسام الدین کے ذریعہ اسکو پہنچا، جسکی فوراً تعمیل کیگئی، اور چتر و دورباش، ملک حسام الدین کو سپرد کرکے خود امروہہ چلا گیا۔ امروہہ پہنچکر اپنی بیگناہی اور شاہی عتاب پر سخت رنج والم میں مبتلا رہا۔ کچھ دن تو سیر و شکار میں دل بہلاتا رہا

(بقیہ صفحہ ۳۲) بے اختیار سینہ میں تڑپ رہا ہے اگر حضور کی توجہ ہو جائے تو میرا مطلب حاصل ہو سکتا ہے۔ چونکہ سلطان خضر خان کے لئے پہلے ہی سے کسی عمدہ موقع کا متلاشی تھا اسلئے رانی کنولا دیوی کی یہ درخواست اسکو پسند آئی۔ رائے کرن کو رشتہ کا پیغام بھیجا، اسنے نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ اس پیغام کو منظور کیا اور چاہتا تھا کہ شاہانہ جہیز فراہم کرکے دیولدی کو دہلی روانہ کردے لیکن ادھر سلطان کی رائے تبدیل ہوگئی اور گجرات کو ممالک محروسہ میں شامل کرلینے کا فیصلہ قرار پایا۔ الف خان اور دیگر سرداران لشکر اس مہم پر مامور ہوئے۔ جب یہ لشکر گجرات پہنچا تو رام کو سوائے گریز کے کوئی بچاؤ کی صورت نظر نہ آئی فوراً دیوگیر کیطرف گھوڑے کی باگ پھیردی۔ جب سنگھن دیو کو معلوم ہوا کہ رائے کرن اس علاقہ میں آیا ہے اور مدد کا خواستگار ہے تو اسنے اپنے بھائی بھیلم دیو کو دیولدی کیلئے پیغام دیکر بھیجا جو مجبوراً منظور کرنا پڑا اور تمام شرائط طے پاکر دیولدی رخصت کردیگئی۔ دیولدی چند آدمیوں کی حفاظت میں دیوگیر کیطرف جارہی تھی ابھی چند میل کا فاصلہ باقی تھا کہ اچانک شاہی فوج کے ہراول سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ طرفین سے تیر اندازی ہونے لگی۔ اتفاقاً ایک تیر دیولدی کے گھوڑے کے لگا جو فوراً گر پڑا۔ چنانچہ دیولدی اسطرح اسیر ہو کر ایک جرار فوج کے ساتھ دہلی کو روانہ کیگئی اور محلسرا میں داخل ہوئی۔ یہ واقعہ ۷۰۶ھ مطابق ۱۳۰۶ء کا ہے۔ محلسرا میں خضر خان اور دیولدی کے ایک جگہ رہنے سہنے سے حضرت عشق کو اپنی نادک فگنی کا موقع ملا۔ بالآخر ۷۱۱ھ میں عاشق و معشوق اپنی مراد کو پہنچے لیکن انکا جو دردناک انجام ہوا اسکے ذکر سے قلم کا سینہ چاک ہے۔

پھر یہ سوچا کہ میں بالکل بقصور ہوں مجھے فوراً سلطان کے حضور میں حاضر ہو جانا چاہئے، یہ سوچکر امروہہ سے بلا طلب دہلی کو روانہ ہو گیا۔ حضرت امیر خسرو نے مثنوی دولرانی میں خضر خاں کے امروہہ آنے کا حال تحریر کیا ہے۔ بادشاہ نے جو عتاب نامہ بصورت فرمان بھیجا تھا اس میں خضر خاں کے ماموں اور خسر الپ خاں کے قتل سے جو صدمہ اسے پہنچا تھا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔ [1]

دلت دانم کہ تنگست از پے خال | شکار و گشت بہ باشد دریں حال
ز آب گنگ تا دامان کہسار | نہ بینی خاستہ یک سوزن خار
بر آنگونہ است صحراہائے نخچیر | کہ دہ آہو تواں کشتن بیک تیر
باقطاع تو کردیم آں زمیں خاص | کہ باشد رہ بر خنگ تو رقاص
با مروہہ نشیں با لشکر خویش | کہ بر کوہ آزمائی خنجر خویش
رواں کن سوئے حضرت بے کم و کاست | علامتہائے سلطانی کہ آنجاست
ز چتر و دور باش و پیل و رایت | کہ حکم ما براں داوت ولایت
علامتہائے شاہی دادہ شاہ | حسام الدین ملک را کرد ہمراہ
وزاں سو خود بفرمان با دل تنگ | سوئے امروہہ کرد از سیر آہنگ
گذشت از گنگ با خاصاں تنے چند | کلہ را سایہ بر امروہہ افگند
با مروہہ درون غمناک بنشست | چو گل با سینۂ صد چاک بنشست

اس زمانہ میں امروہہ سے جانب شمال کا علاقہ جو اب ضلع بجنور میں شامل ہے لق و دق جنگل و بیابان ہونے کی باعث عمدہ شکارگاہ تھا۔ اس شکارگاہ میں شہزادہ ایام جلاوطنی میں شکار و چوگان بازی سے دل بہلاتا تھا۔ شہزادہ خضر خاں حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء [2] کا مرید با اخلاص تھا

---

[1] مثنوی دولرانی صفحہ ۲۳۹ [2] سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء آٹویں صدی ہجری کے مشہور

بعض روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ اسنے یہ منت مانی تھی کہ بادشاہ کو، جو اسوقت بستر علالت پر پڑا تھا، صحت ہوگئی تو زیارت مشائخ کے لئے پا پیادہ دہلی جاونگا، چنانچہ باپ کی صحت کی خبر پاتے ہی اسنے بلا اجازت معہ لشکر کوچ کردیا اور امروہہ سے دہلی تک پا برہنہ اور پیادہ پا سفر کیا۔ مخالفوں کو اب اسکی طرف سے بادشاہ کو بدگمان کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ مظلوم شہزادہ کو اسکے برادر حقیقی شادی خان کے ساتھ گوالیار کے قلعہ میں قید کردیا گیا اور بعد انتقال سلطان علاء الدین ملک نائب نے ان دونوں بھائیوں کی آنکھوں میں سلائی پھروادی اور سلطان مرحوم کے تیسرے بیٹے، شہاب الدین نامی کو، جو محض چھ سالہ بچہ تھا، برائے نام تخت پر بٹھا کر آپ حکومت کرنے لگا۔ چند ہی روز بعد ملک نائب بھی مارا گیا اور مبارک خان خلجی تخت و تاج کا مالک بنا اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے نام سے سنہ ۷۱۶ھ (۱۳۱۶ع) میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ اپنے پیشرو سے بھی زیادہ عیاش اور بدچلن تھا۔ برواروں کی قوم کے ایک گجراتی نوجوان کو، جسکے حسن و کرشمہ پر یہ بدچلن بادشاہ فریفتہ تھا، خسرو خان خطاب دیکر وکیل مطلق بنا دیا، آخر کار سنہ ۷۲۱ھ (۱۳۲۱ع) میں خسرو خان نے بڑے مکر و فریب سے بادشاہ کو قتل کردیا اور آپ تخت پر قابض ہوگیا لیکن چند

(بقیہ صفحہ ۳۴) فقیہہ اور صوفی تھے۔ آپکے والد احمد بن دانیال غزنی سے آکر بداؤں میں متوطن ہوئے۔ سنہ ۶۳۴ھ (۱۲۳۵ع) میں آپکی ولادت ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہوگئے۔ والدہ نے پرورش کی۔ پچیس[25] سال کی عمر میں مع والدہ کے دہلی آگئے۔ یہاں خواجہ شمس الدین خوارزمی کی شاگردی کی اور شیخ نجیب الدین متوکل کی صحبت سے استفادہ حاصل کیا۔ شیخ موصوف حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے بھائی تھے۔ انسے باباصاحب کے اوصاف و کمالات سنکر اجودھن پہنچے اور عرصہ تک خدمت میں رہکر خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کو آپ سے سوءظنی تھی۔ وہ بنگالہ میں تھا وہیں سے پیغام بھیجا کہ "یا شیخ آنجا باشد یا من"۔ سلطان جی نے فرمایا "ہنوز دلی دور است"۔ چنانچہ سنہ ۷۲۵ھ (۱۳۲۴ع) میں بادشاہ کے دہلی پہنچنے سے پہلے حضرت کا وصال ہوگیا اور بادشاہ بھی افغانپور کے محل میں دبکر مر گیا۔ جو مقبرہ مزار منور پر موجود ہے اسے سنہ ۹۷۰ھ (۱۵۶۴ع) میں سید فرید خان نے تعمیر کرایا تھا۔ [ا صفحہ ۵۸ تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۴۳۔

ہی دن بعد وہ بھی ملک غازی کے ہاتھ سے کیفر کردار کو پہونچا۔ غازی ملک نے سلطان غیاث الدین تغلق کے لقب سے اسی سنہ میں تخت شاہی پر جلوس کیا اور اب سلطنت خاندان خلجی سے نکل کر تغلقیہ خاندان میں پہنچی۔ اس بادشاہ نے ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء تک سلطنت کی۔ سلطان علاء الدین کی وفات کے بعد سے سلطان غیاث الدین کے زمانہ تک آٹھ نو برس کی مدت میں مختلف بادشاہوں کے عزل و نصب سے جو ابتری ملک میں پھیل گئی اسکا اثر اس حصۂ ملک پر بھی پڑا۔ خاص امروہہ میں لشکر شاہی کی موجودگی سے قرب وجوار میں امن وامان قائم رہا۔

حضرت شاہ ولایت کی تشریف آوری

سید العارفین سید حسن[1] المعروف بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ العزیز سلطان غیاث الدین تغلق کے ابتدائی عہد سلطنت میں نواح ملتان سے مع اپنے خلفاء اور اعزا کے امروہہ تشریف لائے اور یہاں کے شاہ ولایت کہلائے۔ آپ کے ولد اکبر قاضی سید امیر علی جد سادات محلہ لکڑہ وحقانی وغیرہ بعہد سلطان محمد تغلق امروہہ کے عہدہ قضا پر مامور ہوئے۔ عہد مغلیہ میں آپکی اولاد امجاد بالخصوص سید محمد میر عدل، انکے اخلاف اور برادرزادگان نے سلطنت کی شاندار فوجی وملکی خدمات انجام دیں، شہرت وناموری حاصل کی، تنخواہ و مدد معاش میں جاگیریں اور معافیاں ملیں۔

اس زمانہ میں علاقہ کٹھیر کے اور حصوں میں کٹھیریے راجپوتوں نے پھر کافی قوت اور جمعیت پیدا کرلی، سلطان محمد بن تغلق شاہ کے زمانہ سلطنت (۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء لغایتہ ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء) میں بادشاہ کی دور دراز ملکوں کے مہموں میں مصروفیت اور دارالسلطنت کے تغیر وتبدل سے کٹھیریے راجپوتوں کو اپنی قوت بڑھانے کا اور بھی زیادہ موقع ملگیا مگر شاہی لشکر کے مقابل آنے کی اسوقت ہمت نہ تھی۔ اس زمانہ میں کافی لشکر اور فوج امروہہ میں رہتی تھی یہاں

---

[1] آپکا اسم گرامی اصل میں سید حسن ہے، شرف الدین سلسلۂ سعیدیہ کا نام ہے، تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم کتاب ہذا۔

کی جنگی قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دور دراز کی بغاوتیں فرو کرنے کیلئے امروہہ کے لشکر کو بھی طلب کیا جاتا تھا۔ سنہ ۷۴۷ھ میں عین الملک نے اودھ میں جب بغاوت اختیار کی اور وہ شاہی ہاتھیوں اور گھوڑوں کو پکڑ کر لیگیا تو باغیوں کا قلع قمع کرنے کیلئے سلطان محمد تغلق نے امروہہ سے بھی شاہی فوج طلب کی تھی۔

"عین الملک شبے از سرگدواری برآمدہ بہ برادران خود پیوست و دراں زودی برادرانش علم جسارت برافراشتہ با چہار ہزار سوار بحوالی سرگدواری آمدند و تمام فیلان و اسپان سلطان را کہ در صحرا می چریدند پیش انداختہ بلشکرگاہ خود بردند۔ بادشاہ سراسیمہ گشتہ لشکر امروہہ و سامانہ و کول و برن را طلب داشتہ" [1]

رات کے وقت عین الملک سرگدواری (اودھ کا ایک مقام جہاں اسوقت شاہی کیمپ پڑا تھا) سے نکلکر اپنے بھائیوں سے جا ملا۔ اسکے بھائیوں نے علم بغاوت بلند کرکے اور چار ہزار سواروں کو ساتھ لے سرگدواری کے نواح میں چھاپا مارا اور بادشاہ کے تمام ہاتھیوں اور گھوڑوں کو جو جنگل میں چرنے کیلئے چھوڑ دیئے گئے تھے ہانک کر اپنے لشکر میں لیگئے۔ بادشاہ نے سراسیمہ ہوکر امروہہ و سامانہ وکول (علی گڈھ) و برن (بلند شہر) سے فوج شاہی طلب کی"

مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ کی آمد

اسی بادشاہ کے زمانہ میں ابن بطوطہ [2] سنہ ۷۴۱ھ ۱۳۴۰ء میں امروہہ آیا۔ وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "بادشاہ کے حکم پر وزیر نے مجھے دو ہزار

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ [2] ابن بطوطہ سنہ ۷۰۳ھ میں طنجہ (مراکش) میں پیدا ہوا۔ سنہ ۷۲۵ھ میں وہاں سے حج کی نیت سے چلا۔ افریقہ کے تمام ساحلی شہروں کی سیر کرتا ہوا مصر پہنچا۔ وہاں سے مکہ معظمہ۔ سنہ ۷۲۶ھ وہ ملک شام چلا گیا۔ دمشق میں حدیث کا علم حاصل کیا۔ دوسرے سال پھر مدینہ منورہ و مکہ معظمہ گیا۔ وہاں سے عراق، بغداد و واسط اور دیگر مقامات کی سیر کرتا ہوا ایران آیا۔ سنہ ۷۳۰ھ میں پھر حج کو گیا۔ وہاں سے افریقہ کے بعض مقامات کی سیر کرتا ہوا یمن آیا۔ پھر اناطولیہ، سمرقند، بلخ، مشہد شریف، نیشاپور، غزنی ہوتا ہوا سنہ ۷۳۴ھ میں ہندوستان آیا۔ دس برس تک ہندوستان میں رہا۔ سنہ ۷۴۳ھ میں چین کے سفر پر روانہ ہوا اور بہت سے ممالک کی سیر کرتا ہوا سنہ ۷۴۸ھ میں عرب

من غلہ تو دیدیا باقی کی بابت لکھدیا کہ ہزار من امروہہ کے علاقہ سے دیا جائے"۔ چنانچہ اس غلہ کے وصول کرنے نیز یہاں کے والی اور امیر کے تنازعہ کا فیصلہ کرنے کیلئے ابن بطوطہ نے امروہہ کا سفر اختیار کیا۔ یہاں وہ دو مہینہ تک مقیم رہا۔ امروہہ کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ :-

"ثم وصلنا الی امروها وهی بلدة صغیرة حسنة فخرج عمالها وجاء قاضیها الشریف امیر علی وشیخ زاویتها واضافانی ضیافة حسنة۔ [1]	پھر ہم امروہہ پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے۔ اسکے اہلکار استقبال کیلئے باہر آئے۔ شہر کا قاضی سید امیر علی[1] اور خانقاہ کا شیخ[2] دونوں آئے اور دونوں نے ملکر میری ضیافت بہت اچھی طرح کی۔ الخ۔

عزیز خمّار حاکم امروہہ

اس زمانہ میں یہاں کا حاکم عزیز خمّار تھا، یہ بہت منتظم نیز ازحد ظالم تھا۔ ابن بطوطہ نے عزیز خمّار کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ظالم مشہور تھا۔ ڈیڑھ ہزار گاؤں اسکے ماتحت تھے جنکا محاصل ساٹھ لاکھ سالانہ تھا۔ اسکا بیسواں حصّہ اسکو ملتا تھا۔ غرضکہ اس حاکم کے تدبّر اور عمدہ انتظام سے متمرّد اور مفسد لوگوں کو سرکشی کا کوئی موقع نہ ملا۔ قصبہ عزیز پور[3] اسی کا آباد کیا ہوا تھا۔ اسکا بھائی نجیب خمّار اور اسکے دوسرے عزیز بھی حکومت کے عہدوں پر اور صاحب اثر و نفوذ تھے۔ اسکے بعد بھی یہ خاندان پرگنہ امروہہ میں توطن پذیر رہا۔ یہ لوگ ابتدائے عہد مغلیہ تک اپنے ناموں کے ساتھ "خمّار" کا لفظ برابر لکھتے رہے۔ ابن بطوطہ کی آمد کے زمانے میں اس علاقہ کا امیر شمس الدین بدخشانی تھا جس سے عزیز خمّار کی مخالفت تھی۔ ان دونوں کے

(بقیہ صفحہ ٣٧) پہنچا۔ ۷۵۵ھ میں تیس برس کی طویل مدت سیر و سیاحت میں بسر کرکے اپنے وطن کو واپس گیا۔ ۷۷۹ھ میں انتقال کیا۔] (صفحہ ٣٨) [1] یعنی فرزند اکبر شید العارفین سید حسن المعروف بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ جو اس زمانہ میں یہاں کے قاضی تھے۔ شاہ ولایت کا ابن بطوطہ کی آمد سے پہلے وصال ہو چکا تھا۔ آپکا سنہ وفات ۷۳۳ھ نہیں ہے جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے۔ خانقاہ کے شیخ سے مراد غالباً شیخ معین الدین قدس سرہٗ ہیں جو حضرت شاہ ولایت رح کے مرشد زادہ اور خلیفہ تھے (ملاحظہ ہو حصّہ دوم جسمیں ان تمام امور پر مفصل بحث کی گئی ہے) [2] کتاب رحلۃ ابن بطوطہ مطبوعہ جرمنی۔ [3] بعض لوگ اس موضع کو حضرت شاہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ کے صاحبزادہ سید

تنازع کے تصفیہ کیلئے وزیر نے ابن بطوطہ، ملک شاہ امیر الممالک اور شہاب الدین ولی کو متعین کیا تھا۔ سلطان محمد شاہ تغلق نے ۷۴۸ھ / ۱۳۴۷ء میں امروہہ کے اس مشہور حاکم عزیز خمار کو ولایت مالوہ کی حکومت پر مامور کیا تاکہ وہاں کے مفسدوں کی اچھی طرح سرکوبی کرے۔ عزیز خمار[1] نے امیران صدہ کی تنبیہ کے لئے گجرات سے بڑودہ اور دیوبھری کی طرف لشکر کشی کی۔

تین سیدوں کے قتل کا خوفناک انتقام

تھوڑے ہی عرصہ بعد سلطان محمد تغلق کا ۷۵۲ھ / ۱۳۵۱ء میں انتقال ہوگیا، ملک میں کچھ عرصہ بدنظمی رہی جسکی وجہ سے کٹھیر کے راجپوتوں کو کھرک سنگھ و ہر سنگھ اپنے دونوں سرداروں کی قیادت میں قوت کے بڑھانے کا خاطر خواہ موقع حاصل ہوگیا، انھوں نے کھلم کھلا بغاوتیں کرنا شروع کیں، جب کبھی اسلامی لشکر سے شکست کھاتے مجبوراً خراج ادا کرتے ورنہ جنگلوں اور بنوں میں پناہ گزین رہتے۔ آخر ۷۸۱ھ / ۱۳۷۹ء میں کھرک سنگھ نے ، جو کہرگو کے نام سے مشہور ہے سید محمد حاکم بداؤں کو اپنے یہاں مہمان بلاکر نیز انکے بھائی سید علاء الدین و سید محمود کو دھوکہ اور فریب سے قتل کردیا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اسے اسقدر طیش آیا کہ ان تین جانوں کے بدلے میں تمام ملک کٹھیر کے باشندوں کو تلوار کے گھاٹ اتارنے کا حکم دیدیا۔

” بادشاہ غضبناک شدہ اسقدر لو سفر افراز “	بادشاہ کو یہ سنکر اسقدر طیش آیا کہ سامان سفر درست کرکے

(بقیہ صفحہ ۳۸) عزیز الدین کا آباد کردہ سمجھتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ملاحظہ ہو حصہ دوم ۔] (صفحہ ۳۹) [1] معلوم ہوتا ہے کہ ضیاء برنی مؤلف تاریخ فیروز شاہی کو ملک عزیز خمار سے خاص عداوت ہے۔ وہ اسکا ذکر برے الفاظ میں کرتا ہے اور بار بار اسکے نسب کا خاکہ اڑاتا ہے، کہیں اسے بد اصل و سفلہ لکھتا ہے اور کہیں ” ناکس و ناکس زادہ “ جس باب میں ملک موصوف کے حالات لکھے ہیں (اسکی ہیڈنگ) یہ الفاظ تحریر کئے ہیں :- ” ذکر یافتن ملک عزیز خمار بد اصل خطۂ دھار و مالوہ و نیستن آں سفلۂ لئیم دراں دیار و باز شدن در ہائے بلا و تسلط عام از معائب آں خبیث ناکس و ناکس زادہ “

"نموده و در ابتدائے سنہ ۷۸۲ھ از دار الملک کوچ کرده چوں نواحی کٹھیر محل نزول لشکر فیروزی اثر شد بحسب فرمان آتش ہیبت و غارت منازل و متوطناں آں دیار زدند و در قتل کفار اشرار آں مقدار کوشیدند کہ ارواح سادات شہید بہ شفاعت در آمدند" [1]

۷۸۲ھ دار الملک دہلی سے کوچ کیا۔ جب ملک کٹھیر کے قریب لشکر پہنچا بادشاہ کے حکم سے اس ملک کے باشندوں اور انکے مکانات کو تباہ و غارت کیا گیا اور منکر کفار کے قتل کرنے میں اتنی شدت کی گئی کہ سادات شہید کی روحوں نے بھی اس خونریزی کے بند کرنے کی سفارش کی۔"

بادشاہ نے صرف اسی قدر خونریزی پر بس نہیں کی، ملک داؤد حاکم سنبھل کو حکم دیا کہ ہر سال ملک کٹھیر پر فوج کشی کیجائے[2] چنانچہ متواتر چھ سال تک اس خطہ ملک کو شاہی لشکر برباد و تباہ کرتا رہا، جو باشندے اس قتل عام سے بچے وہ قصبات و دیہات چھوڑ چھوڑ کر جنگلوں و پہاڑی علاقوں میں پناہگزین ہو گئے۔

ملک محمود بک شیر خان حاکم امروہہ

۷۸۴ھ / ۱۳۸۲ء میں بعہد سلطان فیروز شاہ تغلق ملک محمود بک المخاطب بہ شیر خان امروہہ کا حاکم مقرر ہوا۔ اس بیدار مغز اور زبردست حاکم نے نواح امروہہ کو مفسدین کے شر و فساد سے محفوظ رکھا۔ ایک مرتبہ جب زیادہ فساد مچا تو ملک بہروز کو بادشاہ نے ہزار سوار دیکر امروہہ بھیجا لیکن ۷۸۷ھ میں شیر خان کے یہاں سے تبدیل ہو جانے کے بعد مفسدین نے پھر قوت حاصل کر لی۔ سید فخر الدین، جد القبیلہ سادات محلہ نوگیاں و نوگانواں، کو اس نواح میں بہت سے مواضعات بطور مدد معاش ملے تھے۔ اس زمانہ میں یہ خاندان سادات کے دوسرے خاندانوں کی بہ نسبت زیادہ بارسوخ و با اقتدار تھا۔ مفسدین نے جب انکے مواضعات کو لوٹا کھسوٹا اور چند مسلمانوں کو بھی قتل کیا تو ابنائے سید فخر الدین نے بہ آئے پر عرضداشتیں بھیجیں جن میں بیان کیا گیا تھا کہ

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ [2] تاریخ مبارک شاہی۔

"پیش ازیں وقت شیر خان شور ہا کاں خاستہ بود، ہر روز عاگو یاں ..... و ملک بہروز با ہزار سوار نامزد شدہ، خلق را امن حاصل آمدہ التماس کہ لشکر شاہی تعین شود کہ شور ہا کاں فرو نشیند و خلق خطہ و ولایت آباداں ماند..."[۱]	اب سے پہلے بھی شیر خان کے وقت میں مفسدین نے سر اٹھایا تھا ...... ملک بہروز کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ یہاں بھیجا گیا تھا اور خلق خدا کو امن نصیب ہوا تھا اب التماس ہے کہ لشکر شاہی کو یہاں بھیجا جائے تاکہ مفسدین کا فتنہ رفع ہو اور اس ملک و ولایت کی مخلوق کو نجات ملے۔

چنانچہ شاہی لشکر نے پھر ان اطراف میں یلغار کی اور امن و امان کی صورت قائم ہوئی۔

ملکی بد نظمی اور فتنہ و فساد

۷۹۱ھ / ۱۳۹۴ء میں فیروز شاہ کا انتقال ہوگیا، اس بادشاہ کے انتقال کے بعد سے ملک میں ہر چہار طرف طوائف الملوکی پھیل گئی، امروہہ اور سنبھل کے عامل خود سر ہو بیٹھے اور تیمور لنگ کے حملہ ہندوستان ۸۰۱ھ / ۱۳۹۸ء تک طوائف الملوکی کی حالت قائم رہی۔ اس بارہ سال کی مدت میں یہاں کے کٹھیریے راجپوتوں کو اپنی قوت و اقتدار از سر نو قائم کرنے اور بڑھانے کا خوب موقع ہاتھ آیا۔ رائے ہر سنگھ نے ملک کٹھیر کے کافی حصہ پر اپنا تسلط جما کر اتنی قوت بہم پہونچالی تھی کہ عرصہ تک شاہی لشکر کے مقابل آتا رہا۔ تیمور کے چلے جانے کے بعد بھی باہمی خانہ جنگی سے شاہ دہلی کی قوت کو زوال رہا لیکن سلطان محمود مبارک شاہ مفسدین کی سرکوبی کے لئے اس خطہ ملک میں بذات خود آتا رہا۔ ۸۱۵ھ / ۱۴۱۲ء میں سلطان موصوف نے کٹھیر میں چند روز قیام کیا اور واپسی پر اثناء راہ میں اسکا انتقال ہوگیا۔ ۸۲۱ھ / ۱۴۱۸ء میں شاہی سردار تاج الملک ثانی نے اور دوسرے سال ۸۲۲ھ / ۱۴۱۹ء میں خود سید خضر خان بادشاہ نے مفسدان کٹھیر کی تنبیہ و گوشمالی کے لئے فوج کشی کی اور سنبھل و امروہہ کے نواح کے تمام جنگلات کو مفسدین سے پاک کیا اسکے بعد ۸۲۶ھ / ۱۴۲۲ء میں سلطان معز الدین مبارک شاہ دو مرتبہ بذات خود یہاں آیا۔ اس مرتبہ رائے ہر سنگھ کو ایسی شکست نصیب ہوئی کہ

---

[۱] عرضداشت و نقل فرمان عہد تغلق شاہ ۷۸۵ھ نزد مؤلف [۲] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۶۶۔

اس نے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوکر عفو و درگذر کی درخواست کی اور محصول و نذر گرانقدر پیش کی۔ اسکے بعد پھر کبھی مفسدین کو سر اٹھانے کی ہمّت نہ ہوئی اور یہ خطہ ملک آئے دن کی جدال و قتال اور غارتگری سے محفوظ ہو گیا۔

امروہہ کے ابتدائی جاگیردار

آٹھویں صدی ہجری کا آخر اور نویں صدی ہجری کا آغاز اس خطہ ملک کے لئے سخت بدنظمی اور ابتری کا زمانہ تھا، اس زمانہ میں امروہہ معہ دیگر اقطاع کے سیّد السّادات سیّد سالم نامی ایک امیر کی جاگیر میں عرصہ تک رہا۔ سیّد سالم کے حالات میں فرشتہ کا بیان ہے کہ:۔

"گویند سیّد السّادات سیّد سالم مدت سی سال	کہتے ہیں کہ سیّد السّادات سیّد سالم تیس سال تک خضر خان بادشاہ
در حضور خضر خان از زمرۂ امرائے عمدہ بود و	کے ہاں امرائے عظام کے زمرہ میں شامل تھا۔ اسکی جاگیر میں عمدہ
اقطاع لایق داشت و تبر ہندہ (یعنی بھٹنڈہ)	پرگنے بھی تھے۔ بھٹنڈہ میں اس نے خزانہ اور قلعہ داری کے
خزانہ و ذخیرہ و اسباب قلعداری جمع ساختہ بود و غاتج	سامان کا ذخیرہ بھی فراہم کرلیا تھا۔ علاوہ بھٹنڈہ کے امروہہ
را اقطاع تبر ہندہ و امروہہ و سرسی میان دوآب نیز	سرسی اور ملک دوآبہ اور بہت سے پرگنہ جاگیر میں تھے۔ اسے
ولایات بسیار داشت در جمع نمودن مال حریص بود"	مال جمع کرنے کی بہت حرص تھی"

سیّد سالم کی وفات کے بعد اسکے دونوں بیٹوں سیّد سعید خان و شجاع الملک کی جاگیر میں بھی پرگنہ امروہہ عرصہ تک شامل رہا لیکن ۸۳۷ھ ۱۴۳۴ء میں مبارک شاہ بادشاہ کے قتل اور محمد شاہ بن فرید خان کے تخت نشین ہونے پر ملک یوسف سرور الملک وزیر کو خوب اقتدار حاصل ہو گیا تھا اس نے امروہہ کو پرانے امرا کی جاگیر سے نکالکر اپنے معاونین کی جاگیر میں شامل کردیا:۔

"ملک سرور الملک وزیر نخست سدپال و سدارن کھتری	ملک سرور الملک نے اوّلاً سدپال و سدارن کھتری اور اسکے
"و اقربان ایشان را بجائزہ قتل مبارک شاہ"	عزیزوں کو مبارک شاہ کے قتل کے صلہ میں بیانہ و امروہہ
"ملکت بیانہ و امروہہ نارنول و کہرام و چند"	نارنول و کہرام اور ملک دوآبہ کے چند اور پرگنے جاگیر

پرگنہ میان دوآب داد"[1] میں دیئے -

لیکن یہ حالت چند روز ہی رہی ۸ محرّم ۸۳۸ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۴۳۴ء کو سرور الملک اور اسکے ہندو معاونین ایک معرکہ جنگ میں قتل ہوگئے اور امروہہ ملک چمن المخاطب بہ غازی الملک کی جاگیر میں دیدیا گیا - اسکے کچھ عرصہ بعد اس پر دریا خاں لودھی متصرف ہوگیا -

سلطان علاءالدّین عالم شاہ کا قیام امروہہ میں

اسی زمانہ یعنی ۸۵۱ھ ۱۴۴۷ء میں سلطان علاءالدین عالم شاہ کو دہلی سے بدایوں جانے کا اتفاق ہوا جہاں کی آب وہوا اسے کچھ ایسی پسند آئی کہ ۸۵۲ھ ۱۴۴۸ء میں دہلی چھوڑ بدایوں کو مستقر قرار دیا - بدایوں کے زمانہ قیام میں بادشاہ نے اپنی تشریف آوری سے امروہہ کو بھی درجہ امتیاز بخشا[2] اور کچھ عرصہ مع اپنے تمام افغان امراء کے امروہہ میں قیام کیا، سیر و تفریح میں مشغول رہا - اور چند دن بعد ہی سلطنت سے دست بردار ہوکر بدایوں میں مستقل طور سے مقیم ہوگیا اور تا زمانہ حیات ۸۸۳ھ ۱۴۷۸ء اس علاقہ پر جس میں امروہہ شامل تھا سلطان موصوف ہی حکومت کرتا رہا - اس کے بعد سلطنت لودہی خاندان میں منتقل ہوگئی - اس خاندان نے ستتّر سال تک حکومت کی اس عرصہ میں بالخصوص سلطان بہلول لودہی و سکندر لودی کے زمانہ میں بہت کچھ امن وسکون رہا -

امروہہ اور سنبھل علم و فضل کے مرکز

سلطان سکندر لودہی چار پانچ سال تک خاص سنبھل میں مقیم رہا -

"درسنہ خمس وتسعمائہ جانب سنبھل رفتہ چہار سال دراں حدود بہ سیر و شکار و چوگان بازی درگذرانید"[3]	سنہ ۹۰۵ھ میں بادشاہ سنبھل گیا اور اس نواح میں چار سال سیر و شکار و چوگان بازی میں صرف کیے -

یہ بادشاہ نہ صرف علم دوست تھا بلکہ خود بھی علم سے بہرہ وافر رکھتا تھا، اس زمانہ میں سنبھل اور امروہہ علماء و فضلاء عصر کی موجودگی سے علم و ہنر کے مرکز بنگئے تھے - بادشاہ کی قدردانی کی بنا پر علماء و فضلاء

---

[1] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۶۹ [2] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۷۲، ڈسٹرکٹ گزیٹیر مرادآباد صفحہ ۱۴۶ [3] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۸۲ -

مختلف دیار و امصار سے جوق درجوق یہاں آئے - ان میں سے بعض خاندان سنبھل اور امروہہ میں متوطن ہوگئے - امروہہ کے خاندان عباسیہ کے مورث بھی جو اس عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے، اسی زمانہ میں یہاں آئے - سنہ ۹۰۰ھ میں بادشاہ نے ایک مسئلہ شرعی کے تصفیہ کے لئے سنبھل میں مجلس مذاکرہ علمیہ منعقد کی تھی - اس مجلس کی شرکت کے لئے مختلف مقامات سے علماء بلائے گئے تھے -

"بادشاہ را باستماع مذاکرہ علمی رغبتے تمام بود علمائے نامی را از اطراف طلبیدہ مجلس بحث ترتیب داد و تفصیل اسامی آنہا این است کہ میاں قادر بن شیخ خواجگیاں عبداللہ بن الہ داد از طلبنہ و سید محمد بن سعید خان از دہلی و ملا قطب الدین و ملا الہ داد صالح از سرہند و سید امان و سید برہان و سید حسن از قنوج آمدند"[1]	بادشاہ کو مذاکرہ علمی کے سننے کی بہت خواہش تھی - مختلف مقامات سے نامی علماء کو طلب کرکے مباحثہ کا جلسہ منعقد کیا - جو علماء باہر سے آکر شریک ہوئے ان میں میاں قادر بن شیخ خواجو و میاں عبداللہ بن الہ داد طلبنہ سے اور سید محمد بن سعید خان دہلی سے اور ملا قطب الدین و ملا الہ داد صالح سرہند سے اور سید امان و سید برہان و سید احسن قنوج سے آئے تھے -"

امروہہ عہد مغلیہ میں

سنہ ۹۳۲ھ / ۱۵۲۹ء میں بابر بادشاہ نے خاندان تیموریہ کی حکومت ہندوستان میں قائم کی - بابر نے کچھ عرصہ سنبھل میں بذات خود قیام کیا اور امروہہ کا علاقہ شیخ زادہ محمد موسیٰ فرملی عرف کالا پہاڑ ایک نامور امیر کی جاگیر میں دیدیا -

"سنہ ۹۳۵ھ موسیٰ معروف فرملی کو جو دریائے سرجو کے چھوڑتے وقت حاضر ہوا تھا تیس لاکھ کی جاگیر امروہہ کے علاقہ کی اسکی تنخواہ میں دی اور خلعت خاص مع گھوڑا اسکو دیکر امروہہ جانے کی رخصت عطا کی"[2]

ہمایوں بھی ایام شہزادگی میں عرصہ تک اس نواح میں مقیم رہا - سنہ ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء میں وہ سنبھل ہی میں تھا کہ بابر کا انتقال ہوگیا - افغانوں کے زمانہ حکومت میں بعہد شیر شاہ یہ علاقہ خان اعظم عیسیٰ خان کالکاپوری

---

[1] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۸۲ [2] ترجمہ تزک بابری صفحہ ۲۶۲ مطبوعہ محمدن پرنٹنگ ورکس دہلی -

کے حکومت و ایالت میں تھا ۔ خان اعظم شجاعت اور بہادری میں لاثانی تھا ۔ اس نے اس علاقہ کے اکثر جنگلوں اور بنوں کو جو مفسدین کے مامن اور جائے پناہ تھے صاف کرا دیا اور سرکشوں کو زیر کر کے مفسدین کو بے دست و پا کر دیا ۔ صاحب تاریخ شیر شاہی کا بیان ہے کہ شیر شاہ نے مسند اعلیٰ عیسیٰ خان پسر مسند اعلیٰ ہیبت خان کالکا پوری شروانی کو خان اعظم کا خطاب دیکر سنبھل بھیجا اور ان الفاظ کے ساتھ اسکو رخصت کیا کہ سنبھل کا علاقہ مفسد اور شریر لوگوں سے پُر ہے اور وہاں کے کاشتکار اور رعایا زیادہ تر متمرد اور سرکش ہیں اور ہمیشہ حاکموں کے برسر مقابلہ آتے رہے ہیں اسلئے تم کو چاہئے کہ پانچ ہزار جدید سپاہ بھرتی کرو[1] چنانچہ اسنے فوجی قوت میں اضافہ کر کے مفسدین کا قلع قمع کیا ۔

خواجہ قطب الدین قناق خان حاکم امروہہ

خواجہ قطب الدین قناق خان عہد ہمایوں اور ابتدائی عہد اکبری میں امروہہ کا حاکم تھا ۔ اسکے عہد کی امروہہ میں کئی یادگاریں ہیں ۔ جامع کیقبادی جب شکستہ ہوگئی تو اسی حاکم نے ۹۶۴ھ/۱۵۵۶ء میں اسے اپنے زمانہ حکومت و ریاست میں پھر تعمیر کرایا تھا ۔ کسی صدمہ سے یہ حصّہ تھوڑے عرصہ کے بعد منہدم ہوگیا جسے سید محمد میر عدل امروہوی نے ۹۸۱ھ/۱۵۷۴ء میں دوبارہ تعمیر کرایا ۔

عہد اکبری و جہانگیری کے جاگیردار[2]

اکبر بادشاہ کے ابتدائی عہد میں مرزا ابراہیم حسین نے ، جسکو گنبہ اعظم پور باسٹہ وغیرہ جاگیر میں ملے تھے ، امروہہ پر حملہ کیا اور خوب لوٹا کھسوٹا ۹۷۶ھ/۱۵۶۸ء میں میر محمد خان مشہور بہ خان کلاں (برادر بزرگ محمد خان آتکہ) کی جاگیر میں امروہہ کا علاقہ شامل رہا ۔

"سرکار سنبھل کہ بہترین ممالک ہندوستان است بجاگیر میر محمد خان اختصاص گرفت"[3]	سرکار سنبھل (یعنی وہ علاقہ جس میں پرگنہ امروہہ شامل تھا) جو ہندوستان کے بہترین علاقوں میں سے ہے میر محمد خان کی جاگیر میں دیا گیا ۔

---

[1] ایلیٹ جلد چہارم صفحہ ۴۱۵ ۔ [2] یہاں جاگیردار سے مراد اُن امرائے سلطنت سے ہے جنکی جاگیر میں یہ کل علاقہ دیا جاتا تھا ورنہ اس زمانہ میں خود امروہہ میں بالخصوص اولاد شاہ ولایت رحمۃ بھی فوجی جاگیردار متعدد تھے جنکو چند مواضعات بطور سیورغال و

سنہ ۱۰۰۳ھ میں پھر مرزا مظفر حسین صفوی برادرزادہ شاہ طہماسپ والی ایران کو یہ جاگیر عطا ہوئی۔ ۱۵۹۴ء

"در سنہ ۱۰۰۳ھ عرش آشیانی مرزا را بہ منصب پنجہزاری و اقطاع سنبھل کہ افزوں از قندھار است سرفراز ساخت" [1]

سنہ ۱۰۰۳ھ میں عرش آشیانی (یعنی شہنشاہ اکبر) نے مرزا مظفر حسین صفوی کو پنجہزاری منصب پر فراز فرماکر سنبھل کا علاقہ جو قندھار کے علاقہ سے بڑا ہو عطا کیا۔

جہانگیر بادشاہ نے اپنی تخت نشینی پر یعنی سنہ ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء میں یہ علاقہ میرزا علی نامی ایک امیر کی جاگیر میں دیدیا۔

"مرزا علی اکبر شاہی را کہ از جوانان قرار دادۂ الوس دہلی است بہ منصب چہار ہزاری ممتاز ساختہ سرکار سنبھل را بجاگیر او مقرر داشتم" [2]

مرزا علی اکبر شاہی کو جو دہلی کے خاندان متوسلین شاہی میں سے ہیں چہار ہزاری منصب دیکر سرکار سنبھل کا علاقہ ان کی جاگیر میں عنایت کیا۔

امروہہ کی ناموری اور شہرت

اکبر بادشاہ کے وسط عہد حکومت سے لیکر نواب علی محمد خان روہیلہ کے زمانہ تک تقریباً دو سو برس کی مدت میں امروہہ اور اس کے نواح میں بہت کچھ امن و امان رہا۔ اور رعایا بھی شاد و آباد رہی، لوگوں کو ترقی کرنے کے ذرائع اور مواقع بھی زیادہ حاصل رہے۔ عہد مغلیہ میں امروہہ کے سادات و شرفاء علی الخصوص اولاد سید العارفین سید حسن الملقب بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ نے حکومت وقت کی شاندار ملکی و فوجی خدمات انجام دیں جسکے صلہ میں اعلیٰ مناصب ملے، تنخواہ و مدد معاش میں جاگیریں اور معافیاں عطا ہوئیں۔

سلطنت مغلیہ کے زمانہ عروج یعنی شہنشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانہ میں حضرت شاہ ابن بدر چشتی آپ کے فرزندان باکمال شاہ نور الدین و شاہ صدر الدین نیز شاہ عبد المجید علوی، انکے خلیفہ عمدۃ الواصلین سید عبد الحکیم اور سید اللہ یار نقشبندی، سید محمود رضوی (دانشمند)

(بقیہ صفحہ ۴۵) [3] مآثر الامراء جلد سوم۔ [1] (صفحہ ۴۶) [1] مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۳۰۔ [2] تزک جہانگیری

اوران کے فرزند سید عصمت اللہ قدس اللہ اسرارہم مشائخ میں، مولانا سید محمد میر عدل، مولانا سید میر علی، مولانا الہ داد عباسی، مولانا بابن عباسی، مولانا عبد الملک بخشی، سید العلما سید اشرف دانشمند، مولانا سید اشرف بن سید سعید خان، ملا امان اللہ ترکمان، ملا فیضی عباسی، ملا صدر الدین عباسی علماء و فضلاء میں، سید ابو الفضل، سید ابو القاسم، سید ابو المعالی پسران سید محمد میر عدل اور سید عبد الہادی بن سید مبارک فوجی افسروں و جنرلوں میں، سید عبد الوارث نبیرہ سید مبارک میراں سید عبد الماجد اوران کے فرزند دیوان سید محمود (از اولاد سید محمد میر عدل) سید سعید خان نبیرہ دیوان سید محمود (مورث سادات محلہ لکڑہ) اعلیٰ عہدہ داران سلطنت میں امروہہ کی شہرت و ناموری کے باعث تھے۔

امروہہ کا ضلع مرادآباد سے تعلق

جہانگیر بادشاہ کے عہد تک پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل سے متعلق رہا لیکن شاہجہاں بادشاہ کے ابتدائے عہد سلطنت میں کٹھیریوں کے سردار راجہ رام سکھ نے فساد برپا کیا جس کی سرکوبی کے لئے رستم خان دکھنی صوبہ دار سرکار سنبھل کو سنہ ۱۰۴۰ھ ۱۶۳۰ء میں متعین کیا گیا۔ رستم خان[1] نے راجہ کو شکست دی، راجہ قتل ہوا اور

---

[1] رستم خان کا نام مقرب خان دکھنی تھا۔ ابتداءً نظام الملک والی دکن کے عمال میں سے تھے سنہ ۱۰۴۰ھ میں شاہجہاں بادشاہ کی ملازمت میں پہنچے۔ پنج ہزاری منصب پر سرفراز ہوئے۔ رستم خان خطاب پایا اور سرکار سنبھل میں تعینات ہوئے۔ دکن اور قندھار کی لڑائیوں میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔ فیروز جنگ بہادر کا دوسرا خطاب ملا جسکا اشارہ اس سجع میں ہے

بفتح لشکر ایراں ز لطف شاہجہاں — شدہ بہادر فیروز جنگ رستم خان

تقریباً ۲۵ سال تک سرکار سنبھل ان کی جاگیر میں رہا۔ سنہ ۱۰۵۰ھ کے بعد سے دور دراز کی مہموں پر مامور رہے۔ شجاعت و بہادری میں لاثانی، نہایت علم دوست اور مشائخ کے معتقد تھے۔ سید کمال صاحب ہمراہ ۱۲ برس ان کی فوج میں ملازم رہے۔ دارا شکوہ کے طرف دار تھے اورنگ زیب انار اللہ برہانہ سے جو معرکہ جنگ سنہ ۱۰۶۶ھ میں اکبر آباد (آگرہ)

اور اُس کا قلعہ فاتح کے ہاتھ آیا۔ یہ مقام چوپلہ کہلاتا تھا۔ رستم خان نے پرانے قلعہ کو مسمار کرکے نیا قلعہ اور مسجد تعمیر کی اور اپنے نام کی رعایت سے اسکا نام رستم نگر رکھا۔ رستم خان نے شاہی ہدایات سے تجاوز کیا تھا اسلئے جوابدہی کے لئے دربار کی حاضری کا حکم ہوا اور جب رستم خان سے نو آباد مقام کے نام کی بابت سوال ہوا تو اس نے فی البدیہہ کہا کہ میں نے شہزادہ کے نام پر اسکا نام **مرادآباد** رکھا ہے چنانچہ اس وقت سے نہ صرف یہ مقام مرادآباد کے نام سے موسوم ہوا بلکہ ضلع کا صدر مقام قرار پایا۔ سنہ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۸ء) میں داراشکوہ کی لڑائی میں رستم خان مارا گیا تو محمد قاسم خان میر آتش مقرر ہوا جو سنہ ۱۱۰۱ھ (۱۶۹۱ء) تک رہا، اس کے بعد راجہ مکرانداے کو یہ عہدہ تفویض ہوا۔ پھر سنہ ۱۰۹۵ھ (۱۶۸۵ء) میں امین الدولہ کا تقرر کیا گیا لیکن بہادر شاہ کی وفات کے بعد ایسی ابتری رہی کہ سنہ ۱۱۲۷ھ (۱۷۱۴ء) تک اس ضلع کے متعلق حالات کا تذکرہ نہیں ملتا۔ سنہ ۱۱۲۷ھ (۱۷۱۴ء) میں محمد امین خان اعتماد الدولہ مرادآباد کے گورنر مقرر ہوئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد اپنے فرزند انتظام الدولہ کے سپرد یہاں کا انتظام کرکے حسب الحکم فرخ سیر بادشاہ سکھوں کے مقابلہ کے لئے متعین کئے گئے۔ سنہ ۱۱۲۸ھ (۱۷۱۶ء) میں ہمارے ضلع کو یہ فخر حاصل ہوا کہ اعلیٰحضرت **نظام دکن** خلد اللہ ملکہٗ کے مورث اعلیٰ نظام الملک آصف جاہ یہاں کے گورنر مقرر ہوئے۔ موصوف نے بذات خاص مرادآباد میں قیام کرکے انتظامات کی حالت درست کی مگر وہ صرف دو سال یہاں رہے۔ دوسرے ضروری کام پر انکو واپس بلا لیا گیا اور یہ ضلع محمد مراد نامی ایک کشمیری

بقیہ صفحہ ۴۷ میں ہوا رستم خان مع اپنے فرزند رفعت علی خان و برادر زادہ عظمت خان اور چند دیگر اعزہ کے مقتول ہوئے۔ قطعہ تاریخ:-

چوں بہادر رستم فیروز جنگ — عالمی در مدحت او لب کشود
در شجاعت رستم دستان عصر — در سخاوت حاتم آفاق بود
ترکتازی کرد در میدان جنگ — سرخرو گشت و بجنت رفت زود
سال تاریخ وفاتش عقل گفت — بر در رستم گوئے زمیدان ربود

النسل کو سپرد ہوا جس نے فرخ سیر بادشاہ کی نظر میں پایۂ اعتبار حاصل کر کے رکن الدولہ اعتماد خان کا خطاب پایا اور اپنے خطاب کی رعایت سے مراد آباد کا نام بھی رکن آباد رکھا اور ضلع کو صوبہ قرار دیا۔

"سرکار مراد آباد را صوبہ قرار دادہ موسوم بہ رکن آباد فرمودہ در جاگیرش بطریق آل تمغا عنایت شد۔" [1]	سرکار مراد آباد کو صوبہ قرار دے کر اس کا نام رکن آباد رکھا۔ یہ علاقہ اس کی جاگیر میں نسلاً بعد نسلٍ عطا ہوا تھا۔"

لیکن یہ انتظام بہت تھوڑے عرصہ تک رہا کیونکہ رفیع الدرجات بادشاہ کی تخت نشینی پر ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء میں رکن الدولہ کو عہدہ سے برطرف کر دیا گیا اور اُنکی بجائے سید عبداللہ خان بارہہ کے چھوٹے بھائی سیف الدین خان کو مقرر کیا گیا لیکن سادات بارہہ کے زوال اقتدار پر حیدر قلی خان کو تفویض ہوا اور اُس کے بعد عرصہ دراز تک یہ ضلع قمر الدین خان کی جاگیر میں رہا۔ قمر الدین خان کی جانب سے شیخ عظمت اللہ[2] یہاں کے منتظم رہے۔

روہیلوں[3] کا تسلط

سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں مختلف قبیلوں کے افغان تلاش معاش میں ہندوستان میں آئے اور ان ایام میں جبکہ بدنظمی کا دور دورہ تھا ملک کٹھیر میں سکونت پذیر ہوتے گئے اُن ہی لوگوں کی وجہ سے بالآخر ملک کٹھیر روہیلکھنڈ کے نام سے موسوم ہوا۔ نواب[4] علی محمد خان روہیلہ (مورث نوابان رامپور) نے ہزاروں آوارہ گرد روہیلہ

---

[1] مآثر الامراء جلد اول [2] شیخ عظمت اللہ بن مولوی عصمت اللہ نبیرہ شیخ عبدالقادر فاروقی شیخ زادہائے لکھنؤ میں سے تھے ۱۱۳۳ھ میں سادات بارہہ کے وطن جانسٹھ کے حملہ میں شریک تھے۔ [3] روہیلہ کے لغوی معنی ہیں علاقہ روہ کا رہنے والا۔ روہ افغانستان کے ایک علاقہ کا نام ہے۔ [4] نواب علی محمد خان داؤد خان شاہ عالم خان روہیلہ کے متبنیٰ تھے۔ موضع بانکولی پرگنہ کانبھر توابع سرکار سنبھل کو ان کا مولد اور موضع ببولی تابع سرکار بدایوں کو ان کا مسکن بتایا جاتا ہے۔ ان کے نسب کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، بعض مورخین نے انکو نومسلم لکھا ہے

افغانوں کو اپنے زیر اثر کرکے کافی جمعیت اور قوت حاصل کرلی تھی۔ نادر شاہ کے حملہ کی وجہ سے بڑی تعداد افغانوں کی اس طرف چلی آئی اس سے اُن کی طاقت میں اور اضافہ ہوگیا۔ روہیلوں کی بڑھتی طاقت دیکھکر ۱۱۵۵ھ ۱۷۴۲ء میں محمد شاہ بادشاہ نے مراد آباد کے گورنر راجہ ہرنند کو جو قوم سے کھتری تھے، حکم دیا کہ روہیلوں کو علاقہ کٹھیر سے نکال دیا جائے۔ راجہ موصوف پچاس ہزار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا مگر روہیلہ سردار بارہ ہزار روہیلہ جانبازوں کو ساتھ لے رات کو شاہی فوج پر جا پڑا، اور کشتوں کے پشتے لگادئے، شاہی لشکر کو سخت ہزیمت ہوئی، راجہ ہرنند مارا گیا اور نواب علی محمد خان نے ۱۷۴۴ء میں مراد آباد، امروہہ اور سنبھل پر تسلط حاصل کرلیا مگر دو برس بعد خود بادشاہ نے بہ نفس نفیس اس طرف فوج کشی کی، گڑھ مکتیسر کے مقام پر دریا کو عبور کیا اور سنبھل کے علاقہ میں سے گذر کر کے نواب علی محمد خان کی گڑھی بان گڈھ پر، جو بدایوں کے متصل واقع تھی، دھاوا کردیا۔ بالآخر نواب قمر الدین خان چین بہادر وزیر اعظم کی سفارش پر علی محمد خان کا قصور معاف ہوا لیکن بادشاہ انہیں اپنے ساتھ ہی دہلی لے گئے جہاں وہ کچھ عرصہ نظر بند رکھے گئے۔ مراد آباد پھر شاہی تسلط قایم ہوا اور شیخ فرید الدین بن شیخ عظمت اللہ کو حکومت پر تعینات کیا گیا لیکن روہیلوں نے دوبارہ اپنی جمعیت اکٹھی کرکے مراد آباد پر حملہ کیا، شیخ فرید الدین حاکم مراد آباد مارا گیا جس کی جگہ پر راجہ چتر بھوج کا تقرر عمل میں آیا، مگر ان ہی دنوں میں احمد شاہ ابدالی کے حملہ کی وجہ سے ایسی بدنظمی واقع ہوئی کہ نواب علی محمد خان سرہند سے، جہاں ان کو بحیثیت حاکم تعینات کیا گیا تھا بعجلت تمام مراد آباد آگئے۔ راجہ چتر بھوج کو بآسانی نکال باہر کیا اور اس تمام حصۂ ملک پر اپنا

(بقیہ صفحہ ۴۹)
علی محمد خان روہیلہ در اصل قوم جاٹ بود، چوں صاحب شعور و رشید و طالع مند بود، شخصے روہیلہ (داؤد خان) وے را متبنیٰ نمودہ بود، کارہائے عمدہ از دست او سر براہ شدند و رفتہ رفتہ بہ انواع سعی و تلاش و جنگ و جدل و بخشش خدائے عزوجل متمول و مرفع الحال شدہ الخ (بیان واقع قلمی)
مگر نواب کلب علی خان کو وقت سے جو نواب علی محمد خان سے چھٹی پشت میں تھے ان کا نسب سید فاطمی بتایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

تسلط پھر جما لیا لیکن تھوڑے عرصہ بعد ۱۴ ستمبر ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء میں نواب علی محمد خاں کا انتقال ہو گیا۔ ابتداً حکومت ایک کونسل کے ہاتھ میں رہی جس کے صدر حافظ رحمت خاں تھے لیکن سعد اللہ اور اللہ یار پسران نواب علی محمد خاں کی واپسی پر جو دہلی میں نظر بند تھے ضلع مرادآباد کا علاقہ اللہ یار کے نامزد ہوا مگر اصلی اقتدار اور حکومت نواب دوندے خاں سپہ سالار افواج کو حاصل رہی۔ اسی سال اللہ یار خاں کا انتقال ہو گیا۔ ۱۱۶۸ھ/۱۷۵۴ء سے نواب دوندے خاں ہی مالک و مختار رہا۔ ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء میں نواب دوندی خاں کا بھی انتقال ہو گیا۔ اسی زمانہ میں شاہ عالم[1] بادشاہ دہلی کا الہ آباد سے جاتے ہوئے امروہہ سے گذر ہوا

---

[1] شاہ عالم بادشاہ کا اصلی نام عالی گہر تھا۔ عزیز الدین عالمگیر ثانی کے فرزند تھے، ۴ جمادی الاولی ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء کو پٹنہ عظیم آباد میں، جہاں باپ کی وفات کے وقت موجود تھے، تخت نشین ہوئے۔ انکے والد عالمگیر ثانی عماد الملک وزیر کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ ان سے باپ کی یہ بے بسی کی زندگی دیکھی نہ گئی، کسی بہانہ سے دہلی سے نکل کھڑے ہوئے اور نواب محمد قلی صوبہ دار الہ آباد کی مدد سے فوج فراہم کر کے راجہ رام نرائن ناظم بنگالہ پر چڑھائی کی۔ عرصہ تک صوبۂ بہار میں قیام رہا۔ شجاع الدولہ نے ان کے نام پر انگریزوں سے جنگ کی۔ بکسر کے مقام پر لڑائی ہوئی مگر نتیجہ خلاف نکلا۔ شجاع الدولہ تو بھاگ کر روہیلکھنڈ چلے آئے مگر انگریزوں نے بادشاہ سے تینوں صوبوں کی دیوانی کی سند حاصل کر لی جسکے معاوضہ میں چھبیس۲۶ لاکھ روپیہ نقد اور صوبہ الہ آباد و جیکلہ کوڑہ بادشاہ کے حوالہ کیا۔ شاہ عالم سات برس تک الہ آباد میں مقیم رہے سنہ ۱۱۸۵ھ میں دہلی گئے، وہاں پہونچکر مرہٹوں کی مدد سے نواب ضابطہ خاں ولد نجیب الدولہ پر فوج کشی کی، مرہٹوں نے اسکا سارا ملک دبا لیا، ضابطہ خاں بھاگ کر شجاع الدولہ کے پاس چلا گیا، پھر تکوجی راؤ ہلکر کی سفارش سے دربار شاہی میں پہنچا۔ غلام قادر خاں جو ضابطہ خاں کا بیٹا تھا بادشاہ سے دلی عناد رکھتا تھا۔ اس ظالم نے سنہ ۱۲۰۲ھ میں بادشاہ کو تخت سے کھینچ کر نیچے ڈالدیا اور نوک قبض سے دونوں آنکھیں نکال لیں۔ اور بیدار بخت کو تخت پر بٹھایا لیکن مہاراجہ سندھیا نے اپنی فوج بھیجی۔ غلام قادر کو شکست ہوئی، وہ بڑے عذاب دے دیکر مارا گیا اور شاہ عالم، جو نور بصارت سے محروم ہو چکے تھے، دوبارہ تخت پر بیٹھے۔ شاہ عالم فارسی اور اردو کے اچھے شاعر تھے۔ اس واقعہ کو ایک قطعہ میں نظم کیا ہے جو بہت دردانگیز ہے۔ یہاں چند شعر لکھتا ہوں:۔

کوئی تاریخی شہادت تو اس کی موجود نہیں تاہم یہ روایت مشہور ہو کہ سادات امروہہ کی کسی بے عنوانی سے اہل امروہہ مورد عتاب ہوئے۔ نواب آصف الدولہ کو حکم ہوا کہ ایک رقم کثیر جاگیرداران امروہہ سے تادیبًا وصول کریں۔ نواب دوندے خان کے انتقال کے بعد سے روہیلوں کی طاقت کو زوال شروع ہوا۔ اسکے مختلف اسباب تھے، اولاً دوندے خان کے پسران محب اللہ اور فتح اللہ میں حکومت کی اہلیت ہی نہ تھی، دوسرے مرہٹوں نے اسی زمانہ میں ملک پر فوج کشی کی۔ ۱۵ رجون ۱۱۸۶ھ ۱۷۷۲ء کے معاہدہ کی روسے نواب شجاع الدولہ وزیر الممالک اودھ نے مرہٹوں کو ملک بدر کرنے کا اس شرط سے وعدہ کیا تھا کہ تین سال کے عرصہ میں چالیس لاکھ روپیہ روہیلہ سردار انکو ادا کریں۔ نواب شجاع الدولہ نے تو اپنا وعدہ پورا کیا مگر حافظ رحمت خان نے ادائیگی رقم سے گریز کیا، نوبت بہ جنگ پہنچی۔ روہیلوں کو شکست نصیب ہوئی اور ۷ راکتوبر ۱۱۸۸ھ ۱۷۷۴ء کے عہدنامہ کی روسے نواب فیض اللہ خان پسر نواب دوندے خان کو رام پور کی جاگیر دی گئی اور بقیہ ملک روہیلکھنڈ نواب وزیر الممالک اودھ کے علاقہ میں شامل ہوگیا۔

مرہٹہ گردی اور امروہہ کی حفاظت کا انتظام

مرہٹہ گردی میں بدنظمی اور ابتری کی وجہ سے امروہہ پر جاٹوں کے حملے ہوتے تھے، باشندگان شہر کو خود ہی اپنی حفاظت کا آپ انتظام کرنا پڑتا تھا۔ اس زمانہ کی حالت کا تھوڑا بہت اندازہ ذیل کی تحریر سے ہوسکتا ہے جو نواب بہروز خان بہادر کی جانب سے میر یادگار علی و میر قرب علی و میر قنبر علی خان

(بقیہ صفحہ ۵۱)

صرصر حادثہ برخاست پئے خواری ما — داد برباد سر و برگ جہانداری ما

آفتاب فلک رفعت شاہی بودیم — برد در شام زوال آہ سیہ کاری ما

چشم ما کہنہ شد از دست فلک تیرہ شد — تا نہ بینیم کہ کند غیر جہانداری ما

داد افغاں بچہ شوکت شاہی برباد — کیست جز ذات تو برا کہ کند یاری ما

سنہ ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

میر یٰسین علی ساکنان امروہہ (محلہ دربار کلاں) کو بتاریخ بست و پنجم شہر ذی قعدہ سنہ ۱۳ جلوس شاہ عالم بھیجی گئی تھی۔

الٰہی

"سیادت دعوالی پناہان میر یادگار علی و میر قنبر علی خان و میر یٰسین علی ہموارہ در حفظ باشند

خط مرسلہ رسید حقیقت مندرجہ بوضوح انجامید۔ بموجب نوشتہ آں سیادت دعوالی پناہان

بست و پنج[1] سوار مرہٹہ ہائے ملازم ہمل ہمراہ غلام نقی پسر محمد باقر خان فرستادہ شد باید کہ محافظت

قصبہ امروہہ بوجہ احسن نمایند و حفاظت سواران مذکور نیز ذمہ خود شناسند و تدبیر پیشکش

سرکار والا قرار واقعی نمودہ اطلاع دہند و چہار دہ توپخانہ کہ درانجا موجود اند با حتیاط تمام نگاہدارند

نشود کہ ازاں جملہ یک ضرب بیجا گردد دریں باب تاکید مزید دانند دیگر کیفیت زبانی علی نقی مذکور

معلوم خواہد شد زیادہ چہ نگارش رود" ۔ نصہ

نوابانِ اودھ کی حکومت سنہ ۱۱۸۸ھ ۱۷۷۴ء لغایت سنہ ۱۲۱۶ھ ۱۸۰۱ء اٹھائیس برس تک روہیلکھنڈ پر نوابان اودھ کی حکومت رہی ۔ بریلی، بدایوں اور مرادآباد تین ضلعوں پر ملک کی تقسیم کی گئی ۔ مرادآباد میں اوّلاً اصالت خان حاکم مقرر ہوا اور اس کے بعد چودہری مہتاب سنگھ بشنوئی کو یہ عہدہ تفویض ہوا ۔ نوابان اودھ کے زمانہ حکومت میں مالگذاری اور نذرانہ وصول کرنے کے لئے رعایا پر بہت کچھ جبر و تشدد کیا گیا سنہ ۱۱۹۳ھ میں امروہہ کے عامل نے، جو من جانب نواب وزیر الممالک یہاں متعین تھا، اتنی سختی برتی اور خلاف معمول قدیم چند ایسے جدید مطالبات قایم کئے کہ امروہہ کے معافیداروں کی کثیر تعداد نے ایک جلسہ میں مجتمع ہوکر باہم عہد و پیمان کئے کہ نذرانہ مقررہ قدیم کے سوائے جدید مطالبات ہرگز ادا نہیں کریں گے اور اس معاملہ میں ایک دوسرے کے معاون مددگار رہ کر متفقہ قوت سے کام کریں گے چنانچہ

---

[1] غالباً یہ تعداد (۲۵۰) سواروں کی تھی۔

اس مضمون کی ایک دستاویز، ربیع الثانی سنہ ۱۱۹۳ھ کو مرتب کی گئی نتھے خانی کے حادثہ کا ایک سبب بعض معافیداروں کا یہ طرز عمل بھی تھا۔

نتھے خانی کا حادثہ

سنہ ۱۱۹۳ھ ۱۷۸۵ء میں ایک حادثہ امروہہ میں نتھے خانی کا پیش آیا نتھو خاں منجانب وزیر الممالک آصف الدولہ حاکم سنبھل تھے۔ حیات خان بن روشن خاں جو نتھے خان کے خسر تھے امروہہ میں سکونت پذیر تھے۔ ان کے پاس املاک و جاگیر معافی کے بہت سے مواضعات تھے۔ حیات خان والا باغ، جو شہر سے متصل ہے اور جس میں ایک خوبصورت مسجد بھی بنی ہوئی ہے، ان ہی سے منسوب ہے۔ محلہ گذری کے بعض سیدوں سے کسی معاملہ پر ان سے ان بن ہو گئی، معاملہ نے یہاں تک طول کھینچا کہ نتھے خان اپنے خسر کی حمایت میں اپنی فوج لیکر مخالفوں کے مقابلہ کو چڑھ آئے۔ میر اسد اللہ خان سے مخالفت تھی ان ہی کے مکانات کو حملہ آوروں نے خوب لوٹا کھسوٹا۔ متعدد لوگ مارے گئے۔ سید گلزار علی بن سید وزیر علی (از اولاد سید مبارک) جو بہ رسالہ بخشی الملک مظہر علی خان پانصد یدات پچاس سوار کے منصب دار تھے، اسی نتھے خانی میں قتل ہوئے۔ "تباہی سادات شدہ" اس حادثہ کی تاریخ ہے۔

انگریزوں کا تسلط

سنہ ۱۲۱۶ھ ۱۸۰۱ء میں نواب وزیر الممالک نے بعوض اخراجات فوج انگریزی روہیلکھنڈ کا وسیع علاقہ بشمول ضلع مراد آباد ایسٹ انڈیا کمپنی کو تفویض کر دیا، مراد آباد ضلع کا صدر مقام قرار دیا گیا، اور مسٹر ڈبلیو لیسسٹر Mr. W. Leycester پہلے کلکٹر مقرر ہوئے۔ یہ زمانہ مرہٹہ گردی کا تھا، مرہٹوں کے متواتر حملے اس علاقہ میں ہوتے تھے۔ سنہ ۱۲۱۹ھ ۱۸۰۵ء میں مہاراجہ ہولکر نے اپنے ایک سردار کو یہاں فتنہ و فساد برپا کرنے کے لئے متعین کیا، قرعۂ فال امیر خان کے نام آیا، جو بعد کو نواب ٹونک ہوئے، نواب امیر خان کا وطن سرائے ترین سنبھل تھا، نسباً سالارزئی پٹھان تھے۔ ان کے باپ محمد حیات خان کچھ عرصہ دوندی خان کے یہاں ملازم رہے۔ دادا کا نام طالع خان تھا وہ نواب علی محمد خان کی فوج میں ملازم رہے۔ امیر خان کے ساتھ پنڈارہ قوم کے سواروں کا بڑا دستہ تھا۔ جن کی تعداد دس ہزار بیان کی گئی ہے[1]

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹیر مراد آباد مطبوعہ سنہ ۱۹۱۱ء۔

یہ لوگ نہایت سرعت کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچتے اور لوٹ مار سے آفت برپا کرتے تھے۔ جنرل اسمتھ GENERAL SMITH کیپٹن سکنر CAPTAIN SKINNER اور کیپٹن مرّے CAPTAIN MURRAY بھی اپنی فوج کے ساتھ ہر جگہہ ان کے تعاقب میں لگے رہتے۔ امیر خاں سنہ ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۵ء میں امروہہ پہنچے یہاں امروہہ کے قریب موضع ابراہیم پور میں انکا مقابلہ کیپٹن مرّے کے سپاہیوں سے ہوا، دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ شام کو کرنل برن COLONEL BURN نے پنڈارہ سردار کو شکست دیکر چاندپور کی طرف بھگا دیا۔

سنہ ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۵ء لغایت سنہ ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء تک کوئی خاص واقعہ امروہہ میں پیش نہیں آیا۔ بعض اوقات ڈاکہ زنی کی وارداتیں البتہ ہوتی رہیں۔ جاٹ، اہیر، اور میواتی ڈاکوؤں کے گروہ اس زمانہ میں ضلع کے ہر چہار طرف لوٹ مار کرتے رہتے تھے جن کی سرکوبی کے لئے اس زمانہ کے کلکٹر مسٹر اوسوالڈ MR. OSWALD اور مسٹر سیٹن MR. SETON نے موثر تدابیر اختیار کی تھیں۔

امروہہ میں انگریزی فوج کی چھاؤنی

ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلّط کے ابتدائی دور میں انگریزی فوج کی چھاؤنی بھی امروہہ میں قائم کی گئی تھی کچھ عرصہ تک شہر کے قریب فوج کا پڑاؤ رہا، چند عارضی بنگلہ اور عمارتیں بھی تعمیر ہوئیں لیکن بعد میں فوجی افسروں کی رائے تبدیل ہوگئی اور یہاں کی فوج میرٹھ بھیج دی گئی۔ میر سید محمد حسن خاں (دانشمند) سے "صاحبان عالی شان چھاؤنی" کے مراسم اتحاد تھے۔ مسٹر اڈورڈ روزلی براڈفوٹ جو فیض آباد میں اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ میر صاحب موصوف سے مراسم دوستی تھے، وہ اپنی چٹھی مرقومہ ۱۸۲۵ء میں اس چھاؤنی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ تحریر اس لحاظ سے بھی کہ اس زمانہ کے بعض انگریز بھی اردو کی مقفّٰی و مسجّع عبارت پسند کرتے تھے دلچسپ ہے اسلئے ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

عالی مرتبت معالی منزلت رفیع الشان منیع المکان سلمہ الرحمان

"اس وقت میں کہ شاہد مدّعا در بر و رحیق مارب در ساغر ہے و معشوق حصول مطالب دلی"

۵۵ بست اطلگی عنایت الم نیرلی آراستہ پیراستہ تھا کہ گلدستہ بند گلہائے اتحاد وچمن آرائے چمنستان وداد اعنی محبت شمامہ شانہ کش کا کل وصول ہوکر نسیم نسیم اس کی از بار رسیا منزل کا متبسم ہوا ایسا ئے کہ بہ استکشاف تحقیقات راقم کی تھا حال یہ ہے راقم بہ عہدہ اسسٹنٹ کلکٹر ضلع فیض آباد سرکار دولت مدار سے مقرر و مامور ہوکر مقیم فیض آباد خاص ہوں، امتحان سے فراغ ہوا، ترقی کا ذریعہ ہوا حسب التحریر جو رقیمہ بلا مہر ہوگا اسپر لحاظ نہ ہوگا و لازم اتحاد کا یہ ہے کہ ہمیشہ ابواب رسل رسائل کے مفتوح رکھتے کہ ہر آئینہ موجب استحکام مبادی اتحاد کا متصور ہے وحال خیریت اشتمال صاحبزادگان محمد حسین خاں وصاحبان عالی شان چھاؤنی سے مطلع کرتے رہئے۔ فقط۔

مکرر آنکہ امید بلیغ ایں جانب رامی شود کہ آں دوست صمیم بہر نوع در حالت بہبودی وخوش خراجی است۔ برادرم از مراد آباد کوچ کردہ است بطرف تھو کہ دراحاطہ بمبئی (بمبئی) می ماند۔

غدر ۱۸۵۷ء کے حالات

میرٹھ میں فوج کے باغی ہوجانے کی خبریں سب سے اوّل ۱۲ ر مئی ۱۸۵۷ء کو امروہہ اور مراد آباد پہنچیں۔ اس زمانہ میں مسٹر سی۔ بی۔ سانڈرس[۱] مجسٹریٹ مراد آباد، مسٹر جے۔ جے کیمبل[۲] جائنٹ مجسٹریٹ اور مسٹر جے کراکرافٹ ولسن[۳] جج تھے۔ آخر الذکر چونکہ اس ضلع میں سترہ برس سے تعنیات تھے وہ ضلع اور باشندگان ضلع کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے اسلئے جب صورت حال زیادہ تشویشناک ہوگئی تو تمام ضلع کا انتظام ان ہی کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ ۱۵ ر مئی کو جب یہ اطلاع ملی کہ گوجروں نے میرٹھ کا راستہ روک رکھا ہے تو یہ تجویز ہوئی کہ مسٹر سانڈرس کے ساتھ کچھ جمعیت گوجروں کی سرکوبی کے لئے بھیجی جائے۔ امروہہ کے کوتوال سید افضل علی بھی مسٹر سانڈرس کی ہمراہی

---

۱ Mr. C.B. Saunders. ۲ Mr. J.J Campbell.
۳ Mr. J. Cracroft Wilson.

میں متعین ہوئے۔ امروہہ کے انتظام کے لئے یہاں کے رؤسا اور با اثر اشخاص کو مسٹر سانڈرس نے خطوط لکھے۔ تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے خط موسومہ سید محمد حسن خان (دانشمند) کی نقل درج کی جاتی ہے :-

خان صاحب بسیار مہربان سید محمد حسن خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام و شوق ملاقات واضح باد حسب روبکار امروزہ آپ کو لکھا جاتا ہے کہ سید افضل علی کوتوال امروہہ ہمارے سات (ساتھ) میرٹھ کو جاوے گا اور مددعلی باپ اسکا بطور منصرم امروہہ میں رہے گا۔ آپ کو مناسب ہے کہ کومک (کمک) اور مدد ہر طرح سے مددعلی کی کرتے رہو۔ عین مہربانی ہوگی فقط۔ تاریخ ۱۷ رمئی ۱۸۵۷ء۔

اور واضح ہو کہ تم شریک مشورہ ہر امر کے مددعلی کے رہو اور مددعلی کو بھی لکھا گیا کہ باتفاق اور مشورہ تمھارے کے انجام کار کرے۔ فقط تحریر صدر سنہ صدر۔

Char B. Saunders,

Magistrate.

۱۷ رمئی ۱۸۵۷ء

امروہہ میں میرٹھ اور دہلی کے غدر کی خبریں پہنچنے کے پانچ چھ دن بعد غالباً ۱۸ رمئی کو خاندان دیوان سید محمود (دربار کلاں) اور خاندان درویش علی خان (قوم کلال) کے سر برآوردہ افراد نے سب سے پہلی مجلس مشاورت درگاہ شاہ شرف الدین شاہ ولایتؒ میں منعقد کی۔ اس میں شہر کے مختلف خاندانوں کے عمائد و اکابر کو طلب کیا گیا تھا۔ تقریباً تیس ۳۰ اشخاص احاطہ درگاہ کے اندر اس مجلس میں شریک ہوتے، بیرون درگاہ رؤسا و اکابر شہر کے ملازمین اور عوام کا ہجوم تھا۔ جلسہ کے بانیوں میں سید محمد حسین خان، سید یوسف علی خان، مولوی سید تراب علی، سید محمد باقر، سید محمد عرف محمد جھکا، سید مبارک، سید محمد زمان سید ذوالفقار علی، سید فرحت علی، سید شرف علی، سید تحسین علی، سید علی محمد، سید

سلطان علی، سید محمد اسمٰعیل، سید بنیاد علی عرف عقرب، سید بشارت حسین، سید بشیر علی خان سید غلام سجاد وغیرہ (نبیرگان دیوان سید محمود) سید یاد علی و سید سجاد علی (ساکنان محلہ بنگلہ) سید رمضان علی (کٹرہ غلام علی والے) اور خاندان درویش علی خان میں ولایت علی خان مولوی بشارت علی خان، مہربان علی خان وغیرہ اور مجاپوتوں میں سے سید محمد حسین اور چبوترہ والوں میں سے سید نذیر حسین وامیر حسین وغیرہ موجود تھے۔ دیگر عمائد واکابر شہر میں سے سید علی مظفر خان (گھڑیال والے) میر بنیاد علی (پیرزادہ)، مولوی کریم بخش عباسی اور سید محمد حسن خان (دانشمند) بھی شرکت کے لئے بلائے گئے تھے۔ بانیان جلسہ کی غرض یہ تھی کہ اگر ایسا غدر ضلع مراد آباد میں بھی ہوگیا جیسا کہ دہلی اور میرٹھ میں ہوا ہے تو ہم انگریزی عملداری کو امروہہ میں درہم وبرہم کردینگے اور اپنی حکومت قایم کرلیں گے۔ خاندان دیوان سید محمود اور خاندان درویش علی خان کے افراد تعداد اور رسوخ کے اعتبار سے اس زمانہ میں امروہہ کے دوسرے خاندانوں کی نسبت شان امتیاز رکھتے اور اپنے کو موروثی منصب اب سمجھتے تھے اور اسلئے شہر کی حکومت اور انتظام کے دعویدار تھے۔ سید علی مظفر خان (گھڑیال والے) سید محمد حسن خان (دانشمند) اور شہر کے دیگر اکابر نے انکی اس تجویز سے اختلاف کیا لیکن بانیان جلسہ نے آپس میں مشورہ پختہ کرلیا اور جلسہ برخاست ہوگیا۔

امروہہ میں یہ حالات پیش تھے اُدھر مسٹر سانڈرس میرٹھ جانے کے قصد سے ۱۸ مئی کو مراد آباد سے روانہ ہوکر رجب پور پہنچے تھے کہ ۱۹ مئی کو باغیوں نے مراد آباد کا جیل خانہ توڑ کے قیدیوں کو آزاد کردیا، اور فوج باغی ہوگئی۔ رجب پور کے مقام پر اس واقعہ کی اطلاع پاتے ہی انہوں نے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور سید افضل علی تھانہ دار امروہہ و سید محمد حسن خان (دانشمند) کے ساتھ جو امروہہ سے رجب پور بھیجے گئے تھے، مسٹر سانڈرس مراد آباد واپس آگئے ۱۹ مئی کو جب جیل خانہ توڑ کر قیدی آزاد ہوگئے۔ سید گلزار علی بن سید اکبر علی (ساکن دربار کلاں)، جو مراد آباد میں مختاری کرتے تھے، قیدیوں کی ایک جماعت کے ساتھ راتوں رات

مرادآباد سے امروہہ آپہنچے۔ یہاں پہلے ہی سے لوگ آمادۂ فساد تھے۔ درگاہ شاہ ولایت کی مجلس مشورہ کے بعد سید رمضان علی (کٹرہ والے) کے مکان پر پنچایت ہوئی، پھر سید گلزار علی کے امروہہ پہنچنے پر محلہ دربار کلاں میں شیخ رمضان علی کے مکان پر تمام رات بڑے شور وغل کے ساتھ پنچائیت ہوتی رہی۔ اس پنچایت میں سید ظہور حسن و سید یعسوب الدین (دوست علی والے) اور چند اور لوگ بھی شریک ہوئے۔ تمام بحث دیر ہو جانے پر ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء کو علی الصباح تھانہ پر حملہ کیا گیا جس میں کئی ہزار اشخاص شریک بیان کئے جاتے ہیں۔ باغیوں نے میر مدد علی تھانہ دار اور شہامت خان جمعدار کو قتل کر کے تھانہ کے مکان کو جلا دیا، وہاں سے فارغ ہو کر باغی تحصیل پر چڑھ دوڑے سترہ ہزار روپیہ خزانہ تحصیل کا لوٹ لیا اور تمام دفتر کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا منصف سعد اللہ خان کو مع دفتر کے سید علی مظفر خان اپنے مکان پر لے آئے تھے اسلئے وہ محفوظ رہے۔

یہ واقعات جب امروہہ میں رونما ہو رہے تھے مسٹر سانڈرس نے اُسی دن صبح کے وقت سید محمد حسن خان (دانشمند) کو امروہہ کے انتظام کے لئے مقرر کیا اور پروانہ دیکر مرادآباد سے امروہہ بھیجا، وہ قریب ایک بجے دن کے جب امروہہ پہنچے یہاں تھانہ و تحصیل لٹ چکی تھی۔ باغیوں نے اپنا تسلط اور انتظام قایم کر لیا تھا۔ ان حالات کی اطلاع جب حکام ضلع کو ہوئی مسٹر سانڈرس نے ناظر گور سہائے ولد بہرت سنگھ کو، جو قوم کے جاٹ اور کلکٹری میں ناظر کے عہدہ پر مامور تھے، یہ کہکر امروہہ بھیجا کہ امروہہ کا جانا کوئی قبول نہیں کرتا تم امروہہ جا کر انتظام درست کرو۔ چنانچہ ناظر مذکور ۲۴ مئی کو امروہہ آئے۔ سید علی مظفر خان، میر بنیاد علی (پیرزادہ) اور شہر کے اور امن پسند لوگ شہر سے باہر جا کر انکو اپنے ساتھ لائے۔ اسکے ہم قوم جاٹوں کی کثیر تعداد بھی انکے ساتھ جمع ہو گئی۔ دوسرے دن ۲۵ مئی کو مسٹر ولسن بھی تلنگوں کی ایک جماعت کے ساتھ امروہہ آئے۔ سید گلزار علی اور ان کے ساتھی مسٹر ولسن کی آمد کی خبر سنکر امروہہ سے چلے گئے، مسٹر ولسن نے مفسدہ

پردازوں کی تنبیہ اور حکومت کے رعب و اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے سید گلزار علی وغیرہ باغیوں کے مکانات منہدم و مسمار کرا دیے۔ ۲۶ر مئی کو مسٹر ولسن مراد آباد واپس آ گئے۔ ناظر گور سہائے، جنکو بصلۂ خدمات ایام غدر بعد میں راجہ کا خطاب اور گیارہ گاؤں انعام میں دیئے گئے، امروہہ کے ناظم مقرر ہوئے۔ لیکن وہ صرف دس دن امروہہ رہے تھے کہ مسٹر جے۔ جے کیمبل جائنٹ مجسٹریٹ نے حسن پور کے مقام پر دو سو آدمیوں کے ساتھ انہیں طلب کیا۔ وہاں سے ساتویں دن یعنی ۱۱ر جون کو جب یہ امروہہ واپس آئے حالات بہت کچھ تبدیل ہو چکے تھے۔ مراد آباد سے انگریز حکام میرٹھ و نینی تال جا چکے تھے اور انگریزی عملداری ضلع میں باقی نہیں رہی تھی۔ باغی ناظر گور سہائے کے مار ڈالنے کی فکر میں تھے کہ یہ اسی دن امروہہ سے مراد آباد چلے گئے۔ اور وہاں سے اپنے ہم قوم جاٹوں کی امداد سے گجرولہ گئے جہاں ساکنان امروہہ میں سے پیر محمد علی جان وغیرہ تا اختتام غدر ان کے ساتھ رہے۔ مراد آباد میں نواب مجو خان نبیرہ شیخ عظمت اللہ سابق صوبہ دار مراد آباد نے شہر پر اپنا قبضہ و تسلط قایم کر لیا تھا لیکن نواب رام پور کے عم بزرگوار نواب عبد العلی خاں کی آمد پر انہیں علیحدہ ہونا پڑا۔

امروہہ پر جاٹوں کا حملہ

مراد آباد میں جب یہ واقعات رونما ہو رہے تھے اسی زمانہ میں امروہہ پر جاٹوں کا حملہ ہوا جس کے چشم دید حالات صاحب تاریخ اصغری نے یہ لکھے ہیں:۔

"صاحب سنگھ ساکن موضع لکھوری نے دیپا سرائے سنبھل کو لوٹ کر بہمراہی لچھنا جاٹ ساکن موضع جول کھیڑہ دکھن کی طرف سے امروہہ پر چڑھائی شروع کی۔ پہلے حملہ میں جو تھوڑے عوام الناس یہاں کے مقابل ہوئے تو جاٹوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ ناواقف آدمی جنگ نادیدہ موزہ بیرون کشیدہ تعاقب کئے چلے گئے، جب شہر سے دور ہو گئے تو موضع سپ سرہ میں گنواروں نے گھیر لیا۔ سترہ آدمی جان سے

مارے گئے باقی بھاگ آئے۔ پھر جاٹوں نے دو روز کے بعد دوسرا حملہ کیا اور چونکہ پہلے حملہ میں وہ روباہ طینت چند آدمیوں کو مار کے اور بھی شیر ہو گئے تھے لہذا باشندگان شہر کو ملا لحاظ پیغام دیا کہ مہاجنوں کو ہمارے حوالہ کر دو یا دس ہزار روپیہ دو ورنہ ہم اس شہر کو لوٹ لینگے۔ اُس حالت غدر میں روپیہ کہاں تھا بجز اسکے کہ مہاجنوں کا اور ہمارا ایک حال ہے اور کچھ جواب نہ بن پڑا آخر کار مقابلہ کی نوبت پہنچی، اور جاٹ ہٹ گئے۔ شہر والے دھوکا پا چکے تھے، آگے نہ بڑھے، اس سے دوسرے روز بے شمار جاٹوں نے متفق ہو کر پھر حملہ کیا اور ٹڈی کے بادل کی طرح اُمنڈ آئے، تب تو (علی اور ادنیٰ شہر کے لاچار ہو کر اور نیجوائے دمرگ انبوہ جشنے دارد) اپنی جانوں سے ہاتھ دھو کر سب کے سب مقابل ہوئے۔ شہر میں شاریہ آدمی رہے اور سب طرف شہر کی حفاظت کو اچھے اچھے مدبر اور کارداں آدمی مقرر ہوئے کس واسطے کہ تمام صحرا گنواروں سے بھرا ہوا تھا اور اس روز کسی طرح اُن پر غالب ہونے کا گمان نہ تھا لیکن من جانب اللہ تائید غیبی اور امداد لاریبی ایسی شامل حال ہوئی کہ شہر والوں کے باہر نکلتے ہی جو جاٹوں نے حملہ کیا اور بندوقیں فیر کیں تو گولیاں با دہوائی گئیں اور شہر والے تلواریں کھینچ کھینچ کر دوڑ پڑے...... جب بدخواہوں نے یہ حال دیکھا تو ناچار فرار کو قرار پر اختیار کیا..... بعد اس کے پھر کبھی جاٹوں کو امروہہ پر حوصلہ چڑھائی کا نہ ہوا۔" [1]

اسلامی سلطنت دوبارہ قائم کرنے کا خیال

تمام ضلع اور بالخصوص امروہہ میں غدر اور بلوہ کی شدت چار پانچ ماہ تک جاری رہی، ڈسٹرکٹ گزیٹیر میں [2] بیان کیا گیا ہے کہ :-

"مسلمانوں نے من حیث القوم ضلع بھر میں برٹش گورنمنٹ سے اپنی مخالفت کو نہایت صاف اور صریح طریق پر ظاہر کیا، روہیلکھنڈ کے اضلاع کی طرح مرادآباد کے ضلع میں

---

[1] تاریخ اصغری صفحہ ۱۸ - [2] صفحہ ۱۶۶ ڈسٹرکٹ گزیٹیر۔

بھی تعصب مذہبی اور انگریزوں کی ہربات سے انتہائی تنفر کے جذبات نے مسلمانوں
کو عام بغاوت پر مشتعل کیا تھا۔"

مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹر کی اس رائے سے خواہ کیسا ہی اختلاف کیا جائے لیکن کاغذات دیرینہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء سے لیکر آخری ہفتہ ستمبر ۱۸۵۷ء تک ان چار مہینوں میں امروہہ کے بعض مسلمان روسا اور سربرآوردہ لوگوں کے دل و دماغ پر حکومت اسلامی کے ازسرنو قایم کرنے اور حصول منفعت ذاتی کا ذریعہ پیدا کرنے کے خیالات کا ہجوم اور تسلّط ضرور رہا چنانچہ بعض موقع شناس اور سربرآوردہ مسلمانوں نے شاہ معزول دہلی کی خدمت میں عرضداشتیں ارسال کیں جن میں اظہار عقیدت و جاں نثاری کے علاوہ انگریزی سلطنت کے مٹانے اور اسلامی سلطنت ازسرنو قایم ہونے کی آرزو ظاہر کرکے قصبہ امروہہ بلکہ ملک کٹھیر (روہیلکھنڈ) کا اہتمام و انتظام سپرد کئے جانے کی استدعا کی گئی تھی۔

اہل امروہہ کی شاہِ معزول کو عرضداشتیں

فتح دہلی کے بعد جب شاہی دفتر کے کاغذات کی جانچ پڑتال کی گئی تو اہل امروہہ کی یہ عرضیاں بھی برآمد ہوئیں۔ انکے فرستندگان کے نام و پتے دیرینہ کاغذات میں اس طرح ثبت ہیں :-

(۱) عرضی ذرّہ بے مقدار خاکسار نمک خوار کمترین شاہان محمد شیر علی خان خلف سید محمد نذیر علی خان از سادات امروہہ معروضہ دوم ماہ ذالحجہ الحرام ۱۲۷۳ھ

(۲) عرضی فدویان شیخ بشارت علی خان و شیخ مہربان علی خان و شیخ مظفر علی خان و شیخ فیاض علی خان و شیخ اعتماد الدین خان و شیخ عباس علی خان و شیخ عشرت علی خان و شیخ احسن علی خان و شیخ نصیر الدین خان و شیخ منصب علی خان پسرگان درویش علی خان پنجہزاری خانہ زاد موروثی ساکنان قصبہ امروہہ ضلع مرادآباد سرکار سنبھل معروضہ ۱۶ شوال ۱۲۷۳ھ

(۳) عرضی مہری و لیداد خان معروضہ ۷ شوال سنہ ۱۲۷۳ھ۔

(۴) عرضی فدویان سید گلزار علی و سید نثار علی و سید محمد حسین و سید محمد و سید فضل حسن و شیخ الٰہی بخش وغیرہم ساکنان امروہہ - ۶ شوال سنہ ۱۲۷۳ھ

(۵) عرضی کمترین غلامان عقیدت کیش سید محمد سجان علی متوطن معافی دار امروہہ معروضہ ۲۵ ذیقعدہ سنہ ۱۲۷۳ھ۔

(۶) عرضی بشارت علی خان نبیرہ درویش علی خان معروضہ ۹ ذالحجہ سنہ احد جلوس والا در بارہ یاددہانی عرضی مرسلہ بتاریخ ۱۶ شوال سنہ ۱۲۷۳ھ۔

ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان میں سے بعض عرضداشتوں کی نقول تمام و کمال ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

عرضداشتوں کی نقول

نقل عرضداشت سید شبیر علی خان خلف سید محمد نذیر علی خان ساکن محلہ دربار کلاں موسومہ شاہ معزول دہلی

بندگان قدس آشیان ملائک پاسبان بارگاہ فلک اشتباہ ظل اللٰہی خلافت پناہی ادام اللہ ایام دولتہ و اعلاء

بعد عرض می رساند

عرضداشت ذرۂ بے مقدار جاں نثار نمک خوار کمترکمترینان محمد شبیر علی خان

کہ ہموارہ در تمنائے استماع مژدۂ فتح و ظفر رایات نصرت آیات بندگان سکندر شان دارا دربان بودہ مترصد بشارت فتوحات تازہ و تفرجات بے اندازہ می ماند قبل ازیں بعہد عدالت مہد سلطنت شاہی آباو اجداد ایں جاں نثار بمرحمت مناصب جلیلہ و عطاہائے نبیلہ از قبل خطاب و منصب و جاگیرات معزز و سرفراز بودہ مورد اصناف مراحم شاہانہ و گوناگون عطیات و عنایات خسروانہ ماندہ اند چنانچہ ببرکت ہماں عنایت و امداد شاہی ذریعہ اوقات گذاری و وسیلہ سپاسداری است و ہموارہ بہ استدعائے اعلائے رایات ظفر آیات و ارتقائے اعلام نصرت انجام موظف و شاغل۔ دریں آوان میمنت اقتران کہ رشحات دولت و اقبال از سحاب افضال حضرت ذوالجلال رسیدہ و بادمراد عنایت خالق العباد بر پرچم اعانت و امداد وزیدہ

ناصیہ فدویت بدرگاہ معبودی سائیدم وسجدات شکر گذاری بمحراب ایزد باری بتقدیم رسانیدم تمنائے این جان نثار آں بود کہ بدرگاہ ملائک پناہ ظل اللّٰہی حاضر شدہ بتقریب جان نثاری بہ ادائے سپاسداری کوشم مگر انا نجا کہ بالفعل بسبب درہمی و برہمی بیکحوہت کفرہ ظلمہ واختلال احوال عامہ رعایا و یورش و افساد دہا قین بدنہاد و تعدی و تغلب قوم جاٹان بے بنیاد صورت بے سرانجامی اطراف و بے انتظامی این اکناف واقع است از احصال سعادت عتبہ بوسی آستان ملائک پاسبان محرومی دارد معہذا ہنوز بوجہ شورش و یورش مفسدان امنیت طریق کما ینبغی صورت نہ بستہ اند کہ ازیں مراتب و غدغہ باقی ست چوں اکنوں بہ اقبال خسروی و امداد شاہنشاہی ہرگونہ امن و ہر نوع رفاہیت و اطمینان زمرۂ جان نثاران ظل اللّٰہی می ماند فروغ آفتاب عالمتاب سلطنت جہانبانی بر سر بندگان دایماً پرتو افگن باد بالنون والصاد۔

عرضی

ذرہ بے مقدار خاکسار نمک خوار کمترین محمد شیر علی خان خلف سید محمد نذیر علی خان ساداتِ امروہہ مورخہ دوم ماہ محرم الحرام ۱۲۷۳ھ

(۲) نقل عرضداشت نبیرگان درویش علی خان پنجہزاری مرقومہ شانزدہم شوال ۱۲۷۳ھ

معروض بندگان حضور لامع النور معدلت منشور حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی شاہنشاہ گیتی پناہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ می رساند

بعد تقدیم مراسم عبودیت و جان نثاری و تنجیم لوازم فدویت و انکساری کہ سرمایہ تفاخر سرمدی ست دریں ایام فرخندہ فرجام بہ استماع مژدۂ جانبخش روح افزائے زیب بخشی افسر و دیہیم خلافت الٰہی و زیب افزائے اورنگ شاہنشاہی این غلامان قدیمی و خانہ زادان موروثی نبیرگان درویش علی خان منصبدار پنجہزاری بہ اقبال والا جانبازی بکار بردہ و مبارزت و دلیری کردہ استیصال بندوبست انگریزاں از سرکار سنبھل و کل قصبات متعلقہ سرکار موصوفہ ساختہ واز قصبہ امروہہ خاص کوتوالش و دیگر متعلقان و خیرخواہان انگریزاں را بہ جہنم رسانیدہ و انہدام مکان تھانہ و تحصیل گردانیدہ شیخ بشارت علی خان برادر کلاں

خود را که از سبن منتظم اند معه پانصد کس مبارز و مستعد برائے انتظام آنجا گذاشته، فدویان بتاریخ بست و نهم ماه رمضان المبارک معه چهل تن برائے جان نثاری تحت حضور فیض گنجور و قدم بوسی بندگان درگاه ملائک پناه که ملجائے جهان و ما وائے بندگان قدیمی خانه‌زادان موروثی است از قصبه امروهه دوال دوال تا غازی الدین نگر رسیده راه دهلی پیش گرفتیم که عظیم الدوله سرفراز الملک نواب محمد ولی داد خان بهادر بتاریخ دوم ماه شوال از پل دریائے هنڈن واپس کنانیده همراه خود بمقام مالاگڈھ آوردند و بسیار الطاف فرمودند. اکنون ما فدویان در مقام مذکور الصدر حسب الارشاد نواب صاحب ممدوح مقیم هستیم، مستحق منصب موروثی لهٰذا امید که بتفضلات حضرت ظل سبحانی و سایهٔ یزدانی به مراحم شاهنشاهی و به مناصب موروثی سرفرازی یافته به انتظام ملک کٹهیر مامور شویم که انجام آں به اقبال بندگان والا بخوبی خواهد شد۔ الٰهی آفتاب جهانگیر کشورکشائے از مطلع جاه و جلال طالع باد بحرمت النون و الصاد۔ فقط۔

بعرض ———————— ی

فدوی شیخ بشارت علی خان و فدویان شیخ مهربان علی خان و شیخ مظفر علی خان و شیخ فیاض علی خان و شیخ اعتماد الدین خان و شیخ عباس علی خان و شیخ غوث علی خان و شیخ احسن علی خان و شیخ نصیر الدین خان و شیخ منصب علی خان نبیرگان درویش علی خان پنجهزاری خانه‌زاد موروثی ساکنان قصبهٔ امروهه ضلع مرادآباد سرکار سنبهل معروضه شانزدهم شوال سنه ۱۲۷۳ هجری۔

(۳) عرضداشت مولوی سبحان علی (پیرزاده) مرقومه ۲۵ ذیقعد سنه ۱۲۷۳ھ

بموقف عرض بازیافتگان آستان فیض نشان خورشید علم مریخ حشم حضرت خداوند گیهان سلطان زمین و زمان المجاهد بن سبحان ظل سبحانی خلیفة الرحمانی خلد الله ملکه می‌رساند

پس از بجا آوری مراسم تسلیمات و کورنش و بعد ادائے فدویت که غلامان عقیدت کیشان را ذریعهٔ بهبودی کونین است الحمد لله علیٰ افضاله که دعاهائے سحری و ادعیهٔ التجائے نیم شبی دعاگویان موروثی و نمک خواران ازلی بذروهٔ اجابت رسیده یعنی به یاوری اقبال هدومال حضرت قضا جریان فرقهٔ معاندین

بدنہاد وحابجا مقتول ومہلوک گردیدہ ونیّر اقبال والا طالع گشت وتسلّط غلامان دولت قاہرہ بہر طرف ملک گردیدہ ومی گردد چنانچہ بیمن اقبال والا ازیں ملک وضلع ہم اخراج فرقۂ نصاری وخلو ملک از حاکمان حکمران گردیدہ پس ازچند سالہا تمنائے دلی وآرزوئے قلبی غلامان عقیدت کیش ودعاگویاں برآمد کہ سایہ حضرت ظلّ سبحانی برمفارق خلق اللہ کہ عقیدت سراپایاں بود مگر بہ عالم ظہور ہم منبسط گردیدہ سه

بشکر الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

دل فدویت منزل بے اختیار می خواست کہ قدم از سر وچشم ساکہ مشرف دربار فلک اقتدار ومستفیض بارگاہ عرش اشتباہ گردد ومراتب جان نثاری ومراسم دولت خواہی بدل وجان ادا سازد الّا چوں از چند ماہ بیمار وصاحب فراش بود طاقت طے منازل ومراحل نداشت ازیں سبب مجبور ماندہ وحقوق نمک خواری وجان نثاری موروثی ہست... از انجا کہ خانہ زاد رسوخ موروثی وفدویت ذاتی بحضور بندگان عالی دارد مورد مراحم خسروانی بودہ است مستحق تفضلات خسروانہ .... متوقع کہ اصدار فرمان قضاجریان مشعر خشنودی مزاج بارگاہ فلک پناہ بنام ایں عقیدت کیش گردد تا موجب مفاخرت گردد و مطابق (آں) خود را مشرف دربار والا ساختہ حقیقت حال گذارش سازد۔

آفتاب ترقیات سلطنت وجہانبانی تاباں ودرخشاں باد

عرضی

نبیرہ حضرت سید محمود مالا مال کرمانی قدس سرّ العزیز کمترین غلامان عقیدت کیش سید محمد سبحان علی[1] متوطن معافیداران امروہہ

مورخہ ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ

---

[1] مولوی سبحان علی بن مولوی امداد علی، جنہوں نے یہ عرضداشت شاہ معزول دہلی کو ارسال کی تھی، اپنے زمانہ میں خاندان پیرزادگان کے مقتدر رکن اور امروہہ کے مشاہیر اکابر وعمائد میں سے تھے۔ یہ امر البتہ حیرت انگیز ہے کہ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں شاہ معزول (دہلی) کو درخواست بھیجنے اور انگریزی حکومت کے خلاف صاف اور صریح الفاظ

(۴۳) عرضداشت دیگر من جانب شیخ بشارت علی خان (قوم کلال)

باریابان درگاہِ ملائک پناہ خداوندِ خدائیگان سکندر شکوہ حق پژوہ حضور ظلِ سبحانی خلیفۃ الرحمانی شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ بموقف عرض می رسانند

بعد بجا آوری مراسم عبودیت و انکساری دلوازم فدویت و جان سپاری کہ موجب افتخار دارین است قبل ازیں بتاریخ شانزدہم ماہ شوال ۱۲۷۳ھ عرضداشت محتوی حال فدویت

(بقیہ صفحہ ۶۶)

میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے باوجود مولوی سبحان علی شاہ ۱۸۵۷ء کی دار وگیر سے نہ صرف قطعاً آزاد و محفوظ رہے بلکہ حکام انگریزی کے یہاں بھی غدر کے پُر آشوب زمانہ کے بعد ہی انہوں نے کافی رسوخ اور وقعت بھی حاصل کر لی تھی۔ اگرچہ یہ بہت ممکن ہے کہ بعد میں اُن کے سیاسی خیالات میں کوئی تبدیلی پیدا ہو گئی ہو تاہم اس عرضداشت کا مضمون اور اس کا لب و لہجہ ایسا ہرگز نہ تھا کہ ان سے مطلق باز پرس نہ ہوتی۔ ان کی یہ عرضی بھی اہل امروہہ کی دوسری عرضیوں کی طرح شاہ معزول کے دفتر سے برآمد ہوئی تھی، دوسرے عرضی گذاروں پر توجرم بغاوت میں سنگین مقدمات قایم ہوئے اور تحقیقات کے بعد سخت سزائیں بھی دی گئیں لیکن مولوی سبحان علی کلیتاً آزاد و محفوظ رہے۔ ظاہر ہے کہ اسکی کوئی خاص وجہ ہوگی۔ بعض سن رسیدہ حضرات سے خاکسار مؤلف کو معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں مولوی سبحان علی کے ہم نام ایک اور شخص سادات امروہہ میں سکنہ دربار کلاں کے ساکن بھی تھے جو جرم بغاوت کی علت میں مفرور ہو گئے تھے۔ سرکاری کاغذات کی نقول میں "سید سبحان علی مفرور" کے الفاظ خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے ہیں۔ غالب قیاس یہی ہے کہ یہ عرضی بھی بجائے مولوی محمد سبحان علی پیرزادہ کے ان ہی "سید سبحان علی مفرور" کی جانب منسوب کی گئی اور چونکہ اس زمانہ تک پیرزادہ صاحبان کی سیادتِ نسبی اور فاطمیت کا اظہار بھی عام طور سے نہیں ہوا تھا، اس خاندان کے ناموں کے ساتھ بالعموم لفظ پیر لکھا جاتا تھا اور خود یہ حضرات بھی اپنے ناموں کے ساتھ یہی لفظ لکھا کرتے تھے۔ ناموں کے ساتھ سید کے لفظ کا استعمال اسوقت تک شروع نہیں ہوا تھا اور "نبیرۂ سید محمود مالامال کرمانی" کے بجائے اہل شہر اور حکام اس خاندان کے افراد کو "نبیرگانِ حضرت شاہ ابن بدر چشتی نہ" جانتے اور سمجھتے تھے۔ اسلئے حکام کو مولوی سبحان علی مرحوم سے سوءظنی کی کوئی وجہ

مثال یعنی از تاریخ بست و پنج ماہ رمضان المبارک ۱۲۷۴ھ مستعد و سرگرم بودن ما فدویان در کار سرکار دولت مدار یعنی استیصال بند و بست انگریزان از سرکار سنبھل و قصبات متعلقہ آن و روانہ نمودن برادران مہربان علی وغیرہ معہ اعتماد الدین خان وغیرہ غلام زادہائے و برادرزادہائے غلام فیاض علی خان وغیرہ معہ رفقائے دیگر جیل تن بحضور معدلت منشور و واپس آوردن نواب عظیم الدولہ سرفراز الملک محمد ولی داد خان بہادر نصرت جنگ اوشان را از پل دریائے ہنڈن متصل غازی الدین نگر بتاریخ دوم ماہ شوال سنہ صدر برفاقت خود بمقام مالاگڑھ برائے انصرام کار بندگان سرکار فیض آثار و طلب عرضداشت نواب صاحب موصوف ترسیل خدمت ایستادگان پایہ تخت عرش منزلت نمودہ بود کہ بپاسخ آن فرمان قضا جریان بنام نواب صاحب ممدوح نزول اجلال فرمودہ مفتخر دارین ساخت اگرچہ کمترین بسبب بودن بمقام امروہہ بنا بر اعانت زمینداران و ممانعت اجرائے تحصیل خیر سگالان نصاری از شرف استیعاب دیدار فائض الانوار بس ممتاز نہ گردید لیکن بعد تعینن داشتن برادر عزیز ولایت علی خان را برائے انجام کار معروضہ بالا بہ امروہہ و حاضر گردیدن فدوی بمقام مالاگڑھ حسب الطلب نواب صاحب بہادر بہ استماع حکم مندرجہ اش از زبان فصیح البیان نواب صاحب موصوف بدین منوال کہ ایشان یعنی فدوی برفاقت نواب صاحب ممدوح حاضر بودہ و انتظام صوبہ ملک دوآبہ پرداختہ بعد انتظام آن مع جماعت حاضر آستان عرش نشان گردد کہ بہ مراد دلی بخدمت و مناصب موروثی سرفرازی خواہد یافت بنا بر آن خانہ زاد موروثی بہ شرف استماع حکم جہان مطاع آفتاب شعاع انصرام کار سرکار فلک اقتدار

(بقیہ صفحہ ۶۷)

نہ تھی، ان کی نظروں میں نہ وہ بغاوت کے مجرم تھے اور نہ ان سے کوئی باز پرس کی گئی۔ الغرض ان کے نام کے ساتھ اس طرح اس عرضی میں لفظ "سید" کے شمول کی برکت نے انہیں آفات زمانہ سے کلیتاً مصئون و مامون رکھا۔

رسیدہ بود بلائے ولے بہ خیر گذشت

دریں نواح وجوار امروہہ دانستہ برفاقت نواب صاحب بہادر مع برادر وبرادر زادہائے و
غلام زادگان بکارِ سرکار فیض آثار عرضداشت نواب صاحب ممدوح منکشف رائے جہان
آرائے خواہد بود آیندہ اندریں باب نحوی کہ حکم قضا شیم شرف نفاذ یابد حسب آں عمل
آرد۔ الٰہی آفتاب دولت واقبال از مطلع جاہ وجلال طالع باد بالنون والصاد۔

عرضی

کمترین خانہ زاد فدوی بشارت علی خان نبیرہ درویش علی خان معروضہ سنہ الیہ ۱۹ ذی الحجہ

عرضداشتوں کے جواب میں شاہی شقہ

ان عرضداشتوں میں سے سید شبیر علی خان کی عرضداشت کے جواب میں شاہ معزول دہلی کی جانب سے ایک شقہ سید مذکور کو وصول ہوا۔ اسکی نقل، جو کاغذات دیرینہ کے تجسس میں دستیاب ہوگئی ذیل میں شایع کیجاتی ہے۔ ایام غدر میں نواب صاحب رامپور کی جانب سے امروہہ کا انتظام مندرجہ ذیل عہدہ داروں کے سپرد تھا:-

(۱) اولاً سید ظہور حسن[۱] عارضی طور پر پھر صاحبزادہ اصغر علی خان مستقلاً (ناظم)۔

(۲) مولوی محب علی خان عباسی (تحصیلدار) (۳) سید یعسوب الدین[۲] (تھانہ دار)۔ (۴) منشی کریم بخش عباسی۔ (کوٹ گشت یعنی انسپکٹر)

شقہ شاہی متذکرہ صدر کے متعلق جو رپورٹیں عہدہ داران مذکورہ بالا نے حکام بالا دست کو ارسال کیں ان کی نقول بھی ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

نقل روزنامچہ واقعہ ۲۳ اگست مطابق ۲ محرم ۱۲۷۴ھ ہجری۔

"خبر منتشر بموجب وردہ سید یعسوب الدین تھانہ دار آمی محرر ومددگار اس مضمون سے

---

[۱] سید ظہور حسن نبیرہ سید دوست علی بن سید عظیم الدین بن سید غلام شرف الدین بن سید غلام باری بن دیوان سید محمود۔ [۲] سید یعسوب الدین بن سید شرف علی نبیرہ سید دوست علی مذکور۔

پہونچی کہ شقہ شاہی دہلی سے واسطے بندوبست پرگنہ امروہہ بنام سیّد محمد شبیر علی خاں پسر نذیر علی خاں مرحوم کے صادر ہوا ہے سو بر طبق ورود شقہ موصوف کے ارادہ خاں صاحب موصوف کا ہے کہ بندوبست امروہہ کا طرف بادشاہ دہلی سے کریں اور تھانہ و تحصیل سب اپنی تجویز سے مقرر کریں۔ یہ خبر مندرجہ روزنامچہ کی جائے۔ چنانچہ حسب تحریر تھانہ دار کے خبر اطلاعاً درج روزنامچہ کی گئی۔"

نقل عرضی کریم بخش کوٹ گشت

"عرصہ پانچ روز کا ہوا کمترین واسطے گرفتار کرنے مجرمان المقدمہ غارت گری بخش اللہ خاں صوبہ دار اور ڈھونڈھنے خوشحال وغیرہ مدّعیان کے موضع ڈکہہ اور مونڈھا وغیرہ دہات کے گیا تو کل کے روز مال مدّعیان قسم نقدی و پارچہ برآمد کر کے لایا جب امروہہ میں آیا معلوم ہوا کہ ایک شقہ شاہی شاہجہاں آباد سے بنام محمد شبیر علی خاں[۱] پسر سیّد محمد نذیر علی خاں برادر زادہ سیّد محمد حسین خاں کے آیا ہے چنانچہ اُس کی نقل ارسال حضور کی جاتی ہے۔ عرضی محررہ ۲۶ اگست ۱۸۵۷ء"

نقل شقہ معطوفہ عرضی کوٹ گشت

"سیادت پناہ شجاعت دستگاہ محمد شبیر علی خاں مورد تفضلات بودہ بدانند عرضی آں سیادت پناہ مشعر بر رسوخ ارادت و خصوص عقیدت در بارگاہ فلک اشتباہ خسروی بہ امید احراز سعادت حضوری و باز ماندن بسبب فتنہ و فساد جاٹان نا ہنجار ضیاء اندوز انظار قدسی گردید و بکلّی کیفیت معروضہ بوضوح رسید۔ لہٰذا زیب ارقام

---

[۱] یعنی سیّد شبیر علی خاں بن سیّد نذیر علی خاں بن سیّد انور علی خاں بن سیّد ارشد علی خاں بن سیّد باقر علی خاں بن سیّد رحم علی خاں بن سیّد عبد العزیز بن دیوان سیّد محمود بن سیّد عبد الماجد بن سیّد عبد الخالق بن سیّد شاہ ابو الحسن بن سیّد محمد میر عدل۔

می رود کہ آں فدوی خاص تا انتظام کلی آنجا قصد احضار در دولت نہ نماید۔ و ہر گاہ امنیت کامل و بندوبست بہ ظہور رسد کاغذ جمع خرچ از تحصیل بعد مجرائے مصارف ضروری حاضر حضور شود۔ دریں صورت مورد الطاف بادشاہی خواہد گردید۔ زیادہ تفضلات شناسند۔

المرقوم ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۷۳ ہجری۔"

نقل عرضداشت مولوی محب علی خاں عامل تحصیلدار امروہہ

"فدوی بہ اتفاق سید موسیٰ رضا کوتوال مرادآباد اور ہمراہیان کے واسطے انتظام سرکاری اندفاع فساد اور شورش جاٹان کے موضع رجب پور میں گیا اور اوّل انتظام راستہ کا واسطے امنیت مسافران کے کر کے لشن سنگھ وغیرہ جاٹان کو طلب کیا چنانچہ وہ حاضر آن کر مطیع فرمان ہوئے اور مچلکے انتظام راستہ کے لکھدئے اور عند الطلب باقی ذرگی اپنے کے کہ بہت قلیل ہے وعدہ پانچ چار روز کا کیا بعد اسکے فدوی بہ طلب پیشکار محال امروہہ میں آیا تو اکثر شہر میں تذکرہ شقہ بادشاہی موسومہ شبیر علی خاں اور مطالبہ انکا زر کثیر مہاجنان شہر سے واسطے نگاہداشت سپاہیان کے پایا اگرچہ اس قدر عرصہ میں گونہ صورت انتظام کی ہوتی آتی تھی کہ اس شقہ سے صورت بدنظمی کی ہوگئی، ساکنان شہر نے اب تک زر قسط خاصہ داخل نہیں کیا تھا بعض مالگذاران دیہات کا وعدہ ادائے قسط کا تھا کہ اس وجہ سے وہ بھی وصول ممکن نہیں۔ دریں صورت اگر جناب حکیم سعادت علی خاں صاحب بہادر معہ دو ضرب توپ کے یہاں تشریف لاویں تو بخوبی انتظام متصوّر ہے اور صبح فدوی بہ معیت کوتوال موصوف انتظام راستہ طرف نوگانوہ وغیرہ کے جاوے گا اور وہاں بھی مفسدوں سے مچلکہ لکھوا کر بتاریخ نہم محرم واسطے عرض حال مفصل کے حاضر حضور ہووےگا۔ اطلاعاً عرض ہے۔ معروضہ ۲ ر اگست ۱۸۵۷ء۔"

عرضی

فدوی محمد محب علی۔ تحصیلدار امروہہ۔

باغیوں کی چند روزہ حکومت

تقۂ شاہی کے پہنچنے پر سید شیر علی خان اور اُنکے ساتھیوں نے امروہہ میں اپنی حکومت قائم کرنی چاہی۔ مسٹر (بعد کو سر جان) اسٹریچی مجسٹریٹ مراد آباد نے ماہ فروری ۱۸۵۸ء میں بمقام امروہہ مقدمہ بغاوت کی جو تحقیقات فرمائی اور اس سلسلہ میں سید محمد حسن خان دانشمند، ناظر (بعد کو راجہ) گور سہائے، میر بنیاد علی (پیرزادہ)، مولوی کریم بخش عباسی، جوہر مل ساہوکار، ہر پرشاد قانون گو وغیرہ کے جو اظہارات ہوئے ان سے بخوبی ثابت ہے کہ ابتدائے ایام غدر میں سادات محلہ دربار کلاں اولاد دیوان سید محمود اور شیوخ کلال نیز گلزار علی خان منصب دار پنجہزاری عہد فرخ سیری نے امروہہ پر اپنی حکومت قائم کی، رعایا سے پندرہ پندرہ بیس بیس برس کا زمینداری وصول کیا، ان ہی حضرات میں سے کوئی ناظم مقرر ہوا اور کوئی دیوان بنا، مہاجنوں اور ساہوکاروں سے بھی روپیہ طلب کیا حتیٰ کہ ایک فقیر حسین شاہ تکیہ دار کو مار باندھکر اس سے روپیہ حاصل کیا، لیکن یہ حالت چند ہی روز رہی۔ بعد کو نواب جناب رام پور نے سید گلزار علی کو شکست دیکر امروہہ پر پورا تسلط قائم کیا۔ ناظر گور سہائے نے اپنے اظہار میں بیان کیا تھا کہ:-

" سیدوں امروہہ نے امروہہ پر اپنا تسلط کیا، اپنی منادی پٹوائی اور گشت اپنی رکھی اور حق زمینداری قصبہ امروہہ کا باشندگان امروہہ سے ۲۲ برس پہلے کا وصول کیا...... دو اہیروں کو مار ڈالا اور روپیہ ان کے چھین لئے، ایک سنار کو اور ایک کھتری کو ان کے گھر پر چڑھ کر مار ڈالا، جو کچھ جھگڑا آتا اس کو فیصل کرتے،...... اور حویلی میری ان ہی ایام میں اڑوادی، دو ہزار روپیہ کی لاگت کی تھی۔ اب میں نے وہ حویلی بنوائی ہے۔" [1]

مولوی کریم بخش عباسی نے جو ایام غدر میں من جانب نواب صاحب رام پور امروہہ کے کوٹ گشت

---

[1] بیان ناظر گور سہائے بہ اجلاس مسٹر (بعد کو سر جان) اسٹریچی۔ ۱۲ر فروری ۱۸۵۸ء۔

تھے اپنے اظہار میں جو ۱۶ فروری ۱۸۵۸ء صاحب مجسٹریٹ کے سامنے دیا بیان کیا کہ :۔

" ناظر گور سہائے کے چلے جانے کے بعد سادات نے اپنے آدمی مقرر کئے اور ہر ایک رعایا کو پکڑوا منگوایا اور تحصیل زمینداره کی کری۔ بڑے دربار والوں نے بڑے دربار کی طرف کی تحصیل کری (کی) اور اسی تحصیل زمینداری میں سنار نے عذر کیا تھا کہ اس کو مار ڈالا اور اس کا گھر پھونک دیا۔ اور مقدمہ سرکار میں دائر ہوا تھا کہ بہ سبب نہ بہم پہنچنے ثبوت کے رہائی ہوئی اور طرف محلہ غلام علی والوں کے رمضان علی نے تحصیل کری (کی) اور کلالو نے اپنی طرف سے اپنی تحصیل کری (کی) اور بنگلوں والوں (رشید یاد علی سجاد علی) نے اپنی جگہ پر رعایا سے تحصیل کری (کی)[1] اور دس دس بیس بیس برس پہلے کی زمینداری تحصیل کری (کی)۔ بعد کو سرکار کی طرف سے جب نواب صاحب (رام پور) نے عمل دخل یہاں کیا تب سب متفق ہو کر وہاں گئے۔ اوّل یہ درخواست کری (کی) کہ جو حاکم مقرر ہوں ہمارے اختیار سے ہوں۔ دوم نذرانہ معاف کر دیا جائے اور باقی جو ہے وہ اگلے سالوں پر ڈال دیا جاوے اور اور بات اسی قسم کی درخواستیں کریں (کیں) ...... بعد کو نواب صاحب (رام پور) نے مجھے یہاں کا تھانہ دار کیا اور (مولوی) محبّ علی (خان عباسی) کو تحصیلدار کیا۔ برائے نام تھانہ دار تحصیلدار تھے مگر سب زور سیدوں کا رہا اور برائے نام دخل نواب صاحب کا ہوا اور جیسا دخل چاہئے قرار واقعی نہ ہونے دیا اور اپنا ناظم اور تھانہ دار اوروں کو کرایا۔ جب نواب صاحب نے گلزار علی کی لڑائی ماری اور علی اصغر خان کو ناظم کیا اور ابن علی کو تھانہ دار کیا اور چھوٹے لال کو تحصیلدار کیا تب پورا دخل ہوا۔ نہیں تو برائے نام دخل تھا اور اس عرصہ میں جب تک بے دخلی نواب صاحب کی رکھی بادشاہ (معزول دہلی) کے ساتھ رسل رسائل رکھے۔ ایک فرمان شبیر علی خان کے نام واسطے کرنے انتظام

---

[1] سید محمد نے چبوترہ میں اپنے محلہ کے چماروں اور رعایا سے زمیندارہ تحصیل کیا (بیان میر منیاد علی)

کے آیا۔ اس کی نقل میں نے نواب صاحب (رامپور) کے پاس بھیج دی ہے مگر سنا ہے کہ سوائے اس کے اور بھی فرمان بنام شیخ محمد افضل اور شیخ بشارت علی خان اور اور کسی کے آیا مگر یہ فرمان ظاہر نہ ہوئے.............

اور شرفت علی وغیرہ اقوام سادات اپنے آپ کو نواسہ اور منصب دار بادشاہی کہتے تھے.....
جب حکیم سعادت علی خان جانب سرکار سے واسطے مقابلہ گلزار علی کے آئے اور قرحت علی
دیوسف علی خان، محمد حسین خان، مولوی تراب علی جو توپ مانگی تو بپاس خاطر گلزار علی،
نذری......اور ولایت علی خان، مہربان خان اور بشارت علی خان گلال.....
اپنے باپ دادوں کو منصب دار بادشاہی بتاتے تھے اور یہ امر میرے روبرو کہتے تھے
کہ دادا ہمارے درویش علی خان وزیر تھے......اور نجیب خان باغی بھی ان کے
کہنے سننے سے آیا اور نوراہن پور اور رجب پور میں ان کے اشارہ سے رسد دی گئی۔" [1]

نواب صاحب رامپور کا انتظام

اس کے بعد نواب صاحب رامپور نے ضلع کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور امروہہ کی نظامت پر ناظر گورسہائے کو مامور فرمایا۔ یہ امر رؤسائے سادات اولاد دیوان سید محمود کے خلاف منشا ہوا۔ ناظر گورسہائے کا بیان ہے کہ:-

"سارے رئیس امروہہ کے مرادآباد میں گئے اور انہوں نے جاکر نواب صاحب کو عرضیاں دیں کہ ہم ناظم ہونا گورسہائے کا نہیں چاہتے اور تھانہ داری افضل علی سے راضی نہیں ہیں۔ ہمارا ہی ناظم ہوئے اور ہمارا ہی تحصیلدار ہوئے اور ہمارا ہی تھانہ دار اور ان ہی ایام میں واسطے معافی نذرانہ کے اور اور بات کی عرضی دی تب نواب صاحب (رامپور) نے مصلحتاً ان ہی لوگوں میں سے (سید) شرف علی کا بیٹا یعنی سید

---

[1] بیان مولوی کریم بخش عباسی ۱۹ فروری ۱۸۵۸ء بہ اجلاس مسٹر اسٹریچی مجسٹریٹ۔

یعسوب الدین (دوست علی والے) تھانہ دار کر دیا اور مولوی) محب علی (خان عباسی) ساکن امروہہ کو تحصیلدار کر دیا مگر ناظم اپنا ہدایت علی خان اپنے سالہ کو کیا[1] لیکن سادات نے ان کو دخل نہ دیا اور نہ تحصیل ہونے دی اور (سید) ظہور حسن کو اپنا ناظم مقرر کرایا اور امروہہ میں سیدوں کا دور رہا۔ طرح طرح کی زیادتی سیدوں نے کی اور گلزار علی بھی یہاں رہا اور خفیہ بھرتی فوج کی سب کے اشارے سے گلزار علی نے کرنی شروع کی اور طرف ہلدور سے (آدمی) لے آیا۔ جب میں نے عرضی مقام حسن پور سے صاحب کمشنر اور نواب صاحب رامپور کے پاس بھیجی اور لکھا کہ دو تین ہزار آدمی گلزار علی نے بھرتی کر لئے ہیں اگر زیادہ زور پکڑ گیا تو فساد ہوگا تب نواب صاحب فوج لائے اور گلزار علی کو شکست دی اور اپنا بندوبست بخوبی کیا اور پھر ناظمی (سید) ظہور حسن کی نہ رکھی اور تھانہ داری بھی سیدوں کی نہ رکھی۔ ابن علی چندوسی سے آیا، تھانہ دار ہوا اور نواب علی اصغر خان ناظم رہے۔"[2]

سید گلزار علی کے فوج بھرتی کرنے کی تائید عبد العلی خان کے مندرجہ ذیل خط موسومہ سید علی مظفر خان (گھڑیال والے) مورخہ ۱۲ر نومبر ۱۸۵۷ء سے بھی ہوتی ہے:—

"خان صاحب مشفق مہربان دوستان سید علی مظفر خان صاحب رئیس امروہہ سلمہ اللہ تعالیٰ پروانہ حضور پُر نور نواب صاحب بہادر بہ جواب عرضی سید ظہور حسن ناظم امروہہ جو مشعر پہنچنے سید گلزار علی مع خواجہ حسن سابق تھانہ دار رڑکی اور بھرتی کرنے سوار اور پیدل اور تیار کرنے باردت اور اظہار اس بات کے کہ ماڑے[3] خان آ آہی سامان استظہار کر و رامپور

---

[1] اور (سید) ظہور حسن ناظم ہوئے اور (سید) رمضان علی (کٹرہ والے) اور (سید) غلام سجاد اور فرحت علی رسالدار ہوئے پانچ چھ سو آدمی کا گروہ انکا ہی۔ سب ایک تھے اور پندرہ سو روپیہ مہینہ نواب صاحب سے کئی مہینے تک لیا اور سید محمود والوں میں محمد علی مختار اور سلطان علی بھی انکے ساتھ رہے (بیان میر ہنیاد علی ۱۲ر فروری ۱۸۵۸ء) [2] مفصل بیان ناظر گوبرسہائے بمقدمہ بغاوت باجلاس مسٹر (عبد کو سرجان)) اسٹریچی مجسٹریٹ مراد آباد واقع ۱۴ر فروری ۱۸۵۹ء بمقام امروہہ [3] ماڑے خان باغی)

بھیجی گئی تھی، اس ارشاد سے وررد ہوا کہ غلام ناصر خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کو مع ایک ہزار پیادہ اور دو سو سوار موجودہ مراد آباد اور در صورت موجود نہ ہونے دو سو سواروں کے مراد آباد بھیجے ایک سو سوار اور دو ضرب توپ امروہہ کو اس واسطے کہ خان مذکور سید گلزار علی کو فہمائش کرکے ان حرکات سے باز رکھیں اور کہہ دیں کہ امروہہ میں فساد نہ کریں اور جو مومی الیہ فہمائش خان موصوف سے باز نہ آوے تو تدارک مشار الیہ کا کریں اور تم سب صاحبوں کو لکھا جاوے کہ تم بھی ممد و معاون خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کے رہو ورنہ بعید خیر خواہی تمہارے سے متصور ہوگا اس واسطے غلام ناصر خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ امروہہ کو بھیجے گئے آپ کی خدمت میں تصدیعہ دیا جاتا ہے کہ آپ اس امر میں شریک اور ممد اور معاون غلام ناصر خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کے رہیں اور در صورت عدم اشتراک بعید خیر خواہی تمہاری سے متصور ہوگا فقط

المرقوم ۱۳ر نوامبر ۱۸۵۷ء

مہر عبد العلی خان

انگریزی حکومت کا دوبارہ تسلط

موسم سرما میں کوئی خاص واقعہ قابل تذکرہ پیش نہیں آیا۔ امروہہ اور حسن پور کی تحصیلوں میں البتہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان تنازعات ہوتے رہے۔ ۲۱ر اپریل ۱۸۵۸ء میں شہزادگان دہلی میں سے فیروز شاہ دہلی کا ایک شہزادہ معہ کچھ فوج کے، جو خان بہادر خان بریلی کے برائے نام حکمراں نے مہیا کی تھی، مراد آباد میں آ داخل ہوا۔ تمام فوج متعینہ امروہہ باغیان نجیب آباد کے ہمراہ معہ اپنی توپوں کے شہزادہ مذکور سے مراد آباد جا ملی[۱]، اس سے اس کی قوت میں اضافہ ہو گیا، یہ خبر سنکر جنرل جونس، کرنل کک نے دستہ فوج انگریزی کے ساتھ مراد آباد کو کوچ

(بقیہ صفحہ ۷۵) نواب محمود خان نجیب آبادی کے ساتھیوں میں بہت شورہ پشت شخص تھا۔

[۱] تحریر نواب یوسف علی خان بہادر موسومہ نواب کاظم علی خان بہادر۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے مسٹر ولسن نے ابتدائے ایام غدر میں ناظر گور سہائے کو امروہہ کا ناظم مقرر کیا تھا لیکن چند ہی ہفتہ بعد جب غدر کی شورش نے زیادہ زور پکڑا اور انگریزی عملداری شہر سے جاتی رہی تو ناظر گور سہائے بھی امروہہ سے گجرولہ چلے گئے وہاں وہ مع دیگر خیر خواہان حکومت انگریزی کچھ عرصہ مقیم رہے۔ جاٹوں کی کچھ جمعیت بھی ان کے ساتھ تھی۔ امروہہ میں جو لوگ خیر خواہان حکومت تھے وہ برابر حالات سے انہیں مطلع کرتے رہتے تھے۔ اس زمرہ میں سید محمد حسن خان (دانشمند)، پیر امین الدین اور اس خاندان کے دوسرے اشخاص خاص طور سے قابل تذکرہ ہیں۔ یہ حضرات اور بالخصوص سید محمد حسن خان باغیوں کے نقل و حرکت کی ناظر گور سہائے کو برابر اطلاع دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں ناظر موصوف کی حسب ذیل تحریر موسومہ سید محمد حسن خان (دانشمند) کا اس موقع پر نقل کرنا غالباً بے محل نہ ہوگا:۔

"خان صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے بیکران سید محمد حسن خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد ما وجب و شوق ملاقات واضح باد۔ خط تمہارا آیا اور حال مندرجہ اس کا معلوم ہوا۔ جو تم نے لکھا ہے کہ خبر جانے فیروز شاہ کی معہ جمعیت چار ہزار آدمیان کے طرف دارانگر کے ہے۔ یہ خبر جھوٹ معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس قدر جمعیت اس کے ساتھ نہیں، فقط آٹھ سو سات سو آدمی ہمراہ اس کے سنے جاتے ہیں اور باغی لوگ حقیقت میں ادھر ادھر کو بھاگ گئے ہیں اور جو دربارۂ علالت طبیعت عارضہ زکام وغیرہ لکھا ہے آپ کو چاہیئے کہ معالجہ اس کا کرا کے صحت حاصل کیجئے، اور آئندہ کو جو خبر راست اور درست آپ کو معلوم ہو لکھتے رہو گے فقط المرقوم ۲۱ را پریل ۱۸۵۸ء۔

الراقم گور سہائے

داز طرف خادم علی تھانہ دار بچھراؤں و علی جان[1] جمعدار چوکی گجرولہ سلام نیاز قبول باد۔

۱۱

[1] یعنی پیر محمد علی جان بن پیر امین الدین جو اپنے زمانہ میں رؤسا و عمائد شہر میں سے تھے۔ موصوف ایام غدر میں ناظر

امروہہ میں بہت سے لوگ جرم بغاوت میں گرفتار ہوئے اور مراد آباد میں باغیوں کی گرفتاری کے لئے کرنل گک لہ کو متعین کیا گیا جنہوں نے شہر کی ناکہ بندی کرکے خانہ تلاشی شروع کی۔ نواب مجو خان گرفتار ہو کر گولی مار دیئے گئے اور ان کی بہت بڑی جاگیر اور وسیع مکانات ضبط کر لئے گئے۔ اسیطرح اور بھی متعدد سرغنہ لوگوں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ ان کو سزائے موت دی گئی۔ ۱۲ رمضان ۱۲۷۴ھ کو انگریزی فوج حدود ضلع مراد آباد میں داخل ہوئی اور ۳ر اپریل ۱۸۵۸ء کو مسٹر آر الیگزنڈر شیکسپیئر ٹہ کمشنر بریلی مراد آباد میں تشریف لائے۔ حکومت انگریزی کے دوبارہ تسلط پر چراغان کیا گیا اور ضلع کا چارج ۲ر مئی ۱۸۵۸ء کو ولایت حسین خان سابق ڈپٹی کلکٹر کو دیا گیا۔ یہ زمانہ مسلمانوں کے لئے نہایت نازک زمانہ تھا۔ اکثر انگریزی حکام کی نظروں میں ہر مسلمان باغی تھا، ذرا سے شبہ پر مسلمان گرفتار ہوتے اور معمولی ضابطہ کی کارروائی کے بعد سخت سے سخت سزائیں پاتے تھے ایسے نازک زمانہ میں مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کے جہاں اور اسباب کارفرما تھے وہاں شیعہ و سنی کے اندوہناک جھگڑے بھی تھے۔

(بقیہ صفحہ ۷۷)

(بعد میں راجہ) گور سہائے کے ساتھ گجرولہ میں مقیم تھے۔ وہ منصفی کے ڈپلومہ یافتہ تھے۔ غدر سے پہلے بریلی میں وکالت شروع کی تھی۔ بغاوت شروع ہونے پر وطن آئے اور اس نازک زمانہ میں اپنی خدمات انگریزی حکومت کی تائید و خیرخواہی میں ناظر موصوف کو پیش کیں اور تا اختتام غدر برابر ان کے ساتھ رہے اور ایام شورش میں مختلف خدمات انجام دیں جس کی تصدیق پروانہ مرقومہ ۳۱ر اکتوبر ۱۸۵۸ء سے ہوتی ہے جو ناظر گور سہائے نے اعتراف خدمات میں عطا کیا تھا۔ اس میں ناظر موصوف تحریر کرتے ہیں کہ:۔ "یہ شخص ابتدائے غدر یعنی ماہ جون ۱۸۵۷ء سے آج تک میرے ہمراہ و بہ رفاقت میرے بمقام گجرولہ وغیرہ حاضر رہا اور خیرخواہی سرکار بہادر کی کرتا رہا اور چلن رویہ اس کا بہت اچھا رہا۔ جس کام کو میں نے تفویض اس کے کیا بجاں فشانی انجام دیا۔ اس شخص سے میں بہت رضامند ہوں۔ میرے نزدیک قابل ترقی ہے اور یہ پیر امین الدین، کہ جس کے مکان پر میں مقیم ہوں، اس کا بیٹا ہے"

لہ Col. Coke. ٹہ Mr. R. Alexander Shakespear.

ولایت حسین خان نے جو شیعہ و سنّی کے جھگڑوں میں نمایاں حصّہ لینے کی وجہ سے ملازمت سرکاری سے برخاست کردئے گئے تھے، اس بغاوت کے موقع پر اپنی خدمات پیش کیں لیکن باغیوں کی سراغ رسانی اور گرفتاری میں ان کی خدمات مذہبی جنبہ داری سے آزادانہ رہیں، رشوت کے الزامات بھی ان پر لگائے گئے۔

باغیوں کو عبرتناک سزائیں

۲۲ مئی ۱۸۵۸ء کو مسٹر ولسن اسپیشل کمشنر ہو کر مراد آباد آئے۔ امروہہ سے بہت سے لوگ گرفتار و محبوس کئے گئے اور صدہا ناموں کی ایک فہرست بہ عنوان "باغیان امروہہ" مرتب کی گئی، سادات محلہ دربار کلاں کے بعض افراد کو نیز شیوخ کلاں میں سے درویش علی خان مرحوم و شیوخ صدیقی میں سے شیخ محمد افضل بن شیخ رمضان علی کو بلوہ و بغاوت کے سرغنہ ہونے کے جرم میں حبس دوام بہ عبور دریائے شور، ضبطی جائداد اور پھانسی کی سزائیں دی گئیں۔ سیّد محمد حسین خان وسیّد شرف علی کو جو بہ علت جرم بغاوت قید میں تھے رہائی ملی، لیکن سیّد شبیر علی خان (ساکن دربار کلاں) کو مسٹر رابرٹ ہنری ڈنلاپ مجسٹریٹ نے بذریعہ روبکار عدالت فوجداری مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۸۵۸ء سپرد محکمہ صاحب سشن جج بہادر و اسپیشل کمشنر کیا۔

ایام غدر کے بعض حالات پر چونکہ اس روبکار کے مضمون سے خاص روشنی پڑتی ہے اسلئے اس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

نقل روبکار عدالت فوجداری

نقل روبکار بہ عدالت فوجداری ضلع مرادآباد ۔ بہ اجلاس مسٹر رابرٹ ڈنلاپ مجسٹریٹ

تاریخ ۱۰ر نومبر ۱۸۵۸ء ۔ نوعیت جرم سرغنہ ہونے اور ترغیب دینے بغاوت ۔

سرکار مدّعی

بنام

شبّیر علی خان ساکن امروہہ مدعا علیہ

واضح ہو کہ ان سب اشخاص کو، جو زاید تین ہزار سے ہونگے، بہ سبب ہونے ذات سیّد

کے بہت پہلے سے[۱] (املاک) معافی وغیرہ بعد وضع محصول سرکاری سابق سلطنت اسلامی سے ملے تھے، جو (املاک) خیرات میں ملے تھے بالکل معاف تھے اور جو خدمت میں ملے تھے ان پر بیس ہزار روپیہ نذرانہ کا لگایا گیا تھا، لیکن کل سرکاری جمع، جو ان کے حق میں معاف ہوئی ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے قریب ہوگی۔ یہ سب مرحمت معافی وغیرہ جو سلطنت سابق نے کی سرکار انگریزی نے بھی بجنسہٖ بحال رکھی۔ (لہٰذا) عذر فسخ معافی کا واسطے عذر بغاوت کے جو بعض اوقات مسلمان باغیوں نے پیش کیا اس کا ان سادات کے مقدمہ سے مطلق تعلق نہیں۔ (لیکن) باوجود اس کے (سوائے امروہہ کے) کوئی دوسرا مقام ایسا نہیں تھا جہاں سرکار انگریزی کی نسبت اس قدر زیادہ دشمنی کا اظہار ہوا یا رعایا اس قدر زیادہ رضامندی سے بغاوت کرنے کو مستعد ہوگئی۔ اوّل غدر میں (باغی) تھانہ اور تحصیل سرکاری پر چڑھ گئے اور تحصیل کو لوٹ لیا اور ۲۴ ہزار روپیہ لے لیا اور تھانہ دار اور جمعدار کو مار ڈالا۔ پھر کل سیّد معافی داران امروہہ اکٹھے ہوکر معہ اپنے سرگروہوں سیّد علی مظفر خان[۲] اور سیّد محمد حسین خان[۳] کے مرادآباد آئے اور نواب صاحب (نواب

---

[۱] اس روبکار کی عبارت جا بجا سے مغلق ہے اسلئے توضیح مطلب کے لئے خطوط وحدانی میں خاکسار مؤلف نے بعض الفاظ اپنی جانب سے درج کردئے ہیں۔ [۲] یعنی سیّد علی مظفر خان بن سیّد امان علی خان بن سیّد علی اعظم خان گھڑیال والے ایّام غدر میں حکومت انگریزی کے وفادار رہے۔ ہزہائی نیس نواب محمد یوسف علی خان والی رامپور نے حسب ذیل پروانہ خوشنودی بہ صلۂ خدمات ایّام غدر مرقومہ ۱۹ رجب ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۸ء ان کو عطا فرمایا تھا:-

"خان صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے مخلصان سلّمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد شوق ملاقات بہجت آیات واضح خاطر محبّت مآثر باد۔ مشفقا بر طبق ملاحظہ عرضی آں مہربان کہ بہ خلاصہ ماندن خود خیر خواہ سرکار ما از ابتدائے غدر وہم فہمانیدن گلزار علی باغی در بارہ باز ماندن از حرکات کوتاہ اندیشی مدعا سند خوشنودی مزاج وصول یافتہ بود کیفیت خیر خواہی وشریک ماندن آں مہربان ہمراہ

یوسف علی خان بہادر کو ایک عرضی اپنے معاملہ میں دی جس میں عبارت بدواسطے سرکار انگریزی کے لکھی تھی جو انہوں نے واپس دے دی، پھر دوسری عرضی داخل کی، جو مسل میں موجود ہے اور عبارت بدنسبت انگریزان کے اس میں سے نکالی گئی اور دوسری عرضی میں، جو شامل مسل ہے، نواب صاحب کو اس طریق پر لکھا ہے کہ نواب صاحب موصوف سرکار انگریزی کی طرف سے گویا منصرم نہ تھے، نواب صاحب موصوف کو آزاد اور ہمیشہ کا حاکم سمجھا کہ بعد عملداری نصرانیوں کے گویا نواب صاحب موصوف نئے طریق پر حاکم ہوتے۔ پھر سید شبیر علی خان اور سید محمد سجاد علی مفرور نے اپنی عرائض بادشاہ دہلی کے پاس بھیجیں جن میں سرکار انگریز کو کافران و ظالمان لکھا ہے اور یہ دو عرائض بھی مع اور چند عرائض ساکنان امروہہ کے بہ تصدیق خیرخواہی بادشاہ کے دفتر سے ملیں جو شامل مسل رکھی گئیں اور بجواب عرضی سید شبیر علی خان ایک فرمان (شقہ) بادشاہ سے واسطے انتظام کرنے بطور افسر علاقہ کے آیا۔ واضح ہے کہ شبیر علی خان اور محمد حسین خان اور شرف علی تینوں افسر (سرگروہ) من جملہ معافی داران کے تکلی بندوبست

(بقیہ صفحہ ۸۰)

فوج ایں سرکار در ہنگام شورش گلزار علی وغیرہ بدمعاشان از حکیم محمد سعادت علی خان بہادر طلب شدہ بود چوں بہ ملاحظہ حکیم صاحب موصوف حال خیرخواہی و اطاعت و اشتراک در فرماں پذیری ہرگونہ آں مہربان نسبت اہالی ایں سرکار بوجوہ انجامید و از سابق نیز مراتب خیرخواہی و راسخ الاعتقادی آں مہربان منقوش خاطر است لہٰذا بہ ملاحظہ کیفیت مذکور زیادہ تر موجب رضامندی و خوشنودی مزاج ایں جانب گردید۔ لازمہ محبت با آں است کہ ہمیں نمط بتقدیم مراتب خیرخواہی و اطاعت مصروف بودہ خط ہذا را سند خوشنودی مزاج ایں جانب تصور نمایند۔

باقی خیریت زیادہ سرور باد۔"

سے سید محمد حسین خان بن سید انور علی خان ساکن محلہ دربار کلاں عم بزرگوار سید شبیر علی خان۔

واسطے اجرائے اس فرمان (شقہ) کے بہ تجویز جمع کرنے روپیہ کے بنیوں اور مہاجنوں سے کرتے تھے کہ سب انتظام اچانک بہ سبب فتح دہلی کے بند ہو گیا۔ جب اشتہار بہ حکم معافی یا عام معافی جرم بغاوت بہ استثنائے جرم افسران کے ملکہ معظمہ کے ہاں سے پہنچا تو ہم نے حوالات سے سب کو بہ استثنائے شبیر علی خان اور محمد حسین خان اور شرف علی کے چھوڑ دیا اور پھر احکام سرکار نسبت اس اشتہار معافی کے پہنچے جن میں تاکید ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کل مراتب بغاوت کے معاف کیے جاویں تو ہم نے کل مسل پھر دیکھی ہمارے نزدیک باوجود یکہ جرم شرکت اس میں نسبت اجرائے شقہ کے شرف علی اور محمد حسین خان پر بھی پایا جاتا ہے لیکن انہوں نے اوّل فرمان (شقہ) طلب نہیں کیا اور نہ کوئی عرضی بادشاہ کو دی اس سبب سے چھوڑنا ان کا مطابق ہدایت اشتہار کے ممکن ہے۔ اس واسطے حکم ہوا کہ محمد حسین خان اور شرف علی چھوڑ دئے جاویں اور شبیر علی خان بہ علت افسر رہنے بغاوت کے سپرد محکمہ صاحب سشن جج بہادر مختار باختیار اسپیشل کمشنر کے ہوئے اور فہرست باغیان امروہہ کی جو انگریزی میں ہے وہ بھی شامل اس روبکار کے کی جاوے۔

اس مقدمہ کی سماعت مسٹر الیگزنڈر اسپیشل کمشنر نے کی اور حسب ذیل روبکار کے ذریعہ، جس کی نقل مسل مقدمہ سید شبیر علی خان سے خاکسار مؤلف کو دستیاب ہوئی، سزائے دائم الحبس بہ عبور دریائے شور و ضبطی جائداد دی گئی۔

نقل روبکار عدالت سشن جج	نقل روبکار عدالت سشن و اسپیشل کمشنر (علاقہ و مقام مرادآباد) بہ جلوس مسٹر الگزنڈر شیکسپیر صاحب بہادر قائم مقام سشن جج و اسپیشل کمشنر واقع جنوری ۱۸۵۹ء سرکار مدعی

بنام

شبیر علی خان سید امروہہ مدعا علیہ

(۱) بتاریخ ساتویں جنوری ۱۸۵۹ء یہ مقدمہ ہمارے سامنے پیش ہوا تھا ہم نے مدعا علیہ کی

نسبت بہ ثبوت جرم ترغیب دینے اور سرغنہ ہونے بلوہ کے دائم الحبس کرنا عبور دریائے شور مع ضبطی جائداد حسب ہدایت دفعہ ۳ سرکلر گورنمنٹ نمبر ۵۴۲۲ تجویز کر کے چٹھی نمبر ۲ مورخہ ۷ ماہ رواں استدعائے منظوری کے حسب وجوہات مندرجہ ذیل گورنمنٹ سے کی تھی۔

تصریح وجوہات

وفعہ نمبر (۲):۔ مدعا علیہ منجملہ بڑی جماعت سیدوں کے ہیں، جو قصبہ امروہہ میں سکونت رکھتے ہیں اور جن کے حق میں منجملہ زر مالگذاری ہر سال قریب ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے بطور عطائے معافی یا نذرانہ کے معاف ہوتا ہے، یہ سب عطیات شاہان سابق دہلی کی طرف سے ان کو مرحمت ہوئے تھے اور سرکار انگریزی نے بدستور سابق اُن عطیات کو بحال و برقرار رکھا مگر باوجود ایسی مرحمتوں کے امروہہ کے سوائے کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جس میں ایسی زیادہ دشمنی اور زیادہ مستحکم تمرد نسبت عملداری سرکار انگریزی کے ظہور میں آئی ہو جیسی کہ سادات کی جانب سے امروہہ میں ظاہر ہوئی، غدر کے اول ہی مہینہ میں جبکہ ضلع افسران انگریزی کے قبضہ میں تھا امروہہ کے تحصیل و تھانہ پر حملہ ہوا اور سترہ ہزار روپیہ سرکاری باغیوں نے بہ سرداری گلزار علی[1] ایک سید کے لوٹا اور کوتوال و جمعدار پولیس کو قتل کیا، جولائی ۱۸۵۷ء میں ایک بڑی جماعت ان سید معافی داروں کی مرادآباد میں آئی اور نواب رام پور کو، جو اس زمانہ میں منصرم ضلع تھے، عرضی گذرانی۔ منجملہ اُن کی گذارشوں کے ایک

---

[1] یعنی سید گلزار علی بن سید اکبر علی بن سید قرب علی بن سید عبد الواحد بن سید عبد الباری بن دیوان سید محمود ابتدا اً کثیر جائداد کے مالک تھے، عیاشی اور فضول خرچی میں جب سب جائداد ضایع کر بیٹھے تو مختاری کا امتحان پاس کیا اور غدر سے پہلے مرادآباد میں عدالت ہائے فوجداری و کلکٹری میں مختاری کا کام کرتے رہے۔ ۱۹ رمئی ۱۸۵۷ء کو جب مرادآباد میں غدر ہو گیا تو اسی شب میں ایک جماعت کے ساتھ یہ امروہہ آئے اور یہاں بغاوت میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا جس کے حالات اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ غدر کے بعد مدت العمر روپوش رہے۔ ضلع بریلی وغیرہ میں ایام جلاوطنی پریشان حالی میں بسر کئے اور آخر عالم جلاوطنی میں وطن اصلی کو سدھارے۔ خلقتاً بہت وجیہ و شکیل اور طبعاً فیاض طبع، جری و جوانمرد تھے۔ ان سے کوئی عقب نہیں ہے۔

یہ بھی کہ نذرانہ جو اُن سے لیا جاتا ہے ان کے حق میں معاف کیا جاوے سیدوں کا زور اور نام ایسا تھا کہ نواب نے ان کی درخواستیں قبول کرنے کو اپنی رضامندی ظاہر کی -

دفعہ نمبر (۳) :- ہر چند اُس عرضی میں دو ناموں کی تشریح ہے (یعنی علی مظفر خان و محمد حسین خان) مگر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قریب دو سو سیدوں کے مرادآباد میں آئے پس اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ مدعا علیہ بھی اس گروہ میں شامل تھا کیونکہ عرضی مذکور کل سادات امروہہ کی جانب سے گذرانی گئی تھی -

دفعہ نمبر (۴) :- علانیہ کھلی ہوئی بغاوت جو شبیر علی خان سے سرزد ہوئی یہ تھی کہ اُس نے معزول بادشاہ دہلی کو ایک عرضی، جس کی تاریخ تحریر مطابق ہوتی ہے ۲۴ جولائی ۱۸۵۷ء سے، بھیجی اُس میں شورش و فساد کا سبب درہمی و برہمی عملداری (کفر ظلمہ) یعنی عملداری سرکار انگریزی کے لکھا ہوا ہے -

دفعہ نمبر ۵ :- اس عرضی کے جواب میں ایک شقہ جس کی تاریخ تحریر ۹ اگست ۱۸۵۷ء سے مطابق ہوتی ہے، بادشاہ معزول دہلی کی طرف سے پہنچا اُس کے پہنچنے کا جو اثر علاقہ میں ہوا کیفیت اسکی بالتشریح رپورٹ مرسلہ تحصیلدار امروہہ مورخہ ۲۷ ماہ مذکور موسومہ نائب والی رامپور متعینہ مرادآباد میں مندرج ہے - تحصیلدار اُس میں لکھتا ہے کہ بسبب پہنچنے شقہ کے شبیر علی خان نے واسطے نگاہداشت فوج کے شاہ دہلی کے لئے مہاجنوں سے زر کثیر طلب کرنا شروع کیا ہے جو تدابیر کہ واسطے امن و امان کے پیش ہوئیں اور اُن میں سے جن پر قدرے اثر بھی مترتب ہوا وہ شقہ کے آنے سے باطل ہو گئیں اور پھر یہ کہ فوج مع توپ کے ضرور یہاں آوے -

دفعہ نمبر (۶) :- عرضی شبیر علی خان متذکرہ بالا موسومہ بہ شاہ معزول دہلی کے دفتر میں دستیاب ہوئی جبکہ فوج انگریزی نے دہلی کو فتح کیا - جو کہ مدعا علیہ نے بہ سبب حاصل ہونے شقہ کے علانیہ مفسدہ میں شرکت کی کہ تحصیلدار امروہہ کی کیفیت سے جو بلا شبہ صحیح ہوتا ہے اور اُس میں شرکت بھی قرار واقعی ظاہر ہے کہ مدعا علیہ ترغیب دہندہ اور سرغنہ بلوہ کا تھا

انگریزی کے مقابلہ میں تھا اور خاص حیثیت مدعاعلیہ کی یعنی وہ سرکار کی طرف سے معافی دار ہے اُس کے جُرم کو زیادہ سنگین کرتی ہے اسلئے پھانسی سے درگذر کر سب سے بڑی سزا جو اس کو دینی چاہئے حسب تشریح بالا تجویز کی گئی۔"

سید شبیر علی خان کے اقربا نے ان کی بے گناہی ثابت کرنے اور قید سے رہائی دلانے کی تمام ممکن کوششیں کیں، درخواست اور میموریل حکام بالادست کو ارسال کئے مگر افسوس کہ یہ سب کوششیں رائگاں گئیں۔ مسماۃ خاتون دولت زوجہ سید مذکور کی درخواست (بزبان انگریزی) موسومہ ہز اکسیلنسی ارل کیننگ بہادر گورنر جنرل و وائسرائے کی نقل بطور ضمیمہ نمبر (۱) شایع کی جاتی ہے جس سے ایام غدر کے بعض تاریخی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

مسلمانوں کی تباہی کی دردناک داستان

غدر ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا۔ سیکڑوں بڑے بڑے خاندان ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو گئے۔ ہزاروں لاکھوں گھر صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ روہیلکھنڈ میں سب سے زیادہ تباہی ضلع مرادآباد کے مسلمانوں پہ آئی، خاص مرادآباد میں نواب مجو خان مرحوم کی، جو ضلع کے سب سے بڑے تعلقدار تھے، اور مرادآباد میں بھی دو ایک رؤسا علی الخصوص سید شبیر علی خان، شیخ محمد افضل صدیقی اور درویش علی خان مرحوم کے خاندان کی جائدادیں واملاک ضبط ہو گئیں۔ اس کے علاوہ اور متعدد نامور خاندان تباہ ہو گئے۔ غدر کا سارا الزام مسلمانوں کے سر تھوپا جاتا تھا اور بقول سر سید مرحوم:-

"کوئی آفت ایسی نہیں ہے جو اس زمانہ میں ہوئی ہو اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے کی گو وہ رام دین اور ماتا دین نے ہی کی ہو۔ کوئی بلا آسمان پر سے نہیں چلی جس نے زمین پر پہنچنے سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ ڈھونڈھا ہو۔"

"ہر بلائے کز آسماں آید — گرچہ بر دیگرے قضا باشد
بر زمیں نارسیدہ می پرسد — خانۂ مسلماں کجا باشد"

ایسی حالت میں سر سید خاں مرحوم و مغفور کا اپریل ۱۸۵۸ء میں صدر الصدور کے عہدہ پر بجنور سے مراد آباد تبدیل ہو کر آنا مسلمانان ضلع کے حق میں بہت کچھ بہتری کا باعث ثابت ہوا۔ مولانا حالی حیات جاوید میں لکھتے ہیں :-

"وہ (یعنی سر سید) بجنور میں مسلمانوں کی تباہی اپنی آنکھ سے دیکھکر آئے تھے، جب مراد آباد پہنچے تو ان کی تباہی و بربادی کا اور بھی زیادہ عبرت انگیز نقشہ ان کی نظر سے گذرا جس سے ایک اور چوٹ اُن کے دل پر لگی۔ گورنمنٹ کا غصّہ خاصکر مسلمانوں کے حال پر بدستور چلا جاتا تھا۔ ہندو خیر خواہی کی آڑ میں مسلمانوں سے دل کھول کھول کر بدلے لے رہے تھے اور اگلے پچھلے بغض نکال رہے تھے۔ مسلمانوں کو مجرم قرار دینے کے لئے کوئی ثبوت درکار نہ تھا، ان کا مسلمان ہونا ہی ان کے مجرم ٹھیرانے کے لئے کافی تھا، مسلمانوں کے ساتھ بقاعدہ رعایت یا ہمدردی کرنا سرکاری عہدہ داروں کی قدرت سے باہر تھا اس لئے سر سید اپنے منصب کے لحاظ سے کوئی سلوک اُن کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے اگرچہ ان کے مراد آباد میں آنے سے کسی قدر ناگفتہ بہ بے اعتدالیوں کا انسداد ہوا جو خاص مراد آباد میں بعض ناخدا ترس لوگ سرکار کی خیر خواہی کے پردہ میں کرتے تھے کیونکہ حسن اتفاق سے اُنھیں دنوں میں اسٹریچی صاحب مراد آباد کے کلکٹر و مجسٹریٹ مقرر ہو گئے تھے اور اُن کو سر سید کی رائے اور مشورہ پر پورا اعتماد تھا۔"[1]

"باغیان امروہہ" کے عنوان سے جو مطوّل فہرست مرتّب ہوئی تھی اس کے لحاظ سے یہاں کے بعض رئیسوں کی جائدادیں معرض خطر میں تھیں۔ سر سید مرحوم نے اپنے ایک لکچر میں ضلع مراد آباد کے متعلق فرمایا تھا کہ ایک بڑا غمکدہ ہماری قوم کے رئیسوں کی بربادی کا تھا۔[2] ان الفاظ ہی سے یہاں کی تباہی کا تھوڑا بہت اندازہ ہو سکتا ہے۔ ۱۸۵۹ء میں باغیوں کی جائداد منضبطہ کی تحقیقات کے متعلق جو اسپیشل کمیشن بیٹھا اُس میں دو یورپین ممبر ایک کمشنر ہسالکھنڈ

[1] حیات جاوید صفحہ ۸۱ [2] حیات جاوید صفحہ ۶۷۔

اور دوسرے جج مراد آباد کے علاوہ ایک ہندوستانی ممبر یعنی سر سید مرحوم مقرر ہوئے۔ مولانا حالی حیات جاوید میں فرماتے ہیں:۔

"جائدادیں ادنیٰ ادنیٰ شبہ پر ضبط ہو گئی تھیں اور انگریزی حکام نیچرل طور پر ہندوستانیوں کی طرف سے عموماً بد گمان اور نہایت غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ خصوصاً ضلع مراد آباد پر گورنمنٹ کا سخت عتاب تھا اور انگریز افسروں کا یہاں اعتدال پر رہنا دشوار تھا۔ مراد آباد کے معتبر اشخاص سے سنا گیا ہے کہ سر سید کی شرکت کے سبب یہاں کے کمیشن سے غدر داریوں کی تحقیقات نہایت اعتدال اور انصاف کے ساتھ کی اور صوبہ شمال مغرب میں ضبط شدہ جائدادیں جس قدر ضلع مراد آباد میں واگذاشت ہوئیں ایسی کسی اور ضلع میں نہیں ہوئیں"

خیر خواہان حکومت کو انعامات

ذیل میں اُن لوگوں کے نام معہ تفصیل صلہ خدمات درج کئے جاتے ہیں جو ایام غدر میں سرکار انگریزی کے خیر خواہ اور نواب صاحب رام پور کے عہد انتظام میں کارکن رہے، نیز امروہہ و ضلع کے دیگر مقامات پر مختلف خدمات انجام دینے کے صلہ میں انعامات حاصل کئے۔

نمبر	نام	تفصیل خدمات و انعامات
۱	گور سہائے	امروہہ کے ساکن، قوم کے جاٹ اور کلکٹری میں ناظر کے عہدہ پر مامور تھے کچھ زمینداری بھی ان کے پاس تھی۔ جب میرٹھ کے غدر کی خبر مراد آباد پہنچیں تو اُن کو مع جاٹوں کی ایک کثیر تعداد کے انتظام قائم رکھنے کے واسطے امروہہ بھیجا گیا۔ غدر میں یہ امروہہ کے ناظم مقرر رہے۔ پھر نواب صاحب رام پور کے عہد انتظام میں جنوبی حصہ مراد آباد کے ناظم رہے۔ ایام غدر میں حکومت انگریزی کی عمدہ خدمات انجام دیں، صلہ

نمبر	نام	تفصیل خدمات وانعامات
		خدمات میں راجہ کا خطاب اور گیارہ مواضعات انعام میں دیے گئے۔
۲	منشی امام الدین کمبوہ امروہوی	مرادآباد کے کوتوال تھے، مولوی منّو کے فتنہ وفساد کو دفع کرنے کے صلہ میں ایک گاؤں ضلع بریلی میں ایک ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی کا انعام ملا۔
۳	افضل علی	ان کے باپ مدد علی امروہہ میں تھانہ دار تھے اور ابتدائے ایام غدر میں مارے گئے تھے، خود انہوں نے بھی باغیوں کی گرفتاری میں عمدہ خدمات انجام دیں اور پانچ گاؤں انعام میں حاصل کئے۔
۴	وارثان شہامت خان	شہامت خان جمعدار مدد علی کے ساتھ امروہہ میں مارا گیا تھا اسکے ورثا کو شاہ پور موضع انعام میں دیا گیا۔
۵	سید علی مظفر خان و سید علی منتظم خان (گھڑیال والے)	امروہہ میں ۱۹ مئی کو ۱۸۵۷ء کو جب باغیوں نے تھانہ وتحصیل پر حملہ کیا انہوں نے بہ معیت اپنے اعزا اور ملازمین وغیرہ سعد اللہ خان منصف امروہہ کی جان بچائی۔ ان کو مع کاغذات عدالت منصفی اپنے مکان پر لاکر ٹھہرایا۔ شہر کے بقالوں اور مہاجنوں کو بھی لوٹ کھسوٹ سے بچایا۔ شہر کی حفاظت میں مستعدی سے مدد کی، صاحب کمشنر سے جو نینی تال میں مقیم تھے برابر خط وکتابت جاری رکھی۔ شہزادہ فیروز شاہ کا مقابلہ جب ناظم امروہہ کی فوج سے ہوا انہوں نے ناظم مذکور کی اعانت کی۔ پروانہ خوشنودی واعتراف خدمات مورخہ ۲۳ راکتوبر ۱۸۵۸ء عطا ہوا۔
۶	سید محمد حسن خان (دانشمند)	امروہہ میں انتظام قایم رکھنے اور یہاں کے حالات سے حکام بالخصوص ناظر گورسہائے کو اطلاعات دینے میں مدد کی۔ پروانہ خوشنودی عطا ہوا۔

ـه سعد اللہ خان، منصف بعد میں۔ نواب محمود خان باغی کے شریک کار ہوئے۔

نمبر	نام	تفصیل خدمات وانعامات
۷	پیر امین الدین (پیرزادہ)	بہ شرح صدر۔ ناظر گور سہائے قیام امروہہ کے زمانہ مین کچھ عرصہ ان کے مکان محلہ قریشیان مین مقیم رہے۔ پروانہ خوشنودی عطا ہوا۔
۸	پیر محمد علی جان (پیرزادہ)	جون ۱۸۵۵ء سے اکتوبر ۱۸۵۸ء تک برابر ناظر گور سہائے کے ساتھ رہے۔ پروانہ خوشنودی عطا ہوا۔
۹	سید ظہور حسن (دوست علی والے)	ابتدا مین کچھ عرصہ امروہہ کے ناظم رہے۔ ان کے دونون فرزند سید منظور حسن و سید نور الحسن اور ان کے بھائی سید ظہور حسین بھی معین و مددگار رہے۔
۱۰	مولوی محب علی خان (عباسی)	نواب صاحب رامپور کی جانب سے امروہہ کے تحصیلدار رہے۔ بدامنی کے زمانہ مین انتظام قایم رکھنے مین خدمات لائقہ انجام دین۔ اعتراف خدمات مین خطاب "خانی" من جانب نواب صاحب رامپور اور پروانہ خوشنودی حاصل کیا۔
۱۱	مولوی کریم بخش (عباسی)	نواب صاحب رامپور کے عہد انتظام مین گرگشت یعنی انسپکٹر پولیس رہے۔ اعتراف خدمات میں پروانہ خوشنودی حاصل کیا۔
۱۲	حکیم امجد علی خان (کمبوہ)	ایام غدر میں شاہجہان پور مین تحصیلدار اور انگریزی حکومت کے بڑے بہی خواہ تھے۔ شاہجہان پور اور امروہہ میں خدمات لائقہ انجام دین صلۂ خدمات مین ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ ملا۔
۱۳	سید فرحت علی (دوست علی والے)	ابتداءً ریاست رامپور مین بہ عہدۂ رسالداری مامور تھے۔ ایام غدر مین دو سو سوارون کے افسر کی حیثیت سے من جانب نواب صاحب رامپور امروہہ مین تعینات رہے آپ کے فرزند سید ابراہیم علی و ریحان علی شریک کار رہے۔
۱۴	سید یعقوب الدین (دوست علی والے)	من جانب نواب صاحب رامپور امروہہ مین کچھ عرصہ تھانہ دار رہے۔ خدمات مفوضہ کو خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

۱۸۵۷ء کے بعد سے

۱۸۵۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے زمام حکومت کلیتاً نکل کر عمال سلطنت برطانیہ کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس وقت سے سوائے اس کے کہ کبھی کبھی بعض فرقوں کے تنگ خیال اور گندہ ذہن لوگوں کی شرارتوں اور عدم رواداری کی وجہ سے مذہبی تنازعات ہوتے رہے اور کوئی واقعہ ایسا پیش نہیں آیا جو شہر کے امن و امان میں خلل انداز ہوتا۔ بدقسمتی سے ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے اس بیان میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ امروہہ کے شیعہ و سنی فرقے ایک دوسرے کے خلاف مذہبی منافرت و عداوت کے جذبات رکھتے ہیں اور بہت معمولی سی بات پر ایک دوسرے سے دست و گریبان ہونے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ غدر سے کچھ عرصہ پہلے شیعہ و سنی لڑ پڑے تھے۔ ایک اور ہنگامہ میں بھی جو بعض ساکنان محلہ دربار کلاں و محلہ مولانا کے مابین واقع ہوا تھا ایک دو جانیں ضایع ہوئی تھیں لیکن اس زمانہ میں ایسے مآل اندیش، مخلص اور بارسوخ بزرگ فریقین میں موجود تھے کہ باوجود قتل و خونریزی کی سنگین وارداتیں ہو جانے کے صرف رات کی رات میں تمام نزاعات باہمی کا آپس میں مل بیٹھکر خود فیصلہ کر لیا۔ عمال پولیس اور حکومت کو دست اندازی اور مداخلت کا مطلق موقع نہ دیا۔ حکومت نے زائد پولیس کے اخراجات کا ٹیکس مبلغ پچیس ہزار روپیہ کا جرمانہ باشندگان شہر پر عائد کیا تھا جس کے خلاف اسی زمانہ میں صدائے احتجاج بلند کی گئی تھی۔ موقع واردات جامع مسجد محلہ مولانا کا وہ مقام تھا جہاں اب بھی آٹھویں محرم کو تعزیوں کے جلوس کے ساتھ شاید پچھلی مخالفتوں کی یاد تازہ کرنے کے لئے فریقین کا غیر معمولی ہجوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دل آزار کتابوں کی اشاعت اور مذہبی مناظرے بھی فریقین کے ناعاقبت اندیش لوگوں کی بدولت ہوتے رہے۔ کتاب ناصر الایمان پر جو حکیم امجد علی خان کے نام سے غالباً مولوی سید رافت علی کی تصنیف پر لکھی گئی تھی، امروہہ کے شیعہ و سنیوں کے درمیان ۱۳۱۰ھ میں سخت ہنگامہ رہا۔ بالآخر اس کتاب کے نسخے بحکم صاحب مجسٹریٹ تلف کئے گئے۔ ۱۹۱۲ء میں ہند

اور مسلمانوں کے درمیان ایام عشرۂ محرم میں بلوہ ہو گیا تھا جس کے فرو ہونے پر مقدمات قائم کئے گئے، بعض لوگوں کو سخت سزائیں دی گئیں اور عمائدین شہر میں سے بھی بعض آنریری مجسٹریٹوں کو معطل کیا گیا۔ اب کچھ عرصہ سے شیعہ و سنی کے اختلافات کے ساتھ ساتھ سنی اور وہابی کے جھگڑے شروع ہو گئے ہیں۔ بیرونجات سے کرایہ کے واعظ بلائے جاتے اور دھوم دھام سے جلسے ہوتے ہیں، مجالس وعظ اس وقت تک کامیاب نہیں سمجھی جاتیں جب تک کہ فریق مخالف پر سب وشتم اور لعن طعن کی اچھی طرح بوچھاڑ نہ ہو اور فریقانہ بغض وعناد کی چنگاریاں زور وشور سے بھڑک کر اتحاد واخوۃ اسلامی کی حبل متین کو جلا کر خاک سیاہ نہ کردیں اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ اے کاش ان مدعیان علم کی حقیقت سے اہل شہر واقف ہوں اور ان کے زہریلے اثر سے محفوظ رہ کر اتحاد قومی کے شیرازہ کو منتشر نہ ہونے دیں۔

بعض "جاہل" جنھیں دعویٰ ہے کہ ہم عالم ہیں — گھر سے نکلے ہیں کہ دیں قوم کو درس اخلاق
مگر اطوار ہیں ایسے کہ ہر اک محفل میں — بات جو منہ سے نکالی وہی تھی کان پہ شاق
اختلاف ان سے جنھیں ہو انھیں گالی دیں گے — ان لفنگوں کا کچھ اس درجہ ہے بیہودہ مذاق
گالیاں دیکے بھر اپیٹ تو کردی تکفیر — اس سے اکتائے تو جاری ہوا فتوائے طلاق
کیوں نہ اسلام ہوا ایسے "علما" سے بیزار — جن کی ہر بات سے پیدا ہو شقاق اور نفاق
ان مشاغل سے یہ ہے ان "جہلا" کا مطلب
کہ نہ چھن جائے ہمارا کہیں حلوۂ طباق

آثار قدیمہ

آثار قدیمہ عہد ہنود

شائقین آثار قدیمہ کے نکتۂ خیال سے نہایت افسوس ہے کہ امروہہ میں ہندوؤں کے عہد آثار قدیمہ میں سے کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ اول تو فاتحین نے ہی مفتوح قوم کی تمام یادگاروں کو مٹا دیا اور کچھ دستبرد زمانہ کے ہاتھوں پڑ کر فنا ہوئیں

ہوگئیں، راجہ کے محلّات، قلعہ، پرانے مندر اور بتخانوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا، بڑے بتخانہ کی بجائے خانۂ خدا تعمیر ہوا (مسجد کیقبادی (صندو کی مسجد) اس کی یادگار ہے) بتخانہ کے کچھ پتھر مسجد کے صحن اور دروازہ کے نیچے تہ خاک گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں ؎

بہ بین کرامت بتخانۂ مرا ای شیخ   کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد

پختہ فصیل مسلمانوں کی آمد کے چند صدیوں بعد تک باقی تھی شہر کی آبادی جب بڑھنے لگی تو یہ بھی کھُد گئی، اس کے دروازے البتہ اس عرصہ تک قایم رہے، غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے محلہ تو بتخانہ میں کسی تعمیر کے لیے بنیاد کھودی گئی تو ایک دو بیخ بڑی بڑی اور موٹی اینٹوں کی برآمد ہوئی تھی جو اتنی گہری تھی کہ ان ہی اینٹوں سے کئی مکانات تعمیر ہو گئے اور بیخ کا کچھ حصہ پھر بھی باقی رکھا یہ اسی پرانے قلعہ کے ایک برج کی بیخ تھی۔ اور بھی مختلف مقامات سے اس وضع کی اینٹیں برآمد ہوتی رہی ہیں جو بلا شبہ ہندو راجاؤں کے قلعے اور محلات کی بنیادوں کی اینٹیں ہیں ؎۱

بائیں کا کنواں

شہر سے باہر بسمت گوشۂ شمال و مغرب دو میل کے فاصلہ پر ایک باؤلی البتہ ہندوؤں کے عہد کی یادگار بتائی جاتی ہے جو عرف عام میں "بائیں کا کنواں" مشہور ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ باؤلی راجہ کرپا ناتھ کے باغ کی ہے جو کانستوں کے سورج دھج خاندان کا راجہ تھا۔ لیکن طرز تعمیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلامی عہد کی تعمیر ہے یا اس عہد میں اس کی ترمیم کی گئی ہے۔ یہ باؤلی بہت وسیع اور قدیم طرز کی کنکر کے پتھرے سے بنی ہے۔ سیڑھیاں نیچے پانی تک چلی گئی ہیں جن کے جانبین دالان بنے ہوئے ہیں ۱۹۱۰ء میں اس کی مرمت ہوئی تھی۔ ہر سال یہاں چھڑیوں کا میلہ لگتا ہے ؎۲

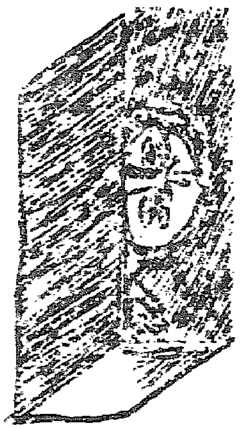
؎۱ ڈسٹرکٹ گزیٹیر ص؟ بابو شیو نرائن آنجہانی نے اپنے خاندانی حالات کے تذکرے میں ضمناً اس کا اظہار کیا ہے کہ بائیں کا کنواں ان کے مورث لالہ سری رام قانون گو عہد جہانگیری کا معتمرہ ہے اور اسی اراضی میں واقع ہے جو ان کو حسب فرمان جہانگیری مرقومہ یکم اُردی بہشت ماہ الٰہی سنہ ۱۱ جلوس مطابق ۱۰۲۵ھ میں "موازی یک صد بیگہ زمین یک

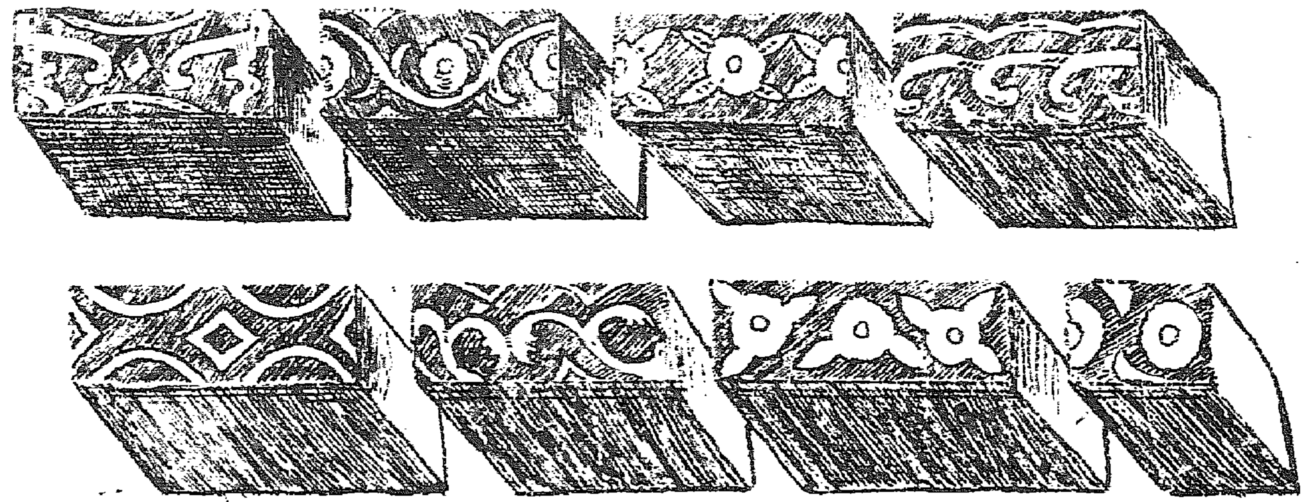
آثار قدیمہ عہد ہنود متعلق صفحہ ۹

ہندوؤں کے عہد کی کوئی عمارت امروہہ میں موجود نہیں لیکن اس عہد کی عمارتوں کی اینٹیں بعض مقامات سے وقتاً فوقتاً برآمد ہوتی رہی ہیں۔

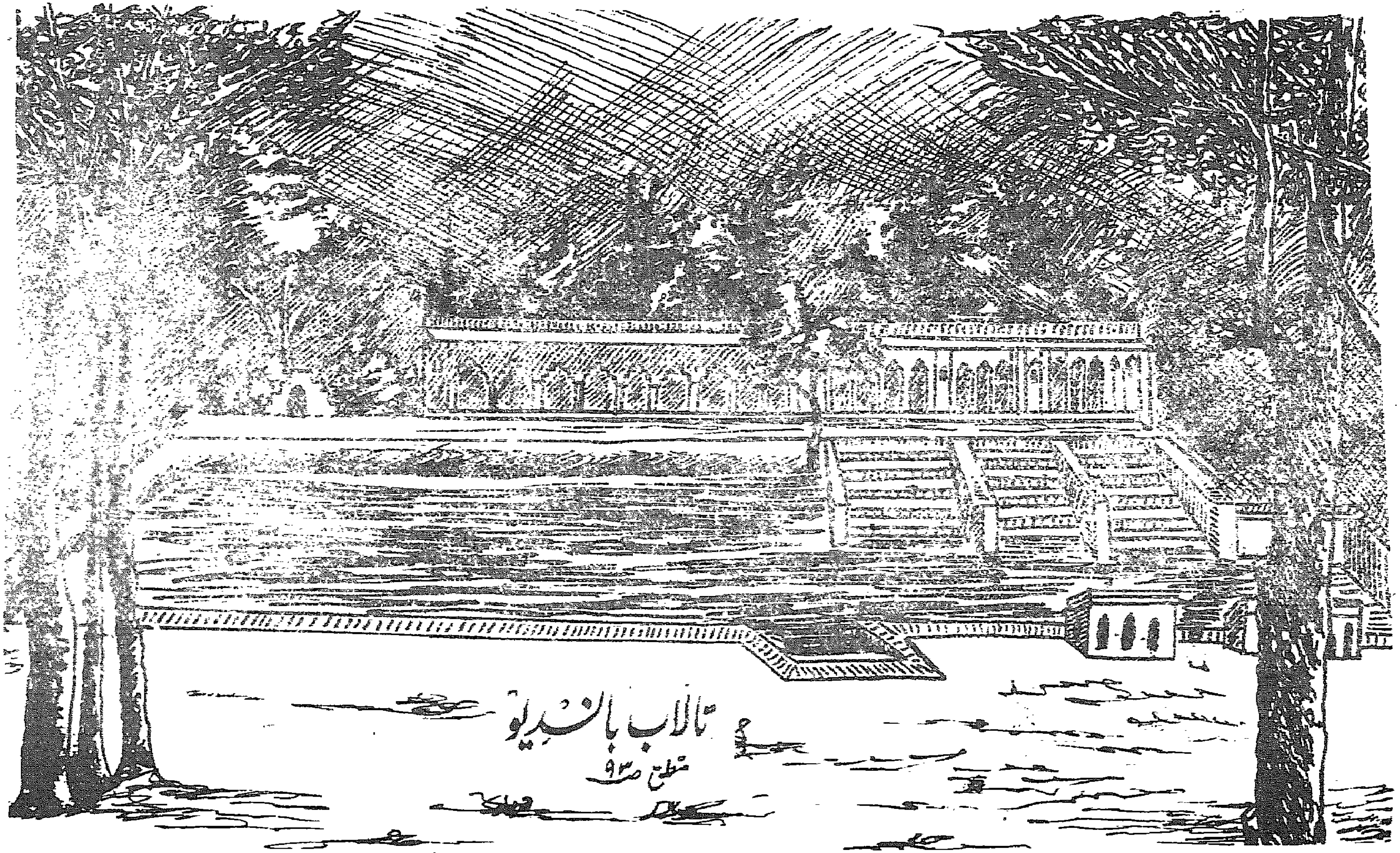
محلہ شیخ چاہن کی مسجد کے دوبارہ تعمیر کے وقت بنیادوں کے لئے جو زمین کھودی گئی اس میں سے ایسی اینٹیں برآمد ہوئیں جن پر نقش و نگار اور مورتیاں بنی ہوئی تھیں۔

ذیل میں بعض اینٹوں کی تصویریں درج کی جاتی ہیں۔






باگیں کا کنواں متعلق صہ ۹۲


تالاب بالسدیو
متعلق صـ ۹۳

باندیو تالاب

یہ تالاب بھی امروہہ میں بہت قدیم ہے بعض لوگ اسے باندیو نام ایک ہندو فقیر کا بنایا ہوا بتاتے ہیں اور بعض خیالی رام کھتری ساکن محلہ کالا کنواں کا غالباً یہ تالاب ہندوؤں کے عہد کی یادگار ہے۔ بعد میں یہاں چند مندر اور شوالے بھی تعمیر ہو گئے ہیں۔

اس کے علاوہ سکندر والے باغ کے پاس قدیم کنوئیں بھی ہیں جو اسی عہد کی یادگار بتائے جاتے ہیں

آثار قدیمہ عہد اسلامی

مسجد کیقبادی

یہ مسجد جو اب "صدو کی مسجد" کے نام سے مشہور ہے امروہہ کی قدیم ترین عمارت ہے ۶۸۶ھ میں ملک عنبر سلطانی حاکم امروہہ نے اس کو تعمیر کرایا تھا

(بقیہ صفحہ ۹۲)

حصہ مزروعہ وسہ حصہ افتادہ از موضع سری رام پور بادشاہ کی جانب سے مدد معاش میں عطا ہوئی تھی۔ واللہ اعلم بالحقیقۃ الحال۔ لیکن خود اس کنوئیں کا نام اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اس عہد سے قبل کی تعمیر ہے۔ اس قسم کے زینہ دار کنوئیں کو ہندوؤں کے عہد میں "بائین" کہتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں بابر نے ایسے کنوئیں بنوائے اس وقت انہیں باؤلی کہنے لگے۔ اس قسم کے کنوؤں یا باؤلیوں کا رواج ہندوستان میں بہت قدیم زمانہ سے ہے۔ خود بابر بادشاہ نے لکھا ہے کہ "در ہندوستان چاہ کلانے زینہ دار را "وائین" می گویند"

باؤلی کا لفظ بھی اصل میں "باہولی" تھا۔ باہلہ اس چشمہ کو کہتے ہیں جو فوارہ کی مانند زور سے زمین کے اندر سے نکلتا ہے۔ "بائیں" کا لفظ ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفرنامہ استعمال کیا ہے اس لئے امروہہ میں بائین کا کنواں منشی سری رام قانون گوئے عہد جہانگیری کا معمرہ خیال کرنا صحیح نہیں۔ اغلب یہی ہے کہ یہ کنواں ستروع اسلامی عہد کی یادگار ہے اور یہ بہت ممکن ہے کہ وہ اراضی جس میں یہ باؤلی تھی پہلے سے موجود تھی سن جانب سلطنت اسلامی منشی سری رام کو عنایت ہوئی ہو۔

تعمیرِ عمارت کا حسب ذیل کتبہ بخطِ ثلث اندرون مسجد شمالی جونہ پر دو سطروں میں کندہ ہے

امر ببناء هذه العمارت المسجد المبارك في عهد دولة السلطان
المعظم ظل الله في العالم معز الدنيا والدين المخصوص بعباد
رب العالمين القائم بنائيد الرحمن ابو المظفر کیقباد
السلطان خلد الله ملكه وسلطانه العبد الضعيف الراجي الی
رحمة الربانی عنبر سلطانی فی العشرة من شهر المبارك
رمضان سنه ست وثمانين وستمائة

ملک عنبر نے قرآن پاک کی آیات بھی پتھروں پر کندہ کرا کے مسجد کی محراب اور دروں پر نصب کرائی تھیں۔ ان آیات کے چند ٹکڑے اب بھی مسجد کے دروازہ کے اندرونی رخ پر نصب ہیں ایک میں "وَاُولٰئِکَ هُمُ الْفَائِزُوْن" پڑھنے میں آتا ہے۔

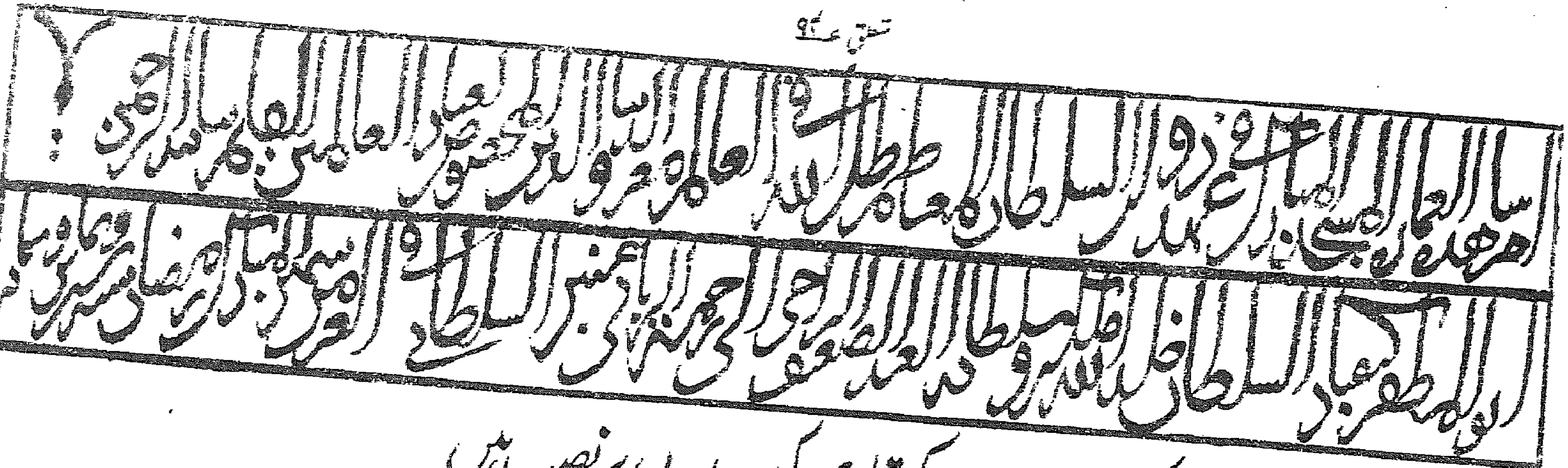
سنہ ۹۶۴ھ میں جب یہ عمارت کسی صدمہ سے شکستہ ہو گئی تھی تو **قطب الدین قناق خان** نے جو اس زمانہ میں امروہہ کے حاکم تھے اس کی مرمت کرائی۔ اس کی تصدیق حسب ذیل کتبہ سے ہوتی ہے جس کے تین شعر مسجد مذکور کے جنوبی در کی پیشانی پر اور دو شعر دروازہ مسجد کے شمالی پایہ پر منقوش ہیں ؎

در عہد عدل خان زمان فلک جناب — کز فیض عدل اوست جہان خلد جاودان
کان سخا و خواجۂ دنیا و قطب دین — عالی تبار قافلہ سالار راستان
از بہر خاص و عام جہان ساخت مسجدے — کز مسجد الحرام دہد در صفا نشان
فرشش بہ روشنی و شرافت چو آفتاب — سقفش بسادگی و لطافت چو آسمان
تاریخ این خجستہ بنا بر رواق چرخ — کلک قضا نوشت بنائے قناق خان

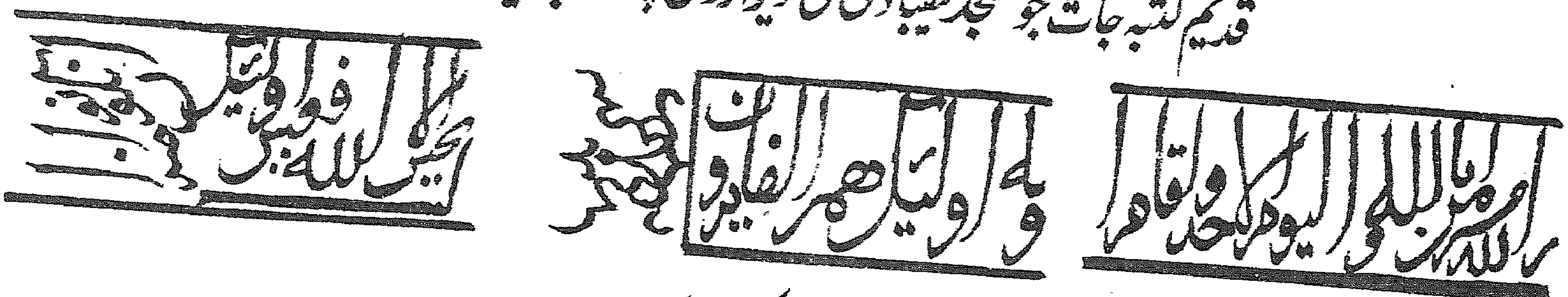
۹۶۴ھ

اس کے بعد سنہ ۹۸۱ھ میں یہ مسجد پھر شکستہ ہو گئی۔ اس وقت سید محمد میر عدل امروہوی نے

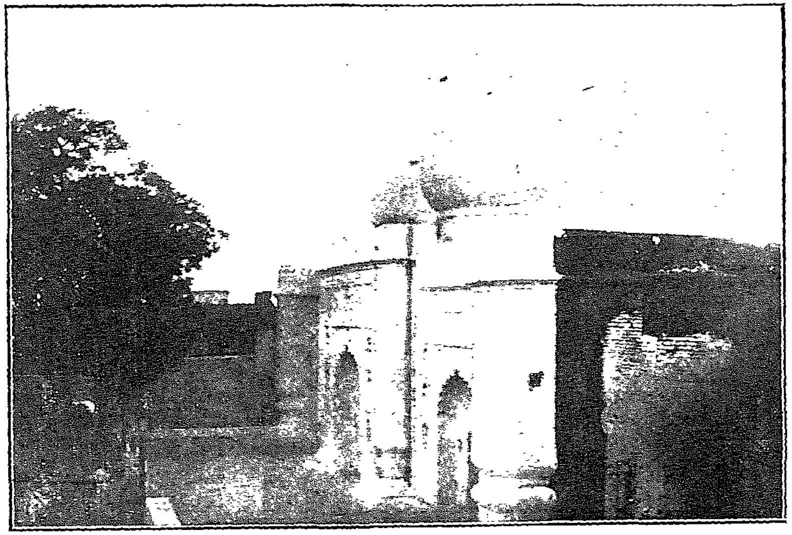
تختی ۹۶



قدیم کتبہ جات جو مسجد کیقبادی کی دیواروں پر نصب ہیں



آیات قرآنی کی بعض کتبوں کے ٹکڑے



مسجد کیقبادی (محلہ صدّو)

نہ صرف اس کی مرمت کرائی بلکہ اس کی تعمیر میں اضافہ بھی کیا۔ ابتداءً مسجد کے صرف تین گنبد تھے سید محمد میر عدل نے ان پر دو گنبدوں کا اور اضافہ کیا حسب ذیل کتبہ اندرون مسجد جنوبی جونہ پر کندہ ہے۔

بہ عہدِ اکبر غازی جلال دولت و دین — مدار ملک و ملل بادشاہ ظل اللہ
زمانہ خادم درگاہ اوست بی تکلیف — ستارہ بندۂ میزان اوست بے اکراہ
بنا نمود در امروہہ مسجد جامع — معز دین محمد امیر خلق پناہ
سپہر مرتبہ سید محمد عادل[1] — کہ وصفِ او شدہ اوراد خلق بیگہ و گاہ
دلم چو نکتۂ تاریخش از خرد پرسید — جواب داد روان بہر خویش و بنخواہ
مگو زہائے اخیر و بگوئے تاریخش — بنائے میر عدالت پناہ عالی جاہ
قائلہ و کاتبہ عارفی سنہ ۹۸۱ھ

تیسری مرتبہ جب پھر یہ مسجد قابل مرمت ہوگئی تو سنہ ۱۱۶۴ھ میں مسلمانان امروہہ نے اس کی مرمت کے لئے اہل شہر سے عام چندہ کی اپیل کی۔ اس اپیل کی نقل، جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں "صورت حال" کہا جاتا تھا" تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ اس پر تقریباً نوے اشخاص کے دستخط ثبت تھے۔ دستخط کنندگان میں نصف تعداد سادات کی ہے اور نصف دیگر شرفاء امروہہ کی۔ مثلاً میر اسد اللہ خان عرف میر کلو، سید علی اعظم خان (گھڑیال والے)، سید تاج محمود خان (دانشمند)، سید شجاعت علی (جد امجد سید معظم حسین محلہ گذری)، سید محمد صلابت، سید محمد کفایت و سید محمد امانت (شفاعت پوتہ)، سید علی حسن خان (دربار کلان)، خواجہ خیر اللہ خان (محلہ بخشی)، مولوی محمد سعید عباسی، مولانا غلام مصطفےٰ عباسی، مولانا نواز محمد عباسی، ابو المکارم عباسی، نظام الدین عباسی (محلہ مولانا) وغیرہ

نقل صورت حال در طلبی چندہ مرمت جامع مسجد امروہہ مرقومہ ۱۱ شوال سنہ ۱۱۶۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لہ الحمد و بہ نستعین والصلوٰۃ

---

[1] یعنی سید محمد میر عدل۔ ضرورت شعری کے لئے "عادل" لکھا گیا۔

علیٰ رسولہ والہ واصحابہ اجمعین ۔ حق سبحانہ تعالیٰ در قرآن مجید و فرقان حمید می فرماید۔ اِنّما یعمر مساجد اللّٰہ من اٰمن باللّٰہ والیوم الاٰخر واقام الصّلوٰۃ واتی الزّکوٰۃ ولم یخش الّا اللّٰہ فعسیٰ اولئک ان یکونوا من المھتدین ۔ معنی آیۂ کریمہ این است کہ بناء نمی کند مسجدہا ئے خدائے تعالیٰ را مگر آن کس کہ ایمان آوردہ است بہ خدائے تعالیٰ و ایمان آوردہ است بہ روز قیامت و کسے کہ قایم کردہ است نماز را و دادہ است زکوٰۃ را نہ می ترسد مگر از خدائے تعالیٰ و اقدس پس زود است کہ آنہا یعنی تعمیر کنندگان مساجد باشند از ہدایت یافتگان و فرمودہ است رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم :-

من بنیٰ مسجداً ابنی اللّٰہ لہ بیتاً فی الجنّۃ ۔ معنی حدیث شریف این است کہ آن کس کہ بناء کند مسجد را بناء کند خدائے تعالیٰ برائے آں کس خانہ در بہشت ۔

بر ہر یک از سادات عظام و مشائخ کرام و جمہور انام سکنۂ قصبہ امروہہ روشن و مبرہن است کہ مسجد جامع قصبۂ مذکور در عہد سلطان معزّ الدّین کیقباد بنا شدہ قریب پانصد سال بر تعمیر این مسجد منقضی گشتہ چنانچہ تاریخ بناء کہ بر سنگے از آن مسجد منقوش است غرۂ رمضان المبارک ۶۸۶ھ است ۔ ہمت بزرگان اسلاف بر مرمّت و تعمیر این مسجد مبارک مصروف ماندہ چنانچہ مغفرت پناہ میر سیّد محمد عادل[۱] مرحوم در ۹۹۱ ہجری[۹۲] مرمّت نمود و دو گنبد بر سہ قدیم زیادہ بناء فرمود حالا مسجد مذکور بسبب کہنگی شکستہ شدہ و نوبت بہ آن رسیدہ کہ از پا در آید و باز بنائے این چنین مسجد عالی شان از سر نو خیلے دشوار است پس چون ثواب بنائے مسجد بہ حسب فرمودۂ خدا تعالیٰ و رسول او صلّی اللہ علیہ وسلّم ثابت است لہٰذا برذمۂ ہمت کافہ انام و جمہور اہل اسلام

---

[۱] یعنی میر سیّد محمد میر عدل امروہوی ۔ ۹۲ یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے ۔ اصل کتبہ میں ۹۸۱ھ کندہ ہے ۔

لازم و واجب است کہ سعی بلیغ نمودہ ترتیب و مرمت این مسجد نمایند چون مبلغے خطیر می باید تا این مسجد درست شود و یک کس طاقت سر انجام آن ندارد بنا بر آن تدبیر سرانجام منبع مطلوب بہ این وضع است کہ ہر یک از سادات و شرفا و اہل حرفہ یک تنکہ شاہجہانی فی نفر از ذات خود و عیال و اطفال خود بدہند و جاگیرداران فی الک دام پنج روپیہ و سکان دہات دو روپیہ سر دیہہ آباد و یک روپیہ سر دیہہ باہی کاشت سر انجام نمایند تا ثواب یابند و حق سبحانہ تعالیٰ در مال و اولاد آنہا خیر و برکت دہد و ہندوان مطیع الاسلام کہ ربقۂ اطاعت اسلام در رقبۂ جان دارند درین امر نیک انجام با مسلمین موافقت نمایند تا در زمرۂ اہل اسلام نیکنام باشند۔

سخیاں ز اموال بری خورند　　　بخیلاں غم سیم و زر می خورند

تحریر فی التاریخ یازدہم شہر شوال المکرم سنہ ۱۱۶۴ یکہزار و یک صد و شصت و چہار ہجری۔"

چندہ فراہم ہوا، مرمت بھی ہو گئی لیکن افسوس اسی زمانہ میں صدّو کے میلہ سے جلب منفعت و کسب زر کے لالچ نے مہتمم و متوسلین مسجد اور بعض اہل محلہ کو خانۂ خدا کے اصلی مقصد سے بے پرواہ کر دیا، مسلمانان شہر نے دوسری مسجد واقع محلہ مولانہ کو آباد کیا۔ اور یہ نہایت قدیم مسجد جامع اور تاریخی و متبرک عمارت چند لوگوں کی حرص و آز اور عام مسلمانوں کی غفلت اور مداہنت کا شکار ہو گئی

عزیزوں نے اس سے توجہ اٹھا لی　　　عمارت کا ہے اس کی اللہ والی

یہ مسجد جو پانچ صدیوں سے زیادہ مدت تک امروہہ کی مسجد جامع رہی، جہاں مسلمانان امروہہ کے اسلاف کرام، علماء و فضلاء، مشائخ اولیاء خالق معبود کی عبادت میں مصروف رہتے تھے جس مقام کو ان بزرگوں کی نورانی پیشانیاں سجدہ میں مس کرتیں آہ وہ متبرک مقام اب مشرکین کا جولانگاہ بنا ہوا ہے، جس مقام پر کلام پاک کی تلاوت، تفسیر و حدیث کا درس ہوتا تھا، جہاں علماء و طلباء کا ہجوم رہتا تھا وہاں مکانات مسکونہ تعمیر ہو گئے، مسجد کا کنواں تک میٹن ہال کے چبوترہ میں شامل کر لیا۔ مسجد کے دو گنبد و مینار ٹوٹے پڑے ہیں، نہ فرش و فروش ہے اور نہ روشنی و صفائی کا انتظام، نہ بانگ و صلوٰۃ کا اہتمام۔ اب یہ خانۂ خدا مسلمانان امروہہ کی غفلت اور

بے حقیقتی کا مرثیہ خواں ہے:-

"وہ کن کا خدا ہے کہ جس کا یہ گھر ہے!!"

۲۔ مسجد جامع کلاں

معمرۂ شیخ عمر حسین بن شیخ برکت ۔ یہ مسجد محلہ کٹکوئی میں تحصیل کے محاذ میں ہے۔ کوئی کتبہ مسجد میں نصب نہیں تاہم متعدد فرامین و پروانجات شاہی سے جو خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد ابتدائے عہد اکبری میں اس زمانہ کی تعمیر ہے جب مسجد کیقبادی کی شکستگی کی وجہ سے امروہہ میں نماز جمعہ کے لئے کوئی دوسری وسیع مسجد باقی نہ تھی۔ اوائل عہد مغلیہ میں اس مسجد کے مصارف کے لئے بیست بیگھہ زمین، من جانب، حکومت اسلامی، موضع شاہ کبیر سرائے میں جسے غلطی سے لوگ "پبلک سرائے" کہتے ہیں، دی گئی تھی۔

۳۔ مسجد عباسیان

معمرہ مولانا محمد عباسی علیہ الرحمۃ ۔ یہ مسجد محلہ مولانہ میں خاکسار مؤلف کے جد اعلیٰ مولانا محمد عباسیؒ نے اواخر عہد اکبری میں اپنے اس مکان کے متصل، جو اب قاضی ابن عباس صاحب عباسی کی ملکیت ہے، تعمیر کی تھی۔ مولانائے موصوف جب آخر عمر میں شاہی خدمات سے سبکدوش ہو کر وطن چلے آئے اسی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ اس مسجد کے مصارف بھی حکومت اسلامی کی جانب سے ادا ہوتے تھے۔ شہنشاہ عالمگیر انار اللہ برہانہ کا فرمان محریہ ۲۲ شہر ذیقعدہ ۸ سنہ جلوس موافق ۱۰۷۵ھ خاکسار مؤلف کے پاس ہے جس میں "مبلغ شش و نیم ٹنکہ یومیہ بلا قصور از محصول پرگنہ امروہہ" اس مسجد کے مصارف کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ بعد میں بعوض یومیہ ایک ملک تعدادی پچاس بیگھہ (ص بیگھہ) بموجب پروانہ نواب جعفر خان محریہ شعبان ۱۰۹۶ھ مصارف مسجد کے لئے وقف ہوگئی جس کا اہتمام مولانا عبدالرشید عباسی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان کرتا رہا۔ حال میں اس مسجد میں کچھ ترمیم ہو گئی ہے۔

۴۔ چلہ کی مسجد ۔ ۱۰۲۹ھ میں زوجۂ سید ابو القاسم ولد سید محمد میر عدل نے تعمیر کرائی تھی۔

تاریخ تعمیر کا کتبہ حسب ذیل ہے :-

درعہد ابو الفتح نور الدین جہانگیر بادشاہ غازی عصمت پناہی بی بی زینب زن سید ابو القاسم الحسینی والدہ سید محمد منعم ایں مسجد را بنا ساخت ۔ قطعہ

چو از فضل حق وز مدد مصطفیٰ	بنا مسجد خوب و مرغوب شد
چو تاریخش از عقل کردم طلب	بگفتا بگو، مسجدے خوب شد

اہل محلہ کی کوشش سے ۱۲۸۸ھ میں اس کی مرمت اور استرکاری ہوئی۔ یعنی قادر علی ساکن محلہ نے اس کی کیا خوب تاریخ نکالی ہے۔

چو تاریخ بنا شد مسجدے خوب	مرمت خوب، تاریخ مرمت
۱۰۲۹ھ	۱۲۸۸ھ

۵۔ مسجد درگاہ ملک الشہداء حاجی سلیمانؒ واقع محلہ شاہی چبوترہ۔ یہ مسجد ۱۰۶۶ھ میں شیخ منصور بن شیخ بیرو متبنائے شیخ تاج نے تعمیر کرائی تھی۔ اس سے پہلے بھی اس مقام پر ایک قدیم مسجد تھی جو مسلمانوں کی آمد کے ابتدائی زمانہ میں بتخانہ کو مسمار کر کے بنائی گئی تھی۔ بتخانہ کے پتھر اب بھی صحن مسجد میں دبے پڑے ہیں اور ایک پتھر مسجد کے دروازہ کے پاس الٹا نصب ہے۔ مسجد کے اندر محراب میں ایک پتھر پر یہ عبارت کندہ ہے :-

اللہ محمد رسولہ

بانی مسجد بہ عالم از ہمہ منصور شد

قائلہ و کاتبہ عبد اللہ حلیم ۱۰۶۱ھ

مسجد کے بیچ کے در پر حسب ذیل قطعہ تاریخ کندہ ہے :-

"ھو اللہ ۔ درعہد صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ

چو منصور بن بیرو را شیخ تاج	پسر کردہ پرورده با خویشتن
زابجد[1] ایں دو دا در چو منصور کرد	بنا مسجدے خلد سال خوب روشن

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصرعہ غلط کندہ ہو گیا۔

دو تاریخ از سال او گفتہ طبعم | اگر شک دارند اہل سخن
یکے گفت بنا کرد منصور تاج | منصور ہیرو نو کرد مسجد کہن "
۱۰۶۷ھ | ۱۰۶۶ھ

(قائلہ وکاتبہ شیخ مدہ اسماحیین[۱])

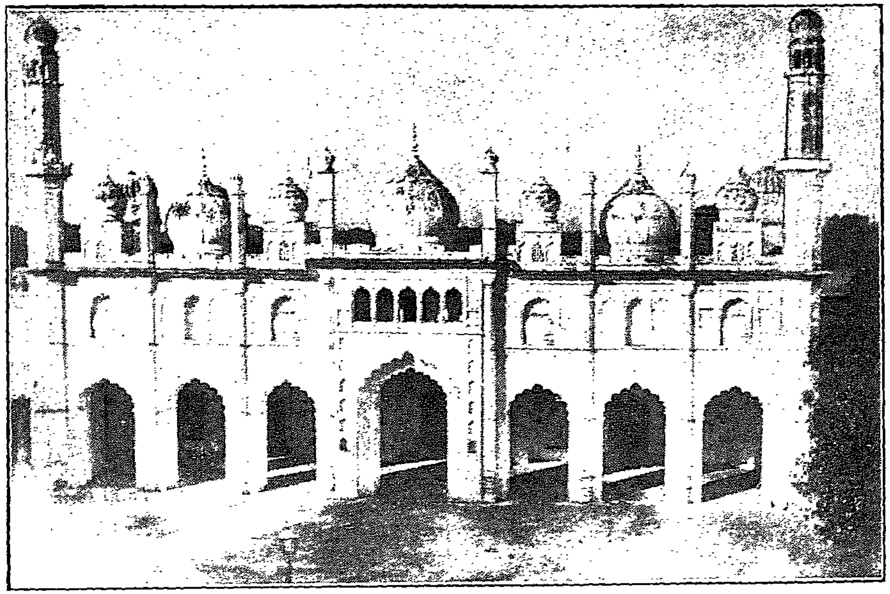
کچھ عرصہ ہوا اس مسجد کی مرمت ہو کر صحن وسیع کیا گیا اور کچھ اور بھی ترمیم ہوئی۔

۶۔ مسجد جامع امروہہ یہ عالی شان اور خوبصورت مسجد محلّہ مولانہ میں متصل تالاب پانباڑی مرتفع مقام پر واقع ہے۔ اس کے پیچھے تالاب اور باغات کے پُر فضا منظر نے مسجد کی زیبائش کو دوبالا کر دیا ہے۔ موسم برسات میں بالخصوص جب مسجد کے پشت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں تو کچھ عجب دلآویز اور پُر بہار منظر ہوتا ہے۔

ابتداءً یہ مسجد صرف ایک چھپی گہ اور مختصر سے صحن پر مشتمل تھی، اسے سیّد عبدالخالق بن دیوان سیّد محمود بن سیّد عبدالماجد بن سیّد عبدالخالق بن سیّد شاہ ابوالحسن بن سیّد محمّد میر عدل نے غالباً سنہ ۱۱ھ میں اپنے خاندانی قبرستان سے متصل تعمیر کرایا تھا۔ مسجد سے جانب شمال سیّد شاہ ابوالحسنؒ اور ان کی اولاد میں دیوان سیّد محمود اور دوسرے اشخاص کی قبریں تھیں۔ اس خاندان کے قبرستان کے علاوہ اس مقام پر، جہاں اب صحن کا شرقی حصّہ اور حوض وغیرہ ہے، دوسرے قدیم خاندانوں کے افراد کی بھی کچھ قبور تھیں۔ سیّد عبدالخالق مذکور نے قبرستان کی خدمت اور مسجد کی جاروب کشی کے لئے ایک نقارچی کو مقرر کیا تھا، اسے کچھ اراضی بھی خدمت کے معاوضہ میں دی تھی، اب اس کی اولاد مسجد سے متصل شمالی مغربی گوشہ میں رہتی ہے۔

مسجد کیقبادی میں جو ابتداء سے امروہہ کی جامع مسجد تھی شہر کی آبادی کے بڑھنے سے اوّلاً تو کافی گنجائش نہیں رہی تھی پھر صدّو کے میلے کے ہنگامے بھی نمازیوں کی تکالیف کا موجب ہونے لگے۔ اسلئے سیّد عبدالخالق کی معمّرہ اس مسجد کو جو بجلی کے گرنے کے حادثہ کی وجہ سے

۱۔ یہ الفاظ اسی طرح کندہ ہیں۔



مسجد جامع امروہہ (محلّہ مولانا)

بہت شکستہ اور غیر آباد ہو گئی تھی حضرت قبلہ گاہی کے نانا صوفی خدا بخش عباسیؒ نے سنہ ۱۲۷۳ھ میں از سر نو درست کرایا، حسب ذیل قطعہ تاریخ مسجد کی اندرونی گہ میں محراب کے پاس کندہ ہے، مصرعۂ تاریخ بھی بے نظیر ہے:-

ترمیم شکستگیٔ مسجد — از رونق دیں خبر بر آورد
ایں مسجد پاک بعد صد سال — از سجدۂ شکر سر بر آورد

۷۳ ھ ۱۲

اس سے تقریباً بیس برس بعد جب حضرت مولانا مولوی احمد حسن محدثؒ مراد آباد کے مدرسہ مسجد شاہی سے مستعفی ہو کر سنہ ۱۳۰۱ھ میں امروہہ تشریف لائے، مدرسہ اسلامیہ کا اس مسجد میں اجراء ہوا، مولانا موصوف بجائے حافظ سید مہربان علی کے امام جمعہ مقرر ہوئے اور جمعہ و جماعت کو ترقی ہوئی تو مسجد کی یہ ایک گہ نمازیوں کے ہجوم کی وجہ سے ناکافی ہونے لگی اس لئے بعض اکابرین شہر و منشی حکیم الدین تحصیلدار وقت نے دوسری گہ کی تعمیر کی تجویز کی، چنانچہ خود مولانا موصوف، حضرت قبلہ گاہی مولوی علی محمد عباسی، نواب وقار الملک مرحوم، مولوی نادر شاہ خان، قاضی نبی بخش عباسی، مولوی امجد علی عباسی، میر غلام جیلانی، سید امتیاز علی منصف کی کوششوں اور دیگر عمائدین محلہ دربار کلاں، کٹکوئی، قریشیان، حقدو و محلہ چلہ کی اعانت سے باہتمام مستری حیات بخش سنہ ۱۳۰۱ھ میں زر تفریق سے کار تعمیر کا آغاز ہوا۔ شیخ گلزار علی (قوم کلال) نے لکڑی اور روپیہ بہت کچھ مدد کی) اور دو سال کی مدت میں بہ ہزار جد و جہد اس عالی شان تعمیر کی تکمیل ہوئی، سید ظہور حسن ثاقب (محلہ چلہ) نے حسب ذیل قطعہ تاریخ لکھا جو اگلی گہ کے بیچ کے در پر باہر کی جانب کندہ ہے:-

چوں بہ پیش مسجد اہل سنن — خوب شد تعمیر نو خاطر پسند
گفت ثاقب مصرعۂ تاریخ او — گشت ہمدم مسجد جامع دو چند

۳ ۰ ۳ ۱ ھ

مسجد کا موجودہ عالی شان اور خوشنما دروازہ بھی اسی زمانہ میں تعمیر ہوا، خاکسار مؤلف کے برادر بزرگ مولوی محمد داؤد عباسی بی۔اے (علیگ) مرحوم نے قطعہ تاریخ لکھا جو دروازہ کی پیشانی پر کندہ ہے۔

وہ زدروازۂ ہمایوں شاں | کہ بہ رفعت شدہ زچرخ قریب
یافت داؤد از سروش فلک | سال تعمیر او عجیب و غریب

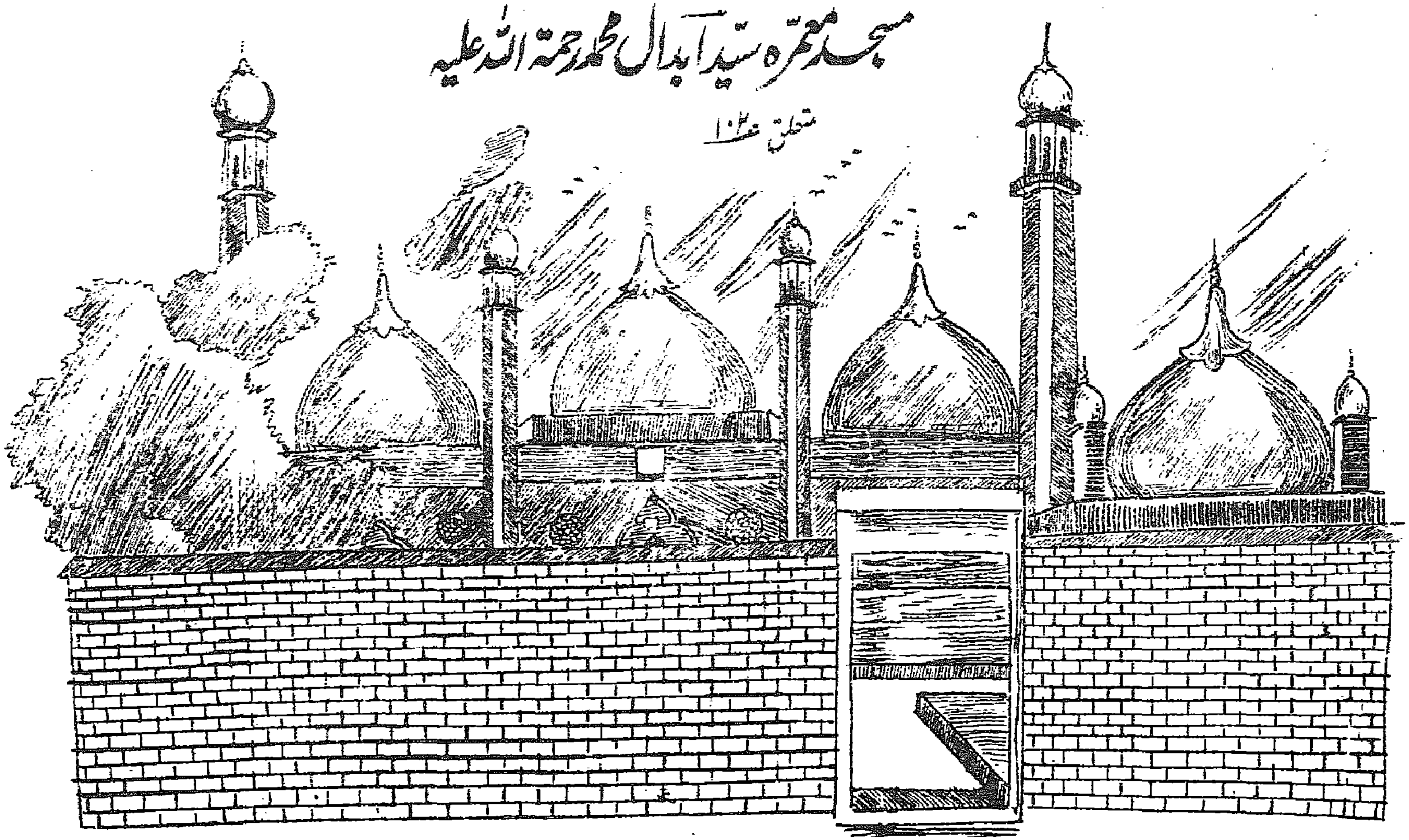
۱۳ ۰۲ ھ

اس سے تقریباً تیس سال بعد ۱۳۳۱ھ میں مہتمان مسجد نے شمالاً وجنوباً مسجد کی توسیع کی۔ یہ واقعہ سلطان ابن سعود کے انہدام مقابر کی کارروائی سے بہت پہلے کا ہے تاہم امروہہ کی تاریخ میں یاد رکھنے کی قابل ہے کہ توسیع مسجد کی بنا پر انی مسجد اور ان کے اہل خاندان کی جو قبور شمالی قطعہ میں صدیوں سے موجود تھیں وہ مسمار کر دی گئیں۔ صوفی خدابخش عباسی مرحوم کی قبر البتہ مسمار نہیں کی گئی جو اگلی گہ کے شمالی مینار کے پاس اب تک موجود ہے۔ حضرت مولانائے محدث امروہوی کی قبر بھی صحن مسجد کے جنوبی مشرقی گوشہ میں موجود ہے۔

صحن مسجد کے شرقی کنارہ پر متصل دروازہ قدیم مدرسۂ اسلامیہ کی وسیع عمارت ہے، جس میں درس تدریس کے متعدد کمرے ہیں، مدرسہ کا کتب خانہ و دفتر بھی اسی عمارت میں ہے۔ دار الاقامہ کے متعدد کمرے صحن مسجد کے جانب جنوب اور دروازہ کے متصل ہر دو جانب ہیں۔ اب کچھ اور عمارت ایک قطعہ زمین خرید کر جانب شمال تعمیر ہونا تجویز ہوئی ہے۔

۷۔ **شیری کی مسجد** | یہ مسجد متصل کٹرہ غلام علی واقع ہے ۱۱۴۲ھ میں کمال خان مختار عام سید ابراہیم و سید عاقل نے کارواں سرائے کے قریب تعمیر کی تھی کوئی کتبہ تو موجود نہیں لیکن طرز تعمیر یقیناً قدیم ہے۔

۸۔ **مسجد سید ابدال محمد** | یہ خوشنما مسجد بیرون شہر متصل محلہ لکڑہ واقع ہے۔ سید ابدال محمدؒ بن سید محمد منورؒ نے ۱۱۴۱ھ میں تعمیر کرائی تھی حسب ذیل قطعہ تاریخ تعمیر



مسجد معمرہ سید ابدال محمد رحمۃ اللہ علیہ

متعلق ص ۱۰۲

پرگنہ ہے :-

سید ابدال حامی اسلام ۔۔۔ مسجدے ساخت عرش مماس
بہر تاریخ از خرد گفتہ ۔۔۔ خانۂ کعبہ را نہاد اساس

۱۱ ھ ۱۱۴۱

احاطہ مسجد کے شرقی و شمالی گوشہ میں شاہ عبدالرسول قادریؒ کا مقبرہ ہے جو سید ابدال محمدؒ کے پیر طریقت تھے۔ سید ابدال محمدؒ سنی المذہب، عابد، زاہد، صوفی منش بزرگ تھے۔ صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں :-

"سید ابدال محمد منصب دار شاہی تھے۔ نواب دوندے خاں کے عہد میں بڑی عزت اور توقیر پائی۔ نواب ممدوح ان کو اپنا پیر کہتے تھے۔ سید موصوف نے ایک مسجد تعمیر کی اور کنواں بنایا اور شاہ عبدالرسول کا مقبرہ جن کو دہلی سے اپنے ہمراہ لائے تھے مسجد مذکور کے احاطہ میں بنوایا جس کا گنبج بہت خوب صورت ہے۔ موضع جلال پور وغیرہ جائداد معافی بنام مسجد وقف کرکے اپنے بیٹے سید فیض احمد کو اس کا متولی کیا۔ پھر تعلقات دنیاوی ترک کرکے اسی مسجد کے ایک مکان میں گوشہ نشینی اختیار کی اور چالیس برس عبادت میں مصروف رہے۔ قرآن شریف حفظ تھا"

اصل دستاویز وقف نامہ خاکسار مؤلف کو دستیاب نہیں ہوئی، تاہم سید ابدال محمدؒ اور نواب دوندے خاں کی بعض تحریرات جو خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں، نیز سید ابدال محمدؒ کے فرزند سید فیض احمد کے وصیت نامہ کی عبارت اور بعض دیرینہ کاغذات سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ سید ابدال محمد سنی حنفی، مشائخ کے معتقد و مرید اور صاحب حال بزرگ تھے۔ ان کے اخلاف میں ان کے فرزند و جانشین سید فیض احمد اور سید قائم علی بن سید فیض احمد مذکور جو یکے بعد دیگرے جائداد موقوفہ کے متولی ہوتے رہے اپنے آبائی مذہب کے پابند تھے۔ سید شبیر علی بن سید قائم علی مذکور نے البتہ آخر عمر میں شیعیت کا اظہار کیا تھا۔

خاکسار مؤلف کو اس بحث سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں کہ اس وقف کے بانی سنی تھے یا شیعہ لیکن جہاں تک تاریخی حالات اور واقعات کا تعلق ہے حقیقت حال کا اظہار لازم ہے تاریخی شواہد و آثار اور دیرینہ کاغذات سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ واقف اور ان کے جانشین متولی سنی المذہب تھے جن اغراض کے لئے یہ وقف کیا گیا تھا ان کا اجمالی تذکرہ وصیت نامہ سید فیض احمد متولی بن سید ابدال محمد مرحوم مرقومہ دوم شہر رجب المرجب ۱۲۱۰ھ میں درج ہے جس کی نقل تاریخی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

نقل وصیت نامہ سید فیض احمد متولی

" باعث تحریر ایں سطور آں کہ سید ابدال محمد مرحوم والد ایں عبد ضعیف سید فیض احمد بتائید الٰہی مسجد بنا کرد و برائے وجہ کفاف امام و خدمت و خرچ مسافرین وغیرہ متعلقہ آں موازی ہشت صد و شصت ہفت بیگہ خام زمین زراعی املاک در رقبہ موضع جلال پور و کنیج و محمود پور و نصیر نگلہ و دیرہ وجبدہ پرگنہ امروہہ مملوکہ خود و محصول موازی دو صد و بست و پنج بیگہ زمین خام زمین در رقبہ موضع جلال پور مذکور بہ موجب وقف نامہ وقف نمودہ بندہ درگاہ را متولی و سرانجام کار آں مقرر ساخت و قطعہ تولیت نامہ علیحدہ بنام من نوشتہ جملہ کاغذ مذکور متعلقہ وقف مذکور بہ تحویل من بندہ داد چنانچہ مطابق آں تا حال بندہ درگاہ محاصل آراضی موقوفہ را حصول کردہ تصرف مصارف متعلقہ مسجد بہ موجب وقف نامہ و تولیت نامہ کردہ آمدہ حالا بندہ درگاہ برخوردار سید قائم علی را متولی و سرانجام کار مسجد و آراضی موقوفہ از طرف خود مقرر نمودہ بجائے خود قائم مقام گردانیدہ تمامی اسناد متعلقہ مسجد را حوالہ برخوردار مذکور نمودم باید کہ برخوردار مذکور اسناد مذکورہ را بہ ہوشیاری نزد خود داشتہ بہ دیانت و احتیاط سرانجام کار متعلقہ مسجد نمودہ محاصل آراضی مذکورہ را در وجہ کفاف موذن و امام و جاروب کش سقان مسجد و خرچ مسافرین و آب و چراغ وغیرہ صرف می کردہ باشد و مدام بہ مرمت شکست و ریخت مسجد و مکانات آں خبرگیراں باشد

عکس وصیت نامہ سید فیض احمد ولد سید ابدال محمد رح

متعلق صـ ۱۰۲

رحمان بخش
القاضی ابید ۱۲۱۰
خادم شرع شر

باعث تحریر این سطور آنکه سید ابدال محمد مرحوم ... [illegible]

[illegible]

تحریر فی التاریخ ... رجب ... ۱۲۱۸ هجری

وانچہ از مصارف متعینہ وضروری آن باقی ماند آن را بہ امانت نزد خود نگاہ داشتہ بہ اشتکاری
مسجد و تیاری حجرہ و دالان مقابل خرچ نمایند و عزل و نصب مؤذن و امام وغیرہ
خدمت مسجد بہ اختیار اوست ذمہ خود شناسند۔

تحریر فی التاریخ دوم شہر رجب المرجب ۱۲۱۱ھ

مندرجہ بالا وصیت نامہ میں "امام" کا لفظ متعدد جگہ تحریر ہے یہ لفظ کسی شیعہ کے قلم سے اصطلاحاً بھی "پیش نماز" کے لئے نہیں نکل سکتا۔ اس وصیت نامہ کی عبارت سے صاف واضح ہے کہ اصل دستاویز وقف نامہ و تولیت نامہ میں بھی اسی قسم کے الفاظ تحریر ہیں۔ واقف اور ان کے جانشین متولی اگر شیعہ مذہب ہوتے تو "امام" کی بجائے "پیش نماز" تحریر ہوتا اور ایسی وسیع وخوشنما مسجد کے بجائے کوئی امام باڑہ تعمیر کرتے یا وقف کے مصارف میں مجالس تعزیہ داری کی مدات کو بھی شامل کرتے۔ واقعہ یہ ہے کہ نواب آصف الدولہ کے زمانہ سے پیشتر امروہہ میں کوئی ایک مسجد بھی شیعہ حضرات کی موجود نہیں تھی۔ اور نہ حضرات شیعہ میں جمعہ باجماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا انتظام امروہہ تو کیا اس زمانہ میں شمالی ہند کے کسی مقام پر موجود تھا[۵۱]۔ اس لئے نہ مساجد تعمیر ہوتی تھیں اور نہ اس زمانہ میں شیعوں کے لئے تعمیر مسجد کی کوئی ضرورت تھی۔ علاوہ ازیں موجودہ متولی اور مہتمم کے انتظام سے پیشتر تک جو غالباً سنہ ۱۹۰۷ء سے شروع ہوا اس مسجد میں باوجود سابقہ متولی کے شیعی مذہب ہونے کے امام و مؤذن سنی المذہب مقرر ہوتے رہے[۵۲]۔ مولانا عبدالعزیز جو پچھلے زمانہ میں سنی علماء میں نشان امتیاز رکھتے تھے یہاں درس دیتے رہے۔ مسجد کی امامت بھی ان ہی سے متعلق رہی۔ مولوی عبدالعزیز صاحب

---

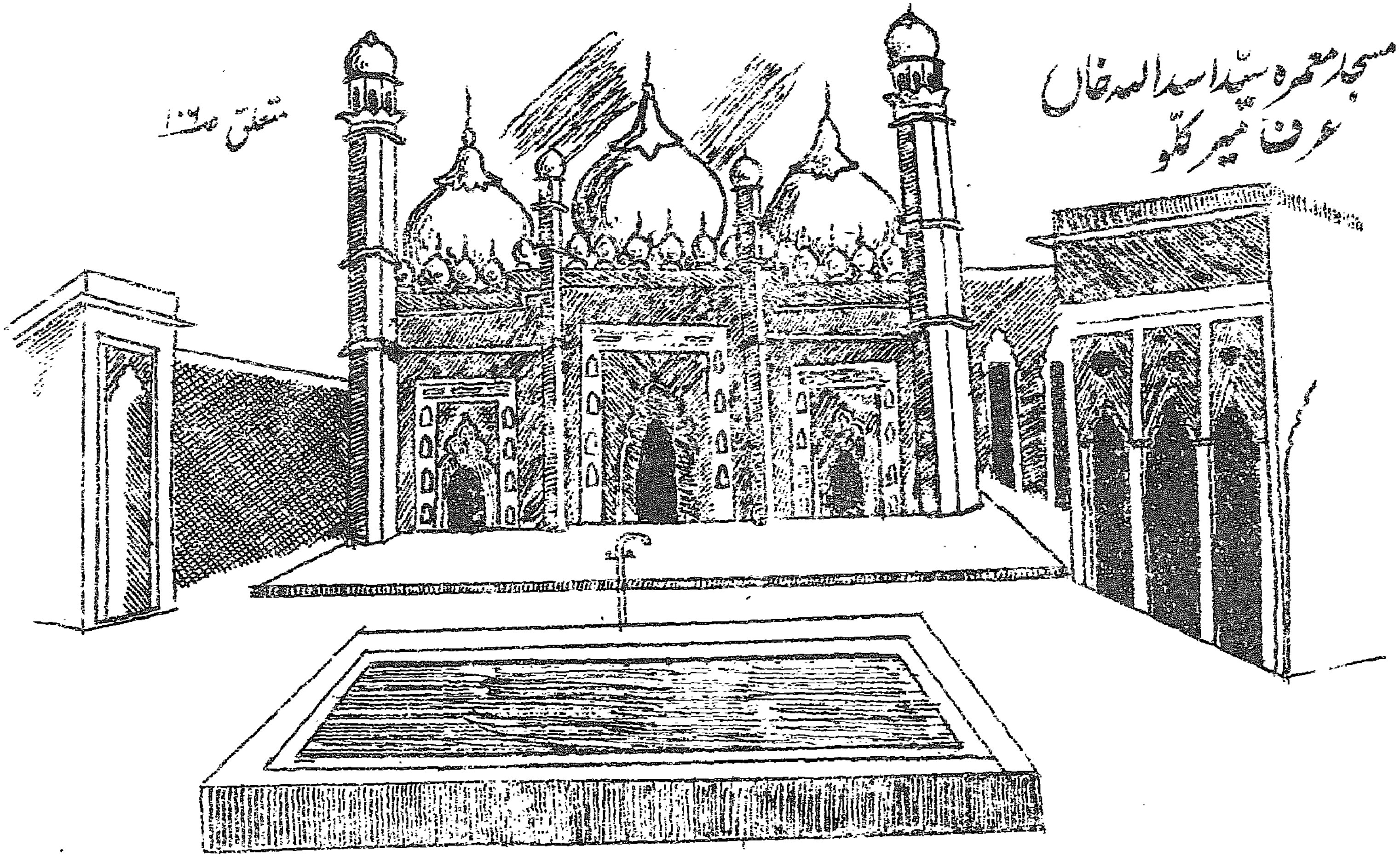
[۵۱] تاریخ عماد السعادت مطبوعہ نول کشور صفحہ ۱۳۷۔ [۵۲] مؤلف تاریخ واسطیہ کا یہ بیان کہ "اس مسجد میں ہمیشہ حفاظ وغیرہ مذہب شیعہ سے رہے ہیں" ہرگز صحیح۔ خاکسار مؤلف کی نظر سے سابقہ متولیوں کے جو کاغذات گذرے ہیں ان سے بخوبی ثابت ہے کہ اس مسجد میں امام، مؤذن، حفاظ و دیگر متوسلین سنہ ۱۹۰۷ء سے پہلے سب سنی مذہب مقرر ہوتے تھے

انبہٹہ ضلع سہارنپور و مولوی عبدالعزیز ساکن بجنور جو سُنّی حنفی مذہب تھے سنہ ۱۳۴۴ھ تک اس وقف سے تنخواہ پاتے رہے صوفی عبدالرزاق (ساکن محلہ بچہ پرہ) کے والد شیخ عبدالقادر اور خادمان درگاہ شاہ ولایتؒ بن شیخ ہدایت بخش اور ان کے فرزند پیرجی عبدالرشید یکے بعد دیگرے اس مسجد مین متولیان جدید کے عہد سے قبل تک مؤذن مقرر ہوتے رہے۔

تاریخی حالات کے سلسلہ مین صداقت بیانی مجبور کرتی ہو کہ اس کا اظہار بھی کردون کہ جدید انتظام مین حضرت شاہ عبدالرسول قادریؒ کے مرقد منوّر اور احاطہ مسجد مین اور قبور کی ہیئت کو جو سنیون کے طریقہ پر تعمیر تھین، تبدیل کر دیا گیا مسجد جامع محلہ مولانہ کے مہتممین نے توتو سیع عمارت کے بہانہ سے بانی مسجد اور ان کے اہل خاندان کی قبور کو منہدم کر دیا تھا۔ جو تاریخی نقطۂ نظر سے سخت معیوب ہی لیکن اس سے معیوب تر یہ کارروائی ہو جو یہان ان بزرگون کے خواہ مخواہ شیعی مذہب ثابت کرنے کے لئے کی گئی۔ لیکن طرفہ تر ماجرا یہ ہو کہ خود بانی مسجد سیّد ابدال محمدؒ اور اُن کے فرزند سید فیض احمد کا مرقد انور چونکہ درگاہ شاہ ولایتؒ کی چہار دیواری اور مجاوران درگاہ کی جائے نشست سے قریب ہی ان کی ہیئت کو اب تبدیل نہ کیا جا سکا۔ قدیم کتبہ کے علاوہ مسجد مین جدید کتبہ بھی نصب کرائے گئے ہین۔

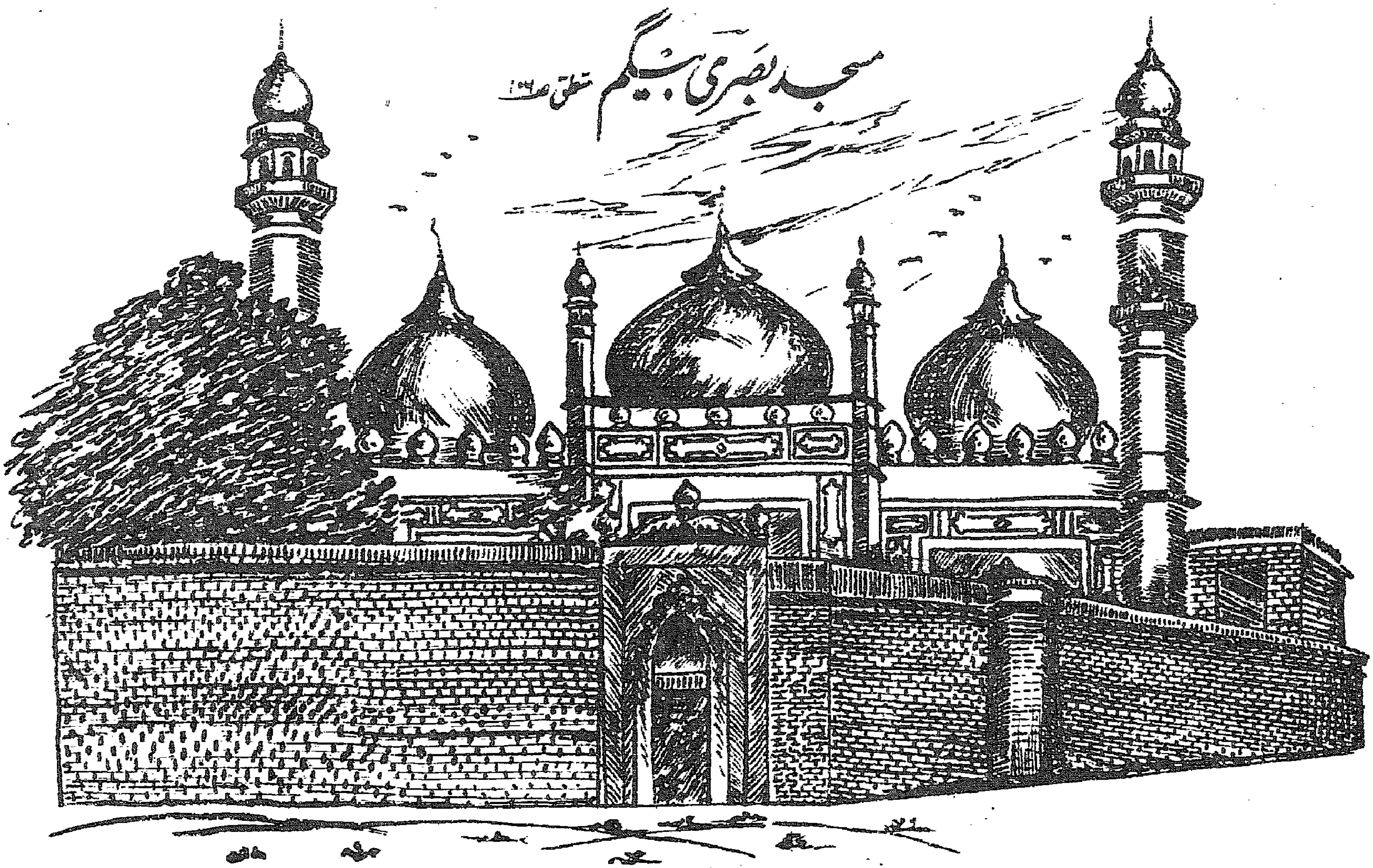
۹ مسجد میر کلّو | سنہ ۱۲۷ھ مین یہ وسیع اور خوشنما مسجد معہ عمارت مدرسہ سید اسد اللہ خان عرف میر کلّو نے اپنے مکانات کے متصل محلہ گذری مین تعمیر کرائی اور ایک موضع جھبرن اس کے اخراجات کے لئے وقف کیا۔ سید ابدال محمدؒ کی طرح میر کلّو بھی اپنے آبائی مذہب اہل سُنّت والجماعت کے پیرو تھے۔ عدالت نے بھی اس وقف کو سُنّیون ہی کا وقف قرار دیا۔ متوّلی اگرچہ شیعہ مذہب ہین لیکن مسجد آباد ہے اور اسمین سنیون کا مدرسہ بھی ہے جو اچھی حالت مین ہے۔

۱۰ مسجد بصری بیگم | یہ وسیع اور خوشنما مسجد متصل مرادآبادی دروازہ واقع ہی سید فیض علی بن سید افضل علی بن سید محمد فاضل نبیرۂ دیوان سید محمود کی زوجہ

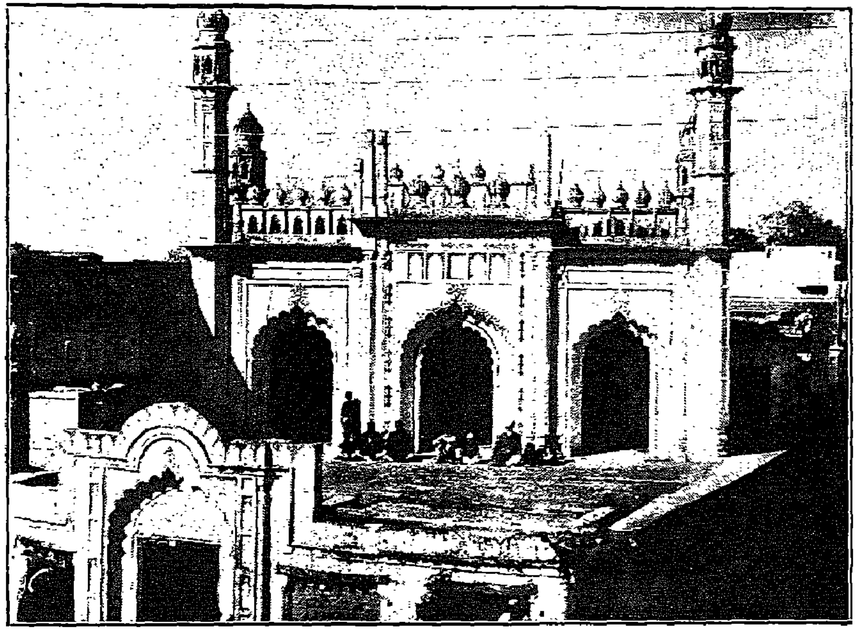


مسجد معمرہ سیّد اسد اللہ خاں
عرف میر کلّو

متعلق صفحہ ۱۰۶



مسجد اصغری بیگم
متعلق صفحہ ۱۲۶



مسجد حافظ عباس علی خاںؒ

بڑی بیگم ہمشیرہ سید غلام حسین خان نائب ریاست رامپور نے سنہ ۱۱۸۰ھ میں یہ مسجد تعمیر کرائی تھی۔ احاطہ مسجد کے اندر بڑی بیگم کی قبر بھی ہے۔ اسی نمونہ کی ایک اور مسجد انہوں نے شیر خان سرائے شہر سنبھل میں تعمیر کرائی تھی جہاں ان کے مرشد میرن شاہ کا مقبرہ ہے مسجد کے لئے کوئی جائداد وقف نہ تھی۔ شیخ حسین بخش نے سنہ ۱۳۰۰ھ میں ڈھائی سو روپیہ سالانہ کی ایک جائداد وقف کی۔

۱۱۔ مسجد حافظ عباس علی خان ابتداءً یہ ایک مختصر سی مسجد تھی عہد شاہجہان بادشاہ میں شیخ بایزید نے تعمیر کی تھی۔ ناتمام و شکستہ حالت میں تھی۔ غدر سنہ ۱۸۵۷ء سے چند سال قبل اس مسجد کو سالگ رام ولد گھنشیام داس نباڑی[۱] نے اس پر قبضہ کر کے منہدم کر کے مندر قرار دے دیا تھا۔ حافظ عباس علی خانؒ نے سنہ ۱۸۵۳ء میں اس مسجد کی دخلیابی کا نباڑی مذکور کے خلاف عدالت ججی مرادآباد میں دعویٰ دائر کیا۔ دعویٰ ڈگری ہوا، نباڑی مذکور نے ولسن صاحب جج کے یہاں اپیل کیا، جو کامیاب ہوا۔ حافظ صاحب نے ہائی کورٹ آگرہ میں اپیل کیا وہاں سے فیصلہ حافظ صاحب کے موافق ہوا لیکن ہنوز دخل نہ ملنے پایا تھا کہ سنہ ۱۲۷۳ھ میں غدر ہو گیا، مسلمانوں نے بطور خود مسجد پر قبضہ کر کے عمارت تعمیر کی۔ جب بعد غدر کے انگریزی عملداری شروع ہوئی ناظر گور سہائے امروہہ کے ناظم و حاکم مقرر ہوئے ان کی اعانت سے نباڑی مذکور کو انہدام مسجد کا موقع خوب ہاتھ آیا اس نے مسجد کو کلیتاً مسمار کر دیا۔ سنہ ۱۲۷۸ھ مطابق سنہ ۱۸۶۳ء میں حافظ عباس علی خان نے عدالت سب ججی مرادآباد میں پانچ ہزار روپیہ خرچہ اور دخل یابی کا دعوے کیا جو ڈگری ہوا۔ بالآخر سنہ ۱۲۷۹ھ مطابق سنہ ۱۸۶۵ء میں مسلمانوں کو دخل ملا اور مسجد از سر نو تعمیر ہوئی۔ آپ کے فرزند مولوی احمد حسین خان صاحب نے قطعۂ تاریخ کہا:—

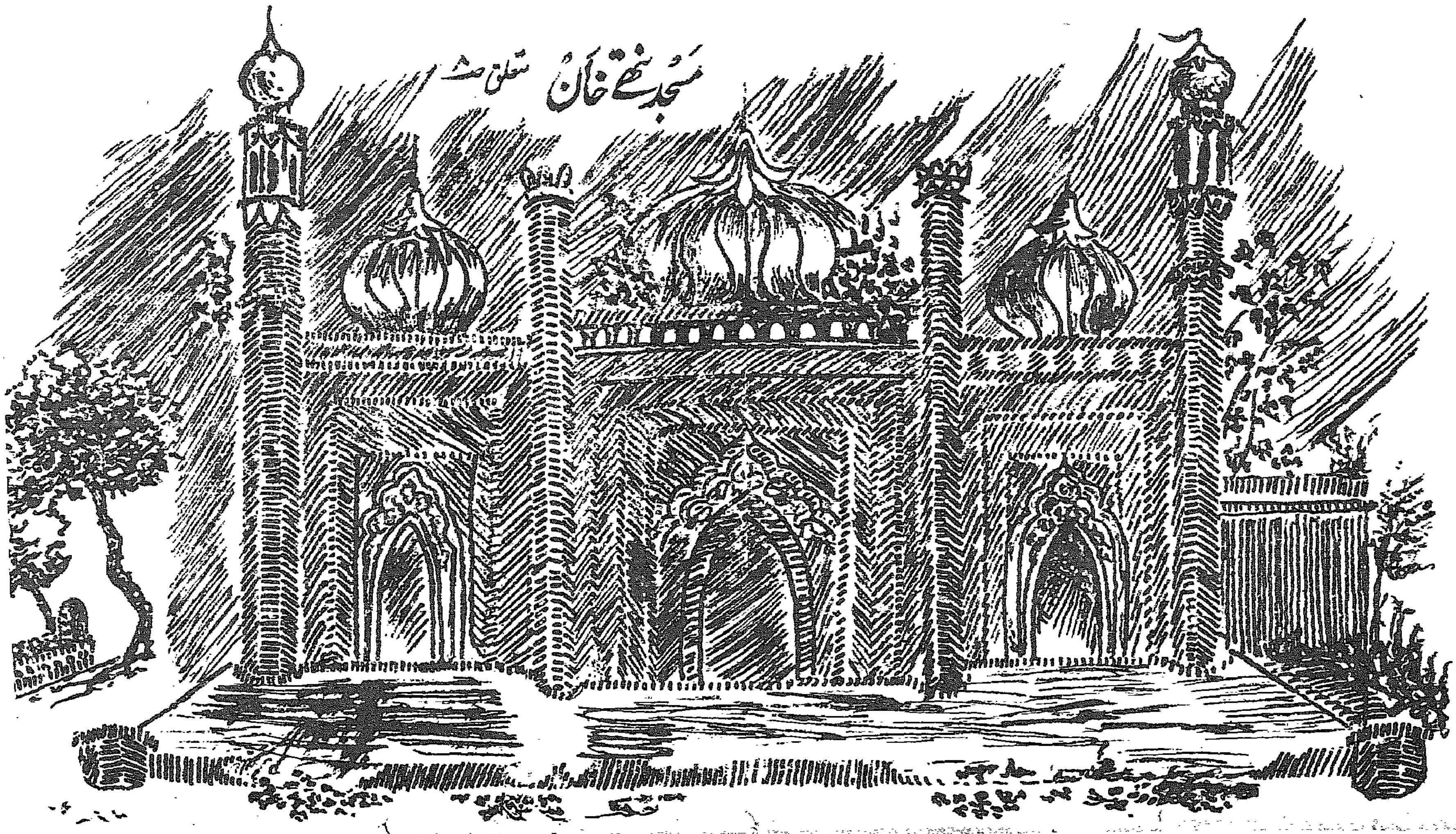
۱؎ عوام غلطی سے تواڑی کہتے ہیں۔ اصل میں یہ لفظ نباڑی ہے اور "نربدی" سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں تین دیہوں کا جاد...

شکستہ چو بتخانہ را اہل دین — بُئے مسجد باب مسجد غریب
بنا حافظ عباس علی خان نمود — بہ تیغ کرم اللہ و فتحاً قریب

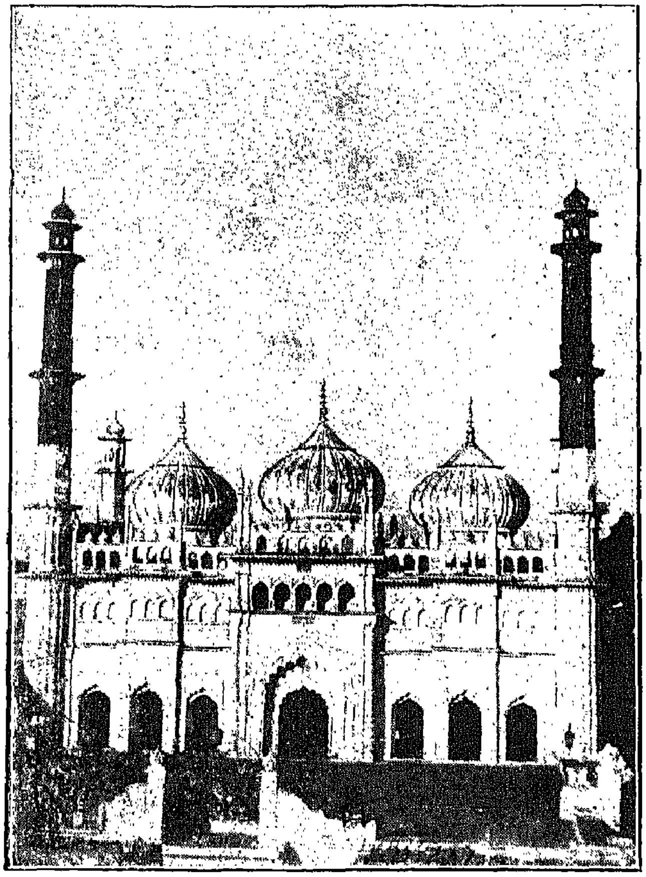
۲۲۔ مسجد ننھے خان یہ خوبصورت و خوشنما مسجد بیرون شہر جانب جنوب ننھے خان والے باغ میں واقع ہے۔ ننھے خان جو حیات خان حاکم سنبھل کے خسر تھے، امروہہ میں ساکن تھے۔ اپنے زمانہ میں نامور اور متمول شخص تھے۔ یہ مسجد اور ایک کنواں بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں انہوں نے تعمیر کرایا تھا اور ایک باغ بھی نصب کیا تھا مسجد جا بجا شکستہ ہوگئی ہے۔ یہ کنواں "خونی کنویں" کے نام سے مشہور ہے۔

۲۳۔ مسجد محلہ شفاعت پوتہ یہ مسجد اگرچہ عہد اسلامی کی تعمیر نہیں ہے لیکن اپنی زیبائش وسعت اور مسلمانوں کے ایک فرقہ کی عبادت گاہ ہونے کے لحاظ سے قابل تذکرہ ہے۔ ابتداً یہاں ایک مختصر سی مسجد تھی جسے حاجی شیخ اشرف علی عظیم آبادی نے جو امروہہ میں سکونت پذیر ہوگئے تھے، ۱۲۴۳ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کی وجہ صاحب تاریخ اصغری نے یہ لکھی ہے کہ جناب مولوی سید محمد عبادت صاحب (پیش نماز شیعان امروہہ) بہ سبب نہ ہونے مسجد کے نماز جماعت امام باڑہ میں پڑھا کرتے تھے لہذا حاجی صاحب نے یہ مسجد مختصر بنائی لیکن بہ سبب کثرت نمازیوں کے ہمیشہ اہل جماعت کو ایذا کشمکش کی ہوتی تھی تو حاجی صاحب نے مسجد کو وسعت دینی چاہی اور کچھ سامان تعمیر بھی فراہم کیا مگر آغاز تعمیر کی نوبت نہ پہنچی تھی کہ ۱۲۶۳ھ میں وفات پائی۔ اس لئے امروہہ اور بیرونجات کے شیعہ حضرات نے چندہ جمع کرکے اس مسجد کو وسیع کیا۔ پانچ سال میں یہ عالی شان اور خوشنما مسجد تعمیر ہوئی۔ سال تکمیل تعمیر ۱۲۸۴ھ ہے اور نام اشرف المساجد۔ مسجد کے بیچ کے در پر یہ مصرعہ تاریخ جداگانہ پتھروں پر کندہ ہیں مصرعہ "ظہور عام بہ تعمیر کل جماعت شد"

مسجد اشرف بنا گشتہ چو از فضل اللہ — مقتدایان را تبرکش بساجد و کداست
سال تاریخش چو پرسیدم ز ہاتف فرقتی — گفت ہشتاد و چہار و یکہزار و دو صد است
۱۲ — ھ — ۸۴



مسجد نھّے خاں متعلق صـ



اشرف المساجد (مسجد جامع شیعان امروہہ)

مسجد کے جنوبی گوشہ میں شیعہ بیٹان کتبخانہ کے کمرے ہیں اور اس سے متصل سید المدارس کی خوشنما اور وسیع عمارت ہے۔

مزارات خانقاہیں اور مقبرے

۱۔ مزارات شہدائے متقدمین

شہدائے متقدمین کے مزارات جابجا اندرون و بیرون شہر واقع ہیں ان میں اکثر وہ غازیان اسلام ہیں جو مسلمانوں کی آمد کے ابتدائی زمانہ میں یہاں کے معرکہائے جنگ و جدال میں شہید ہوئے۔ یہ مزارات تاریخی حیثیت رکھتے ہیں، مسلمانان شہر کو ان مزارات سے عقیدت ہے۔ ہر پنجشنبہ کو اکثر مزارات پر لوگ فاتحہ خوانی کے لئے جاتے اور چراغ روشن کرتے ہیں۔ ان میں چند ان بعد کے شہدار کے مزارات بھی شامل ہیں جن سے لوگوں کو عقیدت ہے۔ مزارات کی تفصیل یہ ہے۔

سیدنا ابراہیم شہید۔ شہر کے گوشۂ شمال و مغرب میں بہ فاصلۂ ایک میل لب سڑک تاجپور۔ ان کا مقبرہ احمد شاہ درانی کے وقت میں تعمیر ہوا۔ **حسن شہید**:۔ جانب شمال محاذی عیدگاہ۔ **محمد شہید**:۔ جانب غرب شہر سے دو میل کے فاصلہ پر موضع پنجو سرائے میں۔ **حامد شہید**:۔ محلہ قریشیان میں۔ (وزیر سنگھ امیر سنگھ کا بیسنہ نے تخمیناً پچاس سال قبل یہ مزار از سر نو بنوایا تھا۔) **عثمان شہید**:۔ متصل رام تالاب۔ **تمن شہید**:۔ جانب شرق **مبارک شہید**:۔ جانب جنوب شہر سے ایک میل لب سڑک ڈھکہ۔ **تمن شہید ثانی** واقع محلہ چوکلی۔ **ماکم شہید**:۔ واقع محلہ کوزہ گران۔ **جھنڈا شہید**:۔ واقع محلہ شیخ زادگان (اب یہ محلہ اسی نام سے موسوم ہے) **کھورے خان شہید**:۔ جانب شرق متصل جلال وجوش وخروش ہیں۔ **جہانگیر شہید**:۔ واقع محلہ جڑ دیہ۔ **عبدالحکیم عباسی شہید**:۔ متصل تکیہ ساہو جانب جنوب۔ **کنوارے شہید**:۔ متصل روضہ شاہ ٹھاکسی

جہانگیر شہید ثانی:۔ محلہ مولانہ متصل یوانخانہ قاضی ابن عباس عباسی **ہدایت اللہ شہید:۔** بادشاہی چبوترہ اندرون مکان مولوی احسان الحسن ننھے خان شہید محلہ کشکوئی

۴۔ مزاراتِ اولیاء

امروہہ میں مشائخ واولیاء کے مزارات یوں تو بہ کثرت ہیں لیکن یہاں صرف ان مزارات کی تفصیل درج کیجاتی ہے جنھیں کوئی تاریخی اہمیت حاصل ہے

۱۔ درگاہ حاجی سلیمان و حاجی عبداللہ

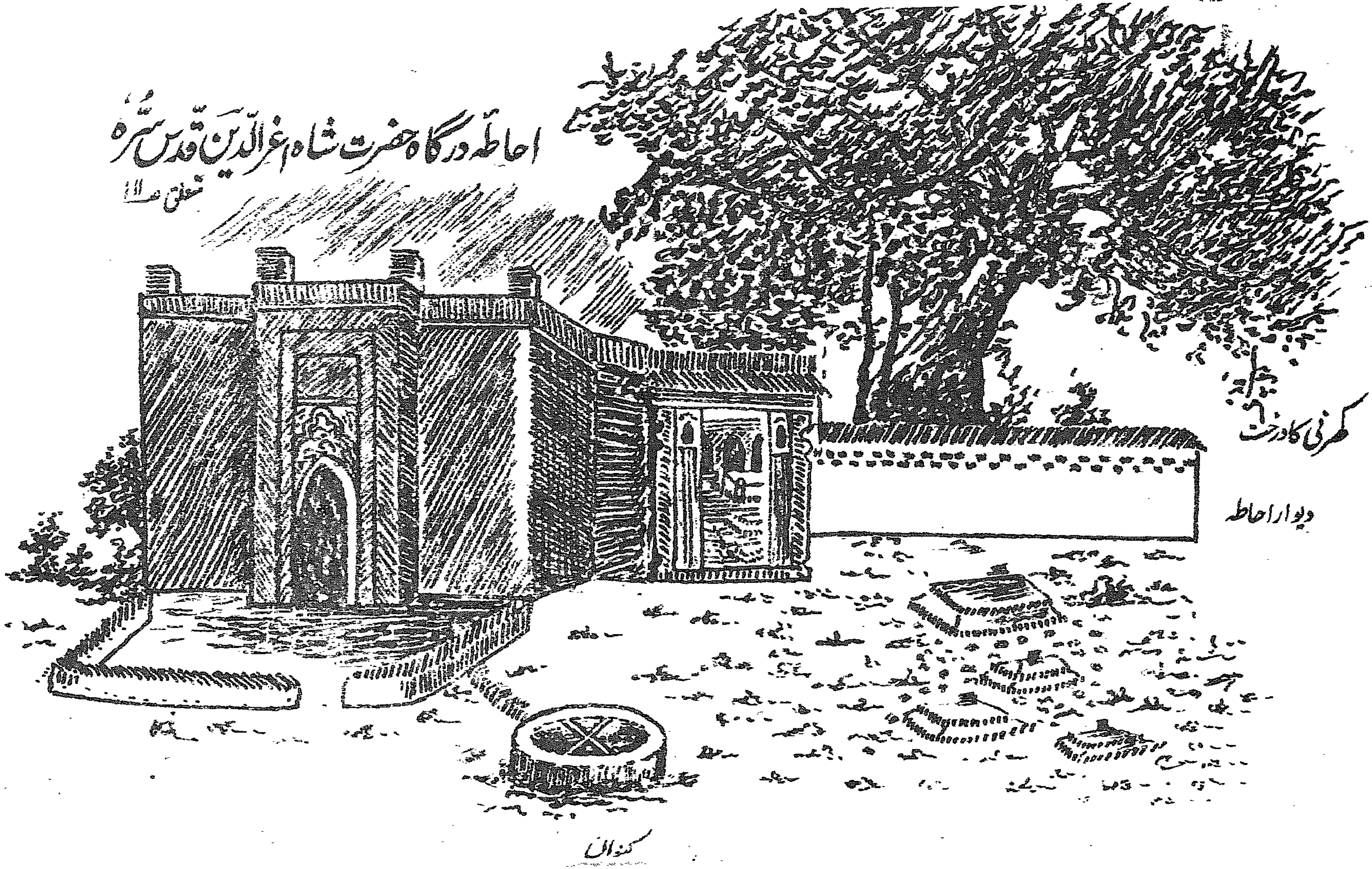
یہ مختصر سی درگاہ محلہ شاہی چبوترہ میں متصل مسجد واقع ہے۔ صاحبان مزار کا مفصل حال معلوم نہیں۔ البتہ امروہہ میں یہ مزارات بہت قدیم ہیں۔ روایت ہے کہ غازیان متقدمین میں یہ دونوں صاحب نسبت بزرگ تھے یہاں کے تبخانہ کو انھوں نے ڈھایا۔ شوق جہاد میں جام شہادت نوش فرمایا اور اسی مقام شہادت پر مدفون ہوئے ۱۰۶۷ھ میں عہد شاہجہان میں شیخ منصور ولد شیخ بیرو تتنائے شیخ تاج نے اس درگاہ کو تعمیر کرایا تھا۔ احاطۂ درگاہ میں حاجی سلیمان اور حاجی عبداللہ کے مزارات پہلو بہ پہلو ہیں۔ احاطہ کی دیوار پر جو پتھر نصب ہے اس پر یہ عبارت کندہ ہے:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ در عہد صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہ جہان بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ۔ شیخ منصور روضۂ ملک شہدار حاجی عبداللہ و حاجی سلیمان بناساختہ

شیخ منصور روضۂ شہداء — نذر بستہ کہ دادش ایزد پور
پیشتر از تولد آن پور — نام معمور کرد بلوز سرور
بہ وفائے نذر چہ کرد بنائے — از جہان کرد رحلتش آن پور
چون بجستم زعقل تاریخش — سال او شد عمارتِ معمور"
"از اسنا حبین — ۱۰۶۷ھ قائلہ کاتبہ شیخ تاج"

اس درگاہ کا تبلخرچ بھی اور درگاہوں کی طرح منجانب حکومت مقرر تھا۔

۲۔ مزار سید نظام گنج رواں:۔ سید صاحب کا مزار محلہ نوبتخانہ میں لب سڑک مسجد کی پشت پر



احاطہ درگاہ حضرت شاہ عزالدین قدس سرہ
متعلق ص ۱۱۱

پرمختصر احاطہ مین واقع ہی۔ امروہہ کے اولیاء میں ان کا زمانہ سب سے زیادہ قدیم ہے۔ گنڈا شاہ مجذوب کی قبر بھی آپ کے جوار مین ہے۔

۳۔ درگاہ شاہ اعز الدین سہروردی رح

شاہ صاحب اولیائے متقدمین میں ہین، حضرت شاہ ولایت کے زمانہ سے تقریباً ایک صدی پہلے آپ امروہہ تشریف لائے آپ کی درگاہ حضرت شاہ ولایت رح کی درگاہ سے جانب جنوب تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہی، مزار پر انوار کے پاس کھرنی کا جو درخت اب تک موجود ہی غالباً اس سے زیادہ کوئی پرانا درخت امروہہ مین نہین۔ درگاہ کے سامنے برگد کا درخت بھی اپنی قدامت زبان حال سے بتلا رہا ہی اس نواح مین بعض شکستہ چبوترون اور قبرون کی اینٹین آثار قدیمہ کی تلاش و جستجو میں وقتاً فوقتاً خاکسار مؤلف کی نظر سے گذریں جن کی ساخت و جسامت ہی ان کی قدامت کی دلیل ہی۔ انہین سے بعض ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ لمبی چوڑی اور دو دو تین تین انچہ موٹی تھین جو یقیناً مسلمانوں کی آمد کے ابتدائی زمانہ کی معلوم ہوتی ہین۔ حضرت شاہ ولایت رح کی درگاہ یا کسی اور قدیم مزار کے پاس اس ساخت اور جسامت کی اینٹین یا آثار قدیمہ مؤلف کی نظر سے باوجود تلاش و جستجو نہیں گذرے

امتداد زمانہ کی وجہ سے جب یہ مزار شکستہ و بے نشان ہو گیا تھا تو ۹۷۰ھ مین شیخ جمن نامی ایک شخص نے اسے درست کرایا۔ نبو شاہ اسی درگاہ میں رہا کرتے تھے، ان کی قبر بھی احاطۂ درگاہ جنوبی شرقی گوشہ میں ہی اسلئے عوام میں یہ درگاہ "نبو شاہ کی درگاہ" مشہور ہو گئی۔ اس درگاہ مین بھی درگاہ شاہ ولایت رح کی طرح غیر مؤذی زن بچھو پائے جاتے ہین[1] پڑھ تلے والے کایستہ خاندان کو اس مزار سے موروثی عقیدت ہی۔ وزیر سنگھ و امیر سنگھ کایستہ نے اس درگاہ کی چہار دیواری وغیرہ از سر نو تعمیر کرائی تھی۔ ہر سال ۲۹ و ۳۰ رمضان کو آپ کا عرس ہوتا ہے جس کا اہتمام اسی کایستہ خاندان کی جانب سے کیا جاتا ہی۔ حکومت اسلامی کی جانب سے تیل چراغ کا خرچ ملتا تھا۔

---

[1] ملاحظہ ہو حصہ دوم۔

۴۔ مزار حاجی حسین سہروردی

شاہ اعزّ الدّین سہروردی کی درگاہ کے محاذ میں ایک چبوترہ پر جانب شرق واقع ہے۔ آپ کی والدہ معظمہ کی قبر بھی پہلو میں ہے، آپ کی مرقد منوّر ایک کتبہ پتھر پر کندہ ہے جو صاف پڑھنے میں نہیں آتا۔ شیخ عبد الحکیم مورث خاندان شیوخ الملقّب بہ " داڑھی رنگے" کو اس مزار سے عقیدت تھی، بعد وفات وہ اسی کے قریب دفن ہوئے، اسی وجہ سے ان کے اخلاف کے قبرستان بھی یہاں ہیں۔ اس مزار کے تیل چراغ کے مصارف بھی اسلامی حکومت کی جانب سے مقرّر تھے۔

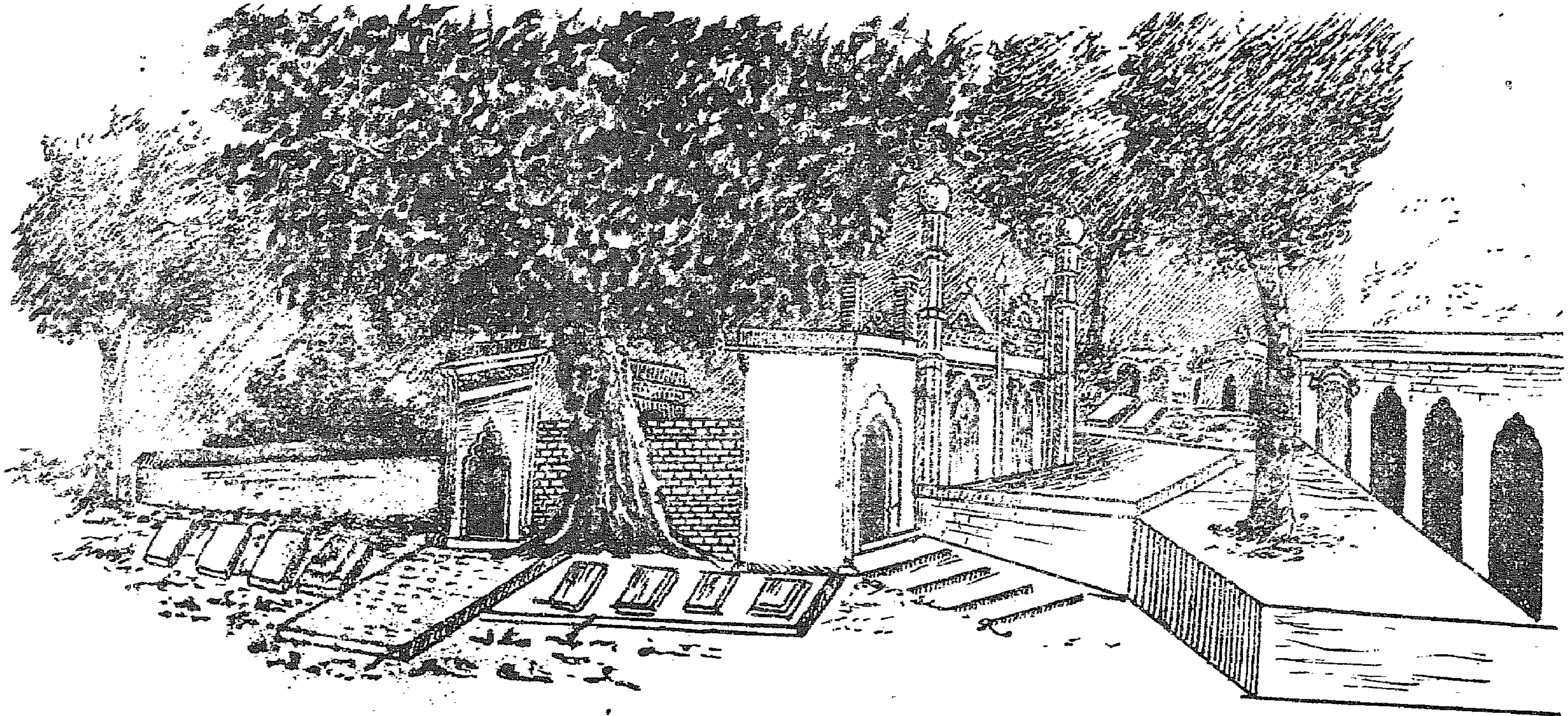
۵۔ درگاہ حضرت شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ

امروہہ کی یہ مشہور معروف درگاہ مرجع خاص و عام ہے۔ حضرت شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی ان کرامتوں اور تصرفات کے منجملہ جو عوام میں مشہور ہیں۔ ایک یہ کرامت بھی خاص شہرت رکھتی ہے کہ احاطہ درگاہ میں بچھّو ڈنک نہیں مارتا اور فی الواقع یہاں غیر نیش زن بچھّو پائے جاتے ہیں جنھیں مجاور وں کے بچّے پکڑ لاتے اور زائرین کو دکھایا کرتے ہیں۔ اسی قسم کے غیر نیش زن بچھّو اس نواح کے پرانے قبرستانوں اور بالخصوص درگاہ حضرت قطب عالم سید عبد العزیز الملقّب بہ شاہ اعزّ الدّین قدس سرّہٗ وغیرہ میں بھی ملتے ہیں۔ مولانا آل حسن نخشبی مؤلف نخبۃ التواریخ لکھتے ہیں کہ:۔

"وکرامات و تصرفات حضرت سید عبد العزیز قدس سرہٗ مشہور است کہ عقارب اندرون درگاہ بہ کسے نیش نمی زنند روزے محرر اوراق با چندے رفقائے بہ درگاہ عالی جاہ حاضر شد عقربے چند خورد و کلاں زیر خشت یافتہ دیوار احاطہ نشستہ دیدہ بدست خود گرفتم و انگشت بر نیشہا نہادم ہیچ اثرے آنہا نیافتم"[۵۲]	حضرت سید عبد العزیز قدس سرہٗ (یعنی شاہ اعزّ الدّین سہروردی) کی کرامتوں اور تصرفات میں سے یہ بات مشہور ہے کہ آپ کی درگاہ کے اندر بچھّو کسی کے ڈنک نہیں مارتے۔ ایک دن راقم (یعنی مولانا آل حسن نخشبی مرحوم) چند دوستوں کے ساتھ درگاہ عالی جاہ میں حاضر ہوا چند چھوٹے بڑے بچھّو احاطہ کی درگاہ میں اینٹوں کے نیچے بیٹھے دیکھے ان کو ہم نے اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا ان کے ڈنک پر انگلی بھی رکھی لیکن کسی قسم کا کوئی اثر محسوس نہ ہوا۔

---

۵۱ ملاحظہ ہو حصّہ دوم۔ ۵۲ نخبۃ التواریخ صفحہ ۱۱۱۔



احاطہ درگاہ حضرت شاہ ولایت متعلق صـ ۱۱۲

درگاہ کے مجاور اور بعض عوام بیان کرتے ہیں کہ درگاہ عالی جاہ کے بچھوؤں کو اگر احاطۂ درگاہ سے باہر لیجایا جائے تو اپنے "نیش عقرب" کا بہ مقتضائے فطرت استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سید کمال بن سید لعل مولف اسرار یہ جو نسباً حضرت شاہ ولایتؒ کی نسل میں تھے اور خود بھی صاحب حال بزرگ تھے، عوام کے اس خیال کے خلاف اپنا ذاتی تجربہ جو انہوں نے تقریباً تین سو برس پہلے کیا تھا، اپنی کتاب میں بیان کرتے ہیں جو یقیناً دلچسپی سے پڑھا جائے گا:-

"راقم الحروف (اعنی سید کمال بن سید لعل مولف اسرار یہ) گژدمہائے آنجا (درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ) را بہ سنبھل آوردہ است وہم دریں جا کس را نمی گزند، مردمان ہم جابجای برند نیش نمی زنندؒ	راقم الحروف (یعنی سید کمال بن سید لعل مولف اسرار یہ) (درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ کے) بچھوؤں کو سنبھل تک لے آیا، یہاں بھی وہ کسی کو نہیں کاٹتے، لوگ جگہ جگہ لے جاتے ہیں مگر کہیں ڈنک نہیں مارتے۔

زمانۂ حال میں بھی متعدد حضرات کا تجربہ صاحب اسرار یہ کا موید ہے۔[۲]

درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ میں عہد مغلیہ سے قبل کی سوائے قدیم چہار دیواری اور بعض کھنڈروں کے اور کسی عمارت کے آثار موجود نہیں۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد سلطنت میں شیخ غلام محمد نے، جو قوم کلال کے ایک متمول شاہی اہلکار اور مشائخ کے معتقد تھے، درگاہ کی موجودہ چہار دیواری، بارہ دری اور مسجد اپنے صرف سے تعمیر کی تھی۔ بعد میں جنوب رویہ دروازہ شیخ گلزار علی نے اور شرق رویہ دروازہ سید اعجاز حسین (محلہ گذری) نے تعمیر کرایا اور مسجد کی مرمت بھی انہوں نے کرائی۔ دروازہ سے متصل ایک حجرہ مولوی محب علی خان عباسی کا اور ایک دالان متصل مزار منور شاہ صاحب شیخ گلزار علی کا معمرہ ہے۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے پہلو میں آپ کی زوجہ معظمہ کی قبر ہے اور پائین مزار آپ کے ولد اکبر قاضی سید امیر علی اور ان کی زوجہ کی اور دونوں کی پائین شاہ ولایتؒ کے فرزند اصغر سید

---

[۱] اسرار یہ قلمی۔ [۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم۔

عبدالعزیزؒ (جن کو سید عزیز الدین و عزیز اللہ بھی کہا جاتا ہے) اور ان کی زوجہ کی اور ان کے بائیں مسماۃ بجنوئی دختر شاہ ولایتؒ کی قبور ہیں۔ ان ہی قبور سے متصل جانب شرق سید اشرف جہانگیر چشتیؒ نبیرۂ حضرت شاہ ولایت کا جو شرف الدین کے نام سے بھی موسوم ہیں، مرقد منور ہے اور اس سے متصل اور اہل خاندان کی قبور ہیں۔ جانب غرب متصل دیوار حضرت شاہ ولایتؒ کے مرشد زادہ اور خلیفہ شیخ معین الدین ناگوری قدس سرہ کا مزار پُر انوار ہے، درگاہ کے شمال مغربی گوشہ میں سید محمد ابدال الملقب بہ دودہ دھاری نبیرۂ شاہ ولایتؒ کا مزار ہے جس کا احاطہ سید علی مظفر خان بن سید امان علی خان (گھڑیال والے) نے تعمیر کرایا تھا۔

احاطۂ درگاہ میں حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندان کے علاوہ بعض اور قدیم قبور بھی ہیں۔ خاندان قاضی زادگان کے دو ایک بزرگوں کی قبریں بھی اندرون احاطہ ہیں۔ حجرہ سے متصل بہ جانب شرق ایک قبر قاضی الہدیہ کی ہے۔ بیرون احاطہ حضرت شاہ صاحب کی اولاد، خاندان قاضی زادگان، خاندان شیخ معین الدین ناگوری اور سادات و شرفا کے چند اور خاندانوں کے قبرستان ہیں۔ انہی قطعات آراضی میں درگاہ کے مجاور کچھ رقم لیکر عوام الناس کے مردے بھی دفن کرا دیتے تھے جس کی بنا پر بعض دھنوں، قسائیوں اور دوسری پیشہ ور اقوام کے دو ایک قبرستان بھی کچھ عرصہ سے ان اطراف میں ہو گئے ہیں۔

ل۱ صاحب تاریخ واسطیہ نے ان قبور کے متعلق کچھ عجیب خلط ملط کیا ہے۔ حضرت شیخ معین الدین ناگوریؒ کے مزار پُر انوار کا اول تو ذکر ہی ایسے الفاظ میں کیا ہے جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان کا دل یہ پسند نہیں کرتا کہ حضرت ممدوح کا مزار بھی یہاں بتایا جائے پھر آپ کے مرقد منور کو سید راجے بن سید عبدالعزیز کی قبر لکھا ہے، حالانکہ ان کی قبر اپنے پدر بزرگوار کے متصل جانب شرق ہے۔ حجرہ کے متصل جس قبر کو حضرت شیخ معین الدین ناگوری کا مزار بتایا جاتا ہے وہ حقیقتاً حضرت شاہ ولایتؒ کے خادم شیخ نظام کی قبر ہے جن کی اولاد میں خادمان درگاہ کا خاندان ہے۔

ل۲ ان کا نام نامی مؤلف واسطیہ نے قاضی خداد ئیے عرف سونہ بر سن لکھا ہے، یہ ہرگز صحیح نہیں بلکہ اصل نام "الہدیہ" ہے۔ جو سید خداد یہ کے فرزند تھے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم)۔

انیسویں سے اکیسویں رجب تک تین دن عرس ہوتا ہے ۱۲۱۵ھ میں ۲۸ بگیہ زمین موضع داود سرائے میں بموجب پروانہ مہری احمد علی خان عرس درگاہ شاہ ولایت کے لئے وقف تھی۔ ابتداءً شاہ ولایت کی اولاد عرس کا انتظام کرتی تھی۔ اب پہلی تاریخ میں درگاہ کے مجاور دوسری تاریخ میں ڈھ تلے والے کالستہ اور تیسری تاریخ میں شہر کے قسائی، تیلی وغیرہ روشنی اور عرس کا انتظام کرتے ہیں۔

انتزاع سلطنت اسلامی تک تیلچراغ کے مصارف کے لئے ٹکہ اور خادمان درگاہ کو ہر روپیہ ملتا تھا، چند بگیہ زمین بھی خادمان درگاہ کو ملی ہوئی تھی۔

گورِ غریباں

عیدگاہ سے لیکر درگاہ حضرت شاہ ولایت اور اس کے اطراف و جوانب میں دور دور تک قبروں کا ایک شہر خموشاں بسا ہوا ہے، خدا معلوم کون کون عارفان باصفا، صاحبان حشمت و جاہ، یہاں منتظر نفخ صور ہیں ؎

عطر مٹی کا جو نہ ملتے تھے ✽ نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے
گردش چرخ سے ہلاک ہوئے ✽ استخواں تک بھی انکے خاک ہوئے

بڑے بڑے سنگین چبوترے و حظیرے شکستہ اور ہزاروں قبریں ٹوٹی پڑی ہیں۔ صدہا قبروں کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں۔ مرنے کے بعد کس شان سے مقبرے تعمیر ہوئے، آج کوئی نام لیوا بھی موجود نہیں۔ تعویذ مارے مارے پھر رہے ہیں۔ عجب حسرت کا مقام ہے ؎

تھے جو مشہور قیصر و فغفور ✽ باقی اُن کے نہیں نشان قبور
تاج میں جنکے ٹکتے تھے گوہر ✽ ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ کاسہ سر

عہد اسلامی کے آثار قدیمہ کی تلاش و جستجو میں خاکسار مؤلف کا شہر کے قبرستانوں میں بارہا گذر ہوا، گھنٹوں گور غریباں کی ایک ایک اینٹ کو دیکھتا پھرا۔ کہنہ کاغذات میں جن کے جاہ و حشم کا حال پڑھا تھا، شہر خموشاں میں آکر ان کا کچھ عجب حال پایا۔ بیکسی کے عالم میں منوں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں، حسرتیں بادل بن بن کر ان کی ٹوٹی قبروں پر چھائی ہوئی ہیں، ابر نیساں کے

سوا نہ کوئی آنسو بہانے والا ہے اور نہ تنہائی و بیکسی کے سوا کوئی ہمدم و انیس۔ سید غلام علی کٹرہ والے جیسے امیر کبیر کا مزار مرقع عبرت ہے جن کے دیوانخانوں اور محلسراؤں میں پر فضا پائیں باغ موجود تھے آج اُن کی لحد کے پاس سرو، بید و چنار کے درخت تو کجا، گلاب و چنبیلی کے خشک پھول بھی نہیں، سبزہ تک افسردہ نظر آتا ہے۔ مزار کی اینٹیں بکھری پڑی ہیں ؎

خشک گل، افسردہ سبزہ، شمع چپ، بالیں اُداس
جی بھر آیا عالمِ گورِ امیراں دیکھکر

میں اس مرتفع اور شکستہ چبوترہ پر کھڑا تھا، چاروں طرف آسودگانِ عدم کی خواب گاہوں اور شہر خموشاں کی قبروں کا ایک سلسلہ نا متناہی چلا گیا تھا، اس منظر نے خیال کو تحریک دی، سوچنے لگا کہ یہ مٹی اور اینٹ و چونہ کے ابھرے ہوئے ڈھیر جن میں سے ہزاروں صدمات بارش سے زمین دوز ہو گئے ان میں کس کس کی تمنائیں اور کیسی کیسی آرزوئیں مایوسی سے دست و گریبان ہو کر عالم سکوت میں متحیر پڑی ہوئی ہیں، خدا جانے ان میں کتنے مدبرانِ ملک اور وزیرانِ سلطنت ہونگے، کتنے بہادر و جانباز شعراء و انشا پرداز ہونگے، وہ بھی ہونگے جو عین عنفوانِ شباب میں چل دئے اور وہ بھی جو عمر طبعی کو پہنچکر مرے۔ کیا آج ان میں کسی کو دنیاوی عیش و لطف کے کچھ مزے یاد ہیں۔ وہ دولت و تمول کے کھیل، وہ ساز و سامانِ آرائش، وہ عیش و عشرت، وہ حسن و عشق کے چرچے، وہ شبِ ماہ کی دلفریبیاں، وہ نسیم سحر کی عطر بیزیاں، وہ احباب کے جھمگٹے، یعنی وہ تمام دنیاوی مشاغل جن میں سے ایک ایک بات کا زندگی میں کیا کچھ اہتمام تھا کیا اب بھی ان کی یاد دل میں باقی ہے۔ یہ سوچتا ہوا ذرا آگے قدم بڑھایا تھا کہ ایک ضعیفہ کی دل ہلا دینے والی اور درد بھری آواز نے اپنی جانب متوجہ کیا۔ اپنے اکلوتے اور جواں مرگ بیٹے کی قبر سے لپٹی ہوئی آہ و بکا میں مصروف تھی، بڑھاپے میں ایک ہی سہارا تھا جسے موت کے ظالم ہاتھ نے اس سے چھین لیا تھا۔ یہاں سے تھوڑی دور چلا تھا کہ مٹی کا ایک تازہ ڈھیر سامنے آیا۔ یہ اُن مولوی صاحب کی قبر ہے جو ابھی چند مہینے ہوئے وہابی و بدعتی کے ہنگامہ آرائیوں میں نمایاں حصہ لیا کرتے تھے۔ آج عالم بیکسی میں خاموش پڑے ہیں۔ جلسوں میں فریق مخالف پر کیسی کچھ

بوچھاڑ کرتے تھے اب ان کے سرہانے کیسا ہی شور مچاؤ، چیختے چیختے مرجاؤ یہ ہوں ہاں بھی نہیں کرسکتے۔ غرضیکہ اس شہر خموشاں کے عبرت افزا نظارے، لق ودق میدان کے سناٹے شکستہ و بوسیدہ قبروں کی حالت، قبرستان کے درختوں کی الم انگیز سنسناہٹ نے دل پر خیالات کا ایک ہجوم طاری کر دیا اور میں اس عبرت انگیز کلام کو پڑھتا ہوا مُردوں کی نگری سے زندوں کے رین بسیرے کی طرف لوٹا۔

کل ہوس اسطرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے — خوب مُلکِ روس ہے اور سرزمینِ طوس ہے
گر میسّر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی — اُسطرف آوازِ طبل اِک سو صدائے کوس ہے
سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے — چل دکھاؤں تو جو قیدِ آز میں محبوس ہے
لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کی طرف — جس جگہ جانِ تمنّا سو طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کے لگی کہنے مجھے — یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے
یہ وہی ہیں گے جو دعوائے خدائی کر گئے — یہ فلاطوں، یہ ارسطو اور یہ جالینوس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمتِ دُنیا سے آج — کچھ بھی انکے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے

۶۔ درگاہِ شاہ نصیر الدین چشتی رح

شاہ صاحب کی درگاہ بیرون شہر جانب شمال و مغرب متصل بانت لوہ پارک واقع ہے۔ بارہویں صدی ہجری کے آخر تک یہ درگاہ بارونق اور آباد تھی، عرس بھی ہوتا تھا، لیکن اب ویران و سنسان ہے، عرس بھی نہیں ہوتا۔ ان کی اولاد میں اب کوئی مذہب آبائی پر نہیں، جو چند لوگ ہیں وہ دو دو چار چار پشت سے شیعی المذہب ہیں۔ جن کو عرس وغیرہ سے قدرتاً کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔

۷۔ درگاہِ شاہ نظام الدین سہروردی رح

آپ کا مزار محلہ دستار سیاہ میں واقع ہے۔ مدّت دراز سے شکستہ پڑا تھا۔ مولانا سید عبد الرحمٰن مکی نے ۱۳۴۷ھ میں ازسرنو بنوایا اور احاطہ درگاہ کو، جس کی کچھ آراضی بہ مرور ایّام قریب وجوار کے بعض مکانات میں شامل

سلہ (متعلق صفحہ ۱۱۶) اصل شعر میں بجائے "غریباں" کے "امیراں" کی لفظی ترمیم کی گئی۔

ہو گئی ہے، پختہ کرایا۔ ایک کمرہ بھی بنوایا۔ اب یہ مقام بارونق ہے۔ مولانا کا قیام بھی یہیں ہے۔

۸۔ مزار عارف باللہ حضرت شاہ شکر اللہ قادری رح

حضرت عارف باللہ شاہ شکر اللہ قادری قدس اللہ روحہٗ عہد جہانگیر کے خدا رسیدہ اور قادریہ سلسلہ کے صاحب کمال بزرگ تھے۔ آپ کا سلسلۂ بیعت کئی پشتوں تک امروہہ میں جاری رہا۔ مشائخ امروہہ کی بعض قدیم دستاویزات پر "سید قطب بن سید محمد افضل صاحب سجادہ حضرت شاہ شکر اللہ عارف باللہ قادری" کے دستخط ان ہی الفاظ کے ساتھ تحریر ہیں ۱۰۹۰ھ یعنی عہد عالمگیر رح تک اس خاندان کے بزرگوں کا تذکرہ کاغذات میں ملتا ہے۔ چاکلّا مؤلف کو امروہہ کے قبرستانوں اور مزارات میں اکثر بزرگوں کی قبروں اور مزارات کی شکستگی کے نظارہ نے بارہا متالم کیا ہے لیکن جس وقت ایک صوفی منش دوست کی معیت میں حضرت ممدوح کے مزار کی تجسس میں اس مقام پر پہنچا جو آپ کا آرام گاہ ہے زبان قلم سے نکلے ہوئے الفاظ قلب کی اس اذیت اور دل کی اس بیتابی کا اظہار نہیں کر سکتے جو اس منظر کے دیکھنے سے پہنچی۔ محلہ کالی پگڑی (دستار سیاہ) میں، جس کا نام ہی حضرت ممدوح کی خاندانی خصوصیت کا آج بھی اظہار کر رہا ہے، امام باڑہ کے سامنے، جو کسی زمانہ میں حضرت ممدوح کی خانقاہ تھی مٹی کا ایک اونچا ڈھیر پڑا ہے اس کی چہار دیواری کی بنیادوں کے کچھ آثار اب بھی باقی ہیں یہیں حضرت کا مزار پُر انوار تھا، ایک قبر کی کچھ اینٹیں بھی بکھری پڑی ہیں۔ یہ نظارہ ہی کسی قبر پرست کے لئے نہ سہی آثار قدیمہ کے مجھ جیسے شیدائی کے لئے کچھ کم اذیت دہ نہ تھا۔ مگر آہ! اے امروہہ کے اسلاف پرست مسلمانو! سنو، اس بزرگ، اس ولی اللہ کا مرقد منور محلہ کے یکہ والوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو رہا ہے، یہاں گھوڑے بندھتے ہیں، جس مقام پر اس بزرگ کی ہڈیاں دفن ہیں وہاں گھوڑوں کی لید اور پیشاب کی عفونت آرہی ہے!!

خانقاہ کی اینٹیں تو خیر امام باڑہ ہو جانے کی وجہ سے سلامت ہیں، لیکن یہ امام باڑہ یا بالفاظ صحیح خانقاہ جس واجب الاحترام بزرگ کی یادگار ہے کیا اس کا مزار اس کا بھی مستحق

نہیں کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی زد سے تو اسے محفوظ کر دیا جائے ۔ یہ سچ سہی کہ حضرت کی نسل میں اب ایک دو اشخاص جو باقی ہیں ان میں سے کوئی فرد امروہہ میں موجود نہیں، امام باڑہ کے متولی منشی اظہر علی عرائض نویس جو کسی عدالتی کارروائی کی بنا پر متولی ہو گئے ہیں، اگر اختلاف عقائد کی وجہ سے اس طرف متوجہ نہیں تو کیا امروہہ کے اور مسلمانوں اور بالخصوص شیخ صدیق علی خان وغیرہ اہل محلہ یا مولوی احسان الحسن اور مولوی صبغۃ اللہ صاحبان کا بھی کوئی فرض نہیں؟

نام نیک رفتگاں ضایع مکن   تا بماند نام نیکت یادگار

۹۔ روضۂ منورہ حضرت شاہ ابن بدر چشتی رح

یہ بہت مشہور و معروف روضہ شہر سے جنوب و مشرق میں ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہے۔ مرقد منور ایک مرتفع چبوترہ پر ہے پہلے اس پر سرخ پتھر کی بارہ دری تھی جو پیر بنجارہ[1] کی معمرہ بیان کیجاتی ہے

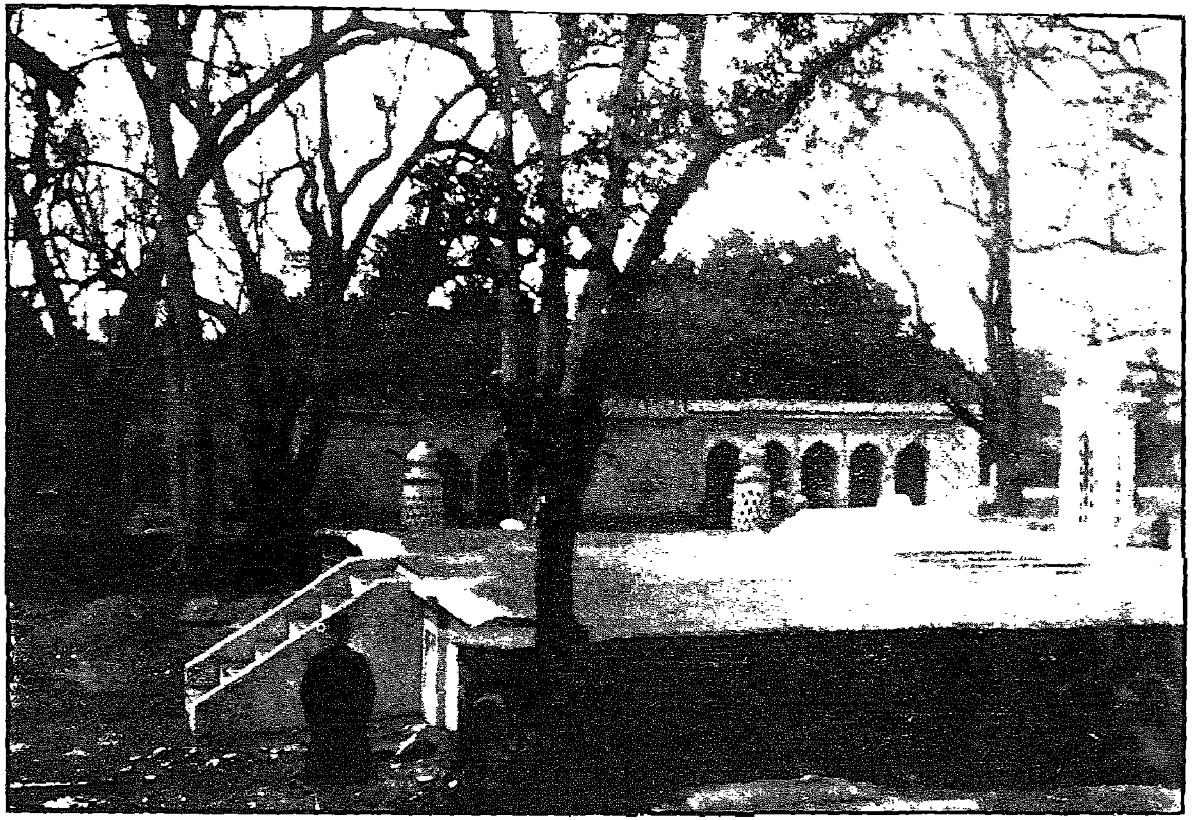
---

[1] یعنی پیر بنجارہ بن شاہ مسعود بن شاہ قاسم بن حضرت شاہ ابن بدر چشتی رح۔ آپ کا نام نامی حضرات پیرزادگان کے مطبوعہ شجرہ میں "محمد مقصود" درج ہے' آپ کے دستخط متعدد قدیم دستاویزات خاندانی پر ان الفاظ میں ملتے ہیں "فقیر بنجارہ ابن شیخ مسعود"۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے بنجاروں[2] کی قوم کو عقیدت تھی، شاید ان کے پیر ہونے کی وجہ سے "پیر بنجارہ" مشہور ہو گئے ہوں اور بوجہ کسر نفسی اپنے نام کی بجائے "فقیر بنجارہ" لکھتے رہے ہوں۔ بہر حال اس لقب کی کوئی وجہ بھی صحیح ہو بنجاروں کی قوم کو' جس کی بڑی تعداد اس زمانہ میں ٹانڈہ (متصل مراد آباد) رہتی تھی اور تجارتی کاروبار کی وجہ سے ان میں مال و دولت بھی کافی تھا' حضرت شاہ ابن رح کے روضۂ منورہ کی سنگین بارہ دری کا سامان تعمیر فراہم کیا جو انہی پیر بنجارہ کے انتظام میں بہ عہد شاہجہاں بادشاہ تقریباً ۱۰۴۵ھ میں تعمیر ہوئی۔ یہ بارہ دری کس شان کی تھی اسکا اندازہ صرف ان چند پتھروں سے ہو سکتا ہے جو چبوترہ کی سیڑھیوں پر نصب ہیں۔ مشہور مقولہ ہے کہ تاریخ ہمیشہ اپنے واقعات کو دوہراتی رہتی ہے آج ۱۳۴۸ھ میں پہلی تعمیر سے تقریباً تین سو برس کے بعد انہی پیر بنجارہ کی ساتویں پشت میں محبی پیر رئیس الدین احمد اسی مقام

کسی صدمہ سے مسمار ہو گئی تھی پھر دوبارہ تعمیر نہ ہو سکی اُس کے بعض خوبصورت نقش و نگار سے مزین پتھر جو اپنے صناعوں کی صناعی اور کاریگری کے زبان حال سے شاہد ہیں چبوترہ کی ٹیر ھیاں پر نصب ہیں، احاطہ درگاہ کی پختہ چہار دیواری تھی جس کے آثار بھی اب تک باقی ہیں۔ آپ کے فرزندان باکمال شاہ نور الدین و شاہ صدر الدین قدس اللہ اسرارہم اور دوسرے بیٹوں پوتوں کے مزارات بھی متصل مرقد منور واقع ہیں۔ سید جمال کا مزار بھی جن سے رشتہ کا تعلق تھا اور جن کو آپ سے عقیدت بھی تھی، احاطہ مزار سے متصل ہے نیز خاندان پیرزادگان کے قبرستان بھی احاطہ روضۂ منورہ میں ہیں۔ جہانگیر و شاہجہاں و عالمگیر کے عہد سلطنت میں آپ کا عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ بیرونجات سے بڑی تعداد میں لوگ آتے تھے۔ فقراء و مشائخ اور مریدین کے

(بقیہ صفحہ ۱۱۹)

پر سنگین عمارت زر تفریق سے تعمیر کرا رہے ہیں۔ ۲؎ بنجارہ۔ یہ لفظ سنسکرت زبان کے لفظ بنج "(बणिज)" سے مشتق ہے جس کے معنی بیوپار اور سوداگر کے ہیں۔ بعض لوگ اس کو فارسی کے لفظ "برنج آر" کی بگڑی ہوئی شکل کہتے ہیں جس کے معنی چاولوں کے حمال کے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ سنسکرت کی ایک بہت قدیم کتاب "داس کمار چرترا" کے ایک قصہ میں "بنجارہ" کا لفظ موجود ہے۔ اس صوبہ میں جو بنجارے آباد ہیں وہ ہمیشہ سے یہی کاروبار کرتے رہے ہیں کہ مقام سے دوسرے مقام کو تجارتی اشیاء لیجاتے تھے۔ نظیر اکبرآبادی فرماتے ہیں "سب ٹھاٹھ پڑا رہجاویگا جب لاد چلے گا بنجارہ"۔ انگریزی سلطنت میں ذرائع باربرداری کے وسیع ہونے کی وجہ سے ان کے آبائی پیشہ میں بھی خلل واقع ہو گیا۔ سلطان علاء الدین خلجی نے جو ضابطے تجارت اور نرخ اشیاء کے قائم کئے تھے ان میں ان بنجاروں کے بھی فرائض متعین کئے گئے تھے۔ اس زمانہ کی تاریخوں میں ان کا اکثر ذکر آتا ہے۔ بعض جگہ انہیں لفظ "ملتانیاں" سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ اس صوبہ کے بنجارے بھی اپنا نکاس ملتان سے بتاتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابتداءً یہ ہندو بھاٹوں کی ایک شاخ "چارن بھاٹوں" میں سے تھے، اپنا پیشہ ترک کر کے تجارت کا کاروبار کرنے لگے۔ ان کی چار بڑی قسمیں ہیں۔ ترکیا بنجارے، بید بنجارے، لباتا بنجارے، مکیری بنجارے اور بہروپیا۔ پھر ان سب میں بہت سی شاخیں ہیں۔ صرف ترکیوں میں ہی ۳۶ فرقے ہیں۔ اوّلاً تو انڈہ میں ان کی خاص سکونت



روضہ منورہ حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ

قیام کے لئے روضہ سے متصل مکانات بھی تھے۔ مصارف روضہ کے لئے ڈیڑھ سو بیگہ اراضی سلطنت کی عطا کردہ تھی۔ یہاں اب ایک مسجد اور بارہ دری بھی ہے۔ ماہ ذی الحجہ میں گیارہ سے پندرہ تک پانچ دن عرس ہوتا ہے جس کا انتظام آپ کی اولاد کرتی ہے۔ ان کے علاوہ عرس کی ایک شب دکھنی جولاہے بھی کرتے ہیں جن کو حضرت سے موروثی عقیدت ہے۔ ان کے قبرستان بھی روضۂ منورہ سے متصل ایک قطعہ اراضی میں ہیں۔

۱۰۔ مزار شیخ جاہن فاروقی رح

متصل آبادی جانب شرق تالاب پانباڑی۔ اس محلہ کا نام ہی محلہ شیخ جاہن پڑ گیا ہے جس کو عوام غلطی سے محلہ "شیخ جاپنیاں" کہتے ہیں۔ اس مقام پر مسلمانوں کی آمد کے زمانہ میں ایک بڑا بتخانہ تھا یہ بتخانہ قدیم شہر کے باہر اس تالاب کے کنارے تھا۔ بتخانہ کے بُت بہ تعداد کثیر اس ڈھیر میں دبے پڑے ہیں۔ تقریباً بیس برس ہوئے گلاب شاہ ساکن مرادآباد نے زر تفریق سے اس مزار اور مسجد کی مرمت کرائی تھی۔

۱۱۔ مزار حضرت شیخ پیرک رح

واقع محلہ نیازیان یہ مزار ایک وسیع احاطہ میں ہے جو پہلے تکیہ شیخ پیرک رح کے نام سے موسوم تھا۔ اس احاطہ میں مختصر سی مسجد بھی ہے۔

۱۲۔ مزار شاہ ضیف اللہ کاظمی رح

آپ کا مزار محلہ گنگوئی میں ہے، آپ مشائخ متاخرین میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں رح کے مرید، عالم باعمل اور صاحب نسبت بزرگ بزرگ تھے۔ سنہ ۱۲۴۰ھ میں بوقت نماز عصر بحالت سجدہ واصل بحق ہوئے۔

۱۳۔ مزار شاہ گدا قادری رح

آپ کا مزار شہر سے جانب جنوب متصل تالاب کینٹیا واقع ہے۔ یہاں علاوہ اہل خاندان کی قبور کے شیخ جان محمد اور شاہ گدا قادری رح کے مرید شاہ عبدالواحد کے مزارات بھی ہیں، کسی زمانہ میں بارونق مقام تھا۔ ان بزرگان کا ہو

(بقیہ صفحہ ۱۲۰)

تھی وہاں سے بلاسپور، رچھا وغیرہ مقامات پر جا بسے۔ بہرحال عہد ماضیہ میں یہ خوشحال اور متمول تھے۔

کے لئے اراضی بھی سلطنت کی جانب سے مقرر تھی، خدام درگاہ کو یومیہ ملتا تھا، ان خدام کی نسل میں محلہ بٹوال کے فقیر ہیں، جنکا پیشہ اب گداگری ہے۔

۱۴۔ درگاہ شاہ عبد المجید علوی رح

پختہ چہار دیواری کے اندر متصل عیدگاہ واقع ہے۔ مرقد منور پر خوبصورت مقبرہ بنا ہوا ہے۔ جو اب جا بجا سے شکستہ ہوگیا ہے۔ آپ کے بھائی اور جانشین شیخ فیض اللہ رح کی قبر بھی پائین مزار ہے جو اب اینٹوں کا ایک ڈھیر ہے۔ احاطہ درگاہ میں عالی شان مسجد ہے جس کے خوشنما گنبد جا بجا سے شق ہوگئے ہیں، سامنے کا ایک مینار گر گیا، کنگرے ٹوٹے پڑے ہیں، گنبدوں پر خودرو درخت اگ آئے ہیں۔ تاریخ تعمیر کا حسب ذیل کتبہ سنگ مرمر پر خوشنما حروف میں کندہ تھا یہ پتھر کسی صدمہ سے گر کر ٹوٹ گیا جسکے ٹکڑے بڑی تلاش سے دستیاب ہوئے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

یافت بنا از مدد ذو الجلال — سجدہ گہ خلق ز سعی کمال

عاملہ در راقمہ عبد الواحد — سنہ ۱۱۶۶ھ (اسکے بعد کی سطر پڑھنے میں نہیں آئی)

مسجد کے متصل شاہ صاحب کے خلیفہ عمدۃ الواصلین سید عبد الحکیم رح کا مقبرہ ہے جو طرز تعمیر میں آپ کے مرشد کے مقبرہ کے مشابہ ہے۔ یہ بھی جا بجا سے شکستہ ہوگیا ہے۔ سابق میں آپ کا عرس بھی خوب دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ مصارف روضہ کے لئے ڈیڑھ سو بیگہ اراضی کی ایک ملک سلطنت کی عطیہ تھی۔ آخر عہد سلطنت اسلامی تک تیل چراغ کا خرچ اور درگاہوں کی طرح مقرر تھا۔ اس خاندان کے لوگ جب امروہہ میں باقی نہ رہے عرس بھی موقوف ہوگیا اور مقبرہ کی مرمت اور خدمت کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہا۔ مسجد اور مقبروں کی عمارتوں کی حالت نہایت درجہ زبون ہے۔ یہ تاریخی عمارتیں مسلمانان امروہہ کی غفلت اور بے حسی کا اپنی زبان حال سے مرثیہ خواں ہیں۔

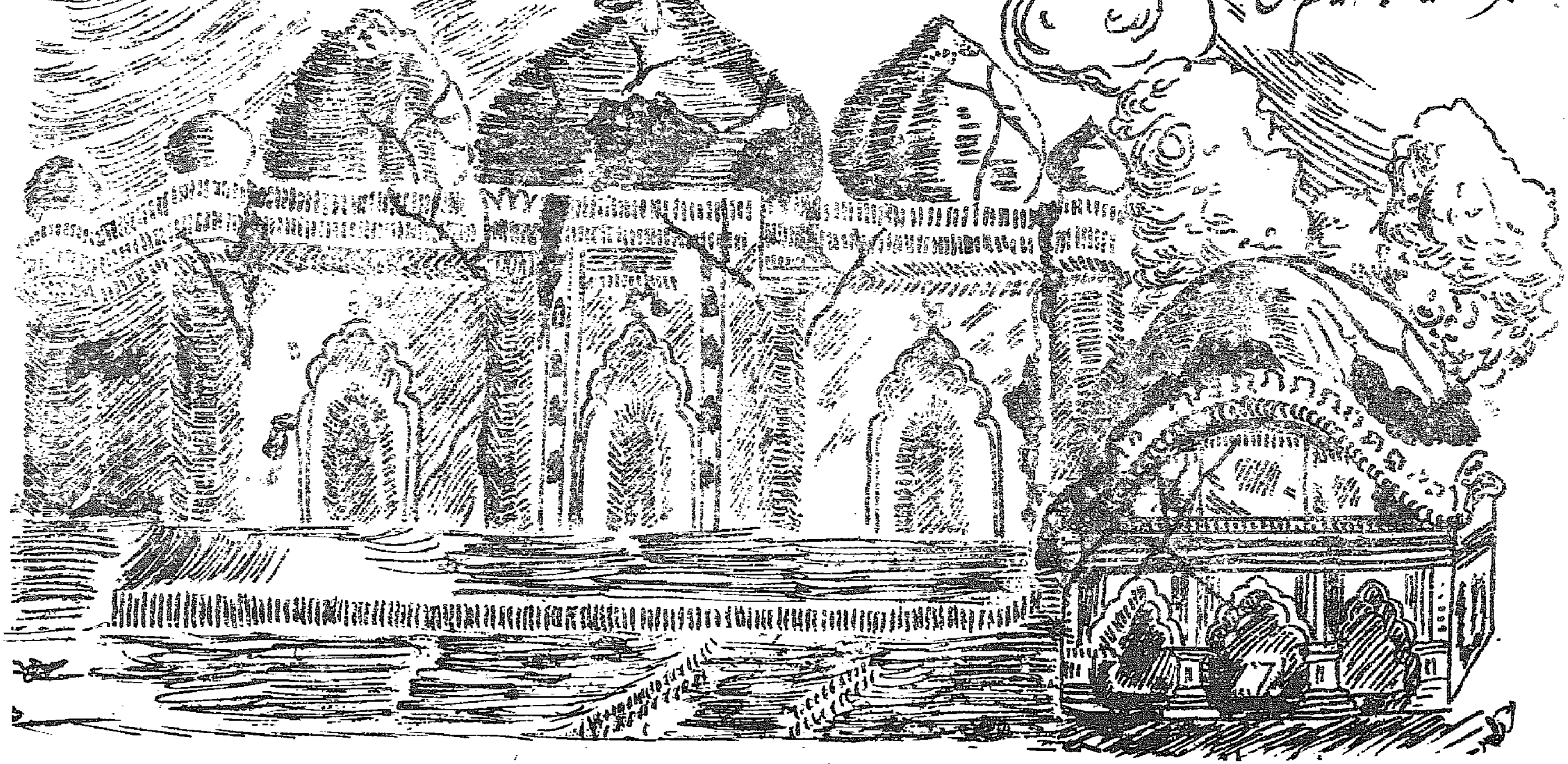
ع :۔ حسرت برس رہی ہے یہ کس کا مزار ہے

خانۂ خالی را دیو می گیرد۔ خدا معلوم وہ کون لوگ ہیں جو اس متبرک مقام یعنی مسجد اور مقبرہ کا اپنے کو "مالک یا قابض" سمجھکر اس متبرک زمین میں، جہاں ان بزرگوں کے جسم خاکی دفن ہیں، ہل چلاتے

مقبرہ سید عبدالحکیم چشتیؒ

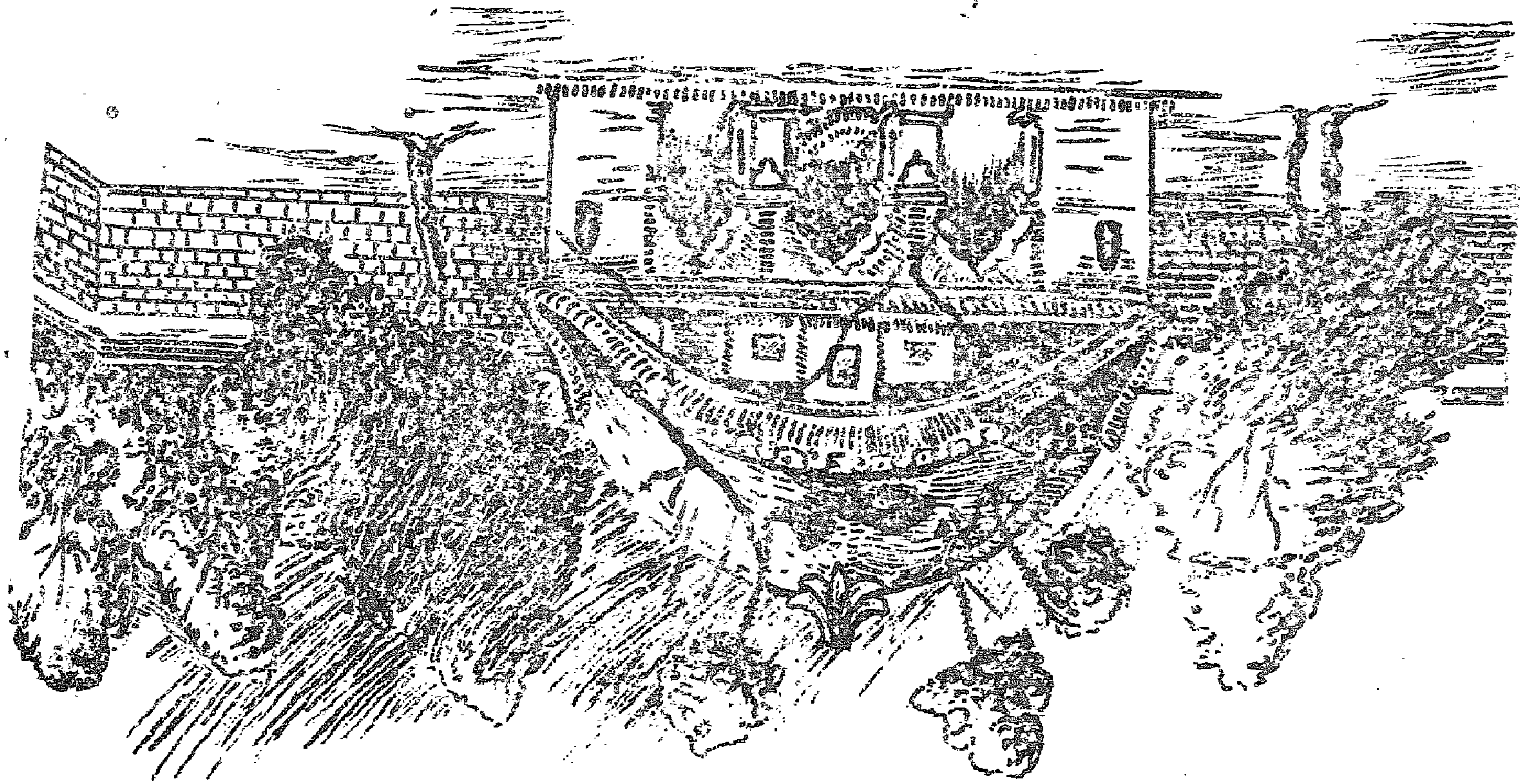
متعلق صہ ۱۲۲

مسجد درگاہ شاہ عبدالمجید چشتیؒ



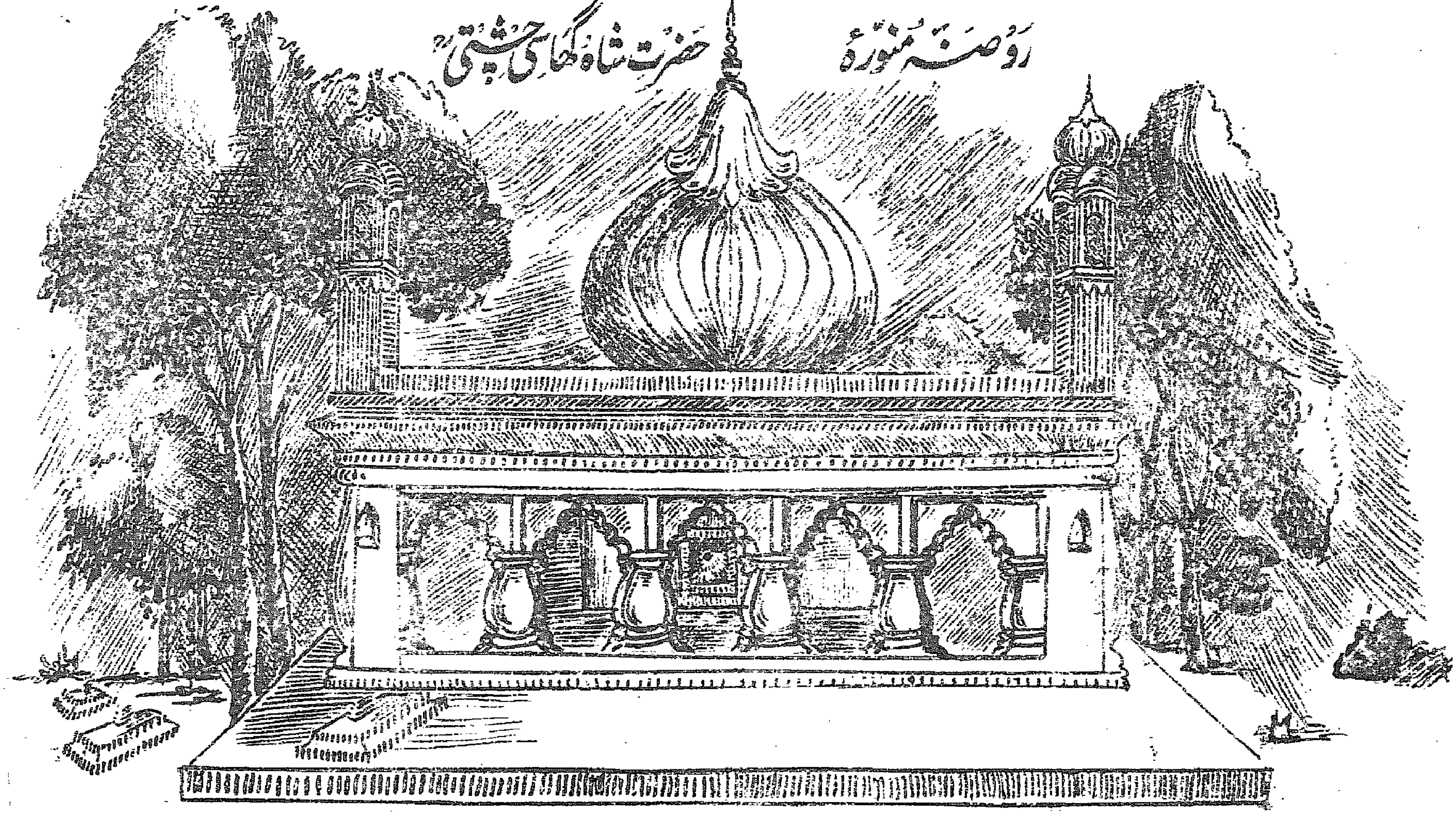
۱۸۸۱

[illegible] ۸



متعلق صفحہ ۲۳

روضۂ منورہ حضرت شاہ گھاسی چشتیؒ



کاشت کرتے اور باغ اور درختوں سے خوب نفع حاصل کرتے ہیں لیکن مسجد یا مقبرہ یا کسی قبر کی مرمت میں ایک حبّہ صرف کرنا ناجائز سمجھتے ہیں۔ خاکسار مؤلف جب ان عمارتوں کی تصویر کشی کے لئے ایک مصوّر کو ساتھ لیکر محبّی شاہ علاء الدین صاحب کی معیّت میں یہاں پہنچا تو ہماری نظروں نے یہ دردناک منظر بھی دیکھا کہ کسی نالایق نے سیّد عبد الحکیم قدس سرہٗ کے مقبرہ کی متصل بعض قبروں کے چبوترہ کے پتھر اور اینٹیں نکالنا شروع کی ہیں غالباً اس غرض سے کہ ان کو فروخت کرکے چند ٹکے وصول کرے! آہ! اے امروہہ کے مسلمانوں! تمھاری بے حسی اور بے حمیّتی اس سے کیا زیادہ ہوگی کہ ایسے متبرک اور تاریخی عمارتوں اور قبروں کو درست کرنا درکنار تمھیں میں ایسے نابکار بھی ہیں جو ان کی اینٹ تک بیچ بیچ کر اپنا دوزخ بھر رہے ہیں لیکن نہ تمھاری غیرت کو کوئی تحریک ہوتی ہے اور نہ تم اس کا کوئی درد اپنے دل میں محسوس کرتے ہو!!

امروہہ کے مسلمانوں کو اگر یہ توفیق نہیں کہ ان آثار قدیمہ اور بزرگوں کی یادگاروں کو برباد و مسمار ہونے سے محفوظ رکھیں تو کاش حکومت کے محکمہ آثار قدیمہ ہی کی توجہ اس طرف منعطف ہو۔ عہد شاہجہاں کی یہ تاریخی عمارتیں ہیں جن کی درستی و حفاظت اس محکمہ کا فرض اوّلین ہے۔

۱۵۔ روضہ شاہ گھاسی چشتیؒ

یہ روضہ تالاب پانباڑی کے قریب سیّد اعز الدین سہروردیؒ کی درگاہ سے جانب شرق و جنوب میں ہے۔ مرقد منوّر پر خوشنما مقبرہ ہے جو اچھی حالت میں ہے۔ چہار دیواری البتہ جا بجا شکستہ ہوگئی ہے۔

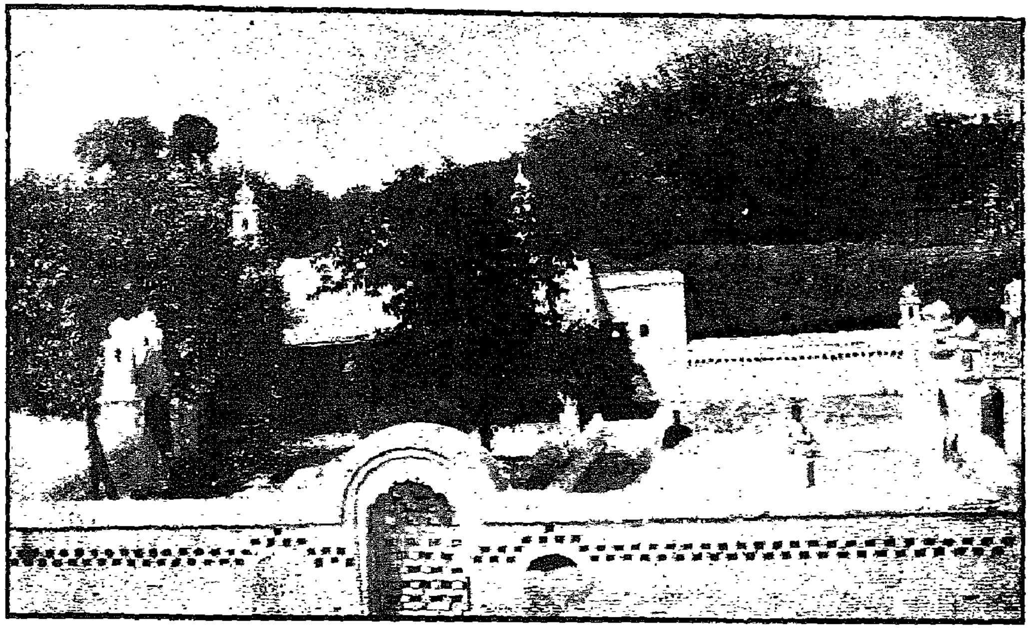
سنہ ۱۰۸۴ھ میں یہاں خانقاہ و حجرہ کی عمارتیں آپ کی زندگی میں تعمیر ہوگئی تھیں بعد وصال آپ یہاں دفن ہوئے۔ یہ روضہ مولانا عبد الرشید عباسی قدس سرہٗ نے تعمیر کرایا۔ اس کا باغ ان ہی کا نصب کردہ ہے۔ مولانا کا مزار بھی اپنے مرشد کے جوار مزار چبوترہ پر واقع ہے۔ اور زیر چبوترہ جانب جنوب شیخ عبد المناف کی قبر ہے۔ اسلامی حکومت سے اس روضہ کے تیل چراغ کا خرچ بھی ملتا تھا اور کچھ اراضی بھی مصارف روضہ کے لئے وقف تھی۔ ۲۹۔ رمضان کو عرس ہوتا ہے۔

۱۶۔ مزار شاہ علاءول چشتیؒ: آپ کا مزار پر انوار درگاہ شاہ عبد المجید علویؒ سے بجانب شرق نصف

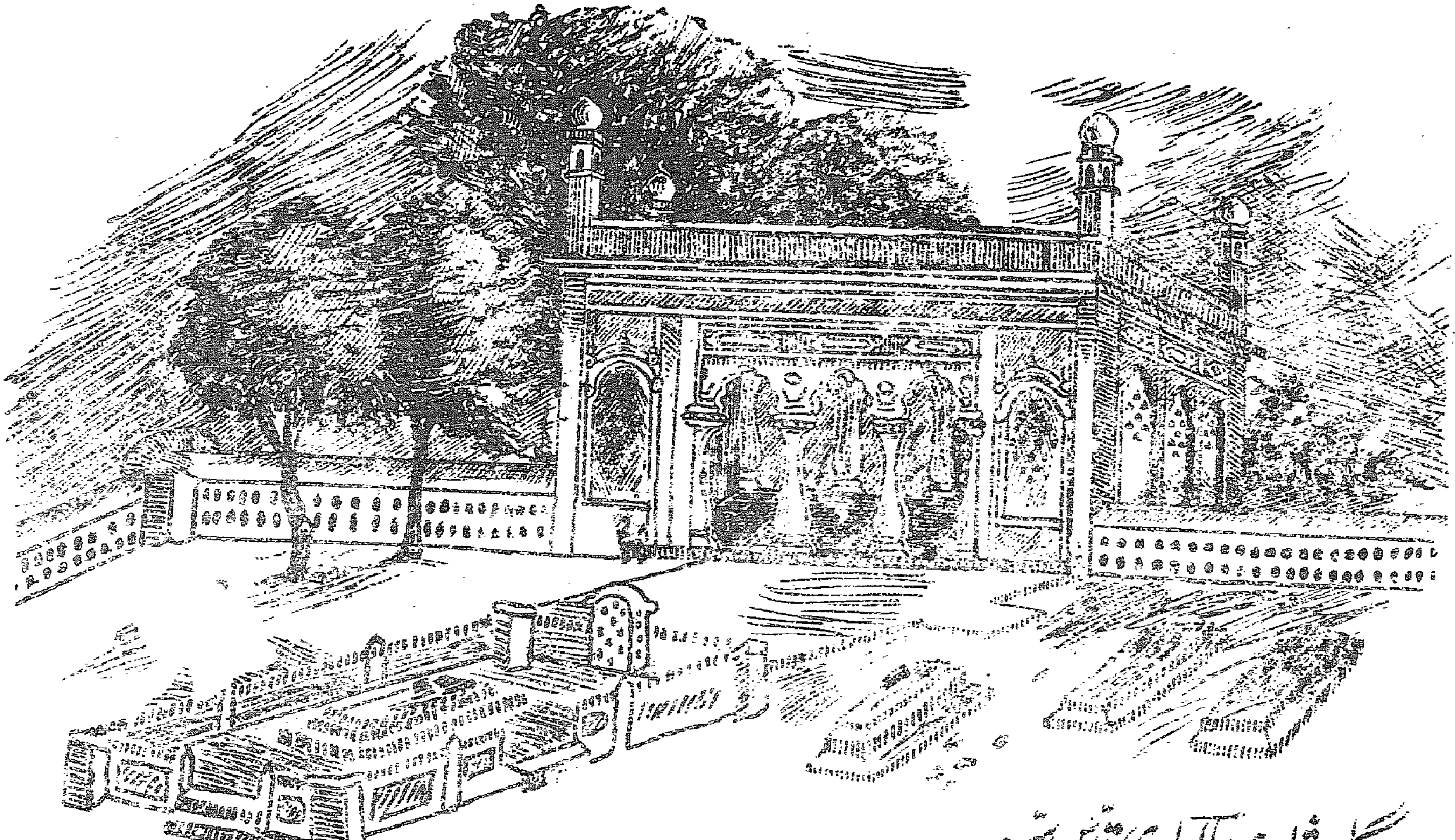
فرلانگ پر واقع ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر تک یہ مقام ویران حالت میں تھا۔ خاکسار مؤلف کے جد امجد حضرت مولانا احمد علی شاہ عباسی رحمتہ اللہ علیہ نے بجائے قدیم خاندانی قبرستان کے شاہ علاؤ الحق کے جوار میں اپنے تدفین کی وصیت فرمائی تھی، حضرت قبلہ گاہی نے بھی اپنے لئے جوار پدر بزرگوار کو پسند فرمایا۔ برادر عزیز حکیم مقصود احمد عباسی مرحوم کا جنازہ بھی دہلی سے لایا گیا اور حسب وصیت یہیں دفن ہوئے۔ عزیزہ سلیقہ بیگم عباسی مرحومہ کی میت بھی دہلی سے امروہہ آئی اور وہ بھی یہیں دفن ہوئیں۔ اب حال میں اصغری بیگم مرحومہ کا جسم خاکی دہلی سے لاکر یہیں سپرد خاک کیا گیا، ایک اور عزیزہ کو بھی یہیں جگہ ملی۔ غرضیکہ یہ قطعات اراضی خرید کر آپ کے مزار کی اور چبوترہ کی سنگین فرش سے درستی کی گئی ہے، باغ و چمن بندی سے اس مقام کو بارونق کرنے کا انتظام کیا جارہا ہے۔

۱۷۔ درگاہ شاہ عضد الدین جعفری رحمہ جانب غرب متصل آبادی محلہ نوگزہ۔ یہ درگاہ عوام میں آپ کے فرزند و جانشین حضرت شاہ معز الدین المعروف بہ "شاہ موج" کے نام سے مشہور ہے۔ شاہ قیام الدین علیہ الرحمتہ اور اس خاندان کے بزرگوں کے اکثر مزارات یکجا و پہلو بہ پہلو ہیں۔ درگاہ میں مختصر سی مسجد بھی ہے اور اسی سے متصل سکونتی مکانات بھی ہیں ۲۸۔ رجب کو شاہ عضد الدین اور ۹۔ شوال کو شاہ موج رحمہ کا عرس ہوتا ہے۔ جلسۂ سماع بھی ہوتا ہے۔ امروہہ و بیرونجات میں اس خانوادہ کے مرید اور عقیدتمند پہلے بہ کثرت تھے، اب بھی یہ سلسلہ قائم ہے۔

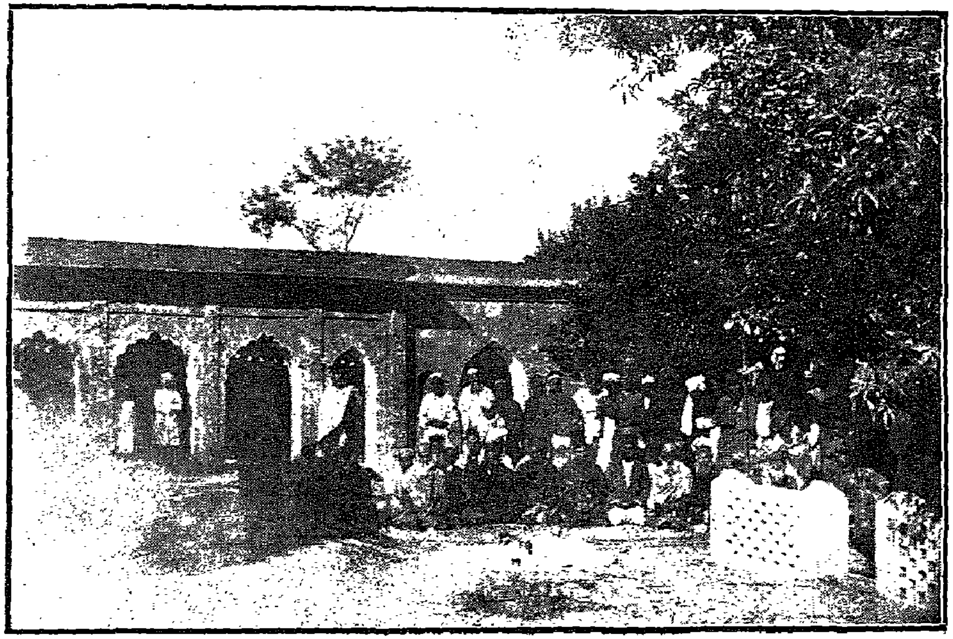
۱۸۔ درگاہ شاہ عبد الہادی رحمہ بیرون شہر جانب شمال نصف میل کے فاصلہ پر ہے۔ شاہ عبد الہادی رحمہ کی وفات ۱۱۹۰ھ میں مقام کھائی کھیڑہ ضلع بریلی میں ہوئی تھی جہاں سے تابوت امروہہ لایا گیا اور خاندانی باغ میں دفن کرکے وسیع و خوشنما عمارت مزار و درگاہ کی تعمیر کی گئی۔ کچھ حصہ منہدم ہو چکا ہے لیکن بڑا حصہ باقی ہے۔ ماہ شوال میں ۱۸ سے ۲۰ تک ہر سال عرس ہوتا ہے جس کے مصارف موضع بہاہی کی ملک موقوفہ نواب محب اللہ خان سے ادا ہوتے ہیں۔ شاہ عبد الباری رحمہ، شاہ رحمن بخش رحمہ و شاہ غلام مصطفیٰ رحمہ کے مزار اور خاندانی قبرستان



درگاہ حضرت شاہ عضدالدین جعفریؒ ومیاں موجؒ



درگاہ شاہ عبد الہادی قدس سرہ



روضہ حافظ عباس علی خاں رحمۃ اللہ علیہ

بھی یہیں ہے۔

۱۹۔ شاہ رحمت اللہؒ — مزار متصل محلہ قریشی میں چبوترہ پر واقع ہے۔ ۱۵ر شعبان کو عرس ہوتا ہے۔ آپ کی زوجہ کی قبر بھی پہلو میں ہے۔

۲۰۔ مزار شاہ پیر بخشؒ — متصل مرادآبادی دروازہ بیرون شہر ایک مرتفع چبوترہ پر واقع ہے۔ سابق میں عرس بھی اچھے پیمانہ پر سادات دربار کلاں کی جانب سے ہوتا تھا جن کو آپ سے موروثی عقیدت تھی۔

۲۱۔ حاجی غلام علی شاہؒ — مزار محلہ حلہ میں لب سڑک دہلی۔ احاطہ میں باغیچہ مسجد اور دالان ہے۔

۲۲۔ مزار حلیم شاہؒ — جانب غرب درگاہ شاہ ولایت لب سڑک داؤد سرائے۔ مرتفع چبوترہ پر مختصر سی چہار دیواری میں واقع ہے۔

۲۳۔ مزار سید عبدالغنیؒ — محلہ نل میں لب سڑک دہلی۔

۲۴۔ مولانا سید امانت علیؒ — مزار متصل مزار شاہ عبدالغنیؒ جانب غرب ایک مرتفع چبوترہ پر ہے۔

۲۵۔ روضہ حافظ عباس علی خانؒ — متصل روضہ درویش علی خان۔ آپ کے لائق فرزند مولانا احمد حسین خان نے ۱۳۳۱ھ میں خانقاہ و مسجد بنوائی ہے جس کے دو درجے اور چار کوٹھریاں بازو میں ہیں۔ ایک وسیع باغ بھی نصب کیا ہے۔ ہر سال ماہ بیساکھ میں آپ کا عرس ہوتا ہے، سالانہ عرس کے علاوہ معمولی جلسہ بھی ہر مہینہ میں ۵ تاریخ کو سالانہ عرس کے نمونہ پر ہوا کرتا ہے۔ درگاہ و مسجد کے لئے چار قطعات باغ بھی وقف ہیں جن کی مجموعی آمدنی تقریباً ... سالانہ ہے۔

خانقاہیں

امروہہ کی خانقاہوں میں اب معدودے چند کا صرف نام باقی ہے۔ شہر سے ذرا باہر نکلو ہر چہار

طرف خانقاہوں، فقرا کے تکیوں کے کھنڈر اور آثار ملیں گے، کسی زمانہ میں یہ سب آباد تھے۔ وارد، صادر اور مسافر کے قیام اور طعام کا انتظام تھا۔ ان میں بعض کے متعلق اوقاف کی املاک واراضیات بھی تھیں، جن میں سے بعض پر لوگ غاصبانہ قابض ہو گئے، کچھ فروخت ہو گئیں ظالموں نے اینٹیں تک بیچ کھائیں۔ اب نہ خانقاہیں باقی ہیں اور نہ تکیے، حضرت شاہ اٹّن بدرِ چشتی قدس سرہ العزیز کی خانقاہ کے علاوہ جو ترمیم و مرمّت کے بعد اچھّی حالت میں ہے، کسی کا کھنڈر باقی رہ گیا ہے اور کسی کا صرف نام ؎

پڑی ہیں سب اُجڑی ہوئی خانقاہیں — وہ درویش و سلطاں کی امیدگاہیں
کھلی تھیں جہاں علم باطن کی راہیں — فرشتوں کی پڑتی تھیں جن پر نگاہیں

کہاں ہیں وہ جذب الٰہی کے پھندے
کہاں ہیں وہ اللہ کے پاک بندے

۱۔ خانقاہ حضرت شاہ ولایتؒ — اس خانقاہ کا نہ اب وجود باقی ہے اور نہ آثار۔ آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں یہ خانقاہ آباد تھی۔ سیّد محمد ابدال دودہ دھاری، شیخ معین الدین ناگوری اور سیّد اشرف جہانگیر قدس اللہ اسرارہم کا یہاں افادہ جاری تھا۔

۲۔ خانقاہ شاہ نصیر الدینؒ — یہ خانقاہ محلہ نوگیاں میں واقع تھی، اب اس کا وجود بھی نہیں۔ اسی کے کسی حصّہ میں اب امام باڑہ بن گیا ہے۔ آٹھویں و نویں صدی ہجری میں یہ خانقاہ خوب آباد تھی، اس کے بعد عرصہ دراز تک باقی رہی۔

۳۔ خانقاہ عارف باللہ حضرت شاہ شکر اللہ قادریؒ — یہ خانقاہ محلّہ کالی بگڑی میں واقع تھی۔ عہد جہانگیر بادشاہ سے عہد عالمگیری کے بعد تک خوب رونق پر تھی۔ کچھ عرصہ سے اہل محلّہ نے علم وغیرہ یہاں رکھ لئے تھے پھر ایک صاحب نے عدالتی کارروائی میں اس خانقاہ کو امام باڑہ ظاہر کر کے اسکی تولیت بھی حاصل کر لی۔ اب سے یہ باضابطہ امام باڑہ ہے۔

۴۔ خانقاہ حضرت شاہ ابن رح

یہ خانقاہ بہ تبدیل ہیئت موجود ہے اور اسی نام سے اب ایک محلہ بھی موسوم ہوگیا ہے۔

۵۔ خانقاہ حضرت شاہ محمدی فیاض جعفری رح

حضرت شاہ محمدی فیاض جعفری گیارہویں صدی ہجری کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ آپ کے بزرگ ہرگانو (اودھ) کے رہنے والے تھے۔ آپ نے امروہہ میں سکونت اختیار کی۔ "سرائے محمدی" آپ ہی کے نام سے موسوم ہے۔ محلہ لکڑہ کے متصل جانب شمال جن قطعات زمین میں اب کاشت ہوتی ہے یہاں آپ کے مکانات، خانقاہ و مسجد تھی۔ اس میں بلیں ہزار پانسو پندرہ گز رقبہ شامل تھا۔ حویلیات کے علاوہ خانقاہ کی عمارت کا ذکر کہنہ دستاویزات میں ان الفاظ میں تحریر ہے "یک ایوان و دو حجرہ بابت خانقاہ از خشت پختہ مسقف بہ چوب و خانہائے خام چھپرپوش بابت سرائے آبادانی"۔

حضرت ممدوح کا مرقد منور آگرہ میں ہینگ کی منڈی متصل مندر آریہ سماج لب سڑک واقع ہے۔ آپ کے فرزندان باکمال سعد محمد مکی و روشن محمد مدنی تک یہ خانقاہ خوب آباد رہی لیکن اب نہ یہ خانقاہ باقی ہے اور نہ حویلیات و سرائے آبادانی۔ رہے نام اللہ کا۔ درویشی کا سلسلہ آپ کے بھائی شاہ حامد جعفری کی نسل میں جاری رہا اور اب تک جاری ہے۔ حضرت شاہ عضدالدین جعفری رح آپ کے برادرزادہ اور مرید و خلیفہ تھے۔ جن کے مرید و خلیفہ حضرت شاہ عبدالہادی صدیقی رح ہوئے شاہ عضدالدین نے محلہ لکڑہ سے جانب جنوب اقامت اختیار کی۔ اب اس خاندان مشائخ میں مجی شاہ علاءالدین جعفری سجادہ پدری پر متمکن ہیں۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔

خانقاہ محلہ چلہ

ابتداءً یہ شاہ گدا رح کی اولاد کا دیوانخانہ تھا۔ بعد میں اسی جگہ شاہ غلام علی رح اور دوسرے مشائخ کا یہاں قیام رہا اس وجہ سے یہ مقام خانقاہ مشہور ہوگیا۔ شاہ غلام علی رح کے مزار کے متصل بھی ایک دالان اور مسجد حکیم حکمت اللہ خان کے خاندان نے تعمیر کرائی تھی جو خانقاہ کے نام سے موسوم ہے۔

مقبرے

مقبرہ قطب الدین خان

یہ مقبرہ قطب الدین خان امروہہ کے ایک حاکم کا ہے جو عوام میں مقبرہ قطب شاہ سے موسوم ہے[1]۔ اور گنگوری کے جنگل میں شہر سے متصل واقع ہے۔ بہت خوبصورت گنبد بنا ہوا ہے۔ دو مینار منہدم ہو گئے دو باقی ہیں۔ گنبد کی چھت میں پلاسٹر کے خوشنما بیل بوٹے بنے ہوئے تھے جس کے چند حصے باقی رہ گئے ہیں وسط گنبد میں اندر کی جانب پیتل کا بڑا توا لگا ہوا تھا کسی ظالم نے اس کو بھی نکال لیا۔ امروہہ میں اس سے زیادہ خوشنما کوئی عمارت نہیں لیکن افسوس بڑا حصہ اس کا شکستہ ہو گیا ہے۔ کبوتروں کی بیٹ اور کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ مقبرہ میں دو قبریں ہیں جن کی اینٹیں تک لوگ نکال کے لے گئے۔ عجب حسرت کا مقام ہے۔

دیدم چغدے نشستہ در وقت پگاہ ۔۔۔ بر کنگرۂ مقبرۂ نوشیرواں شاہ

فریاد کناں ز روئے عبرت می گفت ۔۔۔ کو آں ہمہ حشمت و منال و آں ہمہ جاہ

اہل شہر کو اس کی مرمت و درستی کا خیال نہیں۔ یہ ایک اہم تاریخی یادگار ہے کاش محکمہ آثار قدیمہ کی توجہ اس طرف مبذول ہو!

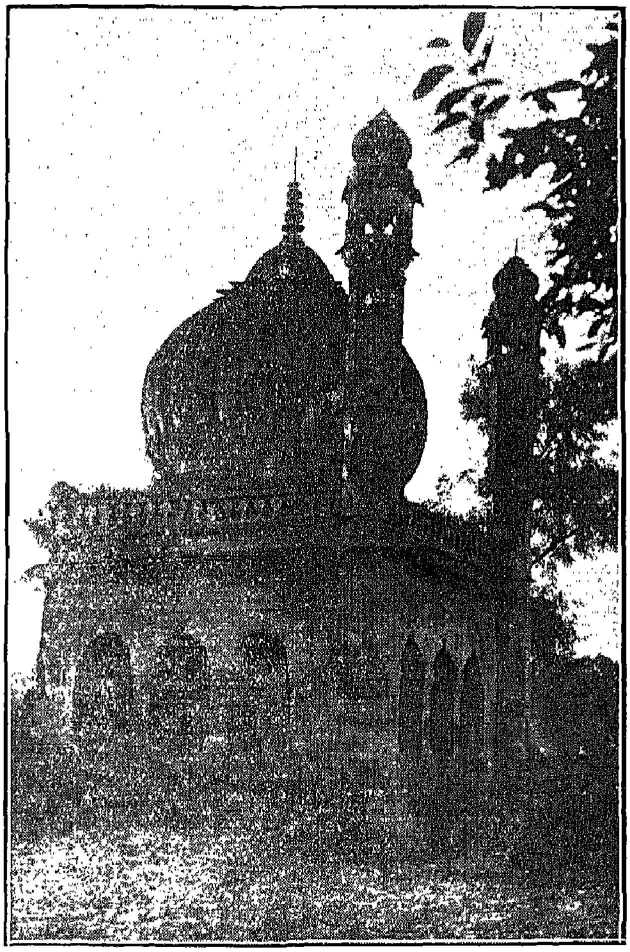
مقبرہ درویش علی خان

یہ مقبرہ درویش علی خان منصب دار پنجہزاری فرخ سیری المتوفی سنہ ۱۱۳۱ھ کا ہے جو سنہ ۱۲۰۰ھ کے بعد کی تعمیر ہے مقبرہ کے اندر ایک پتھر پر حسب ذیل کتبہ کندہ ہے:-

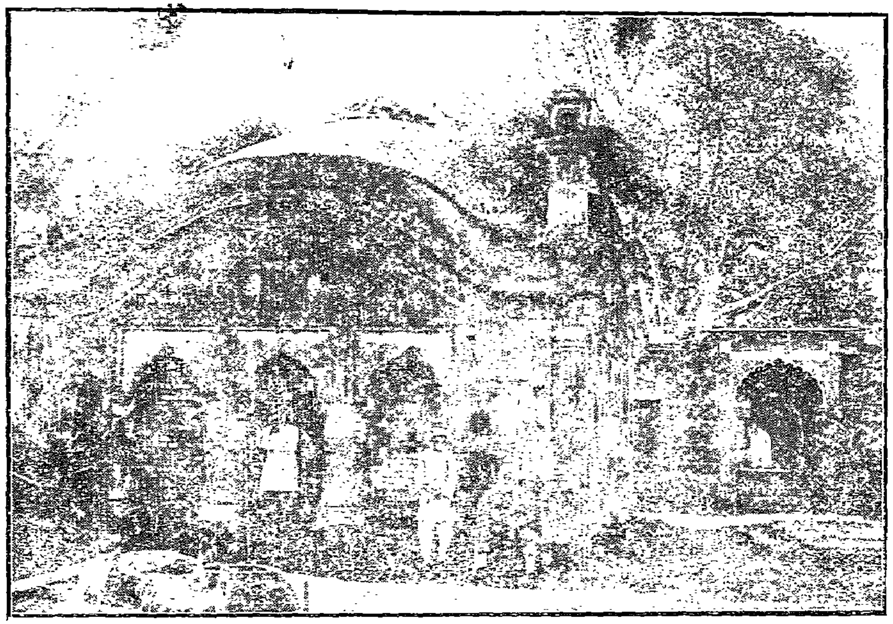
"مرقد انور نواب محمد درویش علی خان بہادر است کہ بہ عہد بادشاہ غازی محمد فرخ سیر و محمد شاہ بہادر بہ منصب پنجاہ و دو ہزاری سرفراز و بہ خدمت عرض مکرری و نیابت میر بخشی رسالۂ والاشاہی بالاشاہی ممتاز بود و تمامی پرگنہ امروہہ بہ صرفہ مطلغش جاگیر گردید و بتاریخ ۱۴ ماہ محرم سنہ ۱۱۳۱ھ

---

[1] طرز تعمیر زیادہ قدیم نہیں۔ وسط عہد مغلیہ کی تعمیر ہے۔



مقبرہ قطب خاں



روضہ درویش علی خاں

درجنگ بارہہ شہید شد - بہ پہلوئے راست فرزند اکبر غلام محی الدین خان المخاطب بہ درویش علی خان ثانی است و بہ پہلوئے چپ فرزند اوسط محمد فخر الدین خان است، ہر دو بتاریخ ۱۰ ذیقعدہ ۱۱۵۲ھ در معرکہ نادر شاہی شہید شدند - و بائیں مرقدش بیرون مقبرہ قبر فرزند اصغر محمد شمس الدین خان است کہ بتاریخ ۲۳ شوال ۱۲۰۸ھ وفات یافت -

مقبرہ سید اسد اللہ خان عرف میر کلّو

یہ مقبرہ سید اسد اللہ خان عرف میر کلّو منصبدار پنجہزاری عہد عالمگیر ثانی کا ہے جو ان کی معمّرہ مسجد (محلہ گذری) کے صحن میں بنا ہوا ہے سنہ ۱۱۹۴ھ میں تعمیر ہوا - کوئی کتبہ نصب نہیں ہے -

متفرق عمارتیں

دروازہ گھیر مناف

یہ دروازہ سنہ ۹۸۵ھ میں شیخ ابو المناف بن شیخ داؤد مورث شیوخ صدیقی الملقّب بہ مناف پوتہ نے اپنے مکانات و حویلیات کا تعمیر کیا تھا - مصرعہ تاریخ ہے :-

دراحاطۂ اعلیٰ بلند شان دارد (۹۸۵ھ)

اصلی تعمیر منہدم ہو کر موجودہ دروازہ بعد میں تعمیر ہوا -

مرادآبادی دروازہ قلعہ معمّرہ سید عبد الماجد

یہ دروازہ سید عبد الماجد بن سید عبد الخالق بن سید شاہ ابو الحسن بن سید محمد میر عدل کے قلعہ کا شرقی دروازہ ہے - یہاں سے خام راستہ

لہ (متعلق صفحہ ۱۲۸) ان کا منصب باون ہزاری نہیں بلکہ پنج ہزاری تھا جیسا کہ خود ان کے نبیرگان مولوی بشارت علی خان وغیرہ کی عرضی موسومہ شاہ دہلی میں بیان کیا گیا ہے - نواب کا خطاب بھی نہیں تھا - نواب صمصام الدولہ جن کی فوج میں یہ داروغہ توپخانہ تھے خود آٹھ ہزاری منصب رکھتے تھے ایسی حالت میں انکے ایک ماتحت اور متوسّل کا باون ہزاری منصبدار اور نواب کے خطاب سے مخاطب ہونا اور تمام پرگنہ مرادآباد کا انکے باورچی خانہ کے خرچ میں لبطور جاگیر عطا ہونا ان افسانوں میں سے ہے جو اکثر خاندانی کے لئے گھڑ لئے جاتے ہیں (ملاحظہ ہو حصّہ دوم تذکرہ درویش علی خان) یہ کتبہ بھی قدیم نہیں سنہ ۱۲۰۸ھ کے بعد کا ہے -

مرادآباد کو جاتا ہے اسلئے عوام میں "مرادآبادی دروازہ" مشہور ہوگیا۔ قلعہ کے مکانات منہدم ہو کر بے نشان ہوگئے۔ کہیں کہیں اس کی فصیل کے آثار اب تک باقی ہیں۔ دروازہ کے شمالی پایہ پر ایک پتھر لگا ہوا ہے، جس پر یہ عبارت اور قطعہ تاریخ کندہ ہے :-

"اللہ اکبر"

"در عہد سلطان عالی شان صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ غازی خلد اللہ"

"ملکہ سیادت مآب میراں سید عبدالماجد این قلعہ بنا نمود۔"

"شد چو این قلعہ خرمی افزائے   خوب و مضبوط و خاص مستحکم"

"خواستم سالش از خرد   گفت بشمار قلعۂ خرم"

"بہ اہتمام بندہ کمال خان خانہ زاد۔ شہر رمضان المبارک سنہ ۱۰۵۲ھ۔ | معمار ان |"

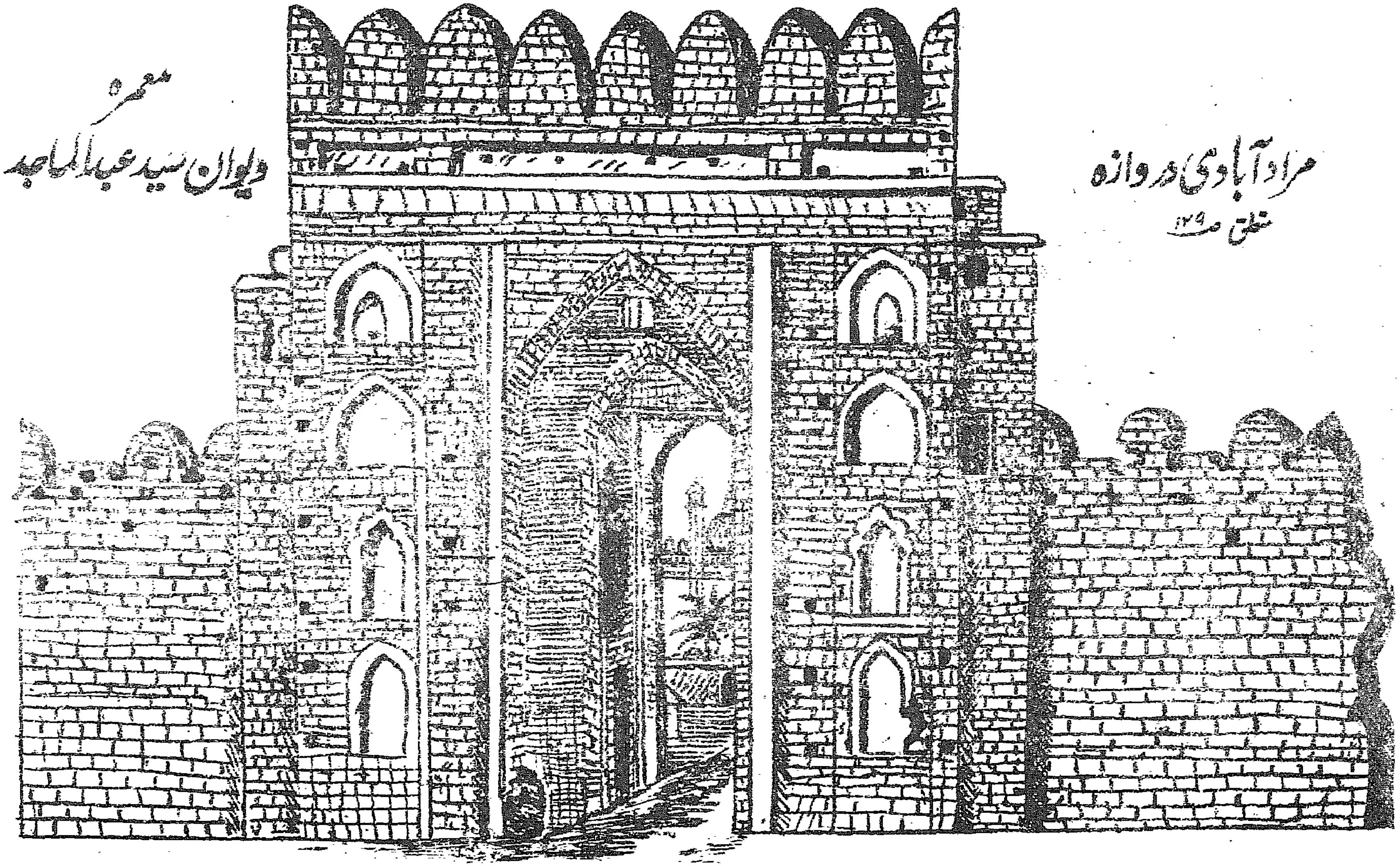
میراں سید عبدالماجد عہد شاہجہانی کے نامور منصب دار تھے[1]۔ یہ قلعہ انہوں نے اپنی سکونت کے لئے اپنی عمر کے آخری ایام میں ایک گڑھی کی وضع پر بنوانا شروع کیا تھا۔ انکے انتقال کے بعد انکے فرزند دیوان سید محمود نے اس کی تکمیل کی۔ تقریباً چار سال میں تعمیر کا کام ختم ہوا۔ اس کی شرقی حد یہ دروازہ تھا جو اب "مرادآبادی دروازہ" کے نام سے مشہور ہے۔ کسنک تالاب[2] کے کنارے دور تک فصیل چلی گئی تھی۔ غربی حد وہاں تھی جہاں اب مردانہ شفا خانہ ہے، اس فصیل کے اب تک کچھ آثار باقی ہیں۔ تکیہ شیخ پیر کرم کی شرقی حد پر جو دیوار ہے اور رائے بہادر شیو نرائن آنجہانی کے مکانات سے

---

[1] تاریخ اصغری میں ان کے منصب کی تعداد چار صدی لکھی ہے لیکن یہ صحیح نہیں، ان کا منصب ہشت صدی تھا جو آخر عہد مغلیہ کے ہشت ہزاری کے برابر سمجھنا چاہئے۔ [2] کسنک لفظ "کوشک" سے بگڑ کر کسنک ہوا۔ اس قلعہ کے ایوانات اور کوشک کی تعمیر کے لئے مٹی اس مقام سے کھودی گئی تھی اس سے یہاں اتنا بڑا گڑھا ہوگیا جسے بعد میں برسات کے پانی نے تالاب کی شکل میں تبدیل کردیا۔ چونکہ دیوان سید محمود کا کوشک یعنی محل اس کے محاذ میں بنا ہوا تھا اس لئے اس کا نام تالاب کوشک پڑ گیا جو اب کسنک کے نام سے موسوم ہے۔

مرادآبادی دروازہ
متعلق صـ ۱۲۹

معمورہ
دیوان سید عبدالماجد



متصل چلی گئی ہے وہ اسی قلعہ کی دیوار ہے۔ جنوبی فصیل کا پتہ سرائے مچھرٹہ کی شکستہ دیواروں سے چلتا ہے۔ شمالی فصیل کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ چھنگا دروازہ بھی اسی قلعہ کی فصیل کا دروازہ سمجھئے۔ ۱۰۶۷ھ میں میراں سید عبد الماجد کے فرزند دیوان سید محمود نے اس قلعہ کے اندر بہ اہتمام کمال خان ایک فراخ و کشادہ بازار بنوایا جو اب "بڑے بازار" سے موسوم ہے۔ تاریخ تعمیر کا مصرعہ بھی کسی نے کمال کا موزوں کیا ہے۔ ع

کمال آراستہ بازار محمود

اس قلعہ کے آثار کی تلاش و جستجو میں ایک دن خاکسار مؤلف چلتا پھرتا تالاب کٹک پر جا نکلا شکستہ بارہ دری میں آکر کھڑا ہوا تھا کہ چشم تصور نے ایک پُر بہار منظر سامنے پیش کر دیا جو کبھی عہد شاہجہانی و عالمگیری واقعتاً یہاں ہوگا۔ عالی شان دیوانخانے، وسیع محلسرائیں، پُر فضا پائیں باغ، آراستہ بازار، ہر طرف چہل پہل، خوشی و خرمی۔ وجیہہ و شکیل باشندے، مہذب و باوقار مجلسیں، سنجیدہ مذاق، علم و عمل کا چرچا، اذان کا شور، تکبیروں کی آوازیں، پھر یکایک پردہ ہٹا، ایک نیا منظر سامنے آیا۔ مکان بھی وہ ہی اور مکین بھی وہ ہی لیکن نہ وہ متانت و سنجیدگی، نہ وہ علمی چرچے، دن رات عیش و عشرت کے جلسے، یاران بادہ پیما کے جمگھٹے، طبلہ و سارنگی کے شور، قہقہوں کی آوازوں سے کان کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ ابھی اس منظر کو نظر بھر کر بھی نہ دیکھنے پایا تھا کہ ایک اور مرقع سامنے آیا اس کو دیکھ کر تو انسانیت شرمانے لگی اور شرم و حیا نے بھی نظریں نیچی کر لیں۔ اتنے میں نہ وہ منظر تھا اور نہ وہ سماں۔ میں تھا اور قلعہ کے شکستہ کھنڈر۔ ؎

امروہہ کا باغ تھا کبھی یہ | فردوس کا داغ تھا کبھی یہ
بہر غم سے فراغ تھا کبھی یہ | پُر نور چراغ تھا کبھی یہ

اب تو فقط اک کھنڈر پڑا ہے
اس گھر کو فلک بھی رو رہا ہے

یہاں سے آگے بڑھا، چند شکستہ مکان نظر پڑے جو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا گلزار تھے مگر آج

ہیں مکاں صورتِ شکستہ دلاں ۔۔۔ وَدَر کھلے مثل دیدۂ حیراں

غرضکہ قلعہ کے آثار قدیمہ میں اب صرف دو دروازے اور فصیل کے چند ٹکڑے باقی رہ گئے ہیں جو درد مند دلوں کو آٹھ آٹھ آنسو رلاتے اور سرائے فانی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ کل جس جگہ نوبت بجتی تھی آج وہاں زاغ و زغن کا بسیرا اور بوم کا پہرا ہے

کل جہاں پر تھا بلبلوں کا ہجوم ۔۔۔ آج اُس جا ہے آشیانہ بوم

کل جہاں پر شگوفہ گل تھے ۔۔۔ آج دیکھا تو خار بالکل تھے

اب تک تو قلعہ کا نام باقی ہے آئندہ شاید یہ بھی باقی نہ رہے۔ ؎

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر ۔۔۔ مدّت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

چھنگا دروازہ | اسکو بھی قلعۂ سیّد عبد الماجد کا شمالی دروازہ بتایا جاتا ہے۔ اب اس نام سے ایک محلّہ موسوم ہو گیا ہے۔ وجہ تسمیّہ محقق نہ ہو سکی۔

عیدگاہ | بیرون شہر جانب غرب متّصل درگاہ شاہ عبد المجید علویؒ ایک مرتفع مقام پر واقع ہے۔ ابتدائً یہ عمارت مختصر تھی۔ شیخ غلام احمد[۱] "شاہی گماشتہ و وقائع نگار و ہرکارۂ بادشاہی" نے سنہ ۱۱[illegible]ھ میں اسکو از سر نو تعمیر کرایا جس کا حسب ذیل قطعہ تاریخ وہاں کندہ ہے

---

[۱] صاحب تاریخ اصغری و واسطیہ نے لکھا ہے کہ "عیدگاہ شہر سے غرب کی جانب بہت وسیع بنائی ہوئی شیخ غلام احمد کارندہ سید غلام اسد اللہ خان عرف میر کلو کی ہے" لیکن یہ بیان محض غلط اور شاید نسلی تعصب کا ثبوت ہے۔ شیخ غلام محمد شاہی عہدہ دار اور متموّل و بارسوخ شخص تھے۔ امروہہ میں خدمات وقائع نگاری پر مامور تھے۔ وہ سید اسد اللہ خان کے زمانہ سے بہت پیشتر سے سنہ ۱۱۲۵ھ سے شاہی گماشتہ تھے اور ارسال کاغذات شاہی کی خدمات بھی ان سے متعلق تھیں۔ وہ اگر سید اسد اللہ خان کے، جن کا نام بھی صاحب اصغری نے صحیح نہیں لکھا، کارندہ ہوتے اور اس حیثیت سے عیدگاہ کی تعمیر کرتے تو کتبہ میں جو آج تک عیدگاہ کی دیوار پر نصب ہے "کارندہ" کے بجائے "آقا"

ساخت بہرِ خدا غلام احمد — ایں مبارک اساس نیک بنا

بہرِ تاریخ ایں سروش زغیب — "عیدگاہِ خجستہ" داد ندا

امروہہ میں شیعہ سنیوں کے باہمی اختلاف کے نتیجہ میں ۱۸۹۰ء سے شیعوں کو عیدگاہ جانے کی حکومت نے ممانعت کردی ہے۔ عیدین کی نماز قاضی شہر پڑھاتے تھے۔ عہد سلطنت اسلامی میں "مبلغ پنجاہ روپیہ بہائے خلعت عید الضحیٰ منجانب فوجدار امروہہ" قاضی صاحب کو ملتا تھا۔ انتزاع سلطنت اسلامی کے بعد بھی قاضی شہر نماز پڑھاتے رہے لیکن جب سے اس خاندان کے افراد نے بھی شیعہ مذہب اختیار کرلیا یہ سلسلہ موقوف ہوگیا اور اسوقت سے امام اہلسنّت وجماعت نماز پڑھاتے ہیں۔ عہد اسلامی میں عیدگاہ کے لئے ایک خادم جاروب کشی کے لئے مقرر تھا۔ ۱۲۵۸ھ میں حمید جاروب کش کو ۱۲ در ماہہ ملتا تھا۔ اب نہ جاروب کشی کا انتظام ہے اور نہ پوری طرح مرمت ہوتی ہے۔ برجوں کے جو کلس شکستہ ہوگئے ہیں ان کو بھی درست نہیں کرایا جاسکا۔ فرش بھی جابجا شکستہ ہوگیا ہے۔

شیخ صدّو[1]

امروہہ کے تاریخی حالات یقیناً ناتمام و نامکمل متصور ہونگے اگر ان میں اُن بزرگوار کا کوئی تذکرہ نہ کیا جائے جو شمالی ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ بعض دور دراز صوبوں میں بھی شیخ صدّو کے نام سے مشہور ہیں مگر افسوس جسقدر شہرت شیخ صدّو کے نام کو حاصل ہے ان بزرگوار کے تاریخی اور صحیح حالات اتنے ہی زیادہ تاریکی میں مستور ہیں۔ زبانی روایتوں سے البتّہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بارھویں صدی ہجری کے نصف آخر کے سنین میں امروہہ کی قدیم جامع مسجد یعنی مسجد کیقبادی کا

(بقیہ صفحہ ۱۳۲)

کا نام درج ہوتا۔ کتبہ کی عبارت ہی ان "مورّخین" کے بیان کی تکذیب کے لئے کافی ہے۔

[1] اکثر لوگ "صدّو" کو "سدّو" لکھتے ہیں۔ "صدّو" چونکہ "صدر الدین" کا عرف تھا اس لئے قدیم تحریرات میں یہ نام "ص" سے لکھا جاتا تھا نہ "س" سے۔

ایک موذن شیخ صدرالدین[1] عرف شیخ صدّو تھا۔ اس کے باپ کا نام تو معلوم نہیں، ماں کا نام البتہ آسیا یا عائشہ مشہور ہے، اس شخص کو عملیات کا بہت شوق تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ زین خان نام ایک موکل اس کے تابع تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زین خان موکل نے شیخ صدّو کی کسی بے احتیاطی کی وجہ سے بہ حالت ناپاکی قابو پاکر اسے مار ڈالا۔ اس وقت سے اس کی روح آوارہ پھرتی ہے اور یہ بزرگوار خصوصاً عورتوں پر اپنا عمل کرتے ہیں اور جس طرح پنجاب میں سکّار یا یار عورتوں پر "سخی سرور" آ جاتے ہیں اسی طرح اس صوبہ میں خصوصاً اضلاع اٹاوہ، متھرا، علی گڈھ وغیرہ کے ادنیٰ اور جاہل طبقہ کے ہندو اور مسلمانوں میں شیخ صدّو بدنام ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۶ھ میں شیخ صدّو کے میلہ نے خاصی رونق حاصل کرلی تھی، لوگ دور دور سے آنے لگے تھے۔ اس سنہ میں امروہہ کے ایک کائستھ لالہ دولت رائے ایک تحریر میں لکھتے ہیں کہ:۔

لالہ جے سنگھ رائے معہ قبیلاں برائے	لالہ جے سنگھ مع اپنے اہل خاندان میراں (غالباً
ذات میراں (غالباً میاں) صدّو در امروہہ	میاں) صدّو کی ذات دینے امروہہ آئے تھے۔ مجھ
آمدہ بودند، ملاقات فدوی کردند......الخ	سے بھی ملاقات ہوئی.........الخ

شیخ صدّو کے معتقدین اس کا یقین رکھتے ہیں کہ اس عامل کی زندگی میں اس کے موکل خوبصورت اور جوان عورتیں اس کے پاس لایا کرتے تھے اس لئے مرنے کے بعد سے اس کی روح خوبصورت اور جوان عورتوں پر آجاتی ہے، اس سے گلو خلاصی کی تدبیر یہ ہے کہ امروہہ کی اس نہایت قدیم

---

[1] صدّو والے شیوخ اپنا سلسلۂ نسب شیخ صدرالدین تک منتہی کرتے ہیں جنہیں وہ امام مسجد جامع بتاتے ہیں۔ اس زمانہ میں اس مسجد کے امام حاجی مولوی محمد امین بن محمد عیسیٰ متوطن صوبہ بہار تھے جن کا افادۂ درس یہاں مدتوں جاری رہا اور بعد انتقال وہ اسی مسجد کے پیش دروازہ چبوترہ پر مدفون ہوئے۔ ان کی مدد معاش کے لئے ایک ملک محمود پور عملہ پرگنہ سرسی منجانب سلطنت اسلامی عطا ہوئی تھی۔ ان کی نسل سے امروہہ میں کوئی خاندان نہیں انکے خادم کا نام شیخ عبدالقادر ولد شیخ مصطفیٰ تھا

مسجد کے اندر، جو ۶۸۶ھ سے ۱۲۰۰ھ کے بعد تک یعنی تقریباً پانسو برس مسلسل امروہہ کی مسجد جامع تھی اور اب عوام الناس میں "سدّو (صدّو) کی مسجد" یا شیخ سدّو (صدّو) کی خانقاہ کے نام سے شہرت رکھتی ہے، اس میں لوہے کی جو زنجیر[1] بیچ کے گنبد میں لٹکی ہوئی ہے اور جو یقیناً فانوس کے آویزاں کرنے کی زنجیر ہے اور اب "مُرادوں کی زنجیر" کہلاتی ہے، اُسے ہاتھ سے مَس کر لیا جائے، نیز شیخ صدّو، اس کی ماں مسمّاۃ عائشہ اور اسکے موکّل زین خان کے نام پر چڑھاوا چڑھایا جائے جس کا تناسب یہ قرار دیا گیا ہے کہ شیخ صدّو کے طاق پر اگر پانچ روپئے چڑھائے جائیں تو سوا روپیہ زین خان کے طاق پر اور پانچ آنہ مسمّاۃ عائشہ کے طاق پر۔ ان لوگوں کے گمان میں شیخ صدّو کا مقام اس خانۂ خدا کے اندر وسط مسجد کا پیش طاق، اس کی ماں کا شمالی پیش طاق اور موکّل زین خان کا جنوبی پیش طاق ہے، ان مقامات پر علاوہ نذر نقد کے بکرا، مُرغ، کپڑا اور مٹھائی وغیرہ کا چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے جس کو ان کی اصطلاح میں "میاں کی جات (ذات) دینا" کہتے ہیں۔ چڑھاوے میں ایک صحنک، ایک کوزہ اور "میاں" کا رومال بھی ہوتا ہے۔ جو معتقدین "میاں کی جات" دینے آتے ہیں، "حاشتی" یعنی حاجتی کہلاتے ہیں۔

تقریباً بیس پچیس سال پیشتر تک ہزارہا ہندو اور مسلمان، جن میں غالب حصّہ ہندوؤں کا ہوتا تھا، دور دراز مقامات سے "میاں کی جات (ذات) دینے" ہر چہار شنبہ کو امروہہ آتے اور ہزارہا روپیہ نقد اور چڑھاوے کی چیزوں کی قیمت کی مجموعی رقم تین چار ہزار روپئے تک پہنچتی تھی۔

صدّو کی آمدنی پانچ مساوی حصوں میں تقسیم کی گئی تھی جن میں سے تین حصّے

---

[1] اس زنجیر کو قدیم بتخانہ کی زنجیر بتایا جاتا ہے لیکن اس کی ساخت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خیال صحیح نہیں زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ زنجیر مسجد جامع کے فانوس کی زنجیر ہے۔

سیّدوں کے اور دو حصے صدّو والے شیخوں کے قرار دیئے گئے۔ یہ خاندان' جو صدّو کی آمدنی کے مالک و مختار بنے' یقیناً امروہہ کی شاہی مسجد جامع کے متوسّلین و ملازمین یعنی اُس زمانہ کے امام و مؤذّن و جاروب کش وغیرہ کی نسل سے ہیں۔ سادات کے بعض خاندانوں علی الخصوص نبیرگان سیّد محمد میر عدل اور سیّد مبارک کو شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے خالصہ کا حق زمینداری عطا ہوا تھا جس سے مراد یہ تھی کہ علاوہ دیگر سادات و شرفاء کے' جو معافیدار تھے' باقی جملہ اجلاف و پیشہ ور اقوام باشندگان امروہہ سے' جو بطور رعیّت خالصہ کی آراضی میں آباد ہوں' نیز سرایوں' بازاروں' میلوں وغیرہ کی آمدنی سے حق زمینداری ان سادات کو حاصل ہو۔ اس سلسلہ میں صدّو کے میلہ کی آمدنی کا ایک حصّہ بھی بطور حق زمینداری ان سادات کو ملتا رہا۔ آمدنی جب وافر ہونے لگی تو وہ ایک ایسی جائداد بن گئی جس کو ان لوگوں نے "معافی" کے لفظ سے تعبیر کرنا شروع کر دیا۔ چڑھاوے کی اشیاء کا نام "ابواب" قرار دیا گیا۔ حصے سہام پر منقسم ہوئے' جو بطور وراثت و ترکہ تقسیم ہونے لگے۔ ان حصص و سہاموں کی بیع و شرا بھی مثل دیگر املاک و جائداد کے ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ بعض خاندانوں کی معاش کا انحصار کلیتاً اسی آمدنی پر ہو گیا۔ اور کچھ افراد اس کی بدولت صاحب جائداد اور رئیس بن گئے۔

سوا سو برس تک شیخ صدّو کے میلہ کا ہنگامہ خوب رونق پر رہا' اسلامی عبادتگاہ میں مشرکانہ رسمیں دھڑلے سے ادا ہوتی رہیں' لیکن امروہہ کے دیندار' غیرتمند مسلمان' جو مساجد کے سامنے باجا بجائے جانے' رام ڈول کے جلوس کے کسی سڑک پر گزر جانے یا ایّام عشرۂ محرم میں کسی برات کے باجے کی آواز تک سننے کے متحمل نہیں' ان باتوں پر جو مارنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں' وہ حمیّت دینی کا دم بھرنے والے مسلمان' خانۂ خدا کی بےحرمتی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جس متبرک مقام پر کبھی امروہہ کے ان ہی سیادت و مشیخت مآب مسلمانوں کے آبائے کرام کی پیشانیاں معبودِ حقیقی کی عبادت میں جھکتی تھیں' جہاں

کبھی حضرت شاہ ولایت، حضرت شاہ نصیر الدین چشتی، حضرت شاہ ابن مدد چشتی قدس اللہ
اسرارہم نے بلکہ یہاں کے مختلف خاندانوں کے مورثوں نے نمازیں پڑھی ہونگی، جس مقام
کو ان بزرگوں کی نورانی پیشانیاں سجدہ کی حالت میں مس کرتی ہونگی آہ ! ثم آہ !! اسی متبرک
مقام کو مشرکوں، پنچ ذات کے ہندوں حتیٰ کہ بھنگی چماروں کے گرد آلود پیروں کی خاک نجس و
ناپاک کرتی رہی اور بعض مسلمان تانبے، چاندی کی چند ٹکلیوں کے حصول کے لئے ہاتھ پھیلائے،
ان کے پیچھے دوڑتے رہے !! خدائے قدوس کی عبادت اور تکبیر کی آوازوں کی بجائے شیخ صدو
موکل زین خان اور مسماۃ عائشہ کی عملاً پرستش ہوتی اور ان کے نام کی جے پکاری جاتی رہی اور
باوجود ان تمام مشرکانہ افعال و اعمال کے یہ "مسلمان" مسلمان ہی رہے اور دین و ایمان کے
مدعی بھی ! ۔۔۔

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر — جو ٹھیرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کہے آگ کو قبلہ اپنا تو کافر — کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جسکی چاہیں

امروہہ کے مسلمان تو حمیت دین کی آزمائش میں پورے نہ اترے، علانیہ شرک پرستی کے سدباب کے
لئے انھیں کسی عمل کی توفیق نہ ہوئی، غیرتِ دین اور جوشِ ایمان کے اظہار کا زریں موقع انھوں نے غفلت
اور مداہنت کی بدولت اپنے ہاتھ سے کھو دیا بالآخر خود غیرتِ حق کو حرکت ہوئی اور خانۂ خدا کو شرک و
بدعات سے پاک کرنے کا ذریعہ پیدا ہوا۔ اترولی کے موقع شناسوں نے امروہہ کے صدو والوں کو
شکست فاش دی۔ صدو کے معتقدین نے امروہہ آنا چھوڑ دیا، اب شاید کوئی بھولا بھٹکا ادھر
آنکلتا ہو ورنہ کثیر تعداد اترولی (ضلع علی گڈھ) جاتی ہے۔

امروہہ کے مسلمانوں کے لئے یہ ایک قیمتی موقع ہے کیا وہ اب بھی اپنا فرض ادا کرنے کے
لئے تیار ہو سکیں گے؟ یاد رکھو اسلام کے نزدیک شرک سے بدتر کوئی گناہ نہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ ؀	اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہوں سے درگذر کرسکتا ہے مگر اس کو کبھی معاف نہیں کرسکتا کہ تم اُسکی محبت میں کسی دوسرے کو شریک کرو۔

ہاں، اے امروہہ کے مسلمانو! اے صدووالے شیخو اور سیدو!! اور آہ، اے غارتگران دُزدانِ حقیقت توحید اسلامی!!! اسلام تم سے تمہارے ادائے فرض کا طالب ہے، خدائے ابراہیم و محمد علیہما السّلام کی شریعت شرک کی نجاست سے توحید کی حفاظت چاہتی ہے، قرآن کریم اسی کو حقیقت اسلامی بتاتا ہے، تمہارے بزرگوں کی، بانیان مسجد کی روحیں بیچین و بیقرار ہیں، خدارا اب بھی اپنا فرض پہچانو! اٹھو اور اسی خانہ خدا کو مشرکانہ رسموں کی نجاست سے پاک کرو!! اور

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؀	اُن لوگوں کی طرح مت بنو، جنھوں نے خدا کو بھلایا نتیجہ یہ نکلا کہ خود اپنے کو بھول گئے۔ وہ یقیناً فاسقوں میں سے تھے۔

اسلامی مدارس

عہد اسلامی میں موجودہ زمانہ کی طرح مدارس کے لئے جداگانہ عمارتیں بنانے کا دستور نہ تھا، مسلمانوں کا پہلا مدرسہ حقیقت میں وہ مسجد نبوی تھی جس کو حضور سرور کائنات ؐ نے مدینہ منورہ میں بنایا تھا، مسجد نبوی کے بعد سے دنیا میں جتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں انہیں اسلامی عبادتگاہ ہونے کے علاوہ آپ اسلامی مدارس سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔ امروہہ کے اسلامی مدارس بھی زیادہ تر یہی مساجد تھیں۔ طریقہ تعلیم بھی سادہ تھا، استاد مسجد میں آکر بیٹھ جاتا اور اس کے گرد وپیش شاگردوں کا حلقہ بندھ جاتا۔ علم پڑھانے کے لئے نہ کسی مزد کے طالب ہوتے اور نہ

فیس کے، محض خالصاً للّٰہ درس دیتے - اسلامی سلطنت ان کے اخراجات کی کفیل تھی - ان ہی مدارس کے تعلیم یافتہ چٹائی کے فرش پر بیٹھکر پڑھنے والے وہ علمائے عظام ہوئے جن کے فضائل وکمالات سے تذکروں اور تاریخوں کے صفحات پُر ہیں لیکن افسوس نہ وہ مدارس باقی رہے اور نہ وہ خالصاً للّٰہ تعلیم دینے والے استاد اور نہ وہ علم کے سچے شیدائی شاگرد - جو چند دینی مدارس اب موجود ہیں کافی سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیمی وانتظامی حالت قابل اطمینان نہیں -

مدارس وہ تعلیم دیں کے کہاں ہیں ۔۔۔ مراحل وہ علم و یقیں کے کہاں ہیں
وہ ارکان شرعِ متیں کے کہاں ہیں ۔۔۔ وہ وارث رسولِ امیں کے کہاں ہیں
رہا کوئی امّت کا ملجا نہ ماوا
نہ قاضی نہ مفتی نہ صوفی نہ ملّا

۱- مدرسۂ معزیہ

مسجد کیقبادی کی تعمیر کے ساتھ یہ مدرسہ بھی اسی مسجد میں جاری ہوا جو غالباً امروہہ کا سب سے پہلا مدرسہ تھا، لیکن افسوس سوائے نام کے مدرسہ کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا، دیرینہ کاغذات کے مطالعہ سے البتہ اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ مسجد کے جنوبی و شرقی حصہ میں، جہاں اب بعض لوگوں کے مسکونہ مکانات و عمارتیں ہیں، طلبہ کے رہنے کے حجرے وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ جنوبی حصہ کے متصل حضرت شاہ نصیر الدینؒ کی خانقاہ تھی وہاں اب آبکنان محلہ نوگیاں کے مکانات ہیں - سنہ ۱۱۳۹ھ تک اس مدرسہ میں علماء کا افادۂ درس جاری رہا - مدرسہ کے غالباً آخری مدرس حاجی مولوی محمد امین بن مولوی محمد علی متوطن صوبہ بہار کے انتقال کے بعد سے جو مسجد جامع کے پیش دروازہ مدفون ہوئے اس مدرسہ کی تعلیمی حالت اچھی نہیں رہی - بعد میں سید اسد اللہ خاں عرف میر کلّو نے اسی ضرورت کی وجہ سے اپنا مدرسہ جاری کیا۔

۲- مدرسۂ مولوی دوست محمد

مولوی دوست محمد بن شیخ محمد شاکر بن شیخ نور محمد بن شیخ کبیر بن شیخ گدائی نے یہ مدرسہ ابتدائے عہد عالمگیری میں غالباً

متصل محلہ قریشی جاری کیا تھا جو عرصہ تک جاری رہا۔ مولوی دوست محمد کے بعد ان کے شاگرد رشید مولوی شیخ سلطان الدین محمد بن شاہ قیام الدین محمدؒ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اس زمانہ میں مدارس کے ہونہار اور غیر مستطیع طلبہ کو اسلامی حکومت کی جانب سے وظائف بھی ملتے تھے۔ ذیل میں اس مدرسہ کے ایک ہونہار طالب علم شیخ فیض محمدؒ برادر زادہ مولوی سلطان الدین محمد کے موسومہ ایک پروانہ کی نقل تاریخی دلچسپی کے خیال سے درج کی جاتی ہے۔

محمد فرخ سیر
بادشاہ غازی
افضل الدین فدوی

حضرت ظل سبحانی

چوں بوضوح پیوست کہ یک روپیہ ماہیہ باسم فیض محمد طالب علم از تلامذہ شیخ سلطان الدین محمد
بموجب اسناد حکام سابق بر محصول سایر قصبہ امروہہ از قدیم مقرر است و سوائے
آں ہیچ ممر وجہ معیشت نہ دارد بنا بر آں بتصدق فرق مبارک بندگان حضرت قدر قدرت
قضا صولات خدیو گیہان خداوند زمین و زمان — بحال داشتہ شد
باید کہ درماہہ مذکورہ ماہ بہ ماہ بمشار الیہ می رسیدہ باشد کہ صرف مایحتاج خود نمودہ بہ
دعائے دولت ابد مواصلت مواظبت نمودہ باشد۔

بتاریخ ہشتم شہر ذی قعدہ سنہ جلوس والا قلمی شد نقل

تکمیل تعلیم کے بعد مولوی فیض محمد کو بموجب پروانہ مہری "عظمت اللہ خان بہادر فدوی محمد شاہ بادشاہ غازی" دو روپیہ یومیہ بطور مدد معاش ملتے رہے۔ اس کے بعد اس مدرسہ کے حالات دریافت نہ ہو سکے۔

مولوی فیض محمد کے کوئی عقب نہیں۔ ان کے بھائی شیخ بشارت اللہ عرف شیخ لبا کے تین بیٹے ہوئے۔ ایک تبارک علی جن کی اولاد میں شیخ محمد اختر بن شیخ احمد علی بن نیاز علی مذکور ہیں۔

(متعلق صفحہ ۱۳۹)

لہ مولوی دوست محمد کے خاندان کا شمار قوم کلال میں ہوتا ہے لیکن ایک دستاویز صوبہ دار عہد عالمگیری میں اس خاندان کو شیخ صدیقی بھی لکھا ہے

دوسرے ولایت علی جن کی اولاد میں منشی عبدالقیوم عطار بن حکیم عبداللہ و عبدالسلام و عبدالحکیم و عبدالقدیر و عبدالعزیز بن حافظ سعداللہ بن ولایت علی مذکور ہیں تیسرے حکیم منور علی جن کے پوتے شیخ نور محمد بن حکیم برکت اللہ ہیں۔

۳۔ مدرسۂ میر کلّو میر اسداللہ خان عرف میر کلّو منصب دار پنجہزاری عہد عالمگیر ثانی نے، جو سُنّی المذہب تھے، اپنے مکانات سے متصل ۱۱۷۲ھ میں ایک وسیع مسجد تعمیر کی۔ اسی میں یہ مدرسہ بھی جاری کیا۔ ۱۱۸۳ھ میں موضع جھرن کے بیس بسوے مسجد و مدرسہ کے مصارف کے لئے وقف کئے۔ وقف نامہ مرقومہ ۷ رشعبان ۱۱۸۳ھ میں مصارف وقف کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

"در وجہ کفاف مؤذّن و امام و مدرّس و علماء و طلباء و حفّاظ جہت اذان و اقامت و قیام نماز و درس و تدریس علوم دینی و اشتغال حدیث"

اسلامی حکومت کی جانب سے بھی ایک روپیہ یومیہ مدرسہ کو امداد ملتی تھی۔ میر کلّو کی وفات (۱۱۹۳ھ) کے بعد بھی عرصہ تک یہ مدرسہ اسی عمدگی کے ساتھ جاری رہا لیکن بعد میں متولی صاحبان کے تبدیلی عقائد کی وجہ سے مدرسہ کے انتظامات میں کچھ خلل پیدا ہو گیا تھا، اب ۱۳۴۴ھ سے عزیزی محبوب الٰہی عبّاسی کی کوششوں کی بدولت مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا ہے۔

۴۔ مدرسۂ خورشید جاہی سید سعید حسن بن سید ظہور حسن نبیرۂ سید دوست علی (محلہ گنگولی) کی تحریک سے ۱۲۹۹ھ میں یہ مدرسہ جاری ہوا۔ نواب خورشید جاہ بہادر اس زمانہ میں حیدرآباد دکن سے شمالی ہند کی سیر و سیاحت کے لئے تشریف لائے تھے کسی تقریب سے ان کا مرادآباد بھی آنا ہوا وہاں سے امروہہ تشریف لائے اور ان ہی کے نام سے یہ مدرسہ بھی موسوم کیا گیا۔ سید سعید حسن مرحوم نے اجراء مدرسہ کے متعلق ایک پمفلٹ لکھا، جس میں پرانے طرز کے مکاتب کی تعلیم کے نقائص اور طریقۂ تعلیم کی اصلاح پر بحث کی گئی تھی اور اہل شہر سے مدرسہ کے اجراء، مقاصد و اغراض، نصاب تعلیم و نظم و نسق مدرسہ کے متعلق مشورہ بھی طلب کیا گیا تھا،

جو جوابات موصول ہوئے ان کو بھی ایک رسالہ کی صورت میں طبع کرا کے شایع کیا گیا۔ غرضکہ بڑے اہتمام سے یہ مدرسہ ابتدائً سیّد مرتضیٰ علی کے مکان (محلّہ گذری) میں جاری ہوا لیکن افسوس صرف چند سال جاری رہ کر بند ہوگیا۔

۵۔ تاج المدارس

مدرسۂ خورشید جاہی کے ساتھ ہی ساتھ یہ مدرسہ بھی بعض اکابر شہر کی تحریک پر ابتدائً مولوی سبحان علی (پیرزادہ) کے مکان (محلّہ چاہ شور) میں جاری ہوا۔ حکیم زین العابدین منتظم اور شیخ عبداللہ و شیخ عظیم اللہ (قوم کلّال) سیکریٹری تھے۔ چند سال تک یہ مدرسہ بہت اچھی حالت میں جاری رہا، کسی اختلاف کی وجہ سے شیخ عبداللہ نے انتظامات سے دستکشی اختیار کرلی تو مولوی نادر شاہ خان مرحوم مدرسہ کے سیکریٹری ہوئے بعد میں اس مدرسہ کا الحاق جامع مسجد محلّہ مولانہ کے مدرسہ سے ہوگیا۔

۶۔ تاج المدارس ثانی

شیخ عبداللہ نے پہلے مدرسہ سے دستکش ہوجانے کے بعد منشی آلِ حسن (کمبوہ) کے مکان (محلّہ شاہی چبوترہ) پر یہ مدرسہ جاری کیا۔ اس مدرسہ کو نواب **وقار الملک** مرحوم و مغفور کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ اس وقت سے اس مدرسہ نے اچھی ترقی حاصل کی، انگریزی کی تعلیم کا بھی اس مدرسہ میں اجراء ہوا۔ امروہہ گورنمنٹ اسکول کی حالت جب ایسی خراب ہوگئی کہ سررشتۂ تعلیم نے اس کی اعلیٰ جماعتوں کے بند کرنے کا قصد کیا تو نواب صاحب ممدوح نے اس مدرسہ کا الحاق بھی سرکاری اسکول سے کر دیا اور اس زمانہ میں نواب صاحب کی مساعیٔ جمیلہ کی بدولت سرکاری اسکول میں مسلمان طلباء کی مذہبی تعلیم کا بھی بندوبست کیا گیا جس کے اخراجات ممدوح ہی ادا کرتے رہے۔

۷۔ مدرسہ اسلامیہ مسجد جامع (واقع محلّہ مولانہ)

سنہ ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء کے کچھ عرصہ بعد جب مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ امروہہ تشریف لائے تو آپ کی تحریک پر مسجد جامع میں مدرسہ قایم ہوا جس کا نام "قاسم العلوم" رکھا گیا۔ اس کے مہتمم مولوی محب علی خان عبّاسی اور مولوی رافت علی (دربار کلاں) تھے اور مولانا آلِ حسن بخشی اور مولوی

محمد حسین جعفری اس کے اساتذہ میں سے تھے۔ چند سال بعد یہ مدرسہ بند ہوگیا۔ ۱۳۱۰ھ میں جب حضرت مولانا مولوی احمد حسن محدث امروہوی مراد آباد کے مدرسہ اسلامیہ واقع شاہی مسجد سے مستعفی ہو کر امروہہ تشریف لائے اور اپنے مکان پر طلبہ کو درس دینا شروع کیا تو مولوی نادر شاہ خاں مرحوم حضرت قبلہ گاہی مولوی علی محمد عباسی مرحوم کی تحریک پر مدرسہ قاسم العلوم کا پھر احیا کیا گیا۔ حضرت مولانائے محدث امروہوی کے علم و فضل کی شہرت اور آپ کی زبردست شخصیت نے اس مدرسہ کو چند ہی روز میں اوجِ کمال پر پہنچا دیا۔ اس کی شہرت دور دور پہنچی، بنگال و بہار، پنجاب و صوبہ سرحدی بلکہ بیرون ہند سے طلبا جوق جوق آنے لگے اور امروہہ کے فیض علم کا سرچشمہ، جو حوادثِ روزگار سے خشک ہوگیا تھا پھر جاری ہوا۔ اہل شہر نے بھی مسافر نوازی و علم دوستی کا ثبوت دیا، طلبا کے قیام و طعام کا بھی بحسن و خوبی انتظام کیا۔ مسٹر نویل، مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹر اس مدرسہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہ مدرسہ عربیہ ہمیشہ سے مرکز علم رہا ہے اور اس میں ہندوستان کے ہر حصہ سے طلبہ کھنچ کر آتے ہیں"۔ مدرسہ کے انتظامات کا بار شروع زمانہ سے زیادہ تر مولوی نادر شاہ خاں مرحوم کے ذمہ رہا، درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے منشی عبد الحمید عباسی بھی مہتمم رہے، سید امتیاز علی منصف مرحوم اور بعض دیگر حضرات نے بھی وقتاً فوقتاً مدرسہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا لیکن جب بعد میں اس قدیم مدرسہ کی کشتی اختلافات کے بھنور میں جا پھنسی تو پھر اسی مسن مگر جوان ہمت بزرگ مولوی نادر شاہ خاں نے باوجود پیرانہ سالی اور معذوری کے انتظامات کا بار اپنے کندھوں پر اٹھا لیا لیکن افسوس بعض ترفع پسند اور کوتاہ اندیش لوگوں نے اختلافات کو یہاں تک وسعت دی کہ بالآخر ایک کے بجائے دو اور دو کے بجائے تین مدرسے اسی ایک شہر میں قایم ہوگئے۔ جدا گانہ مدرسوں کا قایم ہونا اور اجتماعی کوششوں کا انتشار بجائے خود باعث ضعف و اختلال لیکن رقیبانہ چشمک اور تفرقہ اندازی اس سے بھی بدتر۔ تینوں مدرسوں کی مالی اور انتظامی حالت خراب ہے۔

پڑے ہیں جا بجا ٹوٹے ہوئے اطرافِ عالم میں　　کھنڈر لاکھوں ہمارے تفرقوں کی یادگار ابتک

مولوی نادر شاہ خان مرحوم کے انتقال کے بعد سے اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ مولوی حاجی سید معظم حسین دہلوی اب مہتمم ہیں اور مولٰنا حافظ عبدالرحمن صاحب شاگرد رشید مولانا سید محدث امروہوی صدر مدرس۔ تعداد اساتذہ ۱۱، تعداد طلبا ۲۵۰، اخراجات ماہانہ تقریبًا صمارؔ۔

۸۔ مدرسہ محمدیہ — یہ مدرسہ اعلیٰ پیمانہ کا مدرسہ نہ تھا، ایک بڑا مکتب خانہ تھا جسے حکیم عبدالسلام صدیقی مرحوم نے محلہ قریشی میں سنہ ۱۳ھ کے قریب جاری کیا تھا۔ نصاب تعلیم وہی طرز قدیم کا تھا۔ حافظ محمد حسین جو بعد میں مدرسہ "قاسم العلوم" میں پڑھاتے تھے اس کے مدرس تھے۔ چند سال جاری رہ کر بند ہوگیا۔

۹۔ سید المدارس — سید المدارس کی بنیاد بطور ایک معمولی اردو مکتب کے محض چندہ سے بتحریک حکیم محمد علی خان ۱۶ راگست سنہ ۱۸۹۲ء کو قایم ہوئی۔ سنہ ۱۸۹۴ء میں علاوہ اُردو کے فارسی کی ابتدائی تعلیم بھی جاری ہوگئی، عربی تعلیم کا بھی اضافہ ہوا اور اس طرح یہ مکتب ایک مستقل عربی مدرسہ کی صورت میں تبدیل ہوگیا اور صرف ماتحت دفعات میں اتنا اردو و انگلش باقی رکھا گیا جس سے طلبہ نکلکر اگر گورنمنٹ مدارس میں داخل ہونا چاہیں تو اُن کو سہولت و آسانی ہو۔

شیعان امروہہ کے لئے یہ سب سے پہلا مبارک موقع تھا کہ اپنی زبان اور مذہبی تعلیم کی درسگاہ سرزمین امروہہ پر صورت پذیر ہوئی۔ مولوی سید نذر حسین مرحوم ساکن محلہ مجھرٹہ نے بتحریک اپنے لائق داماد مولوی سید اعجاز حسن مرحوم اپنی کل معقول جائداد مدرسہ کے حق میں وقف فرمادی، پھر ایک وقف مسماۃ ہاجرہ خاتون زوجہ علی ابن الحسین ساکنہ محلہ شفاعت پوتہ کی طرف سے مکمل ہوا اور اس طرح مدرسہ کے دائمی بقا کے اسباب فراہم ہوگئے۔

سنہ ۱۹۰۳ء میں مدرسہ کی موجودہ عالی شان عمارت کی بنیاد ڈالی گئی جو چھ کمروں اور ایک وسیع ہال اور دو برآمدوں پر مشتمل ہے اسکی تعمیر حکیم سید محمد صاحب اور ان کے خاندان کی عالی توجہہ کا نتیجہ ہے۔

اس عمارت کا افتتاح ۱۹۰۵ء میں سر جیمس لیٹوش بہادر سابق لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ نے فرمایا اور اسی موقع پر یہ حکم نافذ ہوا کہ سادات امروہہ کی تعلیم گاہ سے آٹھ لڑکے ہر سال گورنمنٹ ہائی اسکول امروہہ میں بلا فیس تعلیم پا سکتے ہیں۔

عرصۂ دراز تک مدرسہ میں عربی کا نصاب قدیم جاری رہا۔ اب چند سال سے علاوہ درس نظامی کے الہ آباد یونیورسٹی کا مجوزہ نصاب درجۂ مولوی و عالم و فاضل بھی جاری ہے اور انتہائی درجہ بخطاب سید الافاضل قائم ہے۔

مدرسہ کی مستقل آمدنی میں علاوہ جائداد موقوفہ کے سرکاری امداد، میونسپل بورڈ امروہہ کی امداد اور ہز ہائینس نواب صاحب بہادر رامپور کی کافی اعانت بھی ہے۔

مدرسہ میں دس مدرس اور ایک سو انیس طلبہ ہیں۔ اس مدرسہ سے صوبہ بہار، پنجاب، بمبئی وغیرہ کے بہت سے تشنگان تعلیم سیراب اور اجازت سے مشرف ہوئے۔ جناب مولانا سید محمد صاحب مجتہد جو وسیع الاخلاق اور روشن خیال عالم ہیں، صدر مدرس ہیں۔

۱۰۔ نور المدارس اصل میں اس مدرسہ کا نام "اشرف المدارس" تھا۔ ۱۳۰۶ھ میں یہ مدرسہ حضرات شیعہ نے محلہ دانشمندان میں جاری کیا تھا۔ ۱۹۰۴ء میں حاجی سید نور الحسن محلہ دانشمندان کے ایک شیعہ بزرگ نے اپنی اور اپنی زوجہ کی کل جائداد بذریعہ وقف نامہ مورخہ ۲۸ و ۲۹ دسمبر ۱۹۰۴ء مدرسہ کے لئے وقف کر دی اس لئے اس مدرسہ کا نام بھی ان کے نام پر "نور المدارس" رکھا گیا۔ مذہب اثنا عشری کی دینیات کے علاوہ سر رشتۂ تعلیم کے فارسی و عربی امتحانات کے لئے طلبہ کا تیار کرنا اس مدرسہ کی خصوصیت ہو گیا۔ مولانا حاجی سید مرتضیٰ حسن صاحب نے اپنا تمام وقت عزیز طلبا کی درس تدریس میں صرف کیا، ان کی محنت و جانفشانی سے مدرسہ نے خوب ترقی کی، متعدد طلبہ امتحانات میں کامیاب ہو کر برسر روزگار ہوئے۔ سر رشتۂ تعلیم نے بھی مدرسہ کی پوری امداد کی لیکن افسوس کچھ عرصہ سے باہمی اختلاف کی بنا پر مولانائے ممدوح نے مدرسہ سے اپنا تعلق علیحدہ کر لیا اور اب مدرسہ کی تعلیمی حالت بھی پست ہو گئی ہے۔

۱۱ امام المدارس ابتداءً یہ مدرسہ امامیہ مذہب اثنا عشریہ کی دینی تعلیم کی غرض سے ۱۹۰۱ء میں قایم ہوا۔ شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب مجتہد نے افتتاح کیا۔ ۱۹۰۳ء میں بیادگار جشن تاجپوشی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم انگریزی تعلیم کے درجے بھی کھولے گئے۔ ۱۹۱۰ء میں آٹھویں جماعت تک تعلیم دی جانے لگی۔ سید تقی حسن مرحوم کی کوششوں کی بدولت جو اس زمانہ میں تاحیات مدرسہ کے منیجر رہے ۱۹۱۶ء میں مدرسہ کا سررشتہ تعلیم سے الحاق ہوگیا اور ۱۹۱۸ء سے مبلغ لعہ ماہوار مدرسہ کو سرکاری امداد ملنا شروع ہوئی، رفتہ رفتہ اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ اب دوسو دس روپیہ ماہوار امداد ملتی ہے۔ یہ مدرسہ اپنی تعلیمی اور انتظامی حالت کے لحاظ سے بہت غنیمت ہے، اس کا اجراء، قیام و استحکام اور ترقی سب کا وار مدار سادات محلہ ارزانی پوتہ (دیگلہ) کی مآل اندیشی اور تعلیمی دلچسپی کی بدولت ہے۔ مدرسہ کے بانیوں میں حاجی سید مقبول احمد، حکیم مولوی سید مصطفیٰ اور سید محمد باقر کے نام خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں۔ موجودہ مہتمم مولوی سید محمد مجتبیٰ معروف بہ مولوی سید چاند ہیں اور ہیڈ ماسٹر سید محمد تقی بی۔اے (علیگ) ایل۔ٹی ہیں۔ فی الحال مدرسہ کا کچھ حصہ امام باڑہ کی عمارت اور کچھ کرایہ کے مکانات میں ہے۔ لیکن اس کی شدید ضرورت ہے کہ مدرسہ کی اپنی عمارت ہو جس کے لئے غالباً زمین پہلے سے موجود ہے۔ کیا مسلمانان امروہہ کبھی خواب غفلت سے بیدار ہوکر اپنے بچوں کی تعلیم کا معقول بندوبست کرنے پر آمادہ ہوں گے؟

امروہہ میں ایک ہندو اسکول ہے اور ایک یہ مسلم اسکول لیکن دونوں اسکولوں کی مالی حالت ان کی رفتار ترقی دونوں قوموں کی ذہنیت، ان کے قول و عمل، ان کے غفلت و بیداری کا عبرتناک اور سبق آموز ثبوت پیش کر رہی ہے۔ ہندو اسکول اس مسلم اسکول سے تقریباً بارہ برس بعد قایم ہوا ہے، آج اس کی عمارت کی تعمیر شروع ہو رہی ہے، اس کے لئے اسکول کے پاس تقریباً پچاس ہزار روپیہ کی مجموعی رقم اسکول فنڈ اور گورنمنٹ کی امداد کی موجود ہے۔ مسلم اسکول کے پاس عمارت کی "تعمیر فنڈ" میں بھی کچھ ہے، اس کا جواب اور حسرتناک جواب ذرا

اسکول کے مہتمم مولوی سید محمد مجتبےٰ کے پاس جاکر ان کی زبان سے سنئے !! واحسرتا !!!

یارانِ تیزگام نے محمل کو جالیا ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

کیا امروہہ کے تیس ہزار مسلمان، جن میں بعض ایسے دولتمند اور ایسے ایسے تعلیم یافتہ حضرات بھی شامل ہیں جو آج اس بیسویں صدی میں بھی شادی کی تقریبات کے موقع پر دُور دُور سے رنڈیاں بلوا کر ناچ کرانے اور ان خرافات میں سیکڑوں روپیہ صرف کر دینے میں تامل نہیں کرتے آئے دن ڈپٹی صاحب اور جنٹ صاحب اور کوتوال صاحب اور نہ معلوم کن کن صاحب کی دعوتوں، ٹی پارٹیوں، ڈراموں اور ناٹکوں میں بے دریغ خرچ کرنے کو موجود ہیں، تو کیا یہ مسلمان دولتمند، تعلیم یافتہ، ضروریات زمانہ سے باخبر مسلمان، چند ہزار روپیہ اسکول کی عمارت کے لیے جمع نہیں کر سکتے؟ ان سطور کے لکھے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ اسکول کی عمارت کے سنگ بنیاد رکھنے کا اہتمام ہو رہا ہے

مسلم اسکول سنہ ۱۹۱۲ء میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان مرحوم، جو اُس زمانہ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے آنریری جائنٹ سکریٹری تھے، انجمن سادات امروہہ کے جلسہ کی صدارت کے لئے امروہہ تشریف لائے۔ خاکسار مؤلف بھی جناب ممدوح کی معیت میں حاضر ہوا۔ اس وقت اپنے وطن کی تعلیمی پستی کا جو احساس مجھے ہوا اس سے متاثر ہو کر ایک رسالہ "مسلمانان قصبہ امروہہ کی خدمت میں انکے تعلیمی حالات اور ضروریات کے متعلق ایک ضروری التماس" کے عنوان سے لکھا جسے کانفرنس نے اپنے صرف سے شایع کرا کے مارچ سنہ ۱۹۱۳ء میں امروہہ میں تقسیم کیا۔ رسالۂ مذکور کے آخر میں مسلم اسکول کے قائم کرنے کی تحریک کی گئی تھی۔ رسالہ کی اشاعت کے بعد اسکی کوشش کی گئی کہ امام المدارس کو ترقی دی جائے اور اس کے انتظام و اہتمام میں مسلمانان شہر کی کافی نیابت ہو۔ اس سلسلہ میں خاکسار مؤلف بار بار علیگڑھ سے امروہہ حاضر ہوا، لیکن افسوس مسلمانان شہر کو متفقہ و متحدہ کام کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی اسلئے مئی سنہ ۱۹۱۳ء میں بہ سرپرستی نواب وقار الملک مرحوم "مسلم اسکول" کا آغاز ہوا۔ رفتہ رفتہ اسکول نے اچھی ترقی کی شیخ کریم بخش پنشنر انسپکٹر سکریٹری اور مکرمی رئیس الدین احمد و حکیم اسرار الحق

معاون سیکریٹری تھے۔ ۱۹۱۴ء میں ہز آنر سر جیمس میسٹن لفٹننٹ گورنر صوبجات متحدہ جب بہ تقریب دورہ امروہہ تشریف لائے اس اسکول کے جلسہ میں بھی شرکت فرمائی اور جیب خاص سے چندہ بھی عنایت کیا۔ اسکول کے معاون سیکریٹری رئیس الدین احمد صاحب نے ایک مکان بھی اسکول کے لئے وقف کیا، طلبہ کی تعداد بھی بہت کافی ہوگئی، مڈل کلاس تک تعلیم کا انتظام تھا اساتذہ بھی قابل اور سند یافتہ تھے، اہل شہر کو اسکول کے ساتھ دلچسپی تھی، چندہ کے علاوہ سرکاری امداد بھی کافی ملتی تھی لیکن افسوس مدرسہ کے منتظمین کے آپس کے لایعنی جھگڑوں اور کش مکش نے بالآخر اسکول کا خاتمہ کر دیا اور چند سال جاری رہ کر یہ مدرسہ بھی بند ہوگیا۔ واحسرتا!

ہزاروں باغ ویراں ہوگئے آپس کے جھگڑوں میں پلٹ کر بھی نہیں آئی جہاں فصل بہار اک بار

۱۳۔ ہندو اسکول

اس مدرسہ کا پورا نام "تیج رام جارج کارونیشن ہندو اسکول" ہے ۱۹۱۲ء میں جاری ہوا۔ لالہ تیج رام قوم ویش مہیسری نے جو لالہ جھبالال کے چچا تھے لاولد انتقال کیا۔ لالہ جھبالال نے پنڈت لال گوپال وکیل کے مشورہ سے دان (خیرات) کی رقم بجائے پنڈتوں کے دینے کے ایک مدرسہ کے قایم کرنے میں صرف کی۔ ابتداءً پنڈت لال گوپال سیکریٹری اور لالہ جھبالال منیجر رہے۔ ملک معظم کی تخت نشینی کے زمانہ میں یہ اسکول جاری ہوا تھا اس لئے "جارج کارونیشن اسکول" سے موسوم کیا گیا۔ فی الحال اسکول میں مڈل کلاس تک تعلیم دی جاتی ہے۔ مدرسہ کی عمارت کے لئے بھی پندرہ بیس ہزار روپیہ جمع ہے۔ کل عمارت کی لاگت کا اندازہ تقریباً پچاس ہزار روپیہ ہے جس میں سے نصف رقم کے عطیہ کا گورنمنٹ نے وعدہ کیا ہے۔ زمین بھی حاصل کر لی گئی ہے۔ آج کل ڈاکٹر پریم ناتھ سیکریٹری اور لالہ جھبالال منیجر ہیں طلبہ کی تعداد تقریباً سو ہے۔ تعلیمی و انتظامی حالت قابل اطمینان ہے۔

۱۴۔ گورنمنٹ ہائی اسکول

یہ اسکول ۱۸۶۳ء میں ابتداءً اینگلو ورنیکلر اسکول کے طرز پر قایم ہوا۔ پھر ہائی اسکول کے درجہ تک ترقی ہوئی۔ عرصہ دراز تک

یہ اسکول اس عمارت میں رہا جہاں اب منصفی کی عدالت ہے۔ سنہ ۱۹ء میں موجودہ عمارت متصل ریلوے اسٹیشن تعمیر ہوئی۔

امروہہ کی مصنوعات

مٹی کے برتن امروہہ کی یہ بہت مشہور اور قدیم صنعت ہے۔ چکنی مٹی سے جسے "گوال جنا" کہتے ہیں یہ برتن بنائے جاتے ہیں۔ یہ مٹی تالابوں کی تہ میں سے نکلتی ہے جو بہت باریک اور ہلکی اور رنگ میں سیاہی مائل اور پکنے کے بعد سرخ ہو جاتی ہے۔ یہ صنعت ہندو کوزہ گروں کی مخصوص صنعت ہے۔ طرح طرح کی چیزیں بناتے اور طلائی و نقرئی کام ان پر کراتے ہیں۔ صاحب "مرات آفتاب نما" لکھتے ہیں۔[۱]

امروہہ شہرے مطبوع است، اکثر قوم سادات درانجا	امروہہ ایک اچھا شہر ہے، سادات کی اکثر قوموں نے وہاں
سکونت پذیرفتہ اند۔ ظروف گلی بغایت نازک و	سکونت اختیار کی ہے۔ مٹی کے برتن نہایت نازک اور باریک جن پر
باریک منقش بہ نقوش گوناگون و مذہب	طرح طرح کے نقش و نگار ہوتے اور جنھیں طرح طرح سے
بوقلمون درانجا می سازند حتّٰی کہ حقہ گلی	سجاتے ہیں وہاں بنائے جاتے ہیں حتّٰی کہ مٹی کا حقہ مع سرپوش
مع سرپوش و چلم و چنبر بہ قیمت یک اشرفی تا دو سہ	و چلم و چنبر بھی بنتا ہے جس کی قیمت ایک اشرفی سے دو یا تین اشرفی
می ارزد، کوزہ و کاسہ ہم بریں قیاس۔	تک میں سستی ہے۔ کوزہ اور پیالہ کا اسی پر قیاس کیجیے۔

تقریباً ستر اسّی برس پیشتر تک امروہہ کی یہ صنعت خوب رونق پر تھی۔ مٹی کے برتن تحفتہً دور دور بھیجے جاتے تھے حتّٰی کہ خدیو مصر کے محل میں بھی امروہہ کے ان برتنوں کو جگہ دی گئی تھی۔[۲] شروع عملداری قوم برطانیہ میں امروہہ کے رؤسا "صاحبان عالی شان" کو

---

[۱] مرات آفتاب نما (قلمی) مصنفہ سید عبدالرحمٰن المخاطب بہ شاہ نواز خان ہاشمی بنبانی ثم الدہلوی در زمان ابوالمظفر شاہ عالم بادشاہ غازی۔ [۲] سفرنامہ مولوی سمیع اللہ خان مرحوم۔

یہ برتن تحفہ میں بھیجا کرتے تھے۔ سید امان علی خان (گھڑیال والے) کے موسومہ جنکو اس زمانہ کے انگریز "نواب" کے لقب سے مخاطب کرتے تھے' ایک انگریز عہدہ دار کی فارسی تحریر کا عکس اس موقع پر درج کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ دیکھئے اعلیٰ طبقہ کا ایک انگریز امروہہ کی اس صنعت کا کن تعریفی الفاظ میں تذکرہ کرتا ہے :۔

نرگس دان وغیرہ ظروف سفالی...... مرسول شدہ	نرگس دان وغیرہ مٹی کے برتن جو ارسال فرمائے
......مطبوع خاطر افتاد۔ الحق ہر ہمہ قابل تحسین و	نہایت پسند آئے۔ سچ یہ ہے کہ ان میں ہر ایک قابل
آفرین اند و در خوش قسمی و شستگی یکے زیادہ از دیگرے بنظر	تعریف اور توصیف ہے۔ عمدگی اور شستگی میں ایک
در آمدند و تعریف صنعت کارستانی کاریگران آنجا از	سے ایک بڑھ کر۔ وہاں کے کاریگروں کی صنعت
خامہ دو زبان نمی تواند گردید۔	اور کام کی تعریف زبان قلم سے نہیں ہو سکتی۔

افسوس اس صنعت کے قدردان نہ رہے تو یہ صنعت بھی مٹ گئی۔ خاندانی کوزہ گروں میں سے جو چند افراد باقی ہیں وہ اب بھی مٹی کے برتن بناتے ہیں مگر اب وہ بات کہاں!

بقچے کے پلنگ بقچیہ کا پلنگ بھی امروہہ کی قدیم صنعت تھی۔ بنانے والے اب بھی موجود ہیں مگر بنوانے والے کہاں۔ عہد محمد شاہ بادشاہ کے ایک عہدہ دار میر یعقوب مراد آباد سے امروہہ کے ایک اہلکار لالہ کشن چند سے ایک تحریر میں آم کے مربہ و اچار کو بھیجنے کے ساتھ "چارپائی بقچیہ کلاں" کی فرمائش بھی کرتے ہیں۔ ذرا اس زمانہ کے ہندو مسلمانوں کے رابطہ اتحاد و تعلقات کا اندازہ طرز تحریر سے کیجئے' القاب میں ہندو مسلمان کا کوئی فرق نہیں "در حفظ الٰہی بودہ" کے الفاظ ملاحظہ ہوں اور آج کی تنگ ظرفی بھی ملحوظ خاطر رہے۔

"عزت و خصوصیت دستگاہ لالہ کشن چند در حفظ الٰہی بودہ بعافیت باشند۔ ....

محرر آنکہ...... و اچار و مربائے انبہ و چارپائی بقچیہ کلاں تیار کنانیدہ ارسال حضور نمایند۔ ہر چند بزودی برسد مجرائے شماست و برائے انبہ از حضور بسیار تاکید است باید که درختہائے انبہ کہ قسم اول و کلاں باشند خرید نمودہ در قید خود نگاہ دارند و قیمت آں نقد

خط مسٹر آر۔ ٹی گیلن

موسومہ

(نواب) سید امان علی خان (گھڑیاں والے)

متعلق صفحہ ۱۵

نواب صاحب مشفق مہربان سلمکم

[illegible]

[illegible]

بدمہند - دریں خدمت تغافلے نباید کرد"

تحریر فی التاریخ یازدہم شوال سنہ جلوس معلّی (مطابق ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۹ء)

بچّے کے پلنگوں کے سوائے اور قسم کے پلنگ تسیجہ اور پنج سیجہ بھی بنتے تھے۔

رتھ اور بہلی

رتھ اور بہلی کی صنعت بھی یہاں قدیم سے ہے۔ یہاں کے بڑھئیوں میں بعض خاندان صرف رتھ اور بہلی بنانے کا کام کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ خوب بناتے ہیں۔ دور دور کے میلوں میں لے جاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ اگرچہ زمانۂ حال میں سواری کی دوسری ایجادوں نے اس صنعت پر خاص اثر ڈالا ہے لیکن پھر بھی یہ صنعت بالکل معدوم نہیں ہوئی۔

ڈھولک اور پتیاں

امروہہ میں ڈھولک اور پتیاں بھی اچھی بنتی ہیں اور دور دور جاتی ہیں۔ آم کی لکڑی ان کی ساخت میں استعمال ہوتی ہے۔

قالین سازی

امروہہ میں اس صنعت کے موجد صادق علی تھے جنھوں نے بیکانیر میں مرزاپور کے ایک جولاہے سے اس صنعت کو سیکھا اور امروہہ میں جاری کیا۔ نہایت خوبصورت اور سستے قالین یہاں تیار ہوتے ہیں ان کے لئے اون یہیں تیار کیا جاتا ہے۔ گڈریہ عورتیں اس کو کاتتی ہیں۔

امروہہ کی کشتی نما ٹوپیاں

تقریبًا پچیس برس پیشتر تک امروہہ میں ریشم اور کلابتون کے کام کی کشتی نما ٹوپیوں کی صنعت خوب رونق پر تھی۔ صدہا اشخاص اور بالخصوص بیشتر بیوہ عورتوں کی معاش کا انحصار اسی کام پر تھا۔ جب سے ترکی و ایرانی ٹوپیوں کے نئے نئے فیشن نکلنے لگے اس صنعت پر بھی اوس پڑ گئی۔

امروہہ کے باشندے

عہد قدیم کے باشندگان امروہہ کی تعداد کا صحیح اندازہ کرنا بہت دشوار ہے، تاہم لشکر اسلامی کی موجودگی سے یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ موجودہ آبادی سے اس وقت تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوگی۔ انگریزی حکومت کے ابتدائی زمانہ سے موجودہ زمانہ تک یہاں کے باشندوں کی جو تعداد مختلف سنین میں رہی ہے اس کا گوشوارہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

سنہ	کل تعداد باشندگان	کمی	بیشی
سنہ ۱۸۴۷ء	۷۱،۶۶۷ ※	۰	۰
سنہ ۱۸۵۳ء	۳۵،۲۸۴	۳۷،۳۸۴	۰
سنہ ۱۸۶۵ء	۳۲،۳۱۴	۲،۹۷۰	
سنہ ۱۸۷۲ء	۳۴،۹۰۴	۰	۲،۵۹۰
سنہ ۱۸۸۱ء	۳۶،۱۴۵	۰	۱،۲۴۱
سنہ ۱۸۹۱ء	۳۵،۳۲۰	۸۲۵	۰
سنہ ۱۹۰۱ء	۴۰،۰۷۷	۰	۴،۷۵۷
سنہ ۱۹۱۱ء	۴۲،۴۱۰	۰	۲،۳۳۳
سنہ ۱۹۲۱ء	۴۰،۴۴۸	۱،۹۶۲	۰

سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے منجملہ کل تعداد باشندگان نصف سے قدرے زائد عورتوں کی تعداد ہے اور نصف سے کچھ کم مردوں کی۔ شہر میں کل مکانات کی تعداد ۹۵۵۹ ہے۔ مختلف مذاہب کے پیروؤں کی تعداد حسب ذیل ہے:۔

※ معلوم ہوتا ہے یہ اعداد صحیح نہیں ورنہ آٹھ سال میں تقریباً اڑتیس ہزار باشندوں کی تعداد کم ہوجانا قرین قیاس نہیں ہوسکتا

مجموعی تعداد باشندگان امروہہ		ہندو			مسلمان			آریہ، عیسائی وغیرہ		
مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت
۱۹٬۹۸۵	۲۰٬۳۶۴	۱۰٬۱۷۸	۵٬۲۷۹	۴٬۸۹۹	۲۹٬۵۶۰	۱۴٬۳۴۴	۱۵٬۲۱۶	۷۱۰	۳۶۲	۳۴۸

ہندو باشندے

امروہہ کے ہندو باشندوں کی تعداد سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے ۱۰٬۱۷۸ ہے، جن میں ۵٬۲۷۹ مرد اور ۴٬۸۹۹ عورتوں کی تعداد ہے۔

اس شہر کے ہندؤں میں چھ مختلف قوموں کے لوگ ہیں یعنی (۱) برہمن (۲) ویش (۳) کھتری (۴) جاٹ (۵) کالستھ (۶) شودر۔ ان میں سے ہر ایک قوم کے بہت سے گوتر اور آل (خاندان) ہیں۔

برہمن برہمنوں میں یہاں سب سے زیادہ تعداد گوڑ برہمنوں کی ہے، اس کے بعد سارسوت کی۔ کان کبج، گوتم اور گجراتی برہمنوں کے صرف چند گھر ہیں۔

۱۔ گوڑ برہمن:۔ ان کا نکاس چونکہ ملک گوڑ (نواح بنگال) سے ہے اسلئے اس نام سے مشہور ہوئے۔ امروہہ میں ان کی تعداد تقریباً آٹھ سو ہے۔ ان میں تقریباً آٹھ ہی آل (خاندان) ہیں یعنی جوشی۔ تباڑی۔ شکل، چترویدی۔ مصر، پوٹھیہ۔ پانڈے اور کالئے۔ یہ لوگ ہندؤں کے اکثر محلوں میں ساکن ہیں۔

ان میں زیادہ قدیم خاندان پنڈت بھگوت دت ساکن بھاگیرت ٹولہ کا ہے۔ پنڈت جی کے اجداد میں تھمل داس مصر منجم، طبیب اور مذہبی علوم میں خاص قابلیت رکھتے تھے۔ عہد محمد شاہ پادشاہ میں حسب ذیل پروانہ کے ذریعہ ان کو قوم ہنود ساکنان امروہہ کا عہدہ چوکرایتی دیا گیا تھا:۔

نقل پروانہ

عاملان حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل	پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل متعلق صوبہ دار السلطنت شاہجہاں آباد
مضافات صوبہ دار الخلافہ شاہجہاں آباد بدانند۔	(دہلی) کے حکام کو معلوم ہو کہ ہمارے سامنے ظاہر کیا گیا ہے
دریں ولا بظہور پیوست کہ نتھے مل مصر در طریقہ برہمنی	کہ نتھے مل مصر ہندؤں کے مذہبی علم سے خوب واقف ہے
خیلے خبردار و بحسب منجمی و طبابت بسیار ہوشیار ست	اور منجمی اور طبابت میں بھی بہت ہوشیار ہے لہذا اس کے
لہذا نظر بر استحقاق او نمودہ چوکراتی قوم برہمنان	استحقاق کو مدنظر رکھکر برہمنوں کی چوکراتی کا چھٹا حصہ
ششم حصہ در سوم یک تنکہ شادیانہ ہنگام شادی	اور امروہہ کے ہندؤں میں بیاہ شادی کے موقع پر
کتخدائی و کار خیر و تولد فرزند شرفا و غربا قوم ہنود	اور کار خیر میں اور ہندؤں کے شرفا اور غریبوں میں
ساکنان قصبۂ مذکور مقرر نمودہ شد باید کہ متأ الیہ	بیٹے کے پیدا ہونے کی تقریبوں کے موقع پر ایک تنکہ بطور حق دیا جانا
را در چوکراتی دخیل کنانیدہ وجہہ مقررہ می دہانیدہ	مقرر کیا گیا لہذا چاہئے کہ نامبردہ کو چوکراتی پر دخل دلا کے مقررہ
باشند بوجہے اہمال نسازند۔ دریں باب تاکید	حق دلاتے رہیں اور کسی وجہہ سے اس میں دریغ نکریں اور
دانستہ حسب المسطور بعمل آرند۔	اس معاملہ میں تاکید جانکر حسب ہدایت عمل کریں۔
تحریر فی التاریخ بست ہفتم شہر صفر سنہ ۶ مطابق سنہ ۱۱۵۷ھ	مورخہ ۲۷ ماہ صفر سنہ ۶ جلوس مطابق سنہ ۱۱۵۷ھ ۱۷۴۴ء

نتھے مل داس مصر کے لال من داس مصر ان کے کیسری مل مصر ہوئے۔ کیسری مل مصر کے پانچ بیٹے ہوئے۔ راجی مل، ہر سہائے، رام نرائن، رام پرشاد اور سالگ رام۔ راجی مل کے پوتے پنڈت بھاگوت دت مصر ہیں۔ دوسرے اشخاص کی اولاد میں پنڈت برج بلبھ ولد سندر لال وغیرہ ہیں۔

شاہان اسلام کی جانب سے جہاں مسلمان فقراء و مشائخ کو روزینے ملتے تھے وہاں اہل ہنود کے پروہتوں اور پنڈتوں کی بھی مدد معاش مقرر تھی۔ روزینہ کی فہرست میں امروہہ کے متعدد برہمنوں کے نام نظر آتے ہیں۔ مثلاً سنہ ۱۱۸۰ھ میں امروہہ کے حسب ذیل پنڈتوں کو مدد معاش میں اسلامی سلطنت کی جانب سے روزینہ ملتا تھا:-

رام کشن چوبے، ممن سکھ مصر، صاحب رائے، نند رام گجراتی، انگن برہمن، والی مصر سکھا مصر
۲۵دام ۲۵دام ۲۵دام ۲۵دام ۲۵ دام ۲۵دام ۲۵دام ۲۷دام

اس قسم کی مدد معاش بہت پہلے سے مقرر تھی شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں بھی بدستور ملتی رہی، مسلمان بادشاہوں کے ظلم و ستم کے افسانے تراشنے والے ذرا ان باتوں پر بھی نظر رکھیں، سلطنت اور رعایا کے ان تعلقات کو بھی تو دیکھو اور پھر جو دل چاہے کہو۔

تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

گوڑ برہمنوں میں پنڈت ہری رام تیواڑی، بوڑھیہ چھدمی لال ساکنان محلہ چوک، چوبے بدن لال ساکن محلہ کوٹ، قابل تذکرہ ہیں۔ ان ہی میں جوشی بھی شامل ہیں۔ جوشی حقیقتاً جوتشی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ان میں پنڈت گلاب سنگھ جوشی بی۔ اے سب جج پرتاب گڈھ اور ان کے بھائی پنڈت نند کشور جوشی وکیل امروہہ نامور ہیں۔ چترویدیوں میں چوبے بھاگوت داس ولد چوبے موہن لال کا خاندان ہے جو اپنے زمانہ کے بڑے ساہوکار تھے۔ ان کی ہنڈی چلتی تھی۔ ان کی نسل میں چوبے کنج بہاری ہیں جو ملکی کاموں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

۲۔ سارسوت برہمن :۔ ان کے بزرگ ابتداءً دریائے سرسوتی (پنجاب) کے قریب کے رہنے والے تھے اسلئے سارسوت کہلائے۔ ان میں بھی مختلف آل (خاندانوں) کے لوگ ہیں امروہہ میں ان کے تقریباً سات آل ہیں یعنی سنڈھ، شوہری، کلہہ، پاٹھک، بھارت دواجی ترویدی اور جوشی۔ ان کی تعداد بمقابلہ گوڑ برہمنوں کے بہت کم ہے یعنی امروہہ میں تقریباً تین سو کی تعداد ہے جو زیادہ تر محلہ کالا کنواں، بڑا بازار اور چوک وغیرہ میں رہتے ہیں۔ محلہ کالا کنواں پر پنڈت کامتا پرشاد اور ان کے فرزند پنڈت گیا نند اور محلہ جاٹ بازار میں ڈاکٹر چندی پرشاد اور ان کے بھائی حکیم روپ کشور ان میں نامور ہیں۔ ڈاکٹر چندی پرشاد ترویدی غالباً اپنی قوم کے پہلے فرد ہیں جنہوں نے اپنے فرقہ کی قدامت پسندی کے خیالات کے خلاف سمندر پار جا کر انگلستان سے D.P.H. (ڈپلومہ آف پبلک ہیلتھ) کی سند حاصل کی۔ فی الحال کانپور میں ہیلتھ افیسر کے

عہدہ پر مامور ہیں۔

۳- کان کبج برہمن ان کا نکاس قنوج سے ہے اسلئے کان کبج کہلائے - ان کی تعداد امروہہ میں بہت کم ہے، ان میں ایک شخص جوگل کشور ساکن محلہ منڈی چوب ایام غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے نامور طبیب تھے - شعر و سخن سے بھی ذوق تھا مگر شعر ایسا کہتے تھے کہ بہ ظاہر موزوں ہوتا تھا مگر مطلب خبط - یہ شعر ان کا مشہور ہے ؎

اس کے غم میں مجکو اک رونا بہانا ہوگیا　　　اشک جو آنکھوں سے نکلا پنبہ دانا ہوگیا

اس کے علاوہ گوتم اور گجراتی برہمنوں کے بھی چند گھر امروہہ میں ہیں جو محلہ کوٹ وکالا کنویں میں ساکن ہیں۔

اس کے علاوہ ڈرنے بھی امروہہ میں ہیں جو برہمن ہونے کے مدعی ہیں لیکن برہمن ان کے دعوے کو تسلیم نہیں کرتے - ان کے نسب کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ برہمن مرد اور شودر عورت سے یہ نسل چلی - یہ لوگ عام طور سے جوتشی کا پیشہ کرتے ہیں اور خیرات لیتے ہیں۔

ویش ویشوں میں اگروال، گہوئی، مہلیسری، کھنڈیل وال خاندانوں کے لوگ امروہہ میں ساکن ہیں - ان میں کوئی خاندان یہاں زیادہ قدیم نہیں ہے، مہاجنی ساہوکاری اور غلہ وغیرہ کی تجارت ان کا عام پیشہ رہا ہے - اسی کی بدولت بعض خاندانوں نے اچھی دولت اور زمینداری و جائداد معافی پیدا کی - محلہ کوٹ کے اگروال ویشوں میں چند افراد نے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی ہے۔

۱- اگروال :- ان کا نکاس اگروہہ (علاقہ ہریانہ) متصل ضلع حصار (پنجاب) سے ہے اسلئے اگروال کہلائے - بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ میں یہ لوگ اپنے قدیم وطن سے منتشر ہوئے - ان کی آبادی زیادہ تر محلہ کٹرہ غلام علی، بیگم سرائے، بڑا بازار اور محلہ کوٹ میں ہے۔

کٹرہ غلام علی کے اگروال ویشوں میں لالہ نند کشور ولد لالہ گنگا رام کا خاندان ہے - ان میں

ساہو نکلٹیش پرشاد امروہہ میونسپلٹی کے سب سے پہلے چیرمین اپنے عادات وخصائل کے اعتبار سے نیک نام دہردل عزیز ہیں۔ اسی محلہ میں ڈاکٹر نردوتم سرن، لالہ بدھری جی وغیرہ ہیں۔ محلہ سرائے میں خزانچی نند کشور اور لالہ بابو لال کا خاندان ہے۔

محلہ کوٹ میں اگروال ونشیوں کے دو خاندان ہیں۔ پہلا خاندان لالہ جوہری مل کا ہے جو ایام غدر ۱۸۵۷ء میں امروہہ کے متمول اور مشہور ساہوکار تھے۔ ان کے فرزند لالہ گوبند پرشاد کے اولاد صلبی نہ تھی اسلئے ساہو دیوکی نندن کو جن کا حال ہی میں انتقال ہوا، اپنا متبنیٰ کیا۔ ساہو موصوف کے بھی اولاد پسری نہیں۔ اسی خاندان میں لالہ جگموہن سرن اور لالہ برج نندن پرشاد میونسپل کمشنر بھی ہیں۔ اگروالوں کے اسی خاندان کی دوسری شاخ میں ساہو بنواری سرن کا خاندان ہے جن کے لائق فرزند رام بلّب سرن بی۔ اے بی۔ ٹی انجہانی غالباً اپنی قوم کے پہلے فرد تھے جنھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ ۹ر مارچ ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے۔ اکیس ۲۱ سال کی عمر میں الہ آباد یونیورسٹی سے بی۔ اے۔ کی سند حاصل کی۔ انگریزی علم ادب اور اقتصادیات (Political Economy) کے ساتھ عربی فارسی ان کے مضامین میں داخل تھی۔ درس تدریس سے خاص دلچسپی کی بنا پر ہندو اسکول امروہہ کی ہیڈ ماسٹری کا عہدہ قبول کیا، ایل۔ ٹی کا امتحان بھی پاس کیا اور اپنے فرائض کو نہایت خوبی دخوش اسلوبی سے انجام دیا۔ وسیع الخیال اور ہندو مسلم اتحاد کے عملاً حامی تھے۔ افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ عین عالم جوانی میں ۱۷ر اگست ۱۹۲۱ء کو عالم آخرت کو کوچ کیا۔ ان کے دونوں بھائی ساہو بابو رام اور ساہو برج موہن بھی اپنے کاروبار میں ہوشیار ہیں۔ اسی خاندان میں ڈاکٹر پریم ناتھ اور بابو سوم ناتھ بی۔ اے پسران لالہ بھولا ناتھ اور بابو رام کشن بی۔ اے ایل ایل بی وکیل امروہہ انکے برادر حقیقی بابو کشوری لال بی۔ اے ایل ٹی بھی ذی لیاقت ہیں۔ لالہ منا لال اور لالہ بدری پرشاد بھی اسی خاندان سے ہیں۔

محلہ کوٹ میں اگروال کا دوسرا خاندان بابو رام سروپ پروفیسر ٹیچرس ٹریننگ کالج

لکھنؤ کا ہو انکے بھائی بھی محکمہ جنگلات میں کنسر ویٹر کے عہدہ پر مامور ہیں۔

۲۔ گھی:۔ ان کی وجہ تسمیہ کے متعلق ایک روایت یہ ہو کہ گھی کا روزگار زیادہ کرتے تھے اور دوسرے یہ کہ ویشیوں میں گھٹیا ہیں اسلئے گھی کہلائے یہ لوگ زیادہ تر محلہ کالی گڑی، کالا کنواں اور چوک میں رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض خاندانوں نے دادوستد کے کاروبار کی بدولت جائداد معافی و زمینداری بھی پیدا کرلی ہو۔ ان میں لالہ جھبا لال ولد لالہ بیجا ناتھ مینجر ہندو اسکول، انکے برادرزادہ لالہ مدن موہن میونسپل کمشنر، لالہ جوگل کشور ولد لالہ کنہئی لال انکے بھائی لالہ بحث بہاری، لالہ رگھبیر سرن بی۔اے ایل ایل بی آنریری اسسٹنٹ کلکٹر لالہ مولچند پسران لالہ بالک رام، لالہ مہابیر پرشاد ولد لالہ جھاؤمل و لالہ جگت نرائن ممتاز ہیں۔ محلہ کوٹ میں گہی ویشیوں کا ایک خاندان لالہ ملرام کا ہو جن کی اولاد میں بابو ہزاری لال قانون گو اور بابو رام سیکرٹری آریہ سماج اور لالہ جگدیش سرن ہیں۔

۳۔ مہیشری:۔ ان کا نکاس رہتاس گڈھ سے بتایا جاتا ہو۔ زیادہ تر یہ لوگ بڑا بازار اور جاٹ بازار میں رہتے ہیں۔ لالہ نانک چند میونسپل کمشنران میں نامور ہیں

۴۔ کھنڈیل وال:۔ ان کا نکاس بھرت پور سے ہو۔ امروہہ میں ان کی تعداد کم ہو اور زیادہ تر محلہ کوٹ میں ساکن ہیں۔ ان میں ایک نوجوان گریجویٹ ہیں۔

کھتری

کھتریوں کا شمار بعض لوگ ویشیوں میں کرتے ہیں۔ ان کے نسب کے متعلق یہ روایت مشہور ہو کہ راجپوت مرد اور ویشیہ عورت سے جو نسل چلی وہ کھتری کہلائی[1] یہ لوگ زیادہ تر کوچہ کھتریان، بڑا بازار میں ساکن ہیں، ان میں ٹنڈن وغیرہ گوتی اہل کے لوگ ہیں۔ مہاجنی کپڑے و غلہ وغیرہ کی تجارت عام پیشہ ہو۔ اسی کی بدولت بعض خاندانوں نے کافی جائداد بھی پیدا کی ہو۔ لالہ آنند سروپ آنریری مجسٹریٹ اور انکے برادرزادہ لالہ راجہ رام، لالہ منگل سین میونسپل کمشنران میں متمول اور نمودار ہیں۔

---

[1] ضمیمہ میوائس سرہنری ایلیٹ صفحہ ۲۹۹۔

جاٹ اس قوم کے نسب کے متعلق مختلف روایات ہیں، بعض ان کو راجپوتوں کی شاخ سمجھتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ یہ غیر آریہ ہیں، بعض ان کو انڈو سیتھین (Indo Sythian) کہتے ہیں لیکن قول مرجح یہ ہے کہ یہ لوگ گڈھ غزنی (کابل) سے ہندوستان آئے۔ غزنی میں "یوتی" Yu-ti نام ایک قوم کا پتہ چلتا ہے جو قدیم زمانہ میں وہاں سے ہندوستان آئی[1]۔ عربی تاریخوں میں بھی "زط" یعنی جٹ قوم کا تذکرہ ملتا ہے جو قدیم زمانہ میں جنوبی ایران سے عراق عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہندوستان کے جاٹوں کی خاندانی روایتوں میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کا نکاس گڈھ غزنی سے ہے۔ بہرحال ان کے نسب کے متعلق کوئی روایت بھی صحیح ہو ان کی دو بڑی شاخیں ہیں یعنی دیس والے اور پچھاڈے۔ امروہہ اور یہاں کے قرب وجوار کے جاٹ زیادہ تر پچھاڈے ہیں یعنی پچھم سے آئے ہوئے۔ پنجاب میں جاٹوں کا زیادہ حصہ مسلمان ہے۔ امروہہ میں پہلے ان کی آبادی زیادہ تر "جاٹ بارہ" میں تھی جسے اب جاٹ بازار کہا جاتا ہے۔ یہاں ناظر (بعد میں راجہ) گور سہائے والد ہربت سنگھ کی سکونت بھی تھی۔ بعد میں یہ لوگ مرادآباد جا رہے۔ اب ان جاٹوں کی آبادی زیادہ تر محلہ قریشی میں ہے۔ ان میں چودھری ہیت رام اور چودھری منگل سین نمودار ہیں۔

کائستھ کائستھوں کے نسب کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں۔ منوجی کے قدیم تقسیم اقوام کے مطابق کائستھوں کا شمار ان چار ذاتوں یعنی برہمن، چھتری، ویش اور شودر میں سے کسی میں نہیں ہوتا لیکن جو لوگ ان کا شمار شودروں میں کرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں[2]۔ کائستھ ہندوستان کی شریف قوم ہیں۔ ان میں سے سورج دھج خاندان کچھ عرصہ امروہہ پر حکمراں رہا ہے۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب پرس رام نے چھتریوں کی نسل کا قلع قمع کر دیا تو ان کی حاملہ عورتیں غنیم کے خوف سے مفرور اور روپوش ہو گئیں اور جو بچے ان سے پیدا ہوئے وہ کائستھ یعنی جسموں کے اندر چھپے ہوئے کہلائے۔

---

[1] میموائرس سر ہنری ایلیٹ صفحہ ۱۳۳ --- [2] "جاتی مالا" کے مصنف نے کائستھوں کا شمار شودروں میں کیا ہے

کائستھ کا لفظ سنسکرت زبان کے الفاظ काय بمعنی جسم اور स्थ باقی یا پوشیدہ سے مشتق بتایا جاتا ہے۔ بہر حال ان کے نسب کے متعلق کوئی روایت بھی قابل قبول ہو یہ قوم ذہانت اور علم ودانش میں ایک نامور اور ممتاز قوم ہے۔ مسلمانوں کے عہد سلطنت میں دفاتر اور دارالانشاء کا کام زیادہ تر اسی قوم کے افراد کرتے تھے۔ ان میں صدہا اشخاص فارسی کے خوش استعداد ادیب شاعر اور عالم ہوئے، عربی وفارسی کی تعلیم ان میں عام تھی۔ اکثر کائستھ خاندانوں کے افراد اسلامی دینیات قرآن شریف وغیرہ کی تعلیم بھی حاصل کرتے، مشائخ اور اولیاء اللہ سے عقیدت رکھتے اور بعض اسلامی طرز سے عبادت بھی کرتے تھے۔ امروہہ کے بعض کائستھ خاندانوں کو حضرت قطب عالم شاہ اعزّالدینؒ اور شاہ ولایتؒ سے خاص عقیدت تھی۔ نصف صدی پیشتر تک یہ لوگ ان حضرات کے عرس کا انتظام بھی اچھے پیمانہ پر کرتے تھے اور بعض اب بھی کرتے ہیں۔ انگریزی عہد میں ہندوستان کے کائستھوں نے علوم مروجہ کی تحصیل اور مغربی طرز معاشرت کے اختیار کرنے میں بہ نسبت اور اقوام کے فوقیت حاصل کی ہے۔ امروہہ کے کائستھوں میں بھی بعض افراد نے انگریزی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اور اچھے عہدوں پر مامور ہیں۔

کائستھوں میں بھی ہندوؤں کی اور قوموں کی طرح متعدد شاخیں ہیں جن میں سے خاص یہ ہیں:۔ ماتھر، بھٹناگر، سکسینہ، سورج دھج، سری باستب، گور، کرن، نگم، بالمیک، اشٹ، ایتھانہ، کالسرشٹ۔ ان میں اوّل الذکر چار خاندانوں کے لوگ امروہہ میں آباد ہیں۔

۱۔ ماتھر کائستھ:۔ ماتھر کائستھوں کا نکاس متھرا سے بیان کیا جاتا ہے اسلئے ماتھر کہلائے۔ ان میں بھی یہاں تین خاندان ہیں۔ ایک خاندان قانون گویان ساکن محلہ چوک کا دوسرا

(گذشتہ سے پیوستہ)
کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایک شودر بہوتی دت نامی اپنے فرائض کی بجاآوری میں ایسا ہوشیار اور کارگذار تھا کہ جس شاہزادے کا ملازم تھا اس نے "کائستھ" کا خطاب اسے دیا۔ سنسکرت میں "کے" کے معنی "گھر" کے اور "ستھتی" کے معنی توطن پذیر ہونے کے ہیں۔ خاکسار مؤلف کو اس توجیہ سے اتفاق نہیں ہے۔ (میمو ائرس سر ہنری ایلیٹ)

بڑھ تلے والے کایستھوں کا، تیسرا خاندان ساکنان محلّہ کالا کنواں کا۔

خاندان قانون گویان کے مورث لالہ متھرا داس ولد لالہ رام داس بعہد شہنشاہ جلال الدین اکبر دہلی سے امروہہ آئے اور تیرہ مواضعات پرگنہ امروہہ کے عہدہ "چودھرائی وقانون گوئی و مقدمی" پر مامور ہوئے۔ لالہ متھرا داس کے دو فرزند ہوئے لالہ پرمانند اور لالہ سری رام یہ دونوں بھائی بعد وفات اپنے والد لالہ متھرا داس کے حسب فرمان شہنشاہ نور الدین جہانگیر مجریہ ۲۷۔ ماہ ابان سنہ جلوس مطابق سنہ ۱۰۲۱ھ خدمت آبائی یعنی "چودھرائی وقانون گوئی و مقدمی پر مامور رہے۔ لالہ سری رام کو سنہ ۱۰۲۵ھ میں ایک سو بگیہ آراضی معافی حسب فرمان مندرجہ ذیل نسلاً بعد نسلٍ مدد معاش میں عطا ہوئی۔ اللہ اکبر۔

دریں وقت میمنت اقتران فرمان عالی شان سعادت نشان شرف اصدار وعز ایراد یافت که سوازی یک صد بگیہ زمین یک حصّہ مزروع و سہ حصّہ افتادہ از موضع سرسرام پور پٹیہ متورہ من اعمال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل از ابتدائے خریف اوائیل در وجہ انعام سری رام بافرزندان حسب الضمن مقرر ومفوض باشد کہ حاصلات آں را فصل بہ فصل وسال بسال در وجہ معیشت خود خرچ وصرف نمودہ بدعا گوئی دوام دولت ابد قرین اشتغال نمودہ باشند می باید کہ حکام وعمال وجاگیر داران وکروریان حال واستقبال در استمرار واستقرار ایں حکم اقدس واعلیٰ کوشیدہ آراضی مذکورہ را پیمودہ وچک بستہ بتصرف مشار الیہم بازگذاشتہ اصلاً تغییر وتبدل بداں راہ نہ دہند .... الخ۔

تحریر بتاریخ غرہ اردی بہشت ماہ الٰہی سنہ جلوس مطابق سنہ ۱۰۲۵ھ ۱۶۱۵ء۔

لالہ سری رام کی اولاد امروہہ میں نہیں ہے ان کے بھائی لالہ[1] پرمانند کی نسل میں قانون گوئی کا

---

[1] رائے بہادر بابو شیونرائن آنجہانی نے اپنے خاندانی حالات کے متعلق ایک مطبوعہ تحریر میں بیان کیا ہے کہ لالہ پرمانند کے فرزند رگھناتھ داس "آخر زمانہ شاہجہاں اور شروع زمانہ اورنگ زیب بادشاہ میں وزیر تھے" ۔ اس عہد کی متعدد مستند کتب تاریخ مطبوعہ وقلمی موجود ہیں اور تقریباً تمام کتب خاکسار مؤلف کے زیر مطالعہ رہی ہیں لیکن ان میں

عہدہ متوارث ہوگیا اور اسی وجہہ سے یہ خاندان "قانون گویوں" کا خاندان مشہور ہے۔ ان میں لالہ محکم سنگھ قانون گو تھے جو رائے بہادر بابو شیو نراین کے اجداد میں چھٹی پشت میں ہوئے ہیں ان کے نام سے "محکم سرائے" آج تک مشہور ہے۔ لالہ محکم سنگھ کے فرزند لالہ شیام لال' ان کے فرزند لالہ جواہر مل اور انکے فرزند لالہ جے گوپال ہوئے' یکے بعد دیگرے آبائی عہدے پر مامور رہے آخر الذکر ایام غدر ۱۸۵۷ء میں امروہہ کے قانون گو تھے۔ ان کے علاوہ اس زمانہ میں دوسرے قانون گو ہر پرشاد تھے جو خاندان ساکن محلہ کالا کنوئیں میں سے تھے۔ ان دونوں کی شہادت بھی سید شبیر علی خان کے خلاف مقدمۂ بغاوت میں ہوئی تھی۔ لالہ جے گوپال کے دو لایق فرزند تھے لالہ چھید الال اور بابو جگت نراین۔ اول الذکر ابتداءً شکوہ آباد کے منصف اور بعد میں سب جج رہے۔ ان کے دو ہی فرزند ہوئے یعنی رائے بہادر بابو شیو نرائن اور بابو دھرم نرائن۔ رائے بہادر موصوف حکومت کے خیر خواہ' نیک نام رئیس' درباری' اسپیشل مجسٹریٹ درجۂ اول' چیرمین امروہہ میونسپل بورڈ' اپنے عادات و خصائل کے اعتبار سے ہر دل عزیز تھے۔ مفاد عامّہ کے کاموں میں اپنے اوقات کا بیشتر حصّہ صرف کرتے تھے' ان ہی خدمات کے اعتراف میں آپکو سنہ ۱۹۲۰ء میں "رائے بہادر" کا خطاب حکومت نے عطا کیا۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں انتقال ہوا۔ انکے لایق و

(گذشتہ سے پیوستہ)

کوئی تذکرہ لالہ ہرجناتھ کی وزارت یا کسی اعلیٰ منصب پر مامور ہونے کا نہیں ملا۔ ایک دوسری مطبوعہ انگریزی تحریر میں بیان کیا گیا ہے کہ رائے بہادر موصوف کے اجداد شاہان مغلیہ کے عہد میں خطاب یافتہ اور جاگیردار تھے۔ اس کا بھی خاکسار مؤلف کو کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملا اور نہ کوئی فرمان دکھلایا گیا۔ "قانون گوئی وجوہ ہرائی د مقدّمی" کا عہدہ دار تو منصبدار بھی نہیں ہوتا تھا اور خطاب صرف اعلیٰ منصبدار کو عطا ہوتا تھا اور جاگیر بھی منصبدار کو ملتی تھی۔ ملک مدد معاش اور معافی جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں "سیورغال" کہتے تھے البتّہ اس قسم کے عہدہ داروں کو دی جاتی تھی۔ مثلاً ملک مندرجہ فرمان موسومہ لالہ سر برام۔ ہندوستان کے اکثر مقامات پر کالستھ خاندان کے افراد عہد حکومت اسلامی میں قانون گوئی کے عہدہ پر مامور رہے ہیں۔ کفایت شعاری و سلامت روی سے اکثر خاندانوں نے اچھّی اچھّی ......

وہونہار فرزند بابو کاشی نرائن بھی ذی لیاقت اور ہردلعزیز ہیں۔ رائے بہادر کے برادر حقیقی بابو دھرم نرائن ذی لیاقت و خوش اخلاق ہیں، علی گڈھ کالج کے ابتدائی دور میں تین سال تک تعلیم حاصل کی سنہ ۱۸۹۴ء میں کلکٹری مرادآباد میں کچھ عرصہ عہدہ دار رہے سنہ ۱۹۲۰ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ مرادآباد کے چیرمین منتخب ہوئے تین سال تک عمدگی سے ان خدمات کو انجام دیا۔ آج خانہ نشین ہیں۔ انکے ایک صاحبزادے برج نرائن سلمہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں سنہ ۱۹۲۵ء میں بی۔اے کی سند حاصل کی۔

بابو چھیدالال کے بھائی بابو جگت نرائن باوجود متمول اور ذی مقدرت ہونے کے محض دلچسپی کے لحاظ سے اپنے موروثی عہدہ قانون گوئی کا کام بذات خود انجام دیتے رہے۔ امروہہ میں بڑے نیکنام اور ہردلعزیز تھے۔ ان کے بھی دو ہی فرزند ہوئے بابو ہر نرائن اور بابو رام نرائن۔ بابو ہر نرائن صاحب سنہ ۱۹۱۳ء میں آنریری مجسٹریٹ ہوئے، سنہ ۱۹۲۵ء سے اسپیشل مجسٹریٹ ہیں۔ میونسپل اور پبلک معاملات سے دلچسپی ہے۔ اپنے اصول کے پابند اور فرض شناس ہیں۔ اصالتاً رائے بہادر خطاب ملا ہے۔ دوسرا قدیم اور ذی وجاہت خاندان بڑے ٹیلے والے ماتھر کایستھ صاحبان کا ہے۔ خاکسار مؤلف نے اس خاندان کے دیرینہ کاغذات دیکھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ مجبوراً صاحب تاریخ اصغری کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں، وہ اس خاندان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ:۔ ؎

اگرچہ کوئی شجرہ یا فہرست یا فرمان دستیاب نہیں ہوا مگر بعض اولاد رائے بختاور سنگھ سے سنا گیا کہ ہیارام جن کے باپ صورت سنگھ ملقب بہ کروری تھے سہارنپور سے امروہہ میں آئے جس کو تخمیناً ساڑھے تین سو برس کا عرصہ ہوا، بیٹے ان کے دولت رائے دفتر بادشاہی کے افسر مقرر ہوئے اور حسن خدمت کے صلہ میں بہ خطاب رائے سرفراز ہوئے۔ ان کے بیٹے رائے بختاور سنگھ جن کے نام سے ٹیلہ مشہور ہے، وکیل بادشاہ ہوئے اور رائے کا خطاب پایا۔ انکے پانچ بیٹے ہوئے، ایک رائے سلامت سنگھ دوسرے راو نعمت سنگھ تیسرے راحت سنگھ چوتھے امانت سنگھ پانچویں ٹیک رائے۔ یہ پانچوں بھائی بادشاہ کی معزز نوکریوں پر شل

رسالداری وغیرہ کے مامور رہے۔ نعمت سنگھ کو راؤ کا خطاب ہوا اور عہد نواب وزیر بہادر میں رائے سلامت سنگھ نے پچیس برس تک بھوجپور وغیرہ کی تحصیلداری کی اور امانت سنگھ کو کام سائر کا ملا اور عملداری صاحبان عالی شان (ایسٹ انڈیا کمپنی) میں بھی اکثر آدمی اس خاندان کے عمدہ عمدہ عہدوں پر مقرر ہوتے رہے الخ"۔ [1]

موجودہ زمانہ میں بھی بابو چھیل بہاری لال بی۔اے۔ عرصہ تک ڈپٹی کلکٹر رہے اب کسی ریاست میں دیوان ہیں، پرانی تہذیب کا نمونہ اور با اخلاق شخص ہیں۔ بابو شیو ناتھ سنگھ اور بابو گلشن بہاری مختار عدالت اسی خاندان میں ہیں۔ منشی منگن لال بھی جو کچھ عرصہ سے وادوستد کا کاروبار کرتے ہیں اسی خاندان سے ہیں۔

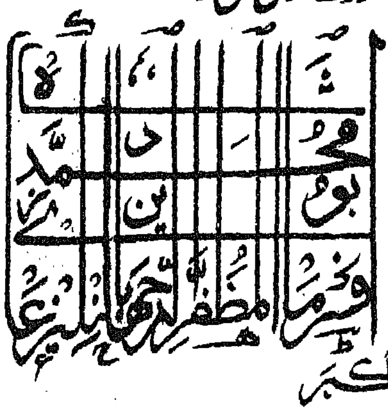
تیسرا خاندان ماتھر کائستوں کا محلہ کالا کنوئیں میں ساکن ہے۔ ان کے مورث لالہ گھنشیام داس [2] عرف ٹھاکر کہنا کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ابتدائے عہد مغلیہ میں امروہہ کے عہدۂ قانون گوئی پر مامور تھے اور ۲۵ مواضعات ان کے حلقۂ قانون گوئی میں شامل تھے [3] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

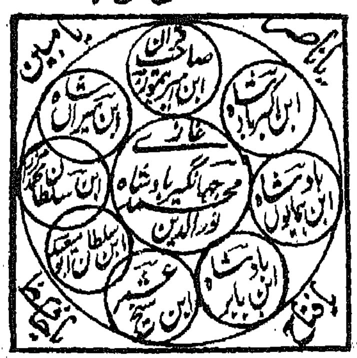
---

[1] تاریخ اصغری صفحہ ۱۵۔ [2] ان کا نام تاریخ اصغری نے لالہ کہن راج عرف ٹھاکر کہنا تحریر کیا ہے۔ [3] بابو بھگوتی سہائے وکیل امروہہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس خاندان کے مورث ٹھاکر گھنشیام داس نے جو متھرا میں سکونت رکھتے تھے، ہمایوں بادشاہ کو اس وقت کہ شاہ موصوف شیر شاہ سور سے شکست کھا کر سندھ جاتے ہوئے متھرا سے گذر رہے تھے امداد دی تھی جس کے صلہ میں اس بادشاہ نے ہندوستان پر دوبارہ تسلط کرنے کے بعد ۱۵۵۵ء میں ٹھاکر گھنشیام داس کو امروہہ میں ۲۵ مواضعات جاگیر میں دئے اور عہدۂ قانون گوئی پر مامور کیا۔ عطائے جاگیر کا کوئی فرمان نہیں دکھایا گیا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواضعات جاگیر میں نہیں دئے گئے تھے بلکہ ان مواضعات کی قانون گوئی پر ان کا تقرر ہوا تھا۔ قانون گو کے پروانۂ تقرری میں مواضعات کی تفصیل درج ہوا کرتی تھی، فارسی تحریر سے ناواقفیت کی بنا پر ان مواضعات کو جاگیر سمجھ لیا گیا۔ قانون گو کے کسی عہدہ دار کو ایسی بڑی جاگیر کا دیا جانا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ علاوہ ازیں ۱۵۵۵ء جس میں یہ جاگیر عطا ہونا بیان کی جاتی ہے، مطابق ہوتا ہے ۹۶۲ھ سے اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ہمایوں بادشاہ ایران چلا گیا تھا

بابو بھگوتی سہائے بی۔اے، ایل ایل بی وکیل امروہہ نے اس وقت جبکہ کتاب کی طباعت کا کام تقریباً ختم ہو چکا تھا عہد جہانگیری کا اصل فرمان خاکسار مؤلف کو دکھایا جس کے ذریعہ ان کے اجداد میں سے سندر داس اور مہر رائے پسران راگھو داس کو بارہ مواضعات کا عہدہ چودھرائی و مقدمی اور پرگنہ امروہہ کا عہدہ قانون گوئی منجانب سلطنت اسلامی عطا ہوا تھا۔

فرمان کی عبارت سے ظاہر ہے کہ اس خاندان کے مورث جو ابتداءً ان عہدوں پر مقرر ہوئے "گھنشام داس عرف ٹھاکر کہنا" نہیں تھے بلکہ ان کا صحیح نام راگھو داس تھا۔ نیز عہدہ چودھرائی و مقدمی کے مواضعات کی تعداد ۲۵ نہیں بلکہ صرف ۱۲ تھی۔ ان بارہ مواضعات کو اس زمانہ کی اصطلاح میں "پتہ کنہال" سے موسوم کیا جاتا تھا۔ چونکہ اس فرمان کی عبارت سے خاندان کائستھ صاحبان ساکنان محلہ کالا کنواں کے خاندانی حالات پر یک گونہ روشنی پڑتی ہے اسلئے فرمان مذکور کے اندراج کی بدقت تمام ایک صورت نکالی گئی :-





چوں خدمت چودھرائی و مقدمی پتہ کنہال و قانون گوئی پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل
کہ دوازدہ مواضع از پتہ مذکور حسب الضمن براگھو داس قانون گوئی متعلق
بودہ چنانچہ دریں باب اسناد معتبر فرزندان او بدست دارند درینولا سندر داس
و مہر رائے پسران مومی الیہ بدرگاہ گیتی پناہ آمدہ منظر اشرف اقدس اعلیٰ

گذشتند و بعرض مقدس رسید که راگهو داس فوت شد حکم جهان مطاع گردون
ارتفاع [۱]............ به پدر آنها متعلق بوده بمشار الیها مفوض و
مرجوع بوده باشد که کما ینبغی بلوازم مذکور قیام و اقدام نموده در آبادانی و
[۲]............ سعی و دولتخواهی بجا آورند و نگذارند که در پته مذکور ظلمیه
و ستم شری کی واقعه شود۔ الخ۔

پشت فرمان پر حسب ذیل عبارت مع تفصیل مواضعات پته کهنال درج ہے

تفصیل مواضع پته کهناں بموجب یادداشت بدستخط جمدة الملکی مدار المهامی
اعتماد الدوله آنکه یادداشت چوں مواضع ذیل از اعمال پرگنه امروهه را که پته کهنال
نام است به راگهو داس چودهرائی و مقدمی آں مواضع و قانون گوئی امروهه سرکار
سنبهل تعلق داشته چنانچه اسناد معتبر بدست دارند و ....
سال لبال .... اعلی اشرف مهر پر سوال صورت ہیں
یافته است دریں ولا که مشار الیه ودیعت حیات سپرده سندر داس و هر رائے
فرزندان مشار الیه بدرگاه معلی آمده حکم شد که تعلقات مواضع مذکور بدستور سابق
به سندر داس و هر رائے فرزندان مومی الیه وا ولاد مقرر و مسلم دارند۔ شرح
حاشیه بدستخط جمدة الملکی مدار المهامی۔ اسناد خود را بنظر در آورده برطبق آں فرمان
عالی شان درباب چودهرائی مواضع مذکوره مرقوم سازند۔

دوازده مواضع با مزرعه متعلقه پته کهناں :۔

(۱) کهسکو پور (۲) موهن پور (۳) عسکری پور (۴) راہمور (۵) نصیر پور با مزرعه شیام پور
(۶) محمود پور (۷) منبهله (۸) مسعود پور (۹) رائے پور (۱۰) داس پور (۱۱) لماتا۔
(۱۲) دوله پور

---

[۱] و [۲] کاغذ دریده۔

ٹھاکر کنہیا کے پوتے کی شادی خاندان قانون گویان ساکن محلہ چوک میں ہوئی تھی، وہ اپنا نابالغ لڑکا چھوڑ کر فوت ہو گئے تھے، زمانہ نابالغی میں تمام کام ننھیال والوں نے کیا، بالغ ہونے پر جب انھوں نے اپنا کام واپس چاہا تو ننھیال والوں نے حق پرورش کا استغاثہ عہد جہانگیر میں کیا اس وقت ننھیال والوں کی خدمت کا لحاظ کر کے قانون گوئی کے مواضعات نصف نصف ان دونوں خاندانوں میں تقسیم کر دئے گئے۔ یہ روایت بابو بھگوتی سہائے بی۔ اے۔ ایل ایل بی وکیل امروہہ نے اپنے خاندانی حالات کے تذکرے میں قلمبند کر کے بھیجی ہے مگر خاندان قانون گویان کے اس فرمان عہد جہانگیری کے مضمون کے لحاظ سے، جس کا حوالہ کسی دوسری جگہ دیا گیا ہے یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ بہر حال واقعات جو کچھ بھی ہوں قانون گوئی کا عہدہ اس خاندان میں بھی عرصہ دراز تک رہا۔ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں لالہ مہر پرشاد قانون گو اس خاندان کے تھے، ان کے فرزند لالہ سلنت پرشاد بھی قانون گو رہے ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اسی خاندان میں منشی من موہن لال بوقت ضبطی ملک اودھ لکھنؤ میں سررشتہ دار تھے، اس خاندان کے اور لوگ بھی حکومت انگریزی کے اچھے اچھے عہدوں پر مامور رہے ہیں یا موجودہ زمانہ میں بابو گوبند سروپ جج، بابو گوپال سروپ ڈپٹی کلکٹر، رائے صاحب جھمید الال دیوان ریاست ناگود، جن کے چھوٹے بھائی بابو بھگوتی سہائے امروہہ میں وکالت کرتے ہیں، اس خاندان میں نامور ہیں۔

سکسینہ کائستھ:۔ ان کی آبادی زیادہ تر محلہ منڈی چوب میں ہے۔ ان میں اکثر لوگ پٹواری

(گذشتہ سے پیوستہ)

اور سلطان فرید خان الملقب بہ شیر شاہ سریر آرائے سلطنت تھا۔ اس سے پندرہ سال بعد ہمایوں ہندوستان واپس آیا ہے۔ ٹھاکر موصوف نے ہمایوں بادشاہ کی کوئی بڑی خدمت کی ہوتی جس کے صلہ میں وہ ۲۵ مواضعات کی جاگیر کے مستحق ہوتے تو قانون گوئی جیسے معمولی عہدہ کے بجائے ان کو کوئی بڑا منصب عطا ہوتا۔ اس اعتبار سے یہ روایت بھی ان روایتوں میں سے معلوم ہوتی ہے جو امروہہ کے ہندو مسلمانوں کے اکثر خاندانوں میں تعزز خاندانی کے سلسلہ میں مشہور ہیں لیکن کوئی تاریخی حیثیت ان کو حاصل نہیں۔

ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں جن میں لالہ بھولاناتھ اور لالہ دلواری لال وغیرہ نمودار ہیں۔

بھٹناگر کائستھ :- ان کا نکاس بھٹنیر سے ہے اسلئے بھٹناگر کہلائے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ سے اس قوم کے لوگ مسلمان بادشاہوں کے دفاتر میں ملازم رہے۔ سلطان موصوف کے فرزند نصیر الدین قراخان کی عنایت اس قوم کے بعض اشخاص پر مبذول رہی۔ صوبہ بنگال کی عنان حکومت جب اس شہزادہ نے اپنے ہاتھ میں لی بھٹناگر کائستھوں کے متعدد اشخاص اس کی ملازمت میں تھے۔ بعض مقامات پر اس قوم کے لوگوں نے قانون گوئی وغیرہ کی خدمات انجام دیں۔ شراب خوری کا رواج ان میں زیادہ تھا۔ امروہہ میں یہ خاندان بھاگیرت ٹولہ میں ساکن ہے۔ ان میں بھی لوگ پٹواری رہے ہیں۔ لالہ روشن لال تھانہ دار ان میں نمودار تھے۔

اہیر برا ہما پران میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ چھتری مرد اور ویش عورت کی نسل سے ہیں لیکن قول مرجح یہ ہے کہ اہیر راجپوتوں کی اس یادو بنسی شاخ سے نکلے ہیں جن کا پیشہ مویشی چرانے کا تھا۔ رامائن و مہابھارت میں ابھیرا (Abhiras) کا ذکر آتا ہے۔ دریائے تاپتی سے دیوا گڈھ تک قطعات زمین کو ابھیرانہ یعنی مویشی چرانے والوں کا ملک کہا جاتا تھا۔ ابتداءً اس قوم کو سیاسی اقتدار بھی حاصل رہا۔ فرشتہ اور خزانۂ عامرہ میں قلعہ اسیر گڑھ کو ان کی راجدھانی بتایا اور کہا گیا ہے۔ الغرض ان کی تین بڑی شاخیں ہیں نند بنس یادو بنس اور گوال بنس۔ امروہہ میں یادو بنسی اہیروں کی آبادی ہے جو زیادہ تر متصل محلہ کوٹ رہتے ہیں اور کچھ اہیر محکم سرائے وغیرہ میں آباد ہیں۔ روساء اور زمینداروں کے یہاں سواری بہلی بانی کی خدمت کرنا ان کا عام پیشہ رہا ہے۔

کاشتکاری پیشہ اقوام

ہندوؤں کی کاشتکاری پیشہ اقوام میں کاچھی (باغبان) اور لودہ قوم کے لوگ ہیں۔

کاچھی :- یہ قوم نہایت محنتی قوم ہے اور ہندوستان کے بڑے

حصّہ میں باغبانی وغیرہ ان کا موروثی پیشہ ہے۔

لودہ:- یہ بھی کاشتکاری پیشہ ہیں۔ ان کے نسب کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں، ایک یہ کھتری عورت اور اہیر مرد کی نسل ہیں دوسرے یہ کھتری مرد اور نیچ قوم کی عورت کی اولاد ہیں۔

شُودر اقوام

۱- **کھر بھونجا:-** ان کے متعلق روایت ہے کہ کہار مرد اور شودر عورت کی نسل سے ہیں۔ ان میں بھی سات گوتر یا شاخیں بیان کیجاتی ہیں یعنی کنوجیا، سکسینہ اور اترا ہا وغیرہ امروہہ میں یہ لوگ زیادہ تر اپنا پیشہ کرتے ہیں۔ تعداد بھی مختصر ہے۔

۲- **ہندو حلوائی:-** ان میں مختلف گوتر ہیں یعنی چھیلا، بکرا، دوبے، کنوجیا، تلبھونجا وغیرہ امروہہ میں ان کی تعداد بہت مختصر ہے اور اپنا پیشہ کرتے ہیں۔

۳- **دھوبی:-** دھوبیوں میں بھی مختلف گوتر ہیں یعنی نگھیا، کنوجیا، مگھیا، سیلوار، ہاتھم سری ہاتھم بہرکا، اجودھیا اور گوسر۔ امروہہ میں دھوبی زیادہ تر نگھیا گوتر کے ہیں۔ بہرکا گوتر کے تین چوتھائی دھوبی مسلمان ہیں جو زیادہ تر لکھنؤ وغیرہ میں پائے جاتے ہیں امروہہ میں صرف دو چار دھوبی مسلمان ہیں جو حال ہی میں باہر سے آگئے ہیں ورنہ زیادہ تر ہندو ہیں۔ ان کے عورت اور مردوں کی اخلاقی حالت بھی پست ہے۔ شراب نوشی کا بھی ان میں رواج ہے۔

۴- **چمار:-** یدما، وراہا اور برھما ویرتا وغیرہ، ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ ملّاح اور چنڈال عورت سے جو نسل چلی وہ چمار کہلائی۔ ان کی بھی سات گوتر بیان کی جاتی ہیں یعنی جتوا، کیان، کورل، حلبیوآرہ، جھوسیا، برہیریا اور کوری یا کورچیرا۔ آخر الذکر زیادہ تر اودھ میں ہیں اور جولاہہ کا پیشہ کرتے ہیں۔ چماروں کا عام پیشہ چمڑے کا کاروبار ہے۔ جسمانی ساخت کے اعتبار سے یہ قوم سیاہ فام بیان کی گئی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ گندمی رنگ چمار اور سیاہ فام برہمن شاذ ہوتا ہے۔

करिआ ब्रह्मन गोर चमार। इनके साथ न उतरिये पार

بمرورِ ایّام مختلف اقوام کے میل سے ان کے بعض افراد کے رنگ و روغن میں بھی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ امروہہ کے مختلف مقامات پر کنارہ آبادی ان کی سکونت ہے۔

۵۔ بھنگی:- پرانوں میں کہا گیا ہے کہ برہمن مرد اور شودر عورت کی اولاد بھنگی کہلائی۔ ہندوستانی قومیت کا سب سے ادنیٰ عنصر یہی مظلوم قوم ہے۔ مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے موسوم ہیں یعنی بھنگی، لال بیگی، خاکروب، حلال خور، مہتر، چوہڑا وغیرہ۔ ان میں جو لوگ اپنے ہندو آباؤ اجداد کے طریقہ پر رہے وہ لال گرو کی پوجا کرتے ہیں اور جو مسلمانوں کے تمدنی اثرات میں آ گئے لال بیگ کو مانتے ہیں۔ ان میں بھی مختلف گوتر ہیں یعنی بنی وال، بیلپروار، ٹانک، گہلاٹ، کھوکی، گاگرا، سروہی، چنڈالیہ، سرسا وال، سربیار۔ بھنگی بھی چند قوموں مثلاً دہانک، سیکری، راوت اور ہیلوں کو اپنے سے نیچ سمجھتے ہیں۔

مذہباً بھنگی نہ ہندو ہیں نہ مسلمان۔ بعض رسمیں مسلمانوں کی انھوں نے اختیار کر لی ہیں، مردوں کا دفن کرنا، لال بیگ کے نام کی قربانی کرنا اور مردوں کے تیجے کی رسمیں ان میں عام ہیں۔ عشق و محبت کے جذبہ کی قوت نے ہندو مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ اور اونچی ذات کے بعض لوگوں کو سوسائٹی کے قواعد توڑنے پر بارہا مجبور کیا ہے۔ آج بھنگیوں میں خوبصورتی کے جو نمونے نظر آتے ہیں وہ ان ہی تعلقات کا نتیجہ سمجھئے۔ یہ لوگ بھی شہر کی آبادی کے کنارے ہر چہار طرف آباد ہیں۔ بڑے خدمتی اور محنتی ہیں۔ ان کے علاوہ کوٹے، کمھار وغیرہ یہاں آباد ہیں۔

امروہہ کے مسلمان

سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری میں امروہہ کے مسلمانوں کی تعداد ۴۰،۴۴۸ تھی، جن میں مرد ۱۴،۳۴۴ اور عورتیں ۱۵،۲۱۶ شامل ہیں۔ بہ اعتبار نسب مسلمانان امروہہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی عربی النسل، عجمی النسل اور ہندی الاصل۔

عربی النسل

ان میں بھی تین مختلف شاخوں کے لوگ امروہہ میں ہیں یعنی ہاشمی قریشی اور انصاری۔ ہاشمیوں اور قریشیوں کے تو یہاں متعدد خاندان ہیں لیکن صحیح النسب انصاریوں کے صرف چند گھر ہیں۔

سادات بنی ہاشم:- امروہہ میں جتنے ہاشمی ہیں وہ سب ایک ہی دادا یعنی جناب عبدالمطلب کی نسل سے ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جناب ہاشم کے فرزندوں میں سوائے عبدالمطلب کے اور کسی کی نسل دنیا میں باقی نہیں۔

لیس فی الارض ہاشمی الا	سوائے اولاد عبدالمطلب بن ہاشم کے دنیا
من ولد عبدالمطلب بن ہاشم [1]	میں اور کوئی ہاشمی نہیں۔

جناب عبدالمطلب کے بھی صرف دو بیٹوں یعنی جناب ابوطالبؑ و حضرت عباسؓ کی نسل میں سے چند خاندان یہاں ہیں یعنی اولاد حضرت **علیؓ** اولاد حضرت **عقیلؓ** اولاد حضرت **جعفر طیارؓ** ابنائے جناب ابوطالب اور اولاد حضرت **عبداللہ بن عباسؓ**۔

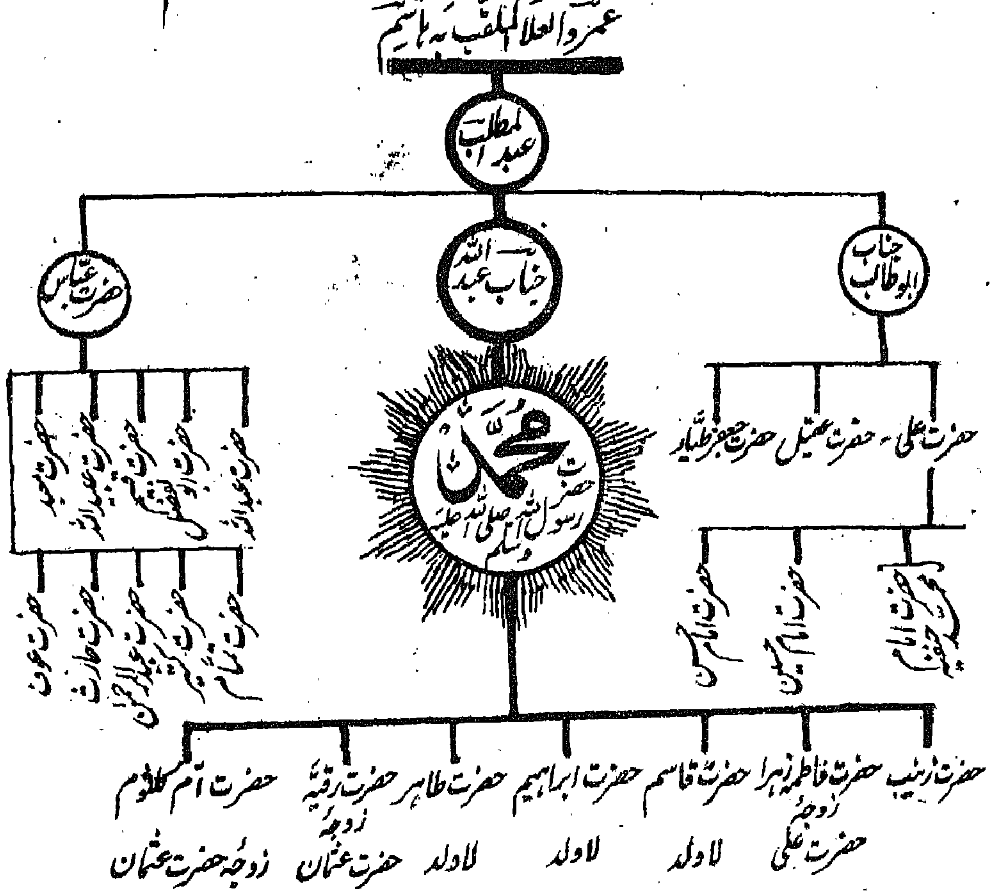
بہ اعتبار حسب و نسب اہل عرب میں سے قریش کو، قریش میں سے بنو ہاشم کو، اور بنی ہاشم میں سے بنو عبدالمطلب کو جو شرف و فضیلت حاصل ہے وہ محتاج تشریح نہیں۔ حضور سرور کائنات کا ارشاد ہے:-

خیر العرب مضر و خیر مضر قریش و خیر	بہترین عرب کے بنی مضر ہیں اور بہترین بنی مضر
قریش بنو عبد مناف و خیر بنی عبد مناف	کے قریش اور بہترین قریش کے بنو عبد مناف اور بہترین
بنو ہاشم و خیر بنو ہاشم بنو عبدالمطلب	بنو عبد مناف کے بنو ہاشم اور بہترین بنو ہاشم کے بنو عبدالمطلب
واللہ ما افترق فرقتان منذ خلق اللہ	خداوند کریم نے جب سے حضرت آدم کو پیدا کیا اور
آدم الا کنت فی خیرھما [2]	فرقے بنائے مجھکو بہترین فرقوں میں پیدا کیا۔

---

[1] معارف ابن قتیبہ۔ [2] خصائص کبریٰ صفحہ ۳۲۔

شجرہ نسب خاندان بنی ہاشم



یہی خاندان، خاندان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یہی لوگ اہل بیت و آل محمد ہیں یہی خمس و ذوی القربیٰ کے مستحق ہیں اور ان ہی پر صدقہ و زکوٰۃ حرام ہے ؎

بسانِ محمد علیہ السلام — زکوٰۃ است بر آلِ ہاشم حرام
پسند است ایں قوم را زاں شرف — کہ پاک اند چوں در بجوفِ صدف

ان ہی میں خواجہ کونین حضرت محمد مصطفیٰ امام الثقلین علی مرتضیٰ رض سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رض سید الشہدا حضرت حمزہ رض سید العرب و عم حضرت شفیع الناس حضرت عباس رض ذوالجناحین حضرت جعفر طیار رض افصح العرب حضرت عقیل رض، سید الشباب اہل الجنۃ حضرت امام حسن رض و حضرت امام حسین رض

حبر الامۃ سیدنا عبد اللہ ابن عباسؓ تھے۔ اس خاندان کا حسب و نسب بزرگی و شرف اظہر من الشمس ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں ؎

نَحْنُ اَهْلُ الْبَيْتِ شَجَرَةُ النُّبُوَّةِ وَ مُخْتَلِفُ الْمَلٰئِكَةِ وَ اَهْلُ بَيْتِ الرِّسَالَةِ وَ اَهْلُ الْبَيْتِ الرَّحْمَةِ وَ مَعْدَنُ الْعِلْمِ ۔[۱]	ہم اہل بیت خانۂ نبوت کے ستون ہیں، ہمارا ہی گھر فرشتوں کی گذرگاہ تھا کہ یکے بعد دیگرے نزول کرتے رہتے تھے۔ ہم رسول اللہ کے گھر والے ہیں۔ ہم رحمت و معدن علم کے اہل بیت ہیں۔

شاعر کہتا ہے۔[۲]

تعالی اللہ زہے قوم سرافراز　　مقیمانِ حریم لطف و اعزاز
از ایشاں خانۂ دیں گشتہ پُر نور　　وز ایشاں ملکِ احساں گشتہ معمور
فلک روشن ز نور رائے ایشاں　　ملک بوسیدہ خاکِ پائے ایشاں
بود سر خیلِ ایں قوم مکرم　　وصی سرورِ اولادِ آدم
علی مرتضیٰؓ کز رفعتِ قدر　　سپہرِ شرع را شد چوں مہ و بدر
دگر آں نور چشم اہلِ بینش　　حسنؓ مہر سپہرِ آفرینش
دگر از جملہ ایشاں حسینؓ است　　کہ مہرش مومناں را فرض عین است
دگر آں سیدِ اہلِ شہادت　　کہ عم مصطفیٰ[۳] بود از سعادت
دگر عباسؓ کو عم نبیؐ بود　　ز اربابِ حسب ایم اجنبی بود
دگر جعفرؓ کہ از غایاتِ اعزاز　　نماید در بہشتِ عدن پرواز
دگر اولادِ ایں جمعِ گرامی　　کہ ملکِ شرع را بودند حامی
علوئے قدرِ ایں قوم شرفناک　　بود برتر ز وصفِ عقل و ادراک
سلامے عطر ساں چوں نافۂ چیں　　درودے چوں نسیمِ صبح مشکیں

---

[۱] معارف ابن قتیبہ [۲] خصائص کبریٰ صفحہ ۲۷ [۳] یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نثارِ تربتِ پُر نورِ ایشاں　　　　قرینِ روضۂ معمورِ ایشاں

لفظ سیّد کا اطلاق عربی زبان میں سیّد کا لفظ مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ سیّد اللہ تعالیٰ کو بھی کہتے ہیں، آقا کو بھی، رئیس و مقدم کو بھی اور حلیم و کریم کو بھی۔

صاحب لسان العرب کہتے ہیں :- [1]

السیّد یطلق علی الرّب والمالک والشریف والفاضل والحلیم ومتحمل اذی قومہ والزوج والرئیس والمقدّم ۔	سیّد رب اور مالک کو کہتے ہیں اور شریف، فاضل اور بُردبار کو بھی نیز اُس شخص کو جو اپنی قوم کی تکالیف برداشت کرے اور شوہر، رئیس اور مقدم کو بھی

سیّد کے معنی افضل اور سردار کے بھی ہیں۔ ایک بدوی عرب جو اکثر حضور سرورِ کائنات کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ان کی نسبت حضورؐ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا :-

ھٰذا سیّد اھل الوبر ﴿ یہ جنگل کے لوگوں کے سردار ہیں

اسی طرح یوم جمعہ کی نسبت فرمایا گیا سیّد الایام یوم الجمعۃ (یعنی دنوں میں افضل جمعہ کا دن ہے) یا سیّد الطّعام اللحم (یعنی کھانوں میں افضل کھانا گوشت ہے) یہاں سیّد کے معنی افضل کے ہیں۔ سیّد اور شریف ہم معنی ہیں۔

السّود والشرف معروف ﴿ یعنی سیادت و شرافت مترادف المعنی ہیں

غرضکہ سیّد کا لفظ عربی زبان میں حسب موقع و محل مختلف معنی میں آتا ہے۔ اصطلاحاً تمام بنی ہاشم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور ہر ہاشمی بلا تخصیص الشریف یا السیّد سے ملقب کیا جاتا ہے۔ صاحب ضاحبۃ الطرب لکھتا ہے :- [2]

اما بعد الاسلام فقد انحصر الشریف العربی فی سلالت لھا شمیہ ویعبّر عنھا باھل البیت رأسہم صاحب الشریعۃ الاسلامیہ	بعد اسلام کے عربی شرف خاندان ہاشم کے لئے مخصوص ہوگیا ہے یہی اہل بیت کے نام سے تعبیر کئے جاتے تھے (یعنی صاحب شریعت اسلامیہ کے گھر والے) —

---

[1] لسان العرب [2] ضاحبۃ الطرب فی تقدمۃ العرب - مطبوعہ بیروت صفحہ ۳۸ -

فلا يعرف الشريف رسمًا ويطلق عليه لقب السيد الا اذا كان نسبه متصلا باحد من اهل البيت بدون التفات الى حالته ولا الى صناعته —

پس رسمی کوئی شریف نہیں کہلائیگا کہ اس پر لقب سید کا اطلاق ہو، مگر اس وقت کہ اسکا نسب اہلبیت میں سے کسی کے ساتھ متصل ہو بغیر اس کی دنیوی حالت اور اسکے فن و پیشہ کے خیال کئے ہوئے۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے رسالہ زینبیہ میں اس کی تصریح کی ہے :-

اسم الشريف يطلق في الصدر الاول على كل من كان من اهل البيت سواء كان حسنيًا ام حسينيًا ام علويًا من ذرية محمد بن الحنفية وغيره من اولاد علي بن ابي طالب ام جعفريًا ام عقيليًا ام عباسيًا ولهذا تجد من تاريخ الحافظ الذهبي مشحونا في التراجم بذلك يقول الشريف العباسي الشريف العقيلي الشريف الجعفري الشريف الزينبي فلما ولي الفاطميون بمصر قصروا اسم الشريف على ذرية الحسن والحسين فقط واستمر ذلك بمصر الى الآن ـ [1]

شریف (یعنی سید) کے لفظ کا اطلاق صدر اوّل میں تمام اہلبیت کے افراد پر ہوتا تھا خواہ وہ حسنی ہوں یا حسینی یا علوی، اولاد محمد بن حنفیہ سے ہوں یا سوائے ان کے حضرت علی ابن ابی طالب کی دوسری اولاد سے ہوں یا جعفری ہوں یا عقیلی یا عباسی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم تاریخ حافظ ذہبی میں دیکھتے ہیں کہ بھرے ہوئے ہیں لوگوں کے حالات میں انکے ساتھ یہ الفاظ کہا جاتا ہے ان کو سید عباسی، سید عقیلی، سید جعفری و سید زینبی لیکن جب بنی فاطمہ کی سلطنت مصر میں قایم ہوئی تو انہوں نے لفظ شریف (یعنی سید) کو مختصر کر دیا اولاد جناب حسن و جناب حسین کے لئے فقط اور یہ دستور اب تک مصر میں جاری ہے۔

ہندوستان میں بھی اہل مصر کی تقلید کی گئی اور سید کا لقب بالعموم بنی فاطمہ کے لئے استعمال ہونے لگا۔ علامہ جلال الدین سیوطی آگے چلکر لکھتے ہیں کہ :-

---

[1] اسعاف الراغبین صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ مصر۔

قال الحافظ ابن حجر فی کتاب الالقاب الشریف ببغداد لقب لکل عباسی وبمصر لقب لکل علوی ولا شک ان المصطلح القدیم اولیٰ وھو اطلاقہ علی کل علوی وجعفری وعقیلی وعباسی کما صنعہ الذھبی وکما اشار الیہ الماوردی من اصحابنا والقاضی ابو یعلی الفراء من الحنابلۃ کلاھما فی الاحکام السلطانیۃ ونحو قول ابن مالک فی الالفیۃ ۔ [1]

حافظ ابن حجر (عسقلانی) کہتے ہیں کتاب القاب میں کہ شریف (یعنی سید) بغداد میں ہر عباسی کا لقب ہے اور مصر میں ہر علوی کا۔ اور اس میں شک نہیں کہ قدیم مصطلح بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ اطلاق اسم شریف (یعنی سید) کا ہر علوی و جعفری و عقیلی و عباسی پر ہوتا ہے جیسا کہ ذہبی نے تحریر کیا ہے اور جس طرح ماوردی نے کہ ہمارے اصحاب میں سے ہیں اشارہ کیا ہے اور قاضی ابو یعلی فراء نے جو حنبلیوں میں سے ہیں احکام سلطانیہ میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح قول ابن مالک کا الفیہ میں ہے۔

لہٰذا تمام بنو عبد المطلب مساوی الحیثیت ہیں اور باعتبار نسب ایک کو دوسرے پر قطعاً کوئی فوقیت نہیں ۔ ان سب پر لفظ شریف اور سید کا اطلاق ہوتا ہے ۔ حضور سرور کائنات کا ارشاد ہے ۔ [2]

بنو عبد المطلب سادات اھل الجنۃ ﴿ عبد المطلب کی اولاد اہل جنت کی سردار ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سید کا لفظ اپنے اہل بیت کے مختلف افراد کے لئے مختلف موقعوں پر استعمال فرمایا ہے مثلاً حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے لئے سیدۃ النساء اھل الجنۃ فاطمۃ یا اپنے عم محترم حضرت حمزہ کے لئے سید الشھداء حمزۃ یا حضرات حسنین علیہما السّلام کے لئے سیدا شباب اھل الجنۃ الحسن والحسین یا حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے لئے انتما سیدا العرب یا حضرت جعفر طیار کے لئے سید الشھداء جعفر۔ حضرت ابن مسعودؓ سے یہ حدیث مروی ہے اور تقریباً ان ہی الفاظ میں دوسری حدیث حضرت علیؓ سے مروی ہے ۔ [3]

---

[1] اسعاف الراغبین صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ مصر [2] ینابیع المودۃ از جامع الصغیر علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ ۱۵۰ ۔

قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ کو دیکھا کہ حضرت
ملتزم ید العباس بن عبد المطلب	عباسؓ کے ہاتھ کو پکڑ کر اونچا کیا اور فرمایا کہ یہ میرے
قال ھذا عمی وصنو ابیہ وسید	چچا ہیں، میرے باپ کے مثل ہیں اور میرے اعمام
عمومتی من العرب وھو معی فی	میں عرب کے سید (سردار) ہیں اور یہ میرے
السنام الاعلیٰ من الجنۃ۔	ساتھ ہونگے جنت کے درمیانی اعلیٰ حصہ میں۔

صاحب ناسخ التواریخ شیعی مذہب لکھتے ہیں:-

"عباسؓ ابن عبدالمطلب عم رسول خدا ئیست و سید از سادات اصحاب علی علیہ السلام است[1]"

سید شریف رضی برادر علم الہدیٰ سید مرتضیٰ فاطمی، جو بغداد میں نقابت الاشراف[2] کے معزز عہدہ پر مامور تھے، امیر المومنین القادر باللہ العباسیؓ کو مخاطب کرکے کہتے ہیں[3]

عطفاً امیر المومنین فاننا	فی دوحۃ العلیاء لا نتفرق
ما بیننا یوم الفخار تفاوت	ابداً کلانا فی المعالی معرق
الا الخلافۃ میزتک فانني	انا عاطل منہا وانت مطوق

یعنی اے امیر المومنین متوجہ ہوکر سن، ہم دونوں نسب کے شجرۂ بلند میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں ہم دونوں میں فخر بیان کرنے کے وقت کسی قسم کی جدائی نہیں ہے خلافت نے تمھیں امتیاز بخشا ہے میں اس سے بے بہرہ ہوں اور وہ تمھارے گلے کی آرائش ہے۔

غرضکہ نسب کے معاملہ میں ایک ہاشمی کو دوسرے ہاشمی پر مطلق کوئی فضیلت نہیں۔ جو شخص کسی عباسی، کسی جعفری، کسی عقیلی، کسی علوی کو کسی فاطمی سے نسبی معاملہ میں جدا کرتا ہے وہ بربنائے جہالت ایسا کرتا ہے۔ ان سب کا نسب قطعاً ایک ہے۔ کتاب حملۂ

۳ھ (متعلق صفحہ ۱۲۳) ابن النجار از کنز العمال صفحہ ۶۸]

۱ھ ناسخ التواریخ جلد ۳ از کتاب دوم صفحہ ۹۵۔ ۲ھ نقابت الاشراف کا عہدہ بغداد میں بہت معزز عہدہ خاندان نبوت کی تولیت کے امور سے متعلق تھا۔ ۳ھ تاریخ تمدن جرجی زیدان۔

حیدری مصنفہ سید مصطفیٰ اشیعی مذہب میں، جو جناب سلطان العلماء سید محمد مجتہد لکھنؤ کے ایماء سے شایع ہوئی اور آپ نے دیباچہ لکھا حضرت عباسؓ عم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں مختلف اشعار درج ہیں جن میں سید کا لفظ استعمال کیا گیا ہے لہ۔

که عباس آں سید نامور مراہست اکنوں بجائے پدر

بخندید حجاج از خرمی بدو گفت ای سید ہاشمی

دگر باعث شہرت آں خبر چنیں گفت کاے سید نامور

بگفتند با خندۂ و خرمی کہ اے نامور سید ہاشمی

صاحب عماد السعادت، جو شیعی مذہب فاطمی سید ہیں، ایک عباسی سید، نواب ثابت جنگ میر علی قلی خان عباسی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اگرچہ خان مشار الیہ سید عباسی النسب و برادر زادہ حسن قلی خان وزیر شاہ طہماسپ صفوی ثانی است۔" ۲ے

خلاصہ کلام یہ کہ سید و شریف کا لقب ہر ہاشمی کا لقب ہے خواہ وہ حسنی و حسینی ہو یا علوی و عقیلی یا جعفری و عباسی۔ یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے عصبہ و ہم کفو ہیں۔ سلطنت کی رقابتوں اور جھگڑوں نے البتہ بھائی بھائی میں بعد و جدائی پیدا کردی تھی ورنہ پہلے سب ایک ہی خاندان تھا، باہم ارتباط و اتحاد اور محبت و خلوص تھا۔ آج امروہہ کے ایک شیعہ فاطمی اور سنی عباسی میں بدقسمتی سے بعد و مخالفت کی ایک خلیج حائل ہے لیکن پہلے ان ہی کے مورثوں میں باہم کیسی الفت

لہ حملۂ حیدری مطبوعہ صفحہ ۴۲ و ۵۰۔ ۲ے عماد السعادت مطبوعہ

و محبت تھی۔ ذرا چچا بھتیجے کے تعلقات محبت کا حال تاریخ میں دیکھئے:۔ [1]

عن صهيب قال رأيت عليا	حضرت صہیب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو
يقبل يد العباس ورجله	دیکھا کہ حضرت عباسؓ کے ہاتھ پیر کو بوسہ دیتے تھے

پھر حضرت عباسؓ کو جو محبت اپنے اس فخر خاندان اور لائق بھتیجے حضرت علیؓ سے تھی اور جس درجہ وہ ان کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اس کا اندازہ آپ کے اُن مقولوں سے ہو سکتا ہے جو کتب تاریخ میں مندرج ہیں۔ حضرت عباسؓ کے بعد آپ کی اولاد امجاد بھی خلافت کے جھگڑوں میں حضرت علیؓ کے ساتھ رہی حالانکہ حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی حضرت عقیلؓ جناب امیر معاویہ کے ساتھی تھے اور جنگ صفین تک میں اپنے بھائی سے علیحدہ رہے [2] اس زمانہ میں شادی بیاہ بھی صرف اپنے خاندان میں محدود تھا۔

كان سائر بنات علي عند ولد	حضرت علیؓ کی سب صاحبزادیاں حضرت عقیل اور حضرت
العقيل وولد العباس [3]	عباسؓ کے صاحب زادوں کو منسوب ہوئی تھیں۔

نسب باپ سے لیا جاتا ہے یا ماں سے

علم نفسیات و تشریح الابدان اور ان تمام مباحث سے قطع نظر کرکے جو نطفہ و استقرار حمل کے مسائل سے متعلق ہیں محض اقوام عالم کے دستور و رواجات پر اگر نظر کی جائے تو یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ متمدن دنیا کا کوئی طبقہ ایسا نہیں جس میں نسب باپ سے نہ لیا جاتا ہو۔ انسانوں کے علاوہ جانوروں تک کی نسل بھی نر ہی کی جانب منسوب کی جاتی ہے۔

اس حقیقت مسلمہ عالم کے خلاف جن اشخاص نے بنو ہاشم یا بنو عبد المطلب میں فاطمی و غیر فاطمی کی تفریق شروع کی تھی انھوں نے اس زمانہ کی سیاسی ضرورتوں اور مقاصد حالیہ کی بنا پر ایسا کیا تھا اور اس پروپگنڈے کا منشا و مقصد بھی صرف اس قدر تھا کہ ایک

---

[1] کنز العمال از ابن المقری فی الرخصة [2] شہید عقیل صفین مع معاویہ (عمدة الطالب) [3] معارف ابن قتیبہ مطبوعہ مصر صفحہ ۷۱

ہی خاندان کی مختلف شاخوں میں سے ایک شاخ کی کوئی وجہہ فضیلت قرار دیکر اپنے طرفداروں کی جماعت میں اضافہ کیا جائے۔ اس سیاسی پروپگنڈے کا ثبوت اُن بہت سی موضوع احادیث سے چلتا ہے جو بنو فاطمہ و بنو عباس کی مدائح میں اُس زمانہ میں تصنیف ہوتی تھیں۔

نسب کے معاملہ میں نسبت مادری کے اصول کو اگر اہمیت دی جائے تو وہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے جس کا ذکر صاحب عماد السعادت نے کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:- [1]

در توران رسمی است کہ سیادت از طرف مادری گیرند و بحث‌ہا بریں دارند، اگر پدر شیخ است یا مغل و مادر شخص ستیدہ باشد سید است، شیخ نیست بہ خلاف اہل ایران کہ آنجا چنیں کس را کہ از بطن ستیدہ متولد ہست شریف می نامند از ہمیں جہت اکثر تورانیاں در توران و آصف جاہیاں و امیر الدین خان در ہند ملقب بہ میر اند با آنکہ نسب شاں منتہی بہ شیخ شہاب الدین سہروردی است و شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ از نسل محمد بن ابوبکرؓ بودہ۔ بلکہ بریں ہم موقوف نیست کہ مادر شخص ستیدہ باشد حیسرا مادرِ مادر و مادرِ پدر ہم باشد مانع کیست دعوئے سیادت باید کرد۔

ملک توران میں یہ دستور ہے کہ سیادت ماں کی جانب سے لی جاتی ہے۔ وہاں کے لوگ اس کے متعلق بحثیں کرتے ہیں مثلاً اگر کسی شخص کا باپ شیخ یا مغل ہو مگر ماں سیدانی ہو تو وہ شخص شیخ نہیں ہوگا بلکہ سید ہوگا برخلاف اس کے اہل ایران ایسے شخص کو جو کسی سیدانی کے بطن سے پیدا ہو شریف کہتے ہیں۔ اسی وجہہ سے تورانیوں کے اکثر باشندے اور ہندوستان کے آصف جاہی اور امیر الدین خان میر کے لقب سے ملقب ہیں حالانکہ ان کا نسب شیخ شہاب الدین سہروردی پر منتہی ہوتا ہے اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ محمد بن ابوبکرؓ کی نسل سے تھے۔ جب یہ بات ہے تو اسی پر کیا موقوف ہے کہ ماں سیدانی ہو بلکہ کسی کی نانی یا دادی بھی سیدانی ہو تو اسے سیادت کا دعویٰ کرنا چاہئے، اس طرح سیّد بننے میں آخر مانع کیا بات ہے۔

ہندوستان کے بعض مقامات پر بھی اس مہمل دستور کی تقلید کی گئی اور شاید اب تک کیجاتی

---

[1] عماد السعادت صفحہ ۶۱۔

ہے کہ کسی شیخ یا مغل نے کسی سیدانی سے نکاح کرلیا، اور اس کے بطن سے جو اولاد ہوئی سید کہلانے لگی، گویا آباؤ اجداد شیخ یا مغل تھے ان کی اولاد نے نسبِ مادری کی بنا پر نسب میں ترقی حاصل کی اور شیخ یا مغل سے سید ہو گئے - یہ نتیجہ ہے اسی مادری نسب کے اہمیت دینے کا - لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جب نسب کا انحصار ماں پر رکھا جاتا ہے تو سادات کے وہ سیکڑوں خاندان جن کا مادری نسب غیر کفو کی عورتوں حتیٰ کہ کنیزوں سے چلتا ہے وہ کیوں سید کے سید بنے ہوئے ہیں، یہاں کیوں نسبِ مادری ترک کیا گیا - کسی ایک اصول کی پابندی ہونی چاہیے حقیقت یہ ہے کہ یہ اصول ہی لغو اور مہمل ہے، نسب کی نسبت ماں سے نہیں باپ سے ہے اور یہی اصول مسلمۂ اقوام عالم ہے -

لیکن اس سے زیادہ لغو اور مہمل دستور یہ ہے کہ بعض لوگ سیادت کا انحصار سلسلۂ نسب پر نہیں بلکہ مذہب پر کرتے ہیں، ان لوگوں کے نزدیک شیعیت اور سیادت مترادف المعنی ہے - مثلاً بعض شیعہ حضرات لفظ سید کا اطلاق بنی ہاشم و بنو عبد المطلب میں سے صرف بنی فاطمہ کے لئے مخصوص کرتے ہیں لیکن غیر بنی فاطمہ خواہ بنو ہاشم ہوں یا غیر بنو ہاشم جب شیعی مذہب اختیار کر لیتے ہیں تو محض شیعیت کی بدولت سیادت کا دروازہ ان کے لئے کھل جاتا ہے اور وہ میر صاحب یا سید صاحب سے مخاطب ہونے لگتے ہیں لیکن ان ہی کے ہم جدی، جو شیعت قبول نہیں کرتے، شیخ صاحب کہلاتے ہیں - اس کی ایک مضحکہ انگیز مثال صاحب تاریخ واسطیہ کی تحریر صفحہ نمبر ۱۳۰ پر ہے - بنو عقیلؓ فاطمی نہیں اور اسلئے امروہہ کے اکثر شیعہ حضرات کے نزدیک جو بنی عبد المطلب میں سے غیر بنی فاطمہ کو مستحق سیادت نہیں سمجھتے، سید نہیں ہیں لیکن امروہہ کے عقیلی چونکہ اب مذہباً شیعہ ہیں اسلئے صاحب واسطیہ کے نزدیک سید ہیں، سادات امروہہ کی برادری میں شامل ہیں، ان سے ان کے رشتے ناتے ہیں اور سب سے بڑھکر یہ کہ صاحب تاریخ واسطیہ نے ان کو سیادت کا سرٹیفکیٹ عطا کیا ہے، ان کا نسب نامۂ سیادت گو وہ غلط ہی سہی، مولف واسطیہ نے جو بقول خود "قدوۂ ارباب محترم صاحب قلم آل

رسول، عترۃ الزہرا آل البتول عالی نسب والا حسب السید رحیم بخش صاحب امروہوی" تھے اپنی کتاب میں درج فرمادیا ہے لہٰذا یہ سندی شیعہ ہیں۔ صاحب تاریخ واسطیہ اگر بقید حیات ہوتے تو خاکسار مؤلف اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا کہ جناب کے نزدیک عقیلی اگر نسباً سید کہلانے کے مستحق ہیں تو پھر جعفری کیوں نہیں، تو پھر علوی کیوں نہیں، تو پھر عباسی کیوں نہیں؟ نسباً تو یہ سب ایک ہیں، پھر ان میں یہ تفریق کیوں؟ غالباً وہ یہی جواب دیتے کہ صاحب ہمارے نزدیک ہر شیعہ خواہ وہ شیخ ہو، مراثی ہو، نائی ہو غرض کوئی ہو سید اور ہر سنی خواہ وہ ہاشمی و مطلبی کیوں نہ ہو شیخ ہے۔ چنانچہ اس کی تائید میں امروہہ ہی میں متعدد مثالیں مل سکتی ہیں۔

حضرات حسنین علیہم السلام کو جو شرف اور بزرگی جناب سیدۃ النساء فاطمہ زہرا بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے متولد ہونے میں حاصل تھی وہ صرف ان ہی حضرات تک محدود تھی، اپنے ذاتی فضائل کے اعتبار سے بھی یہ دونوں بزرگ ہستیاں مسلمانوں کے نزدیک محبوب ہستیاں تھیں، وہ بیشک سید السادات تھے، لیکن نسب کے معاملہ میں نسبت مادری کو ان کی اولاد امجاد میں بھی اہمیت دی جائے تو پھر سوچیے کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟

امروہہ کے ہاشمی خاندان

امروہہ میں حضرت علیؓ کی نسل سے زیادہ تر حسنی و حسینی سادات ہیں، بعض لوگ اپنے کو آپ کے نامور فرزند امام محمد ابن حنفیہ کی اولاد سے بھی بتاتے ہیں، جو اہل ہند کی اصطلاح میں "علوی" مشہور ہیں۔

حسنی:۔ ان میں بڑا خاندان اولاد سید سراج الدین قادری کا ہے جن کا سلسلۂ نسب حضرت محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔ ان کی زیادہ تر سکونت محلہ چلّہ میں ہے، کچھ لوگ محلہ شاہ علی سرائے میں بھی ساکن ہیں۔

دوسرا خاندان حضرت شاہ شکر اللہ عارف باللہ قادری دستار سیاہ (کالی پگڑی) کا ہے حضرت

شاہ صاحب کا سلسلۂ نسب شاہ ابوتراب شیرازی قدس سرہٗ سے متصل ہوتا ہے۔ اس خاندان میں اب صرف چند اشخاص باقی ہیں۔

حسینی :- ان میں سب سے قدیم، تعداد میں سب سے زیادہ اور معزز و باوقار خاندان اولاد سید العارفین سید حسن الملقب بہ سید شرف الدین شاہ ولایتؒ کا ہے۔ حضرت ممدوح کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقیؑ سے متصل ہوتا ہے۔ ان سادات نقوی کی سکونت شہر کے اکثر محلّوں میں ہے۔ آپ کے فرزند اکبر قاضی سید امیر علی کی نسل سے اکثر لوگ محلّہ لکڑہ، حقانی میں اور کچھ گھر محلّہ قاضی زادہ، محلّہ صدّو اور محلہ بچدرہ میں ملقب بہ متولی ہیں۔ ان کے علاوہ موضع اعوانپور، شہر بریلی و دہلی وغیرہ میں ساکن ہیں۔

آپ کے فرزند اصغر سید عبدالعزیز کی اولاد سے امروہہ میں اکثر لوگ محلّہ دربار کلاں، سٹھی، گذری، شفاعت پوتہ، مجاپوتہ، ارزانی پوتہ[1] (محلہ بگلہ) جھیوڑہ، کٹرہ غلام علی، راجہ سرائے میں ساکن ہیں اور کچھ گھر محلّہ سرائے کہنہ، حقانی و گھیر کرم علی خان میں ہیں اور کچھ لوگ امروہہ سے باہر مثلاً سنبھل، فیروز پور و کنور پور ضلع فتح پور ہسوہ میں سکونت رکھتے ہیں۔

دوسرا خاندان حسینی سادات کا قاضی زادگان کا ہے۔ تاریخ واسطیہ کی اشاعت سے پیشتر تک اس خاندان کے حضرات، اپنے کو حضرت شاہ ولایتؒ کے بھائی کی اولاد بتاتے رہے۔

تا ایندم سن رسیدہ حضرات قاضی زادہ نیز	اس وقت تک حضرات قاضی زادگان کے بڑے بوڑھے
می گویند کہ ما از اولاد برادر صاحب ولایت بودند[2]	بھی کہتے رہے ہیں کہ ہم حضرت شاہ ولایت کے بھائی کی اولاد ہیں۔

امروہہ کے تاریخی حالات میں سب سے قدیم کتاب مولوی محب علی خان عباسی کی تالیف "آئینۂ عباسی" ہے جو اب سے تقریباً ۱۲۵ برس پہلے شایع ہوئی تھی، اس میں مختلف خاندانوں کے نسب کے متعلق وہی روایات درج کی گئی ہیں جو زمانۂ حال کے جدّت پسند طبائع کے اختراعات سے

---

[1] اس شاخ کا سلسلۂ نسب مندرجۂ تاریخ واسطیہ صحیح نہیں، تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو حصۂ سوم۔ [2] بیاض قلمی مولانا سید اعجاز حسن مرحوم

بہت پیشتر سے خود ان خاندانوں اور سکنائے شہر میں سلف سے مشہور چلی آتی تھیں۔
قاضی زادہ صاحبان کے نسب کے متعلق صاحب آئینۂ عباسی لکھتے ہیں:-

"ایک گروہ ملقب بہ قاضی زادہ، ان کے بزرگ پہلے سید صاحب (یعنی حضرت شاہ ولایتؒ) یا ہمراہ ان کے یہاں آئے ہیں اور سید صاحب سے عقیدت حاصل کی۔ بڑے شریف اور معزز ہیں۔ الخ" [1]

لیکن تاریخ واسطیہ کے مؤلف نے، جو خاندان قاضی زادگان میں سے تھے، اپنے خاندان کا سلسلۂ نسب حضرت شاہ ولایتؒ کے فرزند اکبر قاضی سید امیر علی سے جا ملایا ہے جو از روئے تحقیق ہرگز صحیح نہیں ان کی سکونت زیادہ تر محلہ کوچہ قاضی، محلہ بھوکہ دھونٹے والا، مجاپوتہ و بچپدیع و صدو میں ہے ایک گھر کندر کی ضلع مراد آباد میں ساکن ہے (تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم و سوم)

تیسرا خاندان ملقب بہ نوگیاں حضرت شاہ نصیر الدین چشتی قدس سرہ کی نسل سے ہے، جن کا سلسلۂ نسب سید عمر اشرف بن امام زین العابدینؓ تک منتہی ہوتا ہے، امروہہ میں ان کی تعداد بہت مختصر ہے اور زیادہ تر محلہ نوگیاں میں ساکن ہیں۔ شاہ صاحب کے عم محترم سید عزیز الدین کی نسل سے ایک بڑا خاندان موضع نوگانوہ میں ساکن ہے، ان ہی میں سید عبد الرؤف بن ڈاکٹر سید خادم علی بھی ہیں جو محلہ نوبت خانہ میں سکونت رکھتے ہیں۔

حضرات نخشبی [2] کا خاندان بھی امروہہ میں قدیم اور معزز خاندان ہے، تاریخ اصغری نیز نخبتہ التواریخ میں، جو اسی خاندان کے ایک ذی استعداد عالم مولانا آل حسن نخشبی کی تالیف ہے، اس خاندان کا

---

[1] آئینۂ عباسی مؤلفہ مولوی محب علی خان عباسی [2] نخشبی سے مراد ہے "نخشب کا رہنے والا"، ساتویں صدی ہجری کا مشہور شاعر شیخ ضیاء الدین نخشبی ہے جس نے بدایوں میں اقامت اختیار کی تھی اپنے اصلی وطن کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے سے زہر شہرے وہر جائے متاع قیمتی خیزد :: ضیا از نخشب و شکر ز مصر و سعدی از شیراز۔ نخشب کو عرب کے جغرافیہ نویس نسف بھی لکھتے ہیں۔ یہ مقام سندھ کے علاقہ میں بخارا و سمرقند کے مابین واقع ہے۔ موجودہ زمانہ میں اس مقام پر شہر قرشی بسا ہوا ہے

سلسلۂ نسب حضرت خواجہ مودود چشتی رح سے متصل کیا گیا ہے، اور بعض کتب سیرۃ المشائخ میں حضرت خواجہ ممدوح کو امام علی نقی ؑ کی نسل سے بتایا گیا ہے، تقریباً ڈھائی تین سو برس پیشتر اس خاندان کے بزرگ اپنے ناموں کے ساتھ سیّد یا مودودی کا لفظ نہیں لکھتے تھے نیز قدیم کاغذات میں اس خاندان کے بعض اشخاص اپنے ناموں کے ساتھ "شیخ" کا لفظ بھی لکھتے رہے ہیں غالباً اسی وجہ سے مؤلف تاریخ واسطیہ نے اس خاندان کا شمول سادات امروہہ میں نہیں کیا۔ تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حصّہ سوئم) اس خاندان میں بھی اب صرف چند گھر امروہہ میں ہیں، کچھ محلہ نخشبی میں باقی ایک دو محلے بچدرہ و بیگم سرائے میں ہیں۔

ان قدیم خاندانوں کے علاوہ یہاں حسینی سادات کے چند اور خاندان ہیں جن کے مورث عہد مغلیہ میں وقتاً فوقتاً بیرونجات سے امروہہ میں آکر متوطن ہوئے۔ ان میں بڑا اور معزز خاندان، خاندان **دانشمندان** ہے۔ اس خاندان کے جدالقبیلہ **مولانا سیّد اشرف دانشمند**[1] عہد جہانگیری میں امروہہ آئے، سلسلۂ نسب سیّد موسیٰ مبرقع بن امام محمد تقی الجوادؑ تک پہنچتا ہے۔ سیّد موصوف کی اولاد "رضوی" کہلاتی ہے۔ اس خاندان کی زیادہ تر سکونت

(گذشتہ سے پیوستہ)

نخشب وہی مقام ہے جہاں دوسری صدی ہجری کا مشہور مدعی نبوت المقنع پیدا ہوا۔ اس شخص کا اصلی نام عطا تھا، وہ کوتاہ قد و کریہہ المنظر تھا۔ ابتداءً ابو مسلم خراسانی، خاندان عباسیہ کے مشہور نقیب کے ساتھیوں میں سے تھا بعد میں ماوراء النہر کا پیغمبر بن گیا، اس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک مصنوعی چاند "ماہ نخشب" ہر شب کو "چاہ نخشب" سے نکالتا تھا۔ اسی وجہ سے اہل فارس اس کو "سازندہ ماہ" کہتے تھے۔ اس کے ماننے والوں کی بڑی کثیر تعداد ہو گئی تھی جو "مبتیضی" کہلاتے تھے۔ یہ لوگ چار سال تک خلیفۂ عباسی کی فوج کے مقابل آتے رہے بالآخر امیر المومنین مہدی باللہ العباسی نے دو ہزار سواروں کی جمعیت بھیجکر اس مدعی نبوت اور اس کے ساتھیوں کا قلع قمع کرا دیا۔ امروہہ کے خاندان نخشبی کے مورث بھی اسی مقام نخشب سے اپنے کو منسوب کرتے تھے اسلئے نخشبی کہلائے اور انکی اقامت گاہ محلہ نخشبیان سے موسوم ہوئی

[1] (صفحہ ۱۸۳) ابتدائے عہد مغلیہ میں نیز اس سے پیشتر سے ان علماء و فضلاء کو جنھیں کوئی تبحر علمی حاصل ہو "دانشمند" سے ملقب

محلہ دانشمندان میں ہے۔

اسی طرح خاندان سادات بارہہ ملقب بہ جڑودیہ، جو حضرت زید بن امام زین العابدین رض کی اولاد میں ہیں، ابتداءً ان کی سکونت اس مقام پر تھی جو ان کے نام سے جڑودیہ[1] مشہور ہوا۔ ان کی ایک شاخ کی سکونت عرصۂ دراز سے محلہ مجھر ٹھہ میں رہی، ان ہی میں بخشی والے بھی ہیں جن میں سے ایک خاندان اب محلہ نوگیاں میں ساکن ہے۔ ان کے مورث مقام جڑودہ سے آئے اسلئے جڑودیہ مشہور ہوئے[2]۔ ان کے علاوہ خاندان سادات کاظمی ساکن محلہ کٹکوئی اولاد سید محمد اشرف ہے جن کا سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظم رض سے متصل ہوتا ہے۔ نیز خاندان ہمدانی ساکن محلہ دانشمندان جو اپنے کو اولاد سید علی ہمدانی بتاتے ہیں، نیز خاندان سادات سادانہ ساکن محلہ صابون گران گولی والے سید، بنگلی والے سید وغیرہ خاندان ہیں جن کا شمول علیٰ وجہ الشہرۃ امروہہ کے سادات فاطمی میں ہوتا رہا ہے۔ ان کے علاوہ بعض اور خاندان مثلاً دکھنی سید جن میں سید محمد الطاف وغیرہ ہیں نیز دلی والے سید[3] ساکنان محلہ دربار کلاں، نیز خاندان حفاظ ساکنان محلہ مولانہ بھی اپنے کو فاطمی سید بیان کرتے ہیں لیکن ان کا شمار مندرجہ بالا گروہ سادات میں نہیں ہوتا۔

اوّل الذکر خاندانوں کی باہم قرابتیں اور رشتہ داریاں ہیں اور عرف عام میں انکے مجموعہ پر "سادات" کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ خاندان بخشی کا شمار البتہ تقریباً دو ڈھائی سو برس سے اسی گروہ سادات میں ہونے لگا ہے، اس سے پیشتر ان کا قبیلہ ایک جدا گانہ تھا جو "قبیلۂ بخشیاں" سے معروف و مشہور تھا اور ان کی قرابتیں بھی دوسرے قریشی شرفا میں ہوتی تھیں۔

(گذشتہ سے پیوستہ)
کرتے تھے۔ اسے زمانہ حال کے ایم۔ اے۔ کی ڈگری کے مساوی سمجھئے۔ مولانا موصوف کی اولاد اسی لقب کی بنا پر خاندان دانشمندان سے مشہور ہوئی اور ان کا اقامت گاہ بھی اسی نام سے موسوم ہوا۔ [1] یہ مقام سادات بارہہ کی بستیوں کا ہم نام ہے۔ [2] اس خاندان کے علاوہ سادات بارہہ میں سے چند اور اشخاص بعض محلوں میں ساکن ہیں تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو حصہ سوم [3] محلہ شاہی چبوترہ

مندرجہ بالا خاندانوں کے علاوہ یہاں چند خاندان ایسے بھی ہیں جو باوجودیکہ مختلف زمانوں اور وقتوں سے اپنے کو سادات فاطمی کہتے ہیں لیکن عرصہ دراز سے باستثناء چند نہایت قدیم قرابتوں کے جو ان موخر الذکر خاندانوں میں سے بعض کی مقدم الذکر فاطمی سادات سے ہوئیں اور جن کا علم بھی اب کسی کو نہیں لیکن جنکے ثبوت میں بعض قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں، ان کے تمام تر تعلقات رشتہ داری و برادری یہاں کے ہاشمی غیر فاطمی اور قریشی خاندانوں سے ہوتے رہے اور اب تک ہوتے ہیں اور انکا شمار امروہہ کے "طبقہ شرفاء" میں کیا جاتا ہے۔
اس بنا پر اور بعض دوسری وجوہ سے جنکی تفصیل دوسرے موقع پر کی گئی ہے ان خاندانوں کی سیادت و فاطمیت میں عام طور سے تردد اور مقدم الذکر فاطمی خاندانوں کی طرف سے اظہار انکار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ تردد اور انکار کہاں تک صحیح اور تاریخی واقعات و حالات پر مبنی ہے اسکے متعلق حصہ سوم ملاحظہ ہو۔

موخر الذکر خاندانوں میں سب سے بڑا خاندان حضرت پیرزادگان اولاد قدوۃ العارفین حضرت شاہ ابن بدھ چشتی قدس سرہ العزیز کا ہے۔ یہ حضرات اپنے کو فاطمی النسب کرمانی الاصل سید کہتے ہیں اور اپنا سلسلہ نسب حضرت امام علی الرضا تک پہنچاتے ہیں۔

حضرت شاہ ابن اور آپ کی اکابر اولاد کے جو تذکرے اور حالات مختلف کتب تاریخ اور مشائخ کے تذکروں میں ملتے ہیں ان میں ان حضرات کے ناموں کے ساتھ عموماً لفظ شیخ پایا جاتا ہے حتی کہ ابتداءً یہ تمام حضرات بھی تقریباً دو صدی تک اپنے ناموں کے ساتھ بالعموم لفظ شیخ کا اور بعد میں لفظ پیر کا بذات خود استعمال کرتے رہے بعض فرامین منصب میں "قوم شیخزادہ چشتی" بھی تحریر ہے لیکن برخلاف اسکے ملا عبد القادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ نے حضرت شاہ ابن کے تذکرے میں "سید مشار الیہ" تحریر کیا ہے اور اس کتاب کے ایک قلمی نسخہ میں "سید ابن" بھی تحریر ہے نیز ایک قدیم پروانہ کی نقل میں اس خاندان کو کہ

(گذشتہ سے پیوستہ)
میں کچھ اور لوگ بھی اپنے کو دتی والے سید کہتے ہیں مشہور ہے کہ ان کے بزرگ خاندان لکھولان کے ساتھ دہلی سے امروہہ آئے تھے

بزرگ کے نام کے ساتھ لفظ سید کا بھی اطلاق کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی امر واقعہ ہے کہ سلسلۂ طریقت و مشیخت چند پشتوں تک اس خاندان میں متوارث رہا اس بنا پر ناموں کے ساتھ محض لفظ شیخ کا استعمال اگر اسکے خلاف دوسرے شواہد موجود نہوں منافی وقوادح سیادت و فاطمیت نہیں ہوسکتا۔ بہرحال خاکسار مؤلف نے حصۂ سوم میں اسکے متعلق تفصیلی بحث کی ہے کہ اس خاندان کا دعویٰ سیادت و فاطمیت کہاں تک صحیح اور تاریخی شواہد اور واقعات پر مبنی ہے اور یہ خاندان نسبًا کس شاخ سے تعلق رکھتا ہے۔

دوسرا قدیم خاندان حضرات **دستار کلاں** (ڈبریچہ) ساکنان محلہ مولا و چاہ ملا امان کا ہے۔ یہ اپنا سلسلۂ نسب حضرت سید **جلال اعظم** گل سرخ بخاریؒ تک پہنچاتے ہیں۔ ان کا دعویٰ سیادت بھی تقریبًا نصف صدی یعنی تحفۃ التواریخ کی تصنیف و اشاعت کے زمانہ سے ہے۔ اس گروہ میں حقیقتًا دو جداگانہ خاندان شامل ہیں جو نسبًا مختلف ہیں یعنی ایک خاندان اولاد **شیخ داؤد** (ڈبریچہ) ان میں مولانا حکیم محمد حسن مرحوم کا خاندان ہے اور دوسرا **ملا امان اللہ** کی اولاد کا جس میں مفتی ابراہیم علی مرحوم کا خاندان ہے۔ تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حصۂ سوم۔

علوی:۔ سابق میں یہاں سادات علوی اولاد حضرت امام محمد حنفیہ بن حضرت علی ابن ابی طالبؑ میں حضرت شاہ عبدالمجید علویؒ کا ایک خاندان تھا لیکن اس خاندان کا کوئی فرد اب عرصۂ دراز سے امروہہ میں موجود نہیں۔ حضرت شاہ بہاء الدینؒ کے خاندان والے البتہ اپنے کو علوی کہتے ہیں۔ صاحب آئینۂ عباسی لکھتے ہیں:[۱]

> ایک گروہ ملقب بہ **سنگرہ** علوی حنفی" کہتے ہیں۔ ان میں شاہ جی بہاء الدین، خلیفہ صاحب علی، خلیفہ روشن علی وغیرہ ہیں۔"

صاحب تحفۃ التواریخ نے اور مولوی شاہ ضیاء الدین ابن حضرت شاہ بہاء الدینؒ نے اس خاندان کو بھی حضرت شاہ عبدالمجید علویؒ کے خاندان کی دوسری شاخ ظاہر کیا ہے لیکن دیگر کاغذات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں مولوی شاہ ضیاء الدین نے اپنی تالیف "مرآۃ الانساب" میں جو بڑے اہتمام کے ساتھ سنہ ۱۹۱۷ء میں شایع ہوئی تھی یوں تو دنیا بھر کے نسب ناموں کی تحقیق کی ہے لیکن خود اپنے خاندان کا جو نسب نامہ درج کیا ہے اس میں

---

[۱] آئینۂ عباسی۔

نہایت شدید غلطیاں کی ہیں مثلاً اپنا سلسلۂ نسب انھوں نے حضرت امام محمد حنفیہ کے صاحبزادہ امام ابو ہاشم عبداللہ سے متصل کیا ہے حالانکہ تمام قدیم کتب انساب میں ابو ہاشم کو غیر معقب بتایا گیا ہے، معارف ابن قتیبہ جیسی مستند اور قدیم ترین کتاب میں انکے متعلق لکھا ہے کہ لاعقب لہ[1] یعنی ان کے کوئی عقب نہیں تھا، پھر اس سے زیادہ شدید غلطی یہ کی ہے کہ حضرت سالار مسعود غازیؒ کو ابو ہاشم عبداللہ کی اولاد میں ظاہر کر کے ان سے اپنے خاندان کا نسب جا ملایا ہے حالانکہ حضرت سالار مسعود غازیؒ کی شخصیت کوئی غیر معروف شخصیت نہیں۔ ہندوستان کے عوام بھی اس سے واقف ہیں کہ نوعمری میں انہوں نے شہادت پائی، اس وقت تک انہوں نے نکاح بھی نہیں کیا تھا، بعض مقامات پر تو وہ "بالے میاں" کے نام سے موسوم ہیں۔ مشہور ہے کہ حضرت غازیؒ کی شادی ہونے والی تھی کہ انہوں نے شہادت پائی اسلئے شادی کی یادگار کے طور پر بعض مقامات پر یہ رسم بھی ادا کی جاتی ہے۔ مجھے شاہ ضیاء الدین صاحب کی علویت سے انکار نہیں لیکن جو نسب نامہ انہوں نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں۔

یہ خاندان، جیسا کہ صاحب آئینہ عباسی نے لکھا ہے، عرف عام میں "سنگرہ" مشہور ہے۔ صاحب تاریخ اصغری سنگرہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:[2]

> "مورث اعلیٰ ان کے شاہ خداوند غازی مقام سنگرہ علاقہ پنجاب سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے لہٰذا سنگرے کہلائے"

لیکن یہ وجہ تسمیہ بھی کچھ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔ پنجاب میں کوئی مقام اس نام کا خاکسار مؤلف کو تحقیق نہیں ہوا۔ البتہ سنگرہ[3] ہندو راجپوتوں کی ایک شاخ کا نام ضرور ہے

---

[1] معارف ابن قتیبہ [2] تاریخ اصغری صفحہ ۱۸۲ [3] سنگرہ:- یہ راجپوتوں کی مشہور قوم ہے، قدیم زمانہ میں عرصہ دراز تک ان کا راج رہا ہے۔ یہ لوگ اپنا مورث اعلیٰ سنگھی یا سرنگی رشی کو بتاتے ہیں جس کی شادی قنوج کے راجہ

ممکن ہو کہ کسی علوی بزرگ نے، جیسا کہ ایک روایت بھی مشہور ہے، سنگرہ قوم کے کسی بزرگ کو دین اسلام میں داخل کیا ہو اور بطور ولاء وہ "سنگرہ علوی حنفی" مشہور ہو گئے ہوں واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

جعفری | حضرت جعفر طیارؓ ابن ابی طالب کی اولاد میں یہاں کئی خاندان ہیں۔ پہلا اور مشہور و معروف خاندان حضرت شاہ محمد یحییٰ فیاض قدس سرہ کا خاندان ہے۔ حضرت ممدوح کے صُلب سے تو کوئی فرد امروہہ میں باقی نہیں البتہ انکے برادر زادہ اور مرید و خلیفہ حضرت شاہ عضد الدین رحؒ کی نسل سے خاندان میاں شاہ موجؒ[1] ہے۔ ان میں یہاں اب صرف مجتبیٰ شاہ علاء الدین جعفری کی ایک ذات ہے، خدا سلامت رکھے۔

دوسرا خاندان مولوی محمد حسین جعفری ساکن محلہ چاہ شور کا ہے، ان کی اولاد میں مولوی سید علی زینبی وغیرہ ہیں۔

تیسرا خاندان چودھری صاحبان ساکنان محلہ چاہ شور کا ہے جو آخر عہد اکبری میں قصبہ سکیٹ سے آکر امروہہ میں آباد ہوئے اسلئے سکیتی مشہور ہیں۔ اگرچہ اس خاندان کا کوئی قدیم

(گذشتہ سے پیوستہ) کی بیٹی سے ہوئی تھی جس سے پدم رشی پیدا ہوا، اس کا بیٹا پورن دیو تھا جس نے دکھن میں ایک زبردست سلطنت قائم کی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۲۰ پشتوں تک سنگرہ دں کی سلطنت دکھن میں رہی اس کے بعد یہ لوگ مقام دھار میں آئے یہاں بھی عرصہ دراز تک رہے۔ ان کے ایک مورث سکھ دیو کی شادی قنوج کے راٹھور راجہ جے چند کی بیٹی اچکباری دیو کلا سے ہوئی۔ اسی جے چند کو سلطان شہاب الدین غوری نے ۱۱۹۳ء میں شکست دی۔ اس قوم کے لوگ اضلاع اٹاوہ وغیرہ میں زیادہ تر پائے جاتے ہیں۔ اس میں سے کچھ لوگ مسلمان بھی ہو گئے ہیں (میموائرس سر ہنری الیٹ)]

[1] صاحب تحفۃ التواریخ نے محلہ قاضی زادگان میں اولاد سید مظہر علی و نیاز علی و عجائب علی کو شاہ موجؒ کا ہم جد بھی لکھا ہے، خاکسار مؤلف کو اس کی پوری تحقیق نہ ہو سکی، دیرینہ کاغذات سے سوائے شاہ موجؒ کے ایک شاخ کے اور کسی شاخ کا پتہ نہیں چلتا۔

ان حضرات میں منشی آل علی عرف بیرا کا خاندان ساکن محلہ قاضی زادگان کا ہے۔

شجرۂ نسب باوجود جستجو کے خاکسار مؤلف کو حاصل نہیں ہوا تاہم یہ اپنے کو جعفری کہتے ہیں۔ صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں کہ:-[۱]

"اور کچھ اشخاص جعفری بھی اسی محلہ (یعنی محلہ بخشی) کے ایک حصے میں سکونت پذیر ہیں جن کے مورث مقام سکبٹ سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے لہٰذا ان کو سکیٹی کہتے ہیں۔ یہ لوگ خاندان شاہ موج کے ہم جدی ہیں۔ محمد اکبر اور جان محمد اور عبدالحی بن مبارک اور مبارک ولد عبدالقادر اس گروہ میں نامور شخص اور معزز عہدہ دار شاہی گذرے ہیں الخ"

صاحب مختصۃ التواریخ اس خاندان کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:-[۲]

"سیادت جعفری زینبی این جماعت بدرجۂ شہرت معتبرہ است و از قدیم بزرگان ایشان معزز و ممتاز بودہ اند" (اس گروہ کی سیادت جعفری زینبی شہرت معتبرہ کے درجہ پر ہے اور ان کے بزرگ قدیم سے معزز اور ممتاز رہے ہیں)

ان میں منشی سبط علی آنریری مجسٹریٹ، چودہری غلام صادق، چودہری سعید حسن اور منشی انوارالحق وغیرہ کا خاندان ہے۔

عقیلی:- ابتداءً ان کی سکونت محلہ مولانہ میں تھی، سابق میں اس خاندان میں نامور طبیب ہوتے رہے، بنو شاہ جن کا مزار درگاہ شاہ اعزالدین میں ہے اسی خاندان سے تھے۔ کچھ عرصہ سے ان کے بزرگ محلہ شفاعت پوتہ میں ساکن ہوگئے اب صرف چند افراد اس خاندان میں ہیں۔ اس خاندان کی سیادت عقیلی علیٰ وجہ الشہرت مسلم ہے لیکن صاحب واسطیہ نے جو شجرۂ نسب صفحہ ۳۱۸ پر درج کیا ہے اس میں اس خاندان کا سلسلۂ نسب حضرت عقیل کے مشہور صاحبزادے حضرت مسلم سے ملایا ہے جو صحیح نہیں۔ حضرت مسلم غیر معقب ہیں۔ حضرت عقیل کا عقب صرف انکے ایک صاحبزادے محمد سے باقی رہا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ سوم) مشہور ہے کہ ابتداءً امروہہ میں اس خاندان کے مورث آگرہ سے آئے جہاں ان کی سکونت محلہ نائی کی منڈی میں تھی۔

عباسی | امروہہ میں صرف دو بھائیوں کی اولاد سے عباسیوں کے تقریباً پچاس گھر ہیں جو

۱؎ تاریخ اصغری صفحہ ۱۸۸ ۲؎ مختصۃ التواریخ صفحہ ۹۶-

زیادہ تر محلہ مولانہ، سرائے کہنہ اور محلہ حلپہ میں ہیں۔ اس خاندان کے تاریخی حالات تاریخ جعفری وغیرہ میں تفصیل مذکور ہیں، بجائے اس کے کہ اپنے خاندان کے حالات میں خود اپنے قلم سے لکھوں یہ زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ کسی غیر شخص نے جو لکھا ہے اسے نقل کردوں مسٹر ایچ۔ آر۔ نیول، آئی۔ سی۔ ایس، مؤلف مرادآباد ڈسٹرکٹ گزٹیر امروہہ کے خاندان عباسیہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔ [1]

"سنہ ۱۲۶۱ء (مطابق سنہ ۶۵۹ھ) میں (امیرالمومنین) معتصم باللہ آخری خلیفہ عباسی جب مغلوں کے ہاتھ سے شہید ہوگئے تو اس خاندان کے صرف چند افراد باقی بچے، ان میں سے ایک فرد محمد احمد نامی بھاگ کر مصر گئے وہاں پہنچکر انہوں نے پھر خلافت و سلطنت قایم کی۔ دوسرے شخص محمد یوسف براہ سمندر ملک سندھ میں آئے، یہاں (سلطان) غیاث الدین بلبن نے (امیرالمومنین) ہارون الرشید اعظم رضی کے پوتے کی حیثیت سے ان کا بہت کچھ اعزاز و اکرام کیا۔ ان کے فرزند ملک تاج الدین عباسی نے سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد حکومت میں بڑا مرتبہ حاصل کیا۔ ان کے بیٹے ملک معین الدین ہوئے جن کے فرزند مخدوم زادہ شرف الدین عباسی کو سلطان محمد بن تغلق نے عمدۃ الملک اور مخدوم زادہ [2] کے خطابات سے سرفراز کیا۔ ان کے بیٹے شمس الدین ہوئے جو سلطان فیروز شاہ کے ارکین میں سے تھے لیکن سنہ ۱۳۹۸ء میں تیمور کے حملہ کی وجہ سے جب دہلی کے بہت سے اعلیٰ خاندان وہاں سے منتشر ہوگئے تو یہ بھی مع اپنے صاحبزادوں کے امروہہ آئے اور یہاں سکونت اختیار کی۔ ان کے اخلاف میں متعدد اشخاص نامور اور مشہور علماء و فضلا میں سے ہوئے مثلاً مولانا رکن الدین بہ زمانہ ہمایوں.............. الخ"

---

[1] مرادآباد ڈسٹرکٹ گزٹیر مطبوعہ سنہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰۹۔ [2] اس زمانہ میں ہر عباسی کو مخدوم زادہ کے لقب سے ملقب کرتے تھے صاحب تاریخ فرشتہ لکھتا ہے "دراں عصر ہر کہ از خاندان خلفائے عباسی بود بہ مخدوم زادہ ملقب می گشت" صفحہ ۱۲۵۔

مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر نے اس بیان میں غلطی کی ہے کہ مخدوم زادہ شمس الدین عباسی بذات خود امروہہ میں سکونت پذیر ہوئے[۱] فتنۂ تیمور کے بعد وہ مع دیگر اعزا کے پنجاب چلے گئے جہاں اس خاندان کی ایک شاخ جو کہالیاں ضلع گجرات میں اب تک آباد ہے۔

کچھ عرصہ پنجاب میں رہنے کے بعد ان کے فرزند مولانا رکن الدین عباسی مع اپنے خاندان کے امروہہ آئے۔ ان ہی کی نسل سے دو خاندان یہاں آباد ہیں۔ اس خاندان کے علاوہ محلہ مولانہ کے کچھ اور لوگ بھی اپنے کو عباسی کہتے ہیں لیکن خاکسار مؤلف کو باوجود تفحص و تلاش ان کے قدیم کاغذات جن سے ان کے نسبی حالات پر روشنی پڑتی بہم نہیں پہنچے۔ صاحب آئینۂ عباسی لکھتے ہیں[۲]:-

"ایک گروہ ملقب بہ چڑیا[۳] عباسی کہتے ہیں، عظمت علی وغیرہ ان میں ہیں قرابت سب ہے اور سب صاحب شریف ہیں"۔

شیوخ قریشی

امروہہ کے قریشیوں میں صحیح النسب صدیقیوں اور فاروقیوں کے چند خاندان ہیں بعض لوگ اپنے کو عثمانی بھی کہتے ہیں۔

عرب میں خاندان قریش کو جو مرتبہ اور فضیلت حاصل رہی ہے اس کا اجمالی تذکرہ کسی دوسری جگہ کیا گیا ہے۔ حضور سرور کائنات ؐ کا ارشاد ہے کہ۔

---

[۱] مخدوم زادہ شمس الدین عباسی کے ایک پوتے کا نام بھی شمس الدین تھا اور عرف مولانا بابن وہ امروہہ میں سکونت پذیر تھے۔ غالباً صاحب ڈسٹرکٹ گزیٹیر کو اسی مماثلت اسمی کی وجہ سے دھوکہ ہوا۔ [۲] آئینۂ عباسی صفحہ ۲۵ —

[۳] بعض حضرات لفظ چڑیا کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ان کے مورث چڑیا کوٹ (ضلع اعظم گڈھ) سے جہاں عباسیوں کا ایک مشہور خاندان آباد ہے امروہہ آئے اسلئے چڑیا کوٹی عباسی کہلائے کثرت استعمال سے چڑیا کوٹی کا صرف چڑیا باقی رہ گیا۔ واللہ اعلم لیکن چڑیا کوٹ کے خاندان عباسیہ کے شجرہ میں اس شاخ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

فضل اللہ قریشاً بسبع خصائل بانی منهم وان نبوة فیهم وان الحجابة فیهم والسقایة فیهم ونصرهم الله علی الفیل وعبدوا الله عشر سنین لا یعبده غیرهم وانزل فیهم سورة من القرآن لم یذکر فیها احداً غیرهم لایلاف قریش

یعنی قریش کو تمام اقوام پر جو فضیلت حاصل ہوئی اس کی سات وجوہات ہیں، میں ان میں سے ہوں، نبوت ان میں ہے، بیت اللہ کی دربانی (آذینہ) ان میں ہے، حجاج کی سقایہ ان میں ہے، اصحاب فیل (حبشی) (جابر اور قوی قوم) پر خداوند عالم نے ان کی مدد کی، انہوں نے دس سال کامل خدا کی عبادت کی حالانکہ اور لوگ شرک میں مبتلا تھے، خدا نے ان کے متعلق ایک کامل سورت اتاری جس میں سوائے ان کے اور کسی کا ذکر نہیں وہ سورۃ "لایلف قریش" ہے

صدیقی

ان میں زیادہ قدیم خاندان ساکنان محلہ قریشی کا ہے، ان کے مورث قاضی نظام الدین صدیقی قبل تشریف آوری حضرت شاہ ولایت امروہہ کے عہدہ قضا پر مامور تھے۔ قاضی نظام الدین سے چند خاندان متفرق ہوئے۔ ایک خاندان نگینہ میں ہے، دوسرا خاندان اودھ میں سر مہاراجہ صاحب محمود آباد و تعلقداران ہتھونہ منو کا خاندان اسی نسل سے ہے۔ تیسرا خاندان پنجاب میں ساکن ہے۔ چوتھا خاندان امروہہ میں ہے۔

صدیقیوں کا دوسرا قدیم خاندان شیخ معین الدین ناگوری کا ہے جو بارہ پوتیوں کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں اب صرف معدودے چند لوگ ہیں۔

ان قدیم خاندانوں کے علاوہ صدیقیوں کا ایک خاندان منافت پوتوں کا ہے، ان میں حاجی خورشید علی ساکن محلہ سرائے کہنہ کا خاندان ہے۔

دوسرا خاندان اولاد شیخ برہان الدین شہید ساکنان محلہ صدو کا ہے جو "مرزا" کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان میں مرزا رفعت اللہ وغیرہ ہیں۔

تیسرا خاندان اولاد شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعد اللہ کا ہے جو عرف عام میں "ڈاڑھی رنگے"

شیخوں کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان میں شیخ رضا علی بن شیخ مشرف علی و شیخ فضل حق بن شیخ فیروز علی ابنائے شیخ فضل علی بن شیخ قطب الدین بن شیخ عطاء اللہ بن شیخ نور محمد بن شیخ بدر بن شیخ محمد شفیع بن شیخ عبد الحکیم بن شیخ سعد اللہ مذکور، ساکنان محلہ گھیر مناف، شیخ ایزد بخش بن شیخ حید بخش ساکنان محلہ شیخ چاہن، منشی قدرت اللہ ولد شیخ کفایت اللہ ساکنان محلہ پیرزادگان شیخ امجد شاہ ولد شیخ نادر علی مرحوم ساکنان محلہ بازار رزاق وغیرہ کے خاندان ہیں۔ اس خاندان کے نسب وغیرہ کا تفصیلی ذکر صاحب نخبتہ التواریخ نے صفحہ ۹۱ پر کیا ہے۔ صاحب آئینہ عباسی لکھتے ہیں کہ

"کچھ شیوخ محلہ ملانہ میں ملقب بہ ڈھکوری شیخ صدیقی ہیں، رستم علی وغیرہ اور بعض ملقب بہ **داڑھی رنگے** یہ بھی صدیقی کہتے ہیں، خلیفہ محمد بخش وغیرہ (یعنی خاندان شیخ ایزد بخش وغیرہ ساکنان محلہ شیخ چاہن) ان میں ہیں...... اور محلہ گھیر مناف میں ...... شیخ فیروز علی وغیرہ (یعنی مورث خاندان شیخ فضل حق و شیخ رضا علی ساکنان گھیر مناف) داڑھی رنگے ہیں........"

اس خاندان کے بعض حضرات نے زمانہ حال میں شیخ عبد الحکیم بن شیخ سعد اللہ اصلی مورث کے بجائے محض مماثلت اسمی کی بنا پر سید عبد الحکیم نبیرۂ حضرت شاہ ولایت کو، جن کے کوئی اولاد نہ تھی، اپنا مورث قرار دینے کی کوشش شروع کی ہے۔ حالانکہ اس خاندان کے مورث حقیقتاً شیخ عبد الحکیم بن شیخ سعد اللہ بالکل جدا شخص ہیں، جو ۱۰۳۳ھ میں کہیں باہر سے آکر امروہہ میں متوطن ہوئے۔ اور اسی زمانہ میں اپنی سکونت کے لئے محلہ مولانہ میں ایک مکان مع [illegible] روپیہ میں خرید کیا۔ ان کے ایک دختر مسماۃ سلیمہ خاتون اور سات فرزند ہوئے۔ شیخ فیض محمد، شیخ برہان، شیخ محمد، شیخ محمد عارف، شیخ عبد الرحمن، شیخ محمد یوسف اور شیخ محمد شفیع۔ ان ہی بھائیوں کی نسل سے حضرات شیوخ الملقب بہ "داڑھی رنگے" کا خاندان ہے یعنی شیخ محمد شفیع کی نسل سے خاندان شیخ فضل حق و شیخ رضا علی ساکنان محلہ گھیر مناف، شیخ محمد یوسف کی نسل سے خاندان خلیفہ خدا بخش وغیرہ ساکنان محلہ شیخ چاہن جن میں اب شیخ ایزد بخش بن شیخ حید بخش وغیرہ ہیں۔

اور دوسرے بھائیوں کی اولاد سے دوسرے اشخاص ساکنان محلہ بازار رزاق و کنگوئی وغیرہ - اس خاندان میں بھی ادعائے سیادت صرف بعض اشخاص یعنی منشی قدرت اللہ ساکن محلہ پیرزادگان و منشی شہید علی وغیرہ ساکنان محلہ گھیر مناف کی جانب سے عجیب طریقہ پر شروع ہوا ہے، اس خاندان کے دوسرے لوگ شیخ ایزد بخش وغیرہ ساکنان محلہ شیخ چاہن ان کے اس ادعاء سے متفق نہیں - سیادت کے ادعا میں مختلف اوقات میں دو شجرے مرتب ہو کر شائع ہو چکے ہیں - پہلے شجرہ میں تو اس شاخ کے نام بھی شامل کئے گئے تھے جو محلہ شیخ چاہن میں ساکن ہے لیکن جب یہ لوگ کسی طرح بھی اس امر میں ان کے ہم آہنگ نہ ہوئے اور مدعیان سیادت کا مضحکہ اڑانے لگے تو جو شجرہ حال میں شائع ہوا ہے اس میں سے مخالفین ادعائے سیادت کے نام خارج کر دیئے گئے اور یہ شجرہ صرف ان ہی اشخاص کے ناموں تک محدود کر لیا گیا جو اپنے ناموں کے ساتھ "سید نقوی" لکھنے کے زیادہ آرزو مند ہیں -

خاکسار مولف کے پاس اس خاندان کے جو دیرینہ و مستند کاغذات ہیں ان سے اس دعوے کی قطعی طور پر تکذیب ہوتی ہے - تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ سوم -

ان خاندانوں کے علاوہ خاندان منشی عبد الرب شکیب ولد منشی شبیر علی ساکن محلہ شیش محل و شیخ محمد صادق ساکن محلہ چاہ ملا امان جو ڈبکوری مشہور ہیں، نیز خاندان مولوی نذر اللہ و شیخ بدر الدین ساکنان محلہ چاہ شور، نیز خاندان شیخ عبد الرحمن و شیخ عبد الکریم ابنائے شیخ احمد علی بن شیخ مہر علی بن شیخ مبارک علی صدیقی ساکنان محلہ کنگوئی، نیز خاندان حکیم حکمت اللہ خان محلہ حلیہ و خاندان حکیم کرامت علی محلہ بڑوال، نسباً صدیقی مشہور ہیں - انکے علاوہ خاندان شیوخ (المشہور بہ صدو والے) اور شہر کے بعض اور خاندان بھی اپنے کو صدیقی کہتے ہیں - واللہ اعلم بحقیقت حال - خاندان شیخ فضل حق عطار (چاہ ملا امان) بھی صدیقی مشہور ہے -

فاروقی ایک نہایت قدیم، معزز اور صحیح النسب خاندان اولاد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ ساکنان محلہ شیخ زادگان (جھنڈا شہید) کا ہے - ان میں سے

بعض لوگ محلہ مولانہ میں ساکن ہیں اور ایک گھر محلہ چلہ میں بھی ہے۔ ان میں مولوی فرید احمد منشی محمد حسنین وغیرہ ساکنان محلہ جھنڈا شہید و بابو شوکت حسین وغیرہ ساکنان محلہ مولانہ کا خاندان ہے۔

ان کے علاوہ ایک خاندان ملقب بہ "وکیلان" ہے، یہ لوگ بھی اپنے کو فاروقی کہتے ہیں۔

عثمانی محلہ قاضی زادگان میں خلیفہ مہدی علی کا خاندان اور کچھ لوگ محلہ کٹکوئی و کوٹ و کالی پگڑی میں نیز صوفی عبدالرزاق ساکن محلہ بچھرایوں اپنے کو عثمانی کہتے ہیں۔

شیوخ انصاری

امروہہ میں صحیح النسب انصاریوں کا ایک خاندان اولاد مولوی مظہر علی و حافظ نذر اللہ ساکنان محلہ مولانہ کا ہے۔ ان میں شیخ عبداللہ انصاری بھی تھے جنھوں نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا تھا، شیش محل ان ہی کی یادگار ہے۔ یہ لوگ نسباً انصار کے قبیلۂ بنی تمیم سے ہیں۔

ان کے علاوہ خاندان حکیم انعام اللہ ساکن محلہ قریشی و شیخ فدا علی و شیخ سلطان احمد وغیرہ ساکنان محلہ تراولیہ بھی اپنے کو انصاری کہتے ہیں۔

عجمی النسل

ان میں مغل، پٹھان اور قزلباشوں کے خاندان ہیں۔

مغل:- خاندان مرزا مقصود علی و مرزا ضیاء الدین ساکنان محلہ چاہ غوری اور محلہ دربار کلاں و محلہ نوبتخانہ میں چند لوگ مغل مشہور ہیں۔

پٹھان:- امروہہ میں ایسے بہت سے خاندان ہیں جو اپنے ناموں کے ساتھ "خان" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، لیکن نسباً نہ وہ افغان ہیں اور نہ مغل۔ ان میں سے بعض سادات اور خاندان کمبوہ و کلال کے اشخاص ہیں جن کے بزرگوں کو عہد شاہی میں "خان" کا خطاب ملا تھا۔

ان کی اولاد اب تک اس خاندانی خصوصیت کے اظہار کی غرض سے "خان" کا لفظ اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتی ہے۔ ان کے علاوہ بعض وہ خاندان جو ہندوؤں کی شریف اقوام یعنی راجپوت، تگے اور گوجروں سے کسی زمانہ میں مسلمان ہوئے وہ بالعموم "خان" کا لفظ اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اصلی پٹھانوں وافغانوں کے یہاں معدودے چند خاندان ہیں مثلاً خاندان الّو خان ساکن محلہ چاہ ملّا ماں و بعض خاندان ساکنان محلہ نیازیان و کٹکوئی وغیرہ۔

یوں تو امروہہ کے تمام عربی و عجمی النسل مسلمانوں یعنی سادات و شیوخ میں جن کے بزرگوں کو ہندوستان یا امروہہ آئے پانچ پانچ چھ چھ صدیاں ہو گئیں، ذہنی و اخلاقی تنزل کی وہ نوبت پہنچی ہے، سیرتیں ایسی بدل گئی ہیں اور صورتیں ایسی تبدیل ہو گئیں کہ ؎

گر سلف دیکھیں ہماری زندہ ہو کر اب ہمیں　　آئے نسبت اور قرابت سے ہماری اُنکو عار

اسی سے جسمانی انحطاط کا بھی قیاس ہو سکتا ہے، اسلاف کے وہ "بر و دوش" اب کہاں ؎

وہ بر و دوش اور وہ سینے پہلوانی کیا ہوئے　　وہ قدِ بالا وہ چہرے ارغوانی کیا ہوئے

لیکن افغانوں اور پٹھانوں کے اکثر خاندانوں کو ہندوستان آئے اتنی زیادہ مدت نہیں ہوئی کہ ان کی قومیت کا اظہار اُن کی جسمانی حالت اور چہروں سے نہ ہو سکے۔ امروہہ میں معدودے چند خاندان ایسے نکلیں گے جن کے بیشتر افراد میں پٹھانوں کی شباہت آتی ہو حالانکہ شاہجہاں پور، رام پور بلکہ اسی ضلع کے مقام حسن پور وغیرہ میں جو پٹھان خاندان آباد ہیں باوجود موجودہ دور تنزّل و انحطاط کے شجرہائے نسب کے اوراق سے کہیں زیادہ اُن کے چہرے اور اُن کی جسمانی ساخت اُن کی افغانیت کا بیّن ثبوت ہیں۔

قزلباش:- امروہہ میں قزلباشوں کا صرف ایک ہی خاندان ہے جو تقریباً چالیس سال سے یہاں متوطن ہے یعنی خاندان آغا نوازش علی خان و آغا صادق حسین خان وغیرہ۔ آغا برکت حسین لسنباً سید ہیں۔ قزلباش نسباً ترک ہیں، امیر تیمور صاحب قران نے فتح روم

کے وقت ترکوں کے بعض قبائل کو، جو قوم اُسارا کے نام سے موسوم تھے گرفتار کیا تھا، جنھیں وہ اپنے ساتھ ایران لایا۔ حضرت شیخ صفی الدین اسحٰق اردبیلی قدس سرہٗ کے نبیرہ خواجہ علی کی سفارش پر یہ لوگ آزاد ہو کر ایران ہی میں متوطن ہو گئے اور خاندان شیخ قدس سرہٗ کے ساتھ، جو نسبًا سید تھے، اس قوم کو نہایت درجہ عقیدت و ارادت تھی، بالآخر اسی قبیلہ کی امداد سے شیخ قدس سرہٗ کے اخلاف میں سلطان اسمٰعیل صفوی نے ایران کی سلطنت حاصل کی اور ترکوں کے ان قبائل کو قزلباش کا خطاب دیا:-

"ازہماں قبائل اتراک حیدرہ کلاہ سُرخ بہ آنہا عطا کردہ بودہ الملقّب بہ قزلباش ساخت
...... قزلباش در ترکی (سُرخ) بمعنی سر آمدہ۔ اصل قزلباش ہم ترکی است۔
...... واز ہمیں سبب است کہ ترکاں در توران گویند کہ قزلباش ہم بچۂ ما است۔[1]

ابتدائً یہ لوگ سُنّی المذہب تھے۔ جب سلطان اسمٰعیل صفوی نے مذہب اثنا عشریہ اختیار کیا اور ایران میں اس کو رائج کیا تو یہ لوگ بھی شیعہ ہو گئے۔

اوّل سلاطین صفویہ او (یعنی سلطان اسمٰعیل) بودہ است و مذہب اثنا عشری در ایران از وقت او جا بجا رواج و رونق پذیر است۔[2]

ہندی الاصل انہیں دو گروہ ہیں ایک شرفا کا اور دوسرا پیشہ وروں کا۔ شرفا میں شیوخ کمبوہ و کلال کے علاوہ امروہہ کے وہ بہت سے خاندان ہیں جو مختلف زمانوں سے اپنے کو صدیقی اور پٹھان کہنے لگے ہیں۔

شرفائے کمبوہ:- ان حضرات میں چند مشہور و معروف اور ذی عزت و ذی وجاہت خاندان شامل ہیں یعنی خاندان حکیم امجد علی خاں اور حکیم راحت علی خاں ساکنان محلہ صدو، خاندان نواب وقار الملک مرحوم مولوی تسلیم احمد، حکیم فیاض رسول، مولوی صبغۃ اللہ وغیرہ ساکنان محلہ شاہی چبوترہ کا۔ ان ہی سے منشی سبط علی وغیرہ محلہ چاہ شور میں ساکن ہیں۔

۱؎ عماد السعادت ــ ۲؎ عماد السعادت صفحہ ۱۰۔

مولوی احسان الحسن خویش نواب وقار الملک اپنے کو حضرت شیخ غوث محمد گوالیاری کی نسل سے بتاتے ہیں جو نسباً فاطمی سیّد تھے۔ واللہ اعلم۔

شرفائے کلال:- ان میں بھی چند گروہ ہیں۔ ایک خاندان درویش علی خاں منصبدار پنج ہزاری عہد فرخ سیری کا جس میں شیخ صدیق علی خاں و مولوی احمد حسین خان وغیرہ ہیں، دوسرا شیخ محمد ہادی وغیرہ کا، تیسرا شیخ کریم بخش وغیرہ کا۔ ان میں گلڑیہ والوں کا جو خاندان مشہور ہے وہ اپنے کو شیخ صدیقی کہتے ہیں۔ ان میں منشی عبدالقیوم عطار اور منشی محمد اختر وغیرہ ہیں۔

خاکسار مؤلف نے سادات و شرفائے امروہہ کے خاندانوں اور ان کے ارباب کمال کے حالات حصّہ دوئم میں تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں اور مختلف خاندانوں کے انساب پر حصّہ سوم میں بحث کی ہے۔ ذیل میں امروہہ کی پیشہ ور اقوام کے مختصر حالات درج کئے جاتے ہیں اور بعض اقوام کے نسب پر تاریخی پہلو سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

مسلمان پیشہ ور اقوام

مسلم پیشہ ور اقوام کے نسبی حالات لکھتے وقت اس مسئلہ کی محض تاریخی حیثیت خاکسار مؤلف کے پیش نظر ہے، اس سے کسی اسلامی برادری کی تنقیص و تحقیر یا کسی طبقہ کا تعزز و تفاخر ہرگز مقصود نہیں، اسلامی نقطۂ خیال سے بموجب ارشاد باریتعالیٰ انما المؤمنون اخوۃ (یعنی سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) تمام مسلمان خواہ نسلاً عربی ہوں یا عجمی، چینی ہوں یا بربری، ہندی ہوں یا سندھی ایک ہی رابطۂ اتحاد و اخوۃ میں مربوط ہیں، مدارِ فضیلت بموجب نصِ قرآن اِنَّ اکرمکم عند اللہ اتقکم (ترجمہ:- تم میں زیادہ معزز خدا کے نزدیک وہ ہی ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے) علم و تقویٰ اور محاسن اخلاق پر ہے

نہ کہ عربیّۃ و عجمیّۃ، قرشیّۃ و ہاشمیۃ پر۔ اسلئے ایک ہندی نژاد جولاہہ یا قصائی اگر زیورِ علم و فضل، صلاح و تقویٰ سے آراستہ ہو تو اسے ایک ہاشمی الاصل، عزتی النسب سیّدزادہ پر جو ان اوصاف سے متصف نہ ہو، قطع نظر امتیاز نسبی، بہ اعتبار حکم مذہبی درجہ امتیاز و مرتبہ فضیلت حاصل ہے، لہذا اس تاریخی بحث کو شرافت و رذالت کا معیار نہ سمجھا جائے۔ اسلامی مساوات کا عطر اقبال نے ان اشعار میں کھینچکر رکھ دیا ہے ؎

تو اے کودک منش خود را ادب کن — مسلماں زادۂ ترکِ نسب کن
برنگِ احمر و خون ورگ و پوست — اگر نازد عرب ترکِ عرب کن

پیشہ ور اقوام کا نسبی تعلق ہندوستان میں آرین قوم کے فاتحانہ داخلہ کے بعد ہندوستان کے باشندے منوجی مہاراج کی تقسیم کے مطابق چار طبقوں میں منقسم ہو گئے، جو گروہ علم و فضل اور مذہبیات کا حامل بنا وہ سب سے افضل قرار پایا اور برہمن کا لقب ملا۔ دوسرا جو تلوار کا دھنی اور تاج و تخت کا مالک ہوا، زراعت و فلاحت کو جس نے اپنا پیشہ بنایا وہ شتری یا چھتری کہلایا، تیسرا جس نے تجارت، اقتصادیات اور دادوستد کا پیشہ اختیار کیا وہ ویش کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ تینوں گروہ اپنے آپ کو آرین کہتے ہیں۔ چوتھا گروہ، اور نہایت کثیر گروہ، جو ہندوستان کا حقیقی اور اصلی باشندہ تھا، ان میں سے وہ لوگ جو آرین فاتحین کے اقدام سے پہلے اپنے ملک کے مالک تھے، تاب مقاومت نہ لا سکے، کچھ تو حملہ آوروں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھکر وسط ہند، راجپوتانہ وغیرہ کے پہاڑی علاقوں میں روپوش ہو گئے جہاں آج تک اس نسل کے لوگ اپنی اسی غیر متمدن حالت میں پائے جاتے ہیں۔ ان کا بڑا حصہ آج بھیل و گونڈ کے نام سے مشہور ہے لیکن ان کی کثیر تعداد فاتح قوم کی مطیع و منقاد ہو کر خدمتگذار بن گئی۔ انہیں شودر کا لقب ملا۔ یہ بدقسمت طبقہ آج تک ہندوستانی قومیت کے لحاظ سے پست ترین خیال کیا جاتا ہے، اور آج "پست اقوام" (Depressed classes)

اور "اچھوت ذات" (Untouchables) کے ناموں سے موسوم ہے۔ مسلم پیشہ ور اقوام کے کثیر حصہ کا حقیقی اور نسبی تعلق بھی اسی ہندی قوم سے ہے۔ اور ان کا وجود بھی زیادہ تر ملک کے ان ہی حصوں میں پایا جاتا ہے جہاں مسلمانوں کے سیاسی اور حاکمانہ اقتدار کے ساتھ ساتھ ان کا قومی و معاشرتی اثر بھی غالب رہا، جہاں بیرون ہند سے آئے ہوئے مسلمان شرفاء کے خاندان زیادہ آباد ہوئے، ان کی نسلیں پھیلیں اور جہاں اسلامی مبلغین نے اسلامی مساوات کا جانفزا مژدہ ان اقوام کو سنایا جو "اونچ ذات" کے ہندوؤں کی چیرہ دستی کا شکار ہو رہی تھیں اور تبدیل مذہب جن کی دنیاوی نجات کا موجب تھا۔ لیکن جس حصہ پر مسلمانوں کا صرف سیاسی اقتدار رہا اور جہاں تبلیغ اسلام کا کام وسیع پیمانہ پر شروع نہیں ہوا وہاں اب تک پیشہ ور اقوام کا غالب حصہ بدستور ہندو چلا جاتا ہے۔

ہندوستان کے جن حصوں میں مختلف پیشہ ور فرقوں سے جو لوگ اسلامی حکومت کے اثر و نفوذ، اسلامی تعلیمات، اسلامی مبلغین کی کوششوں، مسلمانوں کے معاشرتی اقتدار، کاروباری تعلق اور خدمتگذاری کے اثرات سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے وہ "پیشہ ور مسلم اقوام" کہلائے۔ ان میں ہر گروہ کی بہ لحاظ ان کے قدیمی پیشہ کے ایک جداگانہ اسلامی برادری بن گئی، جن میں سے اکثر کے وہی پہلے ہندی نام بدستور باقی رہے، جیسے "نائی"، لوہار، بڑھئی یا کھاتی، چھیپرہ، پنجارہ، بھانڈ، بھاٹ، ڈوم وغیرہ اور بعض پیشوں کے عربی و فارسی نام پڑ گئے جیسے قصّاب (عربی)، مطرب یعنی گویا (عربی)، سقّہ (عربی)، میراثی (عربی کا بگڑا ہوا)، خیاط (فارسی)، جولاہہ (فارسی)۔

امروہہ کی مسلم پیشہ ور اقوام

مسلم پیشہ ور اقوام کا وجود صرف ان ہی قصبات، دیہات اور شہروں میں پایا جاتا ہے جہاں اسلامی آبادی زیادہ ہے یا جن مقامات کا ماحول اسلامی اثرات سے زیادہ متاثر ہوا چنانچہ لکھنؤ، آگرہ، شاہجہانپور وغیرہ میں مسلمان دھوبی اور بھنگی بھی پائے جاتے ہیں۔ غرضکہ دیگر اسلامی قصبات کی طرح امروہہ میں بھی مسلمان

پیشہ ور اقوام کی کثیر تعداد آبادی، جو حکومت برطانیہ سے پہلے براہ راست یہاں کے سادات و شرفا کی رعایا سمجھی جاتی تھی۔ ان میں زیادہ تعداد نوربافوں یعنی جولاہوں کی، اس کے بعد قصابوں یعنی قسائیوں کی، پھر دھنے، بڑھئی لوہار، راج، چھیپے، تیلی، منہار، سقوں وغیرہ کی ہے۔ جوں جوں شہر میں سادات و شرفا کی آبادی بڑھتی گئی شہر کے مختلف اقطاع میں انہوں نے اپنے سکونتی مکانات، بازار، سرائیں وغیرہ بنائیں اور ہر خاندان نے اپنے گردوپیش کی اراضیات میں اہل حرفہ کے خام مکانات بنائے اور بطور اہل حرفہ و خدمتگذار اُن لوگوں کو آباد کیا۔ چنانچہ آج بھی جس طرح شرفاء و سادات کے مختلف خاندان مختلف محلّوں میں آباد ہیں ان لوگوں کی آبادی بھی ان کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی ہے۔

امروہہ کی مُسلم پیشہ ور اقوام میں مختلف انساب کے لوگ شامل ہیں، زیادہ حصّہ ان قوموں سے متعلق ہے جنھیں ہندوؤں نے شودر کہکر پکارا، بعض غیر سندی ہیں مثلاً دلال۔ اور درزی وغیرہ۔

اسلامی برادری کی حیثیت سے مُسلم پیشہ ور اقوام جسد اسلامی میں بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہیں۔ ان کی ترقی مسلمانان امروہہ کی ترقی اور ان کا تنزّل مسلمانوں کا قومی تنزّل ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ بعض اشخاص جو ان میں با اثر ہیں بجائے اسکے کہ ان اقوام کی ذہنی و تعلیمی، اقتصادی و معاشرتی پستی کے دور کرنے کی کوئی نتیجہ خیز تدبیر کریں شرافت و رذالت کے لایعنی سوالات پیدا کرنے اور مسلمانوں کے اعلیٰ طبقات کے خلاف منافرت کے جذبات مشتعل کرکے ذاتی وجاہت حاصل کرنے کی دُھن میں مصروف ہیں۔ کاش ان لوگوں کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھکر صلاح قوم کی کوئی نتیجہ خیز تدبیر اختیار کی جائے۔

ذیل میں حروف تہجی کے اعتبار سے مختلف پیشہ وروں کی برادریوں کے مختصر حالات درج کئے جاتے ہیں:۔

باورچی عرصۂ دراز سے امروہہ میں باورچیوں کا ایک خاندان آباد ہے جو نسلاً بعد نسل باورچی کا پیشہ کرتے تھے یہ لوگ اپنے کو مغل کہتے ہیں، اب اور کام کرنے لگے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے مورث مرزا قاسم بعہد محمد شاہ بادشاہ دہلی سے امروہہ آئے تھے[۱] ان کی سکونت محلہ مجاپوتہ میں ہے۔

بڑھئی و لوہار ان کی زیادہ آبادی محلہ مولانہ، حقانی، بساون گنج، بیگم سرائے کلاں اور ٹبوال میں ہے۔ یہاں کے بڑھئی اور لوہار نہایت دستکار اور صناع ہیں۔ بقچیہ کا پلنگ ان کی خاص صنعت ہے، رتھ اور بہلی نہایت عمدہ بناتے ہیں۔ ہر قسم کا عمارتی کام بے نظیر کرتے ہیں۔ مستری حفیظ اللہ ساکن محلہ مولانہ مشہور استاد تھا۔ اس کے لڑکے بھی اچھے کاریگر ہیں اور باہر کارخانوں میں ملازم ہیں۔ لاہور، اجمیر، دہلی اور لکھنؤ وغیرہ میں یہاں کے لوہار اور بڑھئی کام کرتے ہیں۔ عہد اسلامی میں یہاں کے لوہار اسلحہ وغیرہ بھی اچھے بناتے تھے۔

بھاٹ ان کی تعداد اب بہت مختصر ہے، زیادہ تر محلہ مچھر ٹہہ اور مراد آبادی دروازہ میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ اصلاً ہندو بھاٹوں کی نسل سے ہیں جن کی بڑی تعداد اس نواح میں وارانگہ میں آباد ہے۔ سرہنری ایلیٹ لکھتے ہیں:-

> "بہت سے بھاٹوں نے مذہب اسلام اختیار کر لیا۔ بعض کے متعلق کہا جاتا ہے کہ" (سلطان) شہاب الدین غوری کے زمانہ میں مسلمان ہوئے اور اس وقت سے ان کا قومی لقب "رائے" پڑ گیا[۲]

امروہہ کے بھاٹ بھی اسی "رائے" کے لقب سے اپنے کو ملقب کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے عہد میں چھتریوں میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کے نسب نامے محفوظ رکھنا اور تقریبات میں ان کے بزرگوں کے کارناموں کو فی البدیہہ اشعار میں موزوں کرکے سنانا ان کا پیشہ

---

[۱] تاریخ اصغری۔ [۲] میموائرس سرہنری ایلیٹ صفحہ ۱۹ حصہ اول۔

تھا مسلمان بھاٹوں کا بھی بجنسہ یہی پیشہ ہے۔ ابتداءً مسلمان امراء ورؤساء کے نقیب تھے اور مدحیہ کبت پڑھتے تھے۔ اب نہ رؤساء رہے اور نہ ریاست اسلئے یہ بیچارے بھی مفلوک الحال ہیں مگر ابھی تک قدیم پیشہ کو نہیں چھوڑا۔ بعض ان میں سے مہذب، شستہ زبان اور علم مجلسی سے واقف ہیں۔

بھانڈ و نقال ان کی تعداد بھی امروہہ میں اب مختصر سی ہے نسباً ان کا تعلق بھی ہندوستان کے اصلی باشندوں یعنی شودر اقوام سے ہے۔ زیادہ تر محلہ احمد نگر میں رہتے ہیں اور قدیم سے اپنے پیشہ میں نامی اور مشہور ہیں۔ کچھ عرصہ پیشتر تک یہ لوگ دور دور بلائے جاتے اور صدہا روپیہ اور دوشالے انعام پاتے تھے۔ ان میں ہمت بھانڈ نے بڑا نام پیدا کیا تھا۔ اس کا بیٹا سیف اللہ بھی مشہور نقال تھا۔

بزقصاب ان کی زیادہ تر آبادی محلہ بیگم سرائے خورد میں ہے، یہ لوگ محض اپنا پیشہ کرتے ہیں۔ ان کی تعداد بھی کم ہے۔

چھیپر یا چھیپی ان کی زیادہ آبادی محلہ ٹھوال، بازار ٹھوال اور محلہ نیار یہ میں ہے۔ یہ لوگ عموماً کپڑا چھاپتے ہیں، یہاں جاجم وغیرہ اچھی چھپتی اور باہر رؤساء میں جاتی ہے۔ ان ہی میں بعض لوگ دوسری تجارتیں بھی کرتے ہیں۔ ملا چھیپی کی بسر سٹہ کی دکان بڑی اور قدیم دوکان ہے۔ کچھ لوگ پہاڑی مقامات پر ڈبل روٹی اور مٹھائی وغیرہ بنانے کا بھی کام کرتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ اپنے کو "مغل" بھی کہتے ہیں۔

حجام یا نائی ان میں دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ محلہ قریشی، کالی پگڑی، چوک، کٹرہ بخشا ور سنگھ میں رہتا ہے۔ یہ لوگ "خالصہ والے" مشہور ہیں۔ دوسرا بڑا گروہ زیادہ تر محلہ چاہ غوری، بنگلہ، چاہ ملا امان اور ٹھوال میں آباد ہے۔ امروہہ کے حجام اپنے پیشہ میں نہایت ہوشیار ہیں، اکثر لوگ دہلی اور بمبئی وغیرہ مقامات پر اپنا کام کرتے اور خوب کماتے ہیں۔ چاہ ملا امان کے حجاموں میں عبد اللہ حجام پرانی وضع کا سلیقہ مند اور خدمتی شخص ہے، اسکالر کا حمید اللہ بمبئی

میں کام کرتا ہے اور اپنے کام میں ہوشیار ہے۔ ان ہی میں رفیع اللہ خاندانی اور مشہور جرّاح ہیں ان کا بھائی رفعت اللہ انٹرنس پاس صوبہ متوسط کے اسکول میں ٹیچر ہے اس کا چھوٹا بھائی وصی اللہ بھی انگریزی تعلیم یافتہ ہے۔ نجف علی جرّاح اور عبدالغنی جرّاح اپنے کام میں مہارت رکھتے ہیں۔ بنگلوں میں غلام قادر وغیرہ اور حاجی کریم بخش کے لڑکے مختلف تجارتیں کرتے ہیں۔

حلوائی | ان کی زیادہ آبادی محلہ شاہی چبوترہ، نوبجانہ اور محلہ سٹھی میں ہے۔ زیادہ تر اپنا پیشہ کرتے ہیں۔ شاہی چبوترہ کے حلوائیوں میں قدیم سے کھنڈسال کا کاروبار ہوتا ہے، پہلے اس کام میں بعض لوگوں نے اچھی کامیابی حاصل کی تھی، اسی سے جائیداد زمینداری بھی پیدا کی تھی اب کچھ عرصہ سے یہ کام بہت کم ہو گیا ہے۔

خمرے | ان کی مختصر تعداد صرف محلہ کنکوئی پر آباد ہے، ان کی برادری کے لوگ کچھ سہنسپور، حسن پور اور سرسہ، تھار وغیرہ میں رہتے ہیں، بعض لوگ ان کو "خماروں" کے فرقہ میں شمار کرتے ہیں۔ زیادہ تر کاشتکار پیشہ ہیں، چٹائی وغیرہ بھی بنتے ہیں

درزی | ان کی زیادہ آبادی محلہ چاہ غوری، بازار رزاق، گشتی اور محلہ محکم سرائے، کالا کنواں نیاریہ میں ہے۔ نسباً مختلف نسلوں کے ہیں، بعض اپنے کو مرزا کہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے پیشہ میں ہوشیار اور بہت اچھے کاریگر ہیں، ہر قسم کا کپڑا اچھا سیتے ہیں، زیادہ تر لاہور، شملہ، دہلی، لکھنؤ، نینی تال وغیرہ مقامات پر بڑی بڑی کمپنیوں میں ملازم ہیں۔ ان میں سے بعض کی اپنی ذاتی دوکانیں بھی ہیں، بازار رزاق میں کفایت بیگ وغیرہ ہوشیار کاریگر ہیں۔ ان میں بعض لوگ رنکین کمپنی میں ملازم ہیں۔ عبدالغفور ٹیلر ماسٹر بھی اچھا کاریگر اور کٹر (Cutter) ہے کشمیری دروازہ دہلی میں اچھے پیمانہ پر اس کی دوکان ہے۔ کالے کنوئیں پر حبیب اللہ خیاط اور اس کے لڑکے اچھے کاریگر ہیں۔ حاجی عبداللطیف ان میں نمودار ہیں۔

دلّال | یہ لوگ زیادہ تر محلہ مولانہ کے اس حصہ میں ساکن ہیں جو محلہ سٹھی سے متصل ہے

نسباً غیر ہندی یا عجمی ہیں اپنے کو مرزا کہتے ہیں۔ کاغذات دیرینہ میں ان کو "ترکمان" بھی لکھا ہے۔ سابق میں کپڑے کا کاروبار ان سے متعلق تھا اور ہر قسم کے کپڑے کی "دلّالی" ان کا پیشہ تھا اسی لئے یہ لوگ **دلّال** مشہور ہوگئے جس مقام پر ان کی اب بھی سکونت ہے قدیم زمانہ میں اس سے متصل سوت اور پارچہ فروشی کا "ہاٹ" یعنی بازار لگتا تھا اس لئے یہ "**سوت ہٹی**" کہلاتا تھا جو بہ مرورِ ایام مخفف ہوکر "**سٹھی**" مشہور ہوگیا۔

اسلامی سلطنت نے پارچہ فروشی کے متعلق ان کو بعض خاص حقوق دے رکھے تھے ہر قسم کے ٹیکس اور محصول سے مستثنیٰ تھے جس کی تصدیق عہد شاہجہانی کے حسب ذیل پروانہ سے ہوتی ہے:-



متصدیان مہمات و معاملات حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل مضاف صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد اعلام آنکہ چوں حسین و حسن و ابراہیم ترکمان سکنہ پرگنہ مسطور بہ حضور درگاہ آمدہ استغاثہ شدند کہ از قدیم الایّام و از آباد و اجداد در امروہہ کسب دلّالی پارچہ کورہ ......[1] ... ابریشمی قیام می نمایند و دایم حکّام سابق از کل تکالیف معاف و مسلّم داشتہ اند .... بہرگونہ بدستور قدیم از جمیع ابواب معاف داشتہ بہ وجوہ من الوجوہ مزاحمت بہ ایشاں نرسانند کہ در کار کسب پیشۂ خود بفراغ خاطر قیام داشتہ باشند درین باب تاکید بلیغ شناسند۔ تحریر فی التاریخ ۱۰ ار ماہ الٰہی سنہ ۱۰۴۱ھ

بعض لوگ اب بھی پارچہ فروشی کا کاروبار کرتے ہیں۔ منچسٹر کی تجارت نے جب ہندوستان کی پارچہ بافی کی صنعت کو تباہ کر دیا تو دلّالوں کے پیشہ پر بھی خاص اثر پڑا۔ افلاس اور فقدان تعلیم نے اس شریف قوم کو بھی ادنیٰ قسم کے پیشے اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ کچھ لوگ انڈے مرغی بیچتے ہیں کچھ خانگی ملازمت کرتے ہیں۔

---

[1] بوجہ کہنگی چند الفاظ پڑھے نہیں گئے۔

راج یا معمار یہ لوگ زیادہ تر بیگم سرائے کلاں، کٹرہ غلام علی، چوک، بازار رزاق، راجوں کے کنوئیں نیز محلہ مجاپوتہ و متصل قسائی خانہ آباد ہیں یہاں کے راج اپنے فن میں نہایت ہوشیار اور چابکدست ہیں، ان کی بنائی ہوئی عمدہ عمدہ عمارتیں شہر میں موجود ہیں۔ خلیفہ روشن اور مستری حیات بخش دو مشہور معمار گذرے ہیں۔ مسجد جامع امروہہ (محلہ مولانہ) کی اگلی گہ اور عالی شان دروازہ مستری حیات بخش کی کاریگری کا نمونہ ہیں۔ ان کی اولاد میں مستری محمد اعظم بھی ہوشیار معمار گذرا ہے۔ کٹرہ غلام علی میں حاجی برکت اللہ مشہور معمار اور مستری ہے۔ یہ لوگ بکثرت بڑے بڑے شہروں میں کام کے لئے جاتے ہیں۔ خاندانی معماروں کے علاوہ اب کچھ دوسرے پیشہ کے لوگ خاصکر بعض جولاہے بھی معماری کا کام کرنے لگے ہیں۔

سقّے ان کی آبادی محلہ چاہ ملا آمان، کالی بگڑی، متصل محلہ بگلہ، بارہ پوتیاں، حقانی نیازیان وغیرہ میں ہے۔ یہ لوگ صرف اپنا پیشہ کرتے، بابر کے بان بٹتے ہیں۔ پرانے زمانہ میں جب شعر شاعری کا چرچا امروہہ میں زیادہ تھا سو سائٹی کا اثر دیکھئے کالی بگڑی کے سقوں میں ایک سقّہ جو محض جاہل اور ناخواندہ تھا لیکن طبیعت موزوں پائی تھی شعر موزوں کر لیتا تھا۔ وہ شاعری نہ سہی تک بندی سہی مگر دیکھئے صنعت ایہام کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

کہتیاں کٹتی ہیں اور دور چلے جاتے ہیں اپنے بالوں کیلئے بال بنا لاتے ہیں

قصاب یا قسائی[1] ان کے متعدد گروہ مختلف محلوں میں آباد ہیں، بڑی تعداد محلہ بگلہ و شفاعت پوتہ کے اس حصہ میں آباد ہے جو "قسائی خانہ" کے نام سے موسوم ہے، ان میں دو بھائی سلیم اللہ اور رحمت اللہ اپنی برادری میں ممتاز ہیں، انکے

---

[1] قسائی کو حرف "ص" سے لکھنا صحیح نہیں یہ لفظ قسی سے مشتق ہے جسکے معنی بے رحمی کے ہیں (ملاحظہ ہوں صفحات نمبر ۲۲۳)

پاس کچھ زمینداری بھی اپنی خریدکردہ ہے' مسکین' متواضع اور شریف طبیعت ہیں پٹھہ وغیرہ کی تجارت کرتے ہیں۔ قسائیوں کی بقیہ آبادی سرائے مچھر تہہ' راجو سرائے' بازار جٹ' محلہ نوگزہ' سرائے بخشیان' لکڑہ' سرائے کہنہ اور محلہ دانشمندان میں ہے۔ چند گھر محلہ بچدرہ میں بھی ہیں۔ ان میں منشی ظفر احمد مرد معقول' حاجی حرمین' اپنی برادری میں ممتاز ہیں آبائی کاروبار کے بجائے اینٹوں کی تجارت کرتے ہیں' ان کا اپنا بھٹہ بھی ہے۔ ان کا لڑکا منشی منظور احمد' انگریزی تعلیم یافتہ' ٹھیکہ داری کرتا ہے لیکن سوائے دو چار اشخاص کے ان میں تعلیم کا رواج نہیں منشی ظفر احمد کی کوششوں سے اب ایک انجمن اور خورد سال بچوں کی تعلیم کے لئے مکتب بھی قائم ہوا ہے۔ خدا کرے اسی کی بدولت اس قوم میں تعلیم کی روشنی پھیلے اور اپنی پست حالت سے نکل کر مسلمان سوسائٹی کا اچھا عنصر بنیں۔

امروہہ کے قسائیوں کا بیشتر حصہ گوشت کی' کچھ لوگ مویشی کی' بعض کھال اور ہڈی کی تجارت کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ پیشتر تک جو لوگ گوشت فروشی نہیں کرتے تھے ان کا زیادہ حصہ سادات وشرفا کے یہاں خانگی ملازمت کرتا تھا اور اب تک کرتا ہے' اسی بنا پر عوام میں ان کے دو گروہ مشہور ہیں (۱) ٹھٹھو' یعنی گوشت فروشی کرنے والے ان کو' ٹھمی' بھی کہتے ہیں اور (۲) چکریہ یعنی مواضعات میں پھیری سے گوشت فروخت کرنے والے' بیرونجات سے مویشی لانے اور خانگی ملازمت کرنے والے۔ بعض لوگ ان میں مزدور پیشہ بھی ہیں۔ باغات وغیرہ کے پشتے چڑھانے' خندق کھودنے میں خاص مہارت ہے۔ ان کی عورتیں قدیم سے سادات وشرفا میں عموماً ماماگری کرتی اور سادات میں خصوصاً دودھ پلاتی رہی ہیں۔ دایہ گری ان کا مخصوص پیشہ ہے۔ تقریبات کے موقع پر سادات وشرفا میں اور خدمتیوں کی طرح دایہ کا حق بھی نکلتا ہے۔ پردہ کا رواج مثل اور پیشہ وروں کے اس قوم میں کچھ عرصہ پیشتر تک مطلق نہ تھا۔ اب اصلاح قوم کی تحریک سے شروع ہوتا جاتا ہے۔ اور بعض معیوب رسموں کی اصلاح کا خیال بھی پیدا ہوا ہے۔ خدا کرے یہ خیال عمل کی صورت اختیار کرے

مُجاور یہ لوگ زیادہ تر محلہ نوگزہ میں ساکن ہیں، مجاوری ان کا آبائی پیشہ ہے ان میں کئی خاندان ہیں، زیادہ تر درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ کی مجاوری کرتے ہیں بعض لوگ درگاہ حضرت شاہ گھاسی اور دوسری درگاہوں کے مجاور بھی ہیں۔ ان میں چند اشخاص حضرت شاہ ولایت کے خادم شیخ نظام کی اولاد میں ہیں، کچھ لوگ قاضی الہدیہ کے غلام شیخ کندن کی نسل سے ہیں اور بعض دیگر اشخاص کی۔ حضرت شاہ ولایت کی درگاہ کی خدمت اور جاروب کشی قدیم سے آپ کے خادم شیخ نظام کی اولاد کا حق ہے جیسا کہ حسب ذیل تحریر سے ثابت ہے:۔

"مایان کہ جمیع سادات امروہہ از فرزندان قدوۃ العارفین وسیلۃ السالکین حضرت سید شرف الدین شاہ ولایت قدس اللہ روحہ ایم۔
چوں شیخ جیون و شیخ داؤد وغیرہ خدمت روزہ حضرت ظاہر نمود کہ محمد شریف بجد خواست اظہار می نماید کہ از اولاد کندن غلام قاضی الہدیہ ایم از انجا کہ خدمت جاروب کشی و خدامت درگاہ از قدیم در شیخ نظام خادم از حضور آنحضرت مقرر است و نیز بر مایان ہمیں معلوم است کہ جمیع خدما از فرزندان شیخ نظام مذکور اند چنانچہ شیخ جیون وغیرہ بر ورثہ شیخ نظام بدستور قابض و متصرف اند لہذا نوشتہ می دہیم کسے کہ اولاد کندن کہ غلام قاضی الہدیہ باشد او را بخدمت جاروب کشی درگاہ چہ علاقہ وجہ رسد کہ در مقدمۂ خادمان درگاہ دخل نماید۔ تحریر فی التاریخ یازدہم شہر شعبان المعظم سنہ ۲۴ جلوس والا مطابق سنہ ۱۱۵۱ھ"

حضرت شاہ ولایتؒ کے چار خلفائے باکمال تھے۔ ایک آپ کے پوتے سید محمد ابدال دودہ دھاری، دوسرے قاضی عبد اللطیف، تیسرے شیخ معین الدین ناگوری اور چوتھے شیخ نظام الدین عباسی۔ اوّل الذکر تین خلفاء امروہہ میں رہے اور ان تین حضرات کی قبور بھی یہیں ہیں۔ ان میں سید محمد ابدال دودہ دھاری اور شیخ معین الدین کے مزارات کا دوسرے موقع پر تذکرہ

ہو چکا ہے۔ قاضی عبد اللطیف کا مزار محلہ نوگزہ میں چنگی کی چوکی کے سامنے سڑک سے جانب جنوب متصل شیشہ باغیچہ شکستہ حالت میں ایک چبوترہ پر واقع ہے۔ چوتھے خلیفہ شیخ نظام الدین عباسی رح بعد اکتساب کمالات اپنے وطن ملتان کو تشریف لے گئے جہاں سلسلہ بیعت بھی جاری کیا۔ آپ کے برادرزادہ مولانا فضل اللہ بن ضیاء الدین عباسی بھی صاحب کمال ہوئے۔ صاحب مقالہ صدر العارفین لکھتے ہیں

چہارم خلیفہ شیخ نظام الدین بود۔ نسب او بحضرت عباس رضی اللہ عنہ می پیوندد او بجانب ملتان سکونت اختیار کردہ وگویند کہ انجا سلسلہ جاری نمودہ	چوتھے خلیفہ شیخ نظام الدین تھے جن کا نسب حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے متصل ہوتا ہے انہوں نے ملتان کی طرف سکونت اختیار کی تھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سلسلہ بیعت بھی جاری کیا تھا۔

مولانا آل حسن نخشبی مولف نخبۃ التواریخ نے عدم مبالاۃ کی بنا پر حضرت شاہ ولایت رح کے خادم **شیخ نظام** اور آپ کے **خلیفہ شیخ نظام الدین عباسی** رح دو جداگانہ ہستیوں کو ایک سمجھ کر خادمان درگاہ شاہ ولایت اولاد شیخ نظام خادم کو آپ کے مرید و خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسی کی نسل میں لکھ مارا[۱] جس کی بنا پر مجاوروں میں سے بھی بعض اشخاص اپنے کو ان کی اولاد سمجھنے لگے۔ مولوی صاحب ممدوح اگر ذرا عقل و سمجھ سے کام لیتے اور یہ سوچتے کہ جو شخص اتنے دور دراز فاصلہ پر چلا جائے جیسے امروہہ سے شہر ملتان ہے وہاں جاکر سکونت بھی اختیار کرلے اور پھر سلسلہ بیعت بھی جاری کرے تو اس کی اولاد مجاوری کا پیشہ کرنے کے لئے امروہہ کیوں آجاتی۔ اور پھر وہ شخص جو ان اوصاف کا ہے جیسا کہ خود مولوی صاحب ممدوح نے تحریر فرمایا ہے کہ

وے از اجلہ خلفائے حضرت مخدوم سید شرف الدین صاحب ولایت بود و کمالات باہرہ وتصرفات ظاہرہ داشت۔	وہ حضرت مخدوم سید شرف الدین صاحب ولایت کے اجلہ خلفاء میں سے تھے۔ کمالات باہرہ و تصرفات ظاہرہ رکھتے تھے۔

ایسے کامل شخص کی اولاد اپنے آبائی سجادہ پدری پر متمکن ہوتی یا درگاہ شاہ ولایت رح کی نذر و نیاز کے چند پیسے اور ریوڑیوں کے چند دانے لینے کے لئے امروہہ آجاتی اور بالخصوص اس

(۱) نخبۃ التواریخ صفحہ

نسب کے لوگ جن پر زکوٰۃ و صدقہ لینا بھی مذہباً حرام کیا گیا ہے اور جن کی اُس زمانہ یعنی عہد مُغلیہ میں ہندوستان کے بادشاہ جو قدر و منزلت کرتے تھے ان کے تفصیلی تذکرے تمام کتب تاریخ میں مندرج ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مماثلت اسمی کی بنا پر صاحب تخبہ نے دھوکہ کھایا اور "وبجانب ملتان سکونت اختیار کردہ" کو نظر انداز کرکے شیخ نظام الدین خادم کو آپ کے خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسیؒ سمجھ لیا۔ تخبہ کی اشاعت کے بعد سے شیخ نظام خادم کی اولاد میں بھی یہ خیال پیدا ہوا حالانکہ شیخ نظام خادم حضرت شاہ ولایت اور آپ کے خلیفہ شیخ نظام الدین عباسی بالکل جدا شخص ہیں۔ شیخ نظام خادم کی قبر دروازۂ درگاہ کے متصل ہے۔ پیرجی عبد الرشید۔ ساکن محلہ نوگزہ اپنے کو شیخ نظام خادم کی اولاد بتاتے ہیں۔

مِردھے | مِردھہ حقیقتاً میردہ کا بگڑا ہوا ہے۔ میردہہ[1] اس سائیس کو کہتے تھے جو دس سائسوں کا افسر ہوتا تھا۔ امروہہ میں مردھوں کی آبادی زیادہ تر محلہ گنگوئی میں ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر خانگی ملازمت کرتے ہیں اور کچھ کاشتکاری بھی کرتے ہیں۔

میراثی[2] | یہ لوگ زیادہ تر محلہ چاہ غوری و متصل قسائی خانہ اور محلہ خالصہ (کٹرہ نجبا و رنگھ) میں رہتے ہیں۔ ان کا نسبی تعلق قدیم ہندو بھاٹوں سے ہے۔ ہندو بھاٹوں کے متعلق روایت ہے کہ برہمن مرد اور شودر عورت کی نسل سے ہیں۔ ان کے تین اقسام ہیں (۱) برھما بھاٹ (۲) جاگا بھاٹ اور (۳) چارن۔ اول الذکر کا پیشہ مدحیہ قصائد پڑھنا، ثانی الذکر کا ہندوؤں کی مختلف ذاتوں کے نسب نامے محفوظ رکھنا اور ثالث الذکر کا راجپوتوں کا نقیب ہونا۔[3] ان میں جو لوگ مسلمان ہوئے وہ بجائے ہندوؤں کے مسلمان شرفا کی نسابی کا پیشہ کرنے لگے یہ خدمت چونکہ بطور میراث ان کو ملتی رہی اور تقریبات میں حقوق بھی مقرر ہوئے نیز سادات و شرفا کی وراثت کے حالات محفوظ رکھتے تھے اسلئے میراثی کہلائے:—

۱؎ آئین اکبری۔ ۲؎ میراثی:- دراصل ایں لفظ "میراث" عربی است۔ ہندیاں بطور خود لفظ ہندی ساختہ (فرہنگ محتشمی) ۳؎ میموائرس سر ہنری ایلیٹ۔

میراثی کا عربی لفظ موروثی کے معنی میں ڈوم' کنجر' گویّوں (مُطرب) اور طوائفوں کے
سازندوں کے لئے مخصوص ہوگیا[1]

ان لوگوں میں حسین بخش میراثی اور اس کے دونوں بھائی غلام حسین اور غلام حسن فنِ موسیقی میں مشہور تھے خادم حسین ولد غلام حسین اپنے پیشہ میں بڑا ماہر اور باکمال تھا۔ ابتداءً مہاراجہ بڑودہ کے یہاں ملازم رہا پھر ریاست حیدر آباد دکن میں عرصہ تک ملازمت کی۔ سیّد جواد حسین شمیم نے حسب ذیل چوبولے میں اسی مشہور گویّے کی نسبت اشارہ کیا ہے:—

آج وہی تاریخ ہے دن سے ہو سامان آئیں زہرہ[2] مشتری' ننھی' منی جان
آجائے خادم میراثی' نقال[3] چوا چند آئیں سارنگی' طبلے' طنبورے' مردنگ وہ بیلا لائیں
ہاں ٹھپہ ترانا ٹھمری دھرپت' ہولی اور سہرا گائیں نقارچی نوبت گھر کائیں شہنائی پھونکیں شہنائیں

میراثیوں کے پیشہ کی رونق بھی امروہہ والوں کی ریاست کے ٹھاٹھہ تک تھی۔ اب نہ رؤسا رہے اور نہ ریاست اسلئے یہ لوگ بھی مفلوک الحال ہوگئے۔ غلام حسن کا ایک بیٹا غلام سرور حیدر آباد میں اور دوسرا بیٹا غلام سادات عرف بڈا میراثی پرانے وقت کا خدمتی ہے۔

موچی مسلمان موچیوں کی تعداد امروہہ میں بہت مختصر ہے' چند گھر محلہ حکلی و نیاریان وغیرہ میں ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر ہندوستانی جوتے وغیرہ بناتے ہیں۔ انگریزی جوتوں کے بنانے کا کام اب بعض سیّدوں نے بھی کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور مختصر پیمانہ پر شو فیکٹریاں قایم کی ہیں۔ بعض کاریگر ان میں ہوشیار ہیں اور اچّھا کام کرتے ہیں۔ بیکاری سے بہر حال کوئی شغل بہتر ہے۔

شومیکری[3] شروع جو کی اک عزیز نے جو سلسلہ ملاتے تھے بہرام گور سے

---

[1] ڈسٹرکٹ گزٹیر شاہجہانپور مطبوعہ ۱۸۸۳ء صفحہ ۸۵۔ [2] طوائفوں کے نام' منی آگرے والی' ننھی میرٹھ والی جو امروہہ میں شادیوں کی ایک تقریب پر گانے آئی تھیں۔ [2] کاشی پور کے مشہور نقال [3] یعنی جوتے بنانا۔

پوچھا کہ بھائی تم تو تھے تلوار کے دھنی — مورث تمھارے آئے تھے غزنین و غور سے
کہنے لگے اس میں بھی ہے اک بات نوک کی — روٹی ہم اب کماتے ہیں جوتی کے زور سے

نداف یعنی دھنے ان کی آبادی محلہ مٹوال اور محلہ قریشی میں زیادہ ہے، کچھ لوگ دوسرے محلوں میں بھی آباد ہیں، بعض اپنا پیشہ کرتے ہیں اور کچھ دوسری تجارتیں بھی کرنے لگے ہیں۔ جولاہے اور دھنے حقیقت میں ایک ہی قوم کے دو مختلف الحرفہ فرقے ہیں، دھنوں کی ہندو قوم کو وسط ہند میں "پیجارہ" کہتے ہیں اہل فارس نے اس پیشہ کے لوگوں کو نداف کہکر پکارا۔

نورباف یعنی جولاہے زیادہ تر محلہ نل، بساون گنج، قلعہ سنٹھی و حقانی و بچدرہ میں آباد ہیں۔ کچھ گھر ان کے محلہ بانباڑی، قریشی اور چوک میں بھی ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی اثرات سے پہلے تک پارچہ بافی ان کا عام پیشہ تھا۔ یوروپین مصنوعات نے جہاں ہندوستان کی دیگر مصنوعات کو برباد کردیا پارچہ بافی، جو ہندوستان کی قدیم ترین صنعت تھی، تقریباً مٹ گئی اس پیشہ کے لوگ بھی حصول معاش کے لئے اپنے پیشہ کے سوائے اور اور کام کرنے پر مجبور ہوئے کچھ لوگ البتہ گزی گاڑھا وغیرہ بھی بنتے رہے لیکن زیادہ تر مزدوری پیشہ ہو گئے، ان کے اکثر مرد اور عورتیں سادات و شرفا میں خانگی خدمت پر مامور رہے اور کچھ اب بھی ہیں لیکن اب چند سال سے جب سے **مہاتما گاندھی** کی تحریک سودیشی کپڑے کے رواج کے متعلق شروع ہوئی ان کی بڑی تعداد پھر اپنے موروثی پیشہ کی جانب متوجہ ہوئی۔ یہاں زیادہ تر موٹا کپڑا، سوسی اور گاڑھا بُنا جاتا ہے۔ بعض لوگ پلنگ کی چادریں، دوتھیاں اور چوتھیاں بھی بُنتے ہیں۔ کچھ لوگ باہر مقامات پر ٹھیکہ داری، دوکانداری اور دوسرے کاروبار بھی کرتے ہیں۔ مولا بخش ساکن محلہ نل کا ٹھیکہ داری کا کام دہلی میں جاری ہے۔

یہ قوم محنتی اور جفاکش قوم ہے، مذہبی جوش بھی ان کے اندر موجود ہے، افسوس ان کی پست حالت سے نکالنے کی کوئی نتیجہ خیز کوشش نہیں ہوتی۔ ان میں بعض حافظ قرآن اور پابند مذہب ہیں، تعلیم کا رواج خال خال ہے، چند لوگ البتہ نوشت و خواند سے واقف ہیں، بساون گنج میں منشی

عبدالصمد اور منشی عبدالسمیع تاجر کتب علمی ذوق رکھتے ہیں۔

ان میں بعض اشخاص جو عرب نژادگی کے خبط میں مبتلا ہیں "جولاہہ" کے لفظ کو بربنائے عدم واقفیت و بے علمی ہندی لفظ سمجھکر اس کے استعمال کو پسند نہیں کرتے۔ اس کے بجائے "نورباف" "سفید باف" یا "مومن" وغیرہ الفاظ استعمال کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ **جولاہ** یا **جولاہہ** ہندی لفظ نہیں بلکہ فارسی ہے اور بہ معنی "بافندہ پارچہ" یعنی کپڑا بُننے والا مستعمل ہے جولاہہ کا لفظ مسلمانوں کے ساتھ عجم سے ہندوستان آیا۔ اس پیشہ کے جو لوگ مسلمان ہوئے وہ "جولاہہ" کہلانے لگے اور جو بدستور ہندو رہے وہ اپنے قدیم نام "کوری" و "تانتی" وغیرہ سے موسوم رہے۔

نساجی یعنی جامہ بافی ایک اعلیٰ قسم کی دستکاری ہے۔ ایران وغیرہ کے مسلمانوں کے بعض نامور اشخاص اس پیشہ سے منسوب ہیں۔ ملک فارس کا مشہور شاعر خاقانی جو عمر خیام جیسے مشہور فلسفی شاعر اور حکیم کا بھتیجا تھا، اپنے خاندانی پیشہ کا اسی لفظ "جولاہہ" کے ذریعہ کس فخر سے ذکر کرتا ہے ؎

جولاہہ نژادم از سوئے جد ۔۔۔ در صنعتِ من کمال ابجد
شاگرد ازل بہ کلبۂ من ۔۔۔ ماشورہ کن است ریسماں تن

مندرجہ بالا اقوام کے علاوہ مسلمان تیلی، رنگریز، کمھار، کنجڑے، منھیار بھی شہر کے مختلف مقامات پر آباد ہیں اور زیادہ تر اپنا موروثی پیشہ کرتے ہیں۔ اہل حرفہ کے علاوہ امروہہ میں پیشہ ور گداگروں کے بھی دو گروہ ہیں ان کی اخلاقی حالت اور ذہنیت اسدرجہ پست ہے کہ باوجود صحیح الاعضا، ہٹے کٹے جوان و تنومند ہونے کے ان کے بہت سے افراد گداگری کرتے نہیں شرماتے

[illegible]

۱؎ مثنوی تحفۃ العراقین مصنفہ خاقانی۔ اس کا باپ علی بن عثمان نجاری کا پیشہ کرتا تھا اور دادا بھی عثمان

ہندی مسلمان اور عرب نژادگی

اسلامی تعلیمات نے نسب کے فخر اور غرور کو جس طرح مٹایا تھا اس کی نظیر کسی دوسرے مذہب میں ملنا دشوار ہے زمانۂ جاہلیت میں یہی نسبی تعلیاں اور فخاریاں عرب کے ہر قبیلہ کا شعار ہو گئی تھیں جس میں آج امروہہ کیا ہندوستان کے مسلمان مبتلا نظر آتے ہیں لیکن آفتاب اسلام نے طلوع ہوتے ہی ایسے تمام ظلمات کے پردوں کو، جن سے ایک قوم کو دوسری قوم پر محض بربنائے اوصاف عالی نسبی ترجیح بلا مرجح حاصل ہوا کرتی تھی، چاک کر دیا اور قوم مسلم کا یہ شعار قرار دیا کہ :-

۱- حسنابکم اخلاقکم وانسابکم اعمالکم (تمہارے حسب تمہارے اخلاق ہیں اور تمہارے نسب اعمال)

ہندوستان کے مسلمانوں کو آج اسلامی تعلیمات سے جس قدر بُعد ہو گیا ہے اور ہوتا جاتا ہے اسکا ایک تاریک پہلو بھی نسب کا فخر و غرور اور نسل کا امتیاز و افتراق بھی ہے۔ ہندوؤں کی سوسائٹی کے اثرات سے ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی چار ذاتیں شیخ، سید، مغل، پٹھان بن گئی ہیں اور اب یہ مرض ایسا متعدی ہو گیا ہے کہ ہندوستان کے جس مسلمان کو دیکھو عرب و عجم سے سلسلہ نسب ملانے کی دُھن میں مصروف نظر آتا ہے اس سلسلہ میں ہندی مسلم کے نسبی معاملات کو تاریخ کی روشنی میں دیکھنا شاید نامناسب ہوگا۔

ہندی مسلم تاریخ سے ثابت ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا جزو اعظم اُن اقوام پر مشتمل ہے جن کے بزرگ پہلے ہندو تھے، مختلف وقتوں اور زمانوں میں مسلمان ہوئے۔

مسٹر (بعد میں سر) ٹی، ڈبلیو آرنلڈ، سابق پروفیسر علی گڈھ کالج اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "پریچنگ آف اسلام" میں لکھتے ہیں :-

"ہندوستان کے مسلمانوں کو دو طرح پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک قسم کے مسلمان تو وہ

ہیں جو غیر ملکوں ہی سے مسلمان آئے اور اس ملک میں آباد ہوئے ۔ دوسری قسم کے مسلمان وہ ہیں جو ہندوستان کے قدیم مذہبوں میں سے کسی مذہب کو پہلے مانتے تھے لیکن مختلف قوموں اور زمانوں میں تعلیم و تلقین کے ذریعہ سے ان کو مسلمان کر لیا گیا.............

ہندوستان کے مسلمانوں میں نصف سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے نام کے ساتھ شیخ، بیگ یا خان کا لفظ بلکہ بعض صورتوں میں سید کا لقب اختیار کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کا زیادہ حصہ وہ ہے جنھوں نے بذات خود مذہب اسلام قبول کیا یا جو ہندوستان کے نومسلموں کی نسل سے ہیں اور انہوں نے بعد میں ان عالی منزلت اشخاص کا قومی لقب اختیار کر لیا جن کے ہاتھ پر انہوں نے یا ان کے بزرگوں نے دین اسلام قبول کیا تھا۔“ [1]

ہندوستان کے نومسلموں میں جنھیں اب ”نومسلم“ کہنا صحیح نہیں کیونکہ صدیوں سے یہ لوگ نسلاً بعد نسلٍ مسلمان چلے آتے ہیں، ہر قوم و نسل کے لوگ شامل ہیں۔ ہندوؤں کے اعلیٰ طبقہ اور ”اونچ ذات“ قوموں میں سے برہمن، راجپوت، جاٹ، تگے، ٹڈگوجر وغیرہ لیکن ہندوستان کے نومسلموں کا زیادہ حصہ ان اقوام پر مشتمل ہے جن کو ”اونچ ذات“ کے ہندوؤں کی چیرہ دستی اور اپنی پست حالت کے احساس نے ایک ایسے مذہب یعنی اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا جس کے حلقہ میں شامل ہوتے ہی انہیں تمدنی و معاشری حقوق مساویانہ طور پر حاصل ہو گئے یعنی ہندوستان کے قدیم اور اصلی باشندے جنھیں آرین قوم کے غرور نے انہیں ”شودر“ کا لقب دیا تھا۔

آرنلڈ صاحب دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ:-

”جنوبی ہند میں بعض ”نیچ قوم“ کے آدمیوں کے لئے ضروری ہے کہ برہمن سے چوبیس قدم کے فاصلہ پر رہیں، اس سے زیادہ قریب آنے کی جرأت نہ کریں اور جب راستہ چلتے ہوں تو پکارتے چلیں تاکہ ”اونچ ذات“ والے اُن کے پاس نہ آویں۔ اس قسم کی اور نظیریں بکثرت سے بیان ہو سکتی ہیں۔ پس کیا تعجب ہے کہ ان ادنیٰ قوموں کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہو.........................

داعیانِ اسلام جب بنگال پہنچے تو نیچ ذات کے ہندو اور وہاں کے اصلی باشندے جو ہندوں
کے مذہب سے قریب قریب خارج سمجھے جاتے تھے اور اپنے آرین سرداروں کے ہاتھوں سے
طرح طرح کی ذلتیں اور اذیتیں اٹھاتے تھے، مسلمانوں کی طرف ہاتھ پھیلا کر بڑھے
"ان لوگوں کے نزدیک، جن میں مفلس ماہی گیر، شکاری، بحری قزاق، اور ادنیٰ قوم
کے کاشتکار شامل تھے، مذہب اسلام ایک رحمت اور اوتار تھا جو ان کے لئے آکاش سے
اُترا تھا اور اس کے پھیلانے والے وہ باخدا اشخاص تھے جو توحید کا پیغام اور سب
انسانوں کے برابر اور مساوی ہونے کا مژدہ ایک ایسی مخلوق کے پاس لائے تھے جس کو
سب ذلیل و خوار سمجھتے تھے۔" [۲]

صوبجات ممالک متحدہ کے چماروں اور کوریوں کے مسلمان ہونے کی داستان گزیٹیر صوبہ اودھ
میں جس طرح بیان کی گئی ہے اس کا اقتباس آرنلڈ صاحب نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ فرماتے ہیں

"ملک اودھ کے بعض زرعی اضلاع میں نیچی ذات کے ہندوؤں کا مسلمان ہونا عجیب طرح
سے پیش آیا ہے......... جس جس طرح کی پابندیوں سے یہ چمار اور کوری جو ہندوؤں
میں سب سے زیادہ ذلیل سمجھے جاتے ہیں مسلمان ہو کر آزاد ہو سکتے ہیں اور جس قسم کی کتنی سہولتیں
اسلام قبول کرنے سے انہیں حاصل ہوتی ہیں وہ ذیل کی عبارت سے ظاہر ہے جس میں
ان کی قومی حالت ہندو ہونے کی حیثیت سے بیان کی گئی ہے:۔
کوری اور چمار یعنی جولاہے اور موچی مصیبت اور ذلت کے نیچے سے نیچے طبقہ پر پڑے ہیں ان
میں سے اکثر جو شمالی اضلاع میں رہتے ہیں ان کی زندگی بالکل غلامی میں بسر ہوتی ہے.......
فاقہ زدہ، بدن نزار، رنگتیں سیاہ، صورتیں بدہیئت، چہروں پر بے وقوفی کے آثار، غلیظ
اور ناپاک ایسے کہ دیکھنے سے نفرت ہو، غرض یہ سب باتیں اُن کے چھوٹے کرم اور کھوٹی

---

[۱] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۰۹ - [۲] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۲۹ -

تقدیر کا ثبوت ہیں جس نے ان کو ذلت اور خواری کے اس درجہ پہ پہنچا دیا ہے جس میں انسان ہو کر وہ جانوروں سے بدتر شمار ہونے لگے ...... تبدیلی مذہب ان لوگوں کی نجات کا موجب ہوتا ہے۔"[1]

صوبۂ بنگال میں مسلمان جولاہوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا واقعہ بھی یہی ہے کہ۔ صاحب "پریچنگ آف اسلام" لکھتے ہیں[2]:-

اونچی ذات کے ہندو نیچی ذات کے ہندوؤں کو نہایت ذلیل و خوار سمجھتے ہیں اور جب کسی نیچی ذات کے ہندو کو اپنی ترقی کا خواہاں پاتے ہیں تو اس کو ہر طرح سے نقصان پہنچاتے ہیں۔ جب ان باتوں کا ایسے مذہب سے مقابلہ کیا جاتا ہے جس میں کوئی شخص ذات باہر نہیں ہو سکتا اور ہر شخص کو ترقی کرنے کے لئے آزادی ملتی ہے تو اسلام کے فوائد حقیقی ان پر روشن ہو جاتے ہیں۔ بنگال کے جولاہے، جو سوتی کپڑا بننے کا پیشہ کرتے ہیں، ان کو ہندو بہت ذلیل جانتے ہیں اسلئے یہ جولاہے اس ذلت کی حالت سے چھٹکارا پانے کی خاطر بڑی تعداد میں دین اسلام قبول کر لیتے ہیں۔"[2]

مسلمان ہونے کے بعد ان لوگوں کو ترقی کرنے کے مواقع حاصل ہوئے چنانچہ آج بنگال کے مسلمان جولاہوں میں بہت سے اشخاص زیور علم سے آراستہ نظر آتے ہیں، اکثر خوشحال ہیں، اسلام قبول کرنے کے بعد یہ "مومن" یعنی مسلم کہلائے جو ان کا قومی لقب پڑ گیا۔ اپنی برادری کی اصلاح کا جذبہ بھی پیدا ہوا ہے، انجمنیں بھی قائم ہیں۔ "المومن" نام سے ایک اخبار بھی نکلتا ہے۔ ان کے بعض افراد بھی عرب نژادگی کے خبط میں مبتلا ہیں۔

عرب نژادگی کا ادعا

مسلمان پیشہ ور اقوام میں سے بعض گروہوں مثلاً پنجاب کے میراثیوں، قسائیوں اور نوربافوں (جولاہوں) کے کچھ افراد اپنے کو کچھ عرصے سے قریشی اور انصاری بیان کرنے لگے ہیں۔ یہ ادعا ان کا تاریخی شواہد کے سراسر خلاف

[1] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۳۹۔ [2] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۳۶۔

مسٹر[1] جان بیمس ایم - آر - اے - ایس نے ایک موقع پر صحیح لکھا ہے کہ[2]

"صوبجات ممالک مغربی و شمالی کے تمام حصص میں وہ باشندے جو ابتداءً ہندو تھے اور اب مسلمان ہیں ان کی بڑی تعداد شیخ، سید اور پٹھان کے قومی لقب اختیار کرنے میں بہت بیباک ہیں - بہت سے اپنے کو لفظ "خان" سے منسوب کرتے ہوئے اور بعض تو سید تک لکھنے لگے ہیں بالخصوص اس حالت میں کہ ان کو دولت و تمول کے اعتبار سے سوسائٹی میں درجہ امتیاز حاصل ہوگیا ہو - صوبہ پنجاب میں جہاں تبلیغ مذہب اسلام کا سلسلہ بہت وسیع پیمانہ پر جاری رہا، ایک شعر ضرب المثل کے طور سے مشہور ہے جو غالباً کسی نومسلم کی زبان سے بیان کیا جاتا ہے :-

اوّلاً **نداف** بودم بعدہ گشتیم **شیخ**   غلہ چوں ارزاں شود امسال **سید** می شوم

جس کا مطلب یہ ہو کہ میں ذات کا **دُھنیا** تھا پھر **شیخ** بن گیا اور اب اگر غلہ سستا ہوگیا اور فارغ البالی نصیب ہوئی تو **سید** بن جاؤں گا -

اس سلسلہ میں مسٹر موصوف نے ایک دلچسپ واقعہ بھی لکھا ہے - فرماتے ہیں کہ :-

"مجھے خوب یاد ہے کہ ۱۸۶۱ء میں ضلع گجرات پنجاب میں ایک مضحکہ انگیز واقعہ پیش آیا تھا کہ عدالت دیوانی کا ایک مسلمان سررشتہ دار ہمیشہ سرکاری کاغذات میں اپنے نام کے ساتھ "سید ہاشمی قریشی" لکھا کرتا تھا لیکن بعد میں تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ اس کا باپ جو ادنیٰ حیثیت کا شخص تھا، ذات کا لوہار ہے بیٹے نے کچھ تعلیم پاکر سررشتہ داری کا عہدہ حاصل کرلیا تو وہ لوہار سے سید بن گیا -

اکثر طبائع انسانی میں تشخص و جاہ طلبی کا مادّہ ہوتا ہے، مسٹر جان بیمس نے جو شعر بطور ضرب المثل نقل کیا ہے وہ شاعرانہ تخیل ہی نہیں بلکہ امر واقعہ ہے جس کی تصدیق اسلامی بستیوں کے

---

[1] میموائرس آف ریسز سرہنری ایلیٹ - [2] : Mr. John Beames

مقامی حالات سے ہوسکتی ہے۔ ہندی مشہور مثل ہے " مایا کے تین نام۔ پرسا، پرسو اور پرس رام "۔ یعنی جب کچھ پاس نہ تھا "پرسا" کہلاتے تھے جب ذرا حالت سنبھلی "پرسو" بن گئے اور جب سوسائٹی میں کوئی حیثیت حاصل کرلی تو "لالہ پرس رام" کہلانے لگے۔ بعینہ یہی حال مسلمانوں کی سوسائٹی کا سمجھئے۔ مثلاً جب ادنیٰ حالت میں تھے "نظرا" تھے۔ جب کچھ حالت سنبھلی "ناظر" کہلانے لگے اور جب ذرا فارغ البالی نصیب ہوئی تو "شیخ ناظر علی" بن گئے۔ یہاں تک تو خیر غنیمت تھا، دنیاوی ترقی کے یہی تین مراتب ہیں۔ ہر انسان کو ترقی کرنے کا قدرتی حق حاصل ہے اور اسلامی مساوات نے "صدر و پائیں" کا کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رکھا۔ لیکن یہ کیا لغویت ہے کہ لوگ دنیاوی ترقی کے ساتھ ساتھ اپنا نسب بھی تبدیل کر دیتے ہیں۔ پھر اس پر اصرار ہوتا ہے۔ مضحکہ انگیز اور لغو توجیہات پیش کی جاتی ہیں۔ ہندوستان کی مسلم پیشہ ور اقوام کے دعویٔ عرب نژادگی کو تسلیم کرلیا جائے تو ہندوستان میں فرد واحد بھی ایسا باقی نہ رہے گا جس کے آباؤ اجداد ہندو مذہب کے دائرہ سے نکل کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ صرف ایک صوبۂ پنجاب میں ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے میراثیوں، قصائیوں اور بعض اور ہندی الاصل مسلمانوں کی تعداد جو آج قرشیت کے مدعی بنے ہیں، حسب ذیل ہے:۔

۱۔	میراثی	۲,۳۷,۰۲۱
۲۔	قصاب	۱,۲۲,۲۳۲
۳۔	آرائین	۱۰,۹۰,۶۰۹
۵۔	کھوکھر	۶۹,۰۱۶
	میزان کل :۔	۱۹,۵۹,۰۰۸

ان کے مقابلہ میں پنجاب کے صحیح النسب قرشیوں کی تعداد صرف ۹۷,۶۲۵ ہے۔ یہ تو صرف ایک صوبہ کی مردم شماری کے اعداد ہیں۔ ان میں بھی نوربافوں وغیرہ کی تعداد شامل نہیں ہے۔

پس اگر اسی طرح ہندوستان بھر کے اعداد لئے جائیں، تو یہاں کے سات کروڑ مسلمانوں میں ایک فرد بھی ہندی الاصل باقی نہیں رہتا! حالانکہ ۷ کروڑ ہندی مسلمانوں میں بمشکل ایک کروڑ وہ مسلمان ہونگے جن کے آباؤ اجداد بیرونِ ہند سے آئے اور ان کو بھی ہندوستان میں رہتے رہتے اتنی پشتیں ہوگئیں کہ آج انہیں غیر ہندی کہنا ہرگز صحیح نہیں۔

ذیل میں بعض اقوام کے نسبی ادعا پر تاریخی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی جاتی ہے

میراثی :- یہ عربی کے لفظ "میراث" سے مشتق ہے جس کے معنی موروثی کے ہیں یا اس سے اردو لفظ بنا لیا گیا :-

"میراثی" در اصل این لفظ "میراث" عربی است۔ ہندیاں بطور خود لفظ ہندی ساختہ"[1]

مرد کو میراثی اور عورت کو میراثن کہتے ہیں۔ فرینسس جانسن اپنی مشہور و مبسوط ڈکشنری (عربی و فارسی) میں لکھتے ہیں :-

میراثی : Hereditary, inherited-A singer (of a caste which follow that profession from generation to generation)[2]	میراثی- بمعنی موروثی یا وراثت ایک ڈوم یا دھاڑی- یعنی اس فرقہ کا شخص) جو اپنا یہ پیشہ (گانے بجانے کا) نسلاً بعد نسل کرتے چلے آئے ہیں)-

اس کی تائید ایک قدیم سند سے بھی ہوتی ہے جو سادات و شرفاءِ امروہہ کے مختلف خاندانوں کے بزرگوں نے سنہ ۱۱۶۰ھ میں پٹھے میراثی کے ورثاء کو عطا کی تھی جس میں اس امر کی تصدیق کی گئی ہے کہ قدیم الایام سے یہی اشخاص ہماری برادری کے موروثی میراثی ہیں اور دوسرا میراثی ہماری برادری کی "میراث" کا مدعی ہے اس کا دعویٰ غلط ہے۔ تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے اس سند کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے :-

---

[1] فرہنگ مختشمی۔

[2] Dictionary Persian, Arabic, and English by Francis Johnson - 1852

"باعث تحریر ایں سطور در بیان آنکہ مایاں جملہ قبیلہ داران فرزندان سید حسین وفرزندان زبدۃ المحققین حضرت گنج شکر وفرزندان وبیرائے .... ماہ[1] وفرزندان بندگی حضرت شاہ ابن وفرزندان مولانائے لعل و مولانا شمس الدین وفرزندان چودھری ترکمان وفرزندان سالار ایوب وفرزندان ملک بھورا بن ملک ..... سکنہ قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل مضافات صوبہ دارالخلافہ شاہجہاں آباد ایم دریولہ مساۃ امیرن وبعان محمد وسکھا ودیگر وارثان میٹھے میراثی سہ اقرار وبہ ہوا امیر واسناد سلفائے وبزرگان باجمیع قبیلہ داران مرقومہ .... سنہ ۱۱۱۱ھ یکہزار ویک صد ویازدہ ہجری بدیں مضمون حاضر آوردند کہ وجہ میراث خانہائے باجمیع قبیلہ داران مسمی میٹھے پسر کلاں مساۃ بندی از قدیم مقرر است ومیراثیان مذکورہ را در میراث جملہ قبیلہ داران مرقومۃ الصدر دخل نیست وبنہ شدہ لہذا اسناد مسطورہ را صحیح ومسلم داشتیم ووجہ میراث خانہائے خود را بطریق اسناد بزرگان بفرزندان میٹھے میراثی مقرر داشتیم وفرزندان .... میراثی را مداخلت نشود زیرا کہ محقق میراث در فرزندان میٹھے میراثی است ......کہ تحریر بوئیست ۔ تحریر فی التاریخ .... سنہ ۱۱۶۰ھ"

پنجاب میں ایک خاص ایکٹ "قانون انتقال اراضی" کے نام سے رائج ہے جس کی رو سے وہاں کی خاص اقوام کو زرعی اراضی کی خرید و فروخت کا حق حاصل ہے' ان اقوام میں صحیح النسب قریشی بھی داخل ہیں ۔ میراثی' قسائی یا اسی طرح کی اور اقوام کو یہ حق حاصل نہیں ۔ اس بنا پر اب اس چودھویں صدی میں میراثیوں میں بھی قریشی بننے کا شوق پیدا ہوا' عرصہ تک اخبارات ورسالوں میں بحث جاری رہی ۔ روزنامہ زمیندار نے ۱۱ مئی سنہ ۱۹۲۶ء کی اشاعت میں اس بحث پر ایک مضمون کے دوران میں لکھا تھا کہ :-

---

[1] بوجہ کہنگی بعض مقامات سے کاغذ شکستہ ہوگیا تھا اسلئے صاف پڑھنے میں نہیں آتا ۔ یہ مقامات نقل میں سادہ چھوڑ دئیے گئے ۔

جب حکومت نے قریشیوں کو اقوام زراعت پیشہ میں شامل کیا، تمام اقوام جو غیر زراعت پیشہ ہونے کے باعث اراضی زرعی نہیں خرید سکتی تھیں، قریشی بن گئیں۔
اس کے بعد صوبجات متحدہ کے قصابوں کو قریشی بننے کا شوق چرایا.........
(میراثیوں کو بھی) خیال ہوا کہ جب دھنئے، جولاہے، قصاب، حجام سب قریشی بن رہے ہیں تو ہم کیوں میراثی رہیں، انہوں نے اعلان کر دیا کہ میراثی بھی شجرِ قریشیت کی ایک شاخ ہیں.........۔"

پنجاب کے میراثیوں نے اپنے قومی لقب کے متعلق یہ عجب مضحکہ انگیز توجیہہ پیش کی تھی کہ شانِ اسلام کے عہد میں تقسیم میراث کا منصب ہمارے بزرگوں سے متعلق تھا اسلئے ہم میراثی کہلاتے ہیں، فریق مخالف نے اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ تمہارے بزرگوں کے غیر مشروع اعمال دیکھ کر کسی مسلمان بادشاہ نے انہیں "میرِ عاصی" کا خطاب دیا تھا۔ کثرت استعمال سے "مراسی" ہو گیا۔ لیکن یہ توجیہہ اور اس کا جواب دونوں حقیقت سے دور ہیں۔ میراثی کی وجہ تسمیہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔ میراثیوں کا نسبی تعلق حقیقتاً ہندو بھاٹوں سے ہے، اور بھٹئی ان کا علاً اب تک موروثی پیشہ ہے۔ اخبار مذکور نے محولہ بالا مضمون میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ:-

"ہمارے سامنے میراثیوں کا کوئی نسب نامہ نہیں جس کے مطالعہ سے ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں، لیکن اس قوم کے افراد کی قومی سیرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا جہان کا کوئی عیب نہیں جو ان میں نہ پایا جاتا ہو، چاپلوسی ان کی گھٹی میں پڑی ہے، جھوٹی تعریف ان کا شیوہ، تملق و خوشامد ان کا پیشہ، مسخرگی ان کا شعار، امرا کی محفلیں یہ گرماتے ہیں، غربا میں یہ اچھلتے، کودتے، ناچتے اور گاتے ہیں، شاہدانِ بازاری کی قلتبانی یہ کرتے ہیں، اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ غیرت و حمیت جو قبیلۂ قریش کا خاص جوہر ہے، اس میں انہیں کہاں تک حصہ ملا ہے۔

تان سین کا نام اچھالنے والے، بیجو باورے کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچانے والے، موسیقی کے

علم بردار، میدان رِنے نوازی کے شہسوار، بھاؤ بتا بتا کر تھرکنے والے، پٹھے، ٹھمری، دھرپت چھوڑ کر ترشیت کا نیا راگ الاپنے لگے، سارنگی کے گزشتہ تاریخ کے میدان کو ناپنے لگے، عقائد کا یہ عالم ہے کہ ہر قبران کا خدا، ہر پیران کا دستگیر اور اس پر ترشیت کا دعویٰ —

ع مدارِ روزگار سِفلہ پرور را تماشا کُن "

قصّاب یا قسائی :- قصّاب عربی زبان کا لفظ ہے جو گوشت فروش کے معنی میں اسی طرح مستعمل ہے جس طرح بعض اور پیشوں کے عربی و فارسی کے مختلف الفاظ مثلاً نجّار، خیّاط معمار، ندّاف، مُطرب، سقّہ وغیرہ مستعمل ہیں۔

قصّاب کا مادہ "**قصب**" ہے جس کے معنی عربی زبان میں کاٹنے اور بالخصوص بکری کے پارچے کرنے کے ہیں۔ گوشت فروش چونکہ گوشت کے ٹکڑے پارچے کرتا ہے اسلئے "**قصّاب**" یعنی کاٹنے والا کہلایا۔ قصّاب کا لفظ عربی زبان میں دوسرے معنی میں بھی آتا ہے مثلاً پھونک کر بانسری یا بین بجانے کے معنی میں۔ اس کی جمع "قصابہ" ہے۔ عربی میں اونٹ کے گوشت فروش کو "خزار" کہتے ہیں اور اردو زبان میں قصّاب کو **قسائی** بحرف "س" —

بعض کا خیال ہے کہ **قسائی** کا اردو لفظ عربی کے لفظ "**قص**" سے بگڑ کر قسائی ہوا، صاحب فرہنگ آصفیہ لکھتے ہیں کہ :-

"قسائی کا لفظ عربی کے لفظ قصّ بمعنی مار ڈالنے سے بگڑ کر قسائی ہوا"۔ [۱]

لیکن قول مرجح یہ ہے کہ قسائی لفظ **قسیٰ** یا **قساوت** سے مشتق ہے، اس کو حرف "ص" سے لکھنا صحیح نہیں، صاحب فرہنگ محتشمی کہتا ہے کہ :-

آنچہ در عوام "قصائی" بحرف ص شہرت دارد محض غلط است۔ [۲] } جو عوام میں لفظ "قصائی" جو حرف ص سے مشہور ہے محض غلط ہے۔

قسائی چونکہ قسیٰ یا قساوت سے مشتق ہے اسلئے بے رحمی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے،

---

[۱] فرہنگ آصفیہ مطبوعہ [۲] فرہنگ محتشمی

حضرت شوق فرماتے ہیں :-

جو بچے تجھ سے تو خدائی ہے　　　آدمی کا ہیکو قسائی ہے

قصّاب کا پیشہ بھی چونکہ ایک طرح سے بے رحمی کا پیشہ ہے اسلئے مجازاً قصّاب کو اردو زبان میں قسائی کہنے لگے' اردو لٹریچر کی متعدّد کہاوتوں اور اشعار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً "قسائی کے کھونٹے بندھنا" یا "قسائی کے حوالے" ہونا جیسے "بھنیا بھینسوں میں یا قسائی کے حوالے" حضرت سودا کا مشہور شعر ہے۔

جس دن سے اس قسائی کے کھونٹے بندھی ہوں　　　گزرے ہے اس نمط سے ہیں لیل و نہار

آئین اکبری کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ قصّابوں کو ان کے پیشہ کی بنا پر قساوت دلی سے منسوب کیا گیا۔ علّامہ ابوالفضل عہدہ کوتوال[۱] کے فرائض کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

قصّاب و صیّاد و دغّال و کنّاس	قصّابوں، چڑی ماروں، مُردہ شوؤں اور بھنگیوں کی
را از مردم جدا جایگاہ دہد۔ و مردم	سکونت کا مقام شہری آبادی سے جدا رکھے اور دوسرے
را از آمیزۂ ایں سنگ دلانِ سیہ	باشندوں کو ان بے رحموں اور سیاہ دلوں کے ملنے جلنے
دروں برکنارہ دارد۔ [۲]	سے باز رکھے۔

سلطنت اسلامی کے زمانہ میں قسائیوں کی سکونت امروہہ میں بھی زیادہ تر کنارہ آبادی تھی۔ اب کچھ عرصہ سے اس قوم کے بعض ناواقف موقع شناس اور جاہ طلب اشخاص کہنے لگے ہیں کہ قسائی بھی حضرت رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جدِ اعلیٰ جناب قصی بن کلاب کی نسل سے ہیں اسلئے "قصائی" کہلاتے۔ مگر یہ بات تو وہی ہوئی کہ کسی

۱؎ عہد مغلیہ میں اندرون شہر کے حاکم کو "کوتوال" اور بیرون شہر کے حاکم کو "فوجدار" کہتے تھے جو آجکل کے سٹی مجسٹریٹ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے مساوی سمجھئے۔ ۲؎ آئین اکبری جلد اوّل مطبوعہ نولکشور پریس ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۹۸۔

جاہل پٹھان سے کسی نے کہا کہ خان صاحب! تمھاری قوم یوں تو بڑی بہادر قوم ہے مگر تم میں کوئی نبی آج تک نہیں ہوا' خان صاحب یہ سن کر برافروختہ ہو گئے' کہنے لگے کہ واہ' پٹھانوں میں نبی کیوں نہ ہوتے' کیا **عیسیٰ روہیلہ** تیرا دادا تھا؟ معاذ اللہ! جس طرح اس نادان پٹھان نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا کے خطاب **روح اللہ** کی مٹی **روہیلہ** کے لفظ سے پلید کی تھی اسی طرح آج جہالت کی بدولت جناب **قصیؒ** کے خطاب کی مٹی لفظ **قسائی** سے پلید کیجاری ہے کجا قصی اور کجا قسائی؟ - چہ نسبت خاک را با عالم پاک -

لا حول ولا قوۃ الا باللہ -

اگر بات کہئے تو ایسی تو کہئے | کہ دائرہ ہو امکان عقلی کے اندر
نہ ایسی جسے سنکے گر جائے چھت بھی | نکلجائے کتوں کا دب کر کچومر

جناب قصیؒ کے نامور اجداد

باشندگان ملک عرب حضرت **نوحؑ** کے فرزند **سامؑ** کی نسل سے ہیں' اسی نسبت سے ان کو سامی النسل (Semetic Race) کہتے ہیں - بلحاظ قبائل ان کی دو بڑی شاخیں ہیں یعنی :-

بنو قحطان :- یہ ابتدائً بلاد یمن میں رہتے تھے' یمن میں جب مشہور سیلاب آیا جسکو "سیل عرم" کہتے ہیں تو یہ لوگ یمن سے نکلکر مدینہ میں آکر آباد ہوئے - ان میں اوس و خزرج دو بھائی تھے' تمام انصار ان ہی دو کی اولاد سے ہیں -

بنو عدنان :- یا بنو اسمٰعیل - ان کی سکونت ارض مقدسہ حجاز و نجد اور ان کے قرب و جوار میں تھی - ان کا انتساب حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ہے - اس قبیلہ میں عدنان (یا اُدنان) اپنے زمانہ کے مشہور شخص تھے ان کے نام سے یہ قبیلہ موسوم ہوا - جناب قصیؒ کے اجداد اسی قبیلہ سے تھے' ان کا سلسلہ نسب اس طریق پر ہے :-

قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئے بن غالب بن فہر الملقب بہ قریش بن مالک بن نضر بن خزیمہ بن مدرکہ بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان -

یہ دونوں قبیلے قحطانیہ اور اسماعیلیہ اُس قدیم زمانہ میں متمدن قبیلے تھے جب دنیا میں تمدن و تہذیب کی کرنوں کی پو پھوٹ رہی تھی بالخصوص اسماعیلیہ جس میں یکے بعد دیگرے نبی اور پیغمبر ہوتے رہے۔ عدنان سے نویں پشت میں فہر ہوئے جو قریش کے لقب سے ملقب ہوئے[1] عربی میں قریش ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو نگل جاتی ہے۔ چونکہ فہر بن مالک اپنے زمانہ کے بہت بڑے سردار تھے جن کے سامنے اور سرداروں کی کوئی حقیقت نہ تھی اسلئے آپ کو اس مچھلی سے تشبیہ دی گئی اور یہ قریش مشہور ہوئے' انہی کی اولاد قریشی کہلاتی ہے۔ حافظ عراقی سیرت منظوم میں لکھتے ہیں :۔

اما قریش فالاصح فہر   جماعہا والاکثرون النضر

ظہور اسلام سے صدہا برس پہلے سے قریش کا شغل تجارت تھا لیکن وہ ہندوستان کے قسائیوں کی گوشت فروشی (قصابی) کی تجارت نہ تھی۔ قریش کے تجارتی قافلے دور دراز ممالک کو جاتے' یہ اُن کے مالک ہوتے' صدہا غلام نوکر چاکر ساتھ ہوتے۔ ایک موسم میں یمن کی طرف کوچ ہوتا اور دوسرے موسم میں بصرے کی جانب۔

اگرچہ اس زمانہ میں تجارت کی راہیں خطرناک تھیں مگر قریش کے لئے کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ ہر شخص ان کی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔[2]

یہ تجارت بھی معمولی پیمانہ پر نہ تھی۔ قریش کا ایک ایک فرد ہزاروں درہم دوسروں کو قرض دے دیتا تھا۔ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ میں نے امیر المومنین مامون الرشید عباسی رضؓ کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو خلیفہ کے جدّ اعلیٰ جناب عبد المطلب بن ہاشم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ اس کے الفاظ یہ تھے :۔

حق عبد المطلب بن ہاشم من اہل مکۃ (یہ عبدالمطلب بن ہاشم (جو مکّہ کا باشندہ ہے) کا قرضہ

---

[1] بعض محققین کے نزدیک فہر کے دادا نضر سب سے پہلے قریش کے لقب سے ملقب ہوئے۔ [2] تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان

علیٰ فلان ابن فلان الحمیری من اھل وزہل	فلاں شخص پر ہے جو صنعا کا رہنے والا ہے۔ یہ
صنعا علیہ الف درھم فضۃ کیلاً بالحل یدہ	چاندی کے ہزار درہم ہیں، جب طلب کیا جائیگا
ومتیٰ دعاہ بھا اجابہ شھد اللہ والملکان	تو وہ ادا کریگا۔ خدا اور دو فرشتے گواہ ہیں

ظہور اسلام کے وقت **قریش** میں سخت سے سخت کافر بھی تھے اور وہ بھی تھے جنھوں نے اسلام وپیغمبر اسلام علیہ التحیۃ والصلوات کی دشمنی وایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا اور وہ بھی یہی تھے جنھوں نے اسلام کی اشاعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر قسم کی قربانیاں اور جاں فروشیاں کیں لیکن کفار قریش اور قریشی مسلموں کے نسبی اور قومی عظمت کا اندازہ حضور سرور کائنات کے اس ارشاد سے ہوسکتا ہے :۔

عن ابی ھریرۃ قال النبی	یعنی ابوہریرہؓ سے روایت ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
صلی اللہ علیہ وسلم	کہ (دین اور پیشوائی) میں سب لوگ قریش کے تابع ہیں، اھل عرب
الناس تبع لقریش فی ھذا	پر کہ (دوسرے قبیلوں کے جو) مسلمان ہیں وہ ان قریشی مسلمانوں
الشان مسلمھم تبع لمسلمھم	کے اور (جو اور قبیلوں کے) کافر ہیں وہ (قریشی) کافروں کے
کافرھم تبع لکافرھم	تابع ہیں۔

غرضکہ جناب قصیؔ بن کلاب کا نسبی تعلق ایسے باعظمت قبیلہ سے تھا۔

جناب قصیؔ اور انکی اولاد امجاد

جناب قصیؔ کا نام نامی **زید** تھا، ان کا لقب قصیؔ اس وجہ سے پڑ گیا تھا کہ بچپن میں وہ اپنی والدہ کے ساتھ اپنے وطن آبائی سے بہت دور جارہے تھے۔ عربی زبان میں **قصیٰ** اپنے اعزا سے دور دراز مقام پر جارہنے کو کہتے ہیں، **قصیؔ** کے معنی عربی میں بعید اور نا صلہ کے ہیں۔ **قصیا** عربی میں بہت دور کے معنی میں آتا ہے، اس کا مذکر **اقصیٰ** ہے جیسے مغرب اقصیٰ وغیرہ۔

وکان زھرۃ بن کلاب کبیرا فترکتہ عند	یعنی قصیؔ کے بڑے بھائی زہرہ بن کلاب کو تو ان کی قوم میں چھوڑ گئے
قومہ وحملت زیداً معھا لانہ کان فطیماً	اور زید یعنی قصیؔ کو اپنے ساتھ لے گئے کیونکہ وہ سمجھدار تھے اور انکا

فسمی قصیاً لانه اقصی عن دارہ[۱] نام قصی اس لئے پڑ گیا کہ وہ اپنے وطن سے زیادہ فاصلہ پر چلے گئے تھے جناب زید الملقب بہ قصی اپنے زمانہ کے مشہور سردار قریش ہوئے انہوں نے اپنی ذاتی کوششوں سے تمام قبائل قریش کو باہم متحد کیا اور اس وجہ سے ان کا ایک اور لقب مجمع یعنی جمع کرنے والا پڑ گیا تھا بعض اسی وجہ سے ان کو لقب قریش سے بھی ملقب کرتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے ؎

ابوکم قصیٌ کان یدعیٰ مجمّعاً — بہ جمع اللہ القبائل من فھرٖ

تمہارے جد قصی ہیں انکو مجمع بھی کہا جاتا ہے — کیونکہ انکے ذریعہ اللہ نے اولاد فہر (قریش) کو متحد کر دیا تھا

ایک عیسائی مصنف جناب قصی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے ؛۔

"قریش کے سردار قصی ابن کلاب بن مرہ نے جو علاوہ اپنی ذاتی شرافت کے بہت بڑے حکیم، عاقل و دانشمند اور ذی وجاہت تھے، متولی کعبہ کی بیٹی سے نکاح کر لیا جس سے غرض یہ مد نظر تھی کہ کعبہ کی سدانت (تولیت) بھی پھر بنی قریش کے قبضہ میں آجائے .... چونکہ خانہ کعبہ کے متولی کے لئے یہ بات بھی ضروری تھی کہ وہ مکہ کا بہت بڑا سردار ہو اسلئے قصی نے تمام قریش کو جمع کر کے اپنی سرداری پیش کی، لوگوں نے ان کو بخوشی اپنا سردار اور آقا تسلیم کر لیا۔ قصی نے مکہ کے چار حصے کئے، مکانات بنائے۔ اس وقت سے مکہ بڑی رونق سے آباد ہوا" [۲]

علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں فرماتے ہیں ؛۔

"نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصی نے نہایت عزت و اقتدار حاصل کیا ..... قصی نے ایک دار المشورہ قائم کیا جس کا نام دار الندوہ رکھا، قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی طیاری کرتے تو اسی عمارت میں کرتے، قافلے باہر جاتے تو یہیں سے تیار ہو کر جاتے نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم یہیں ادا ہوتے،

---

[۱] عمدۃ الطالب مطبوعہ ص۱ [۲] تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان

قصیٰ نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے جو ایک مدت تک یادگار رہے، مثلاً سقایہ اور رفادہ خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا، انہی نے قائم کیا، تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ سیکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں، انکی میزبانی قریش کا فرض ہے، چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منا اور مکہ معظمہ میں حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا، اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن میں ایام حج میں پانی بھر دیا جاتا تھا کہ حجاج کے کام آئے، مشعر حرام بھی انہی کی ایجاد ہے، جس پر ایام حج میں چراغ جلاتے تھے، چنانچہ عقد الفرید میں تصریح کی ہے، قصیٰ نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اوّل انہی کو ملا........"[1]

جناب قصیٰ کی اولاد کے کارنامے

اس مشہور سردار قریش یعنی جناب زید الملقب بہ قصیٰ کے چار اور بروایت دیگر چھ فرزند ہوئے، یعنی عبد مناف، عبد العزیٰ، عبد الدار اور عبد قصیٰ۔ یہ چاروں امیرزادے اپنے زمانہ کے نامور زعمائے قریش سے ہوئے۔ ان میں ایک کی نسل منقطع ہے یعنی آخر الذکر کے دو بیٹے منہب اور وہب ہوئے لیکن ان سے نسل نہیں چلی۔ بقیہ تین بھائیوں سے وہ تین جلیل القدر خاندان متفرق ہوئے جنھوں نے اپنے علم و فضل، اپنی سیادت و قیادت، اپنی جہانبانی و جہانگیری اور اپنے لازوال اور تابناک کارناموں سے تاریخ عالم میں ممتاز جگہ حاصل کی یعنی عبد مناف سے خاندان **بنی ہاشم** **بنی امیہ** عبد العزیٰ سے خاندان **اسد و زبیر** عبد الدار سے خاندان **ابو سعد بن ابو طلحہ**۔ ان تمام خاندانوں کے ایک ایک فرد کا نام، اس کے حالات، اسکے کارنامے اور اس کے مشاغل دنیا کو معلوم ہیں۔ کیا ان ہی مشہور و معروف، کیا ان ہی باعظمت و جبروت، کیا ان ہی

---

[1] سیرۃ النبیؐ جلد اوّل۔ صفحہ ۱۱۸
[2] Geneologische Tebellen der Arabischen Slämme und Familian (Wästenfeld)

جامع فضائل ومکارم، کیا ان ہی معدنِ تہذیب و تمدّن خاندانوں سے ہندوستان کے وہ قسائی اپنا نسبی تعلق پیدا کر لینے کے آج مدّعی بنے ہیں جن کی تمدنی پستی جن کی قومی سیرت جن کی ادنیٰ حالت کا تھوڑا بہت اندازہ علّامہ **ابو الفضل** کے اس فقرہ سے ہو سکتا ہے جو کسی دوسری جگہ نقل ہے، جنکو ان کے پیشہ اور پست حالت کی بنا پر اسلامی سلطنت میں بحکم شاہی دوسری پست اقوام کی طرح باشندگان شہر سے دور رکھا جاتا تھا اور مسلمانوں کے کسی شریف طبقہ میں شمار نہ ہوتا تھا۔ کجا سرداران قریش کے وہ نامور خاندان جن کے ایک ایک فرد نے ربع مسکون میں عظیم الشان سلطنتیں قایم کیں کجا ہندوستان کے وہ جدید مدّعیان قرشیت جن کے سیکڑوں خاندان اسی خاندان قریش کے ان چند افراد کی اولاد کے جو ہندوستان کے اور مقامات کی طرح امروہہ میں بھی آکر سکونت پذیر ہوئے زیر دست اور رعایا کی طور سے نسلاً بعد نسل ادنیٰ حالت میں زندگی بسر کرتے رہے!

یہ سچ ہے کہ ہر کمالے را زوالے خاندان قریش کا وہ دبدبہ اور جہانگیری اب باقی نہیں رہا لیکن ان کی گذشتہ عظمت کی یادگاریں آج بھی دنیا میں باقی ہیں اور رہتی دنیا تک باقی رہینگی

جہاں کو ہے یاد ان کی رفتار اب تک … کہ نقش قدم ہیں نمودار اب تک
ہیں سیلون[1] میں ان کے آثار اب تک … انہیں رو رہا ہے ملیبار[2] اب تک

ہمالہ کو ہیں واقعات ان کے ازبر
نشاں ان کے باقی ہیں جبرالٹر[3] پر

نہیں اس طبق پر کوئی بر اعظم … نہ ہوں جس میں انکی عمارات محکم
عرب، ہند، مصر، اندلس، شام، دیلم … بناؤں سے ہے ان کی معمور عالم

---

[1] سیلون یعنی لنکا ہندوستان سے متصل جنوب میں مشہور جزیرہ۔ [2] ملیبار ہندوستان کے جنوب میں بحر ہند کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ [3] جبرالٹر کو جبل طارق اور جبل الفتح کہتے تھے۔ اس سے بگڑ کر جبرالٹر ہوا مشہور فاتح طارق

سرِ کوہ آدم[1] سے تا کوہ بیضا[2]
جہاں جاؤ گے کھوج پاؤ گے ان کا

وہ سنگیں محل اور وہ انکی صفائی　　حمیٰ جن کے کھنڈر دواتی ہے آج کالی
وہ مرقد کہ گنبد تھے جن کے طلائی　　وہ مسجد جہاں جلوہ گر تھی خدائی
زمانہ نے گو ان کی برکت اٹھا لی
نہیں کوئی ویرانہ پر ان سے خالی

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے　　مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے　　وہ اجڑا ہوا کرّ و فر جا کے دیکھے
جلال انکا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

ہوا اندلس ان سے گلزار یکسر　　جہاں ان کے آثار باقی ہیں اکثر
جو چاہے کوئی دیکھ لے آج جا کر　　یہ ہے بیت حمرا[3] کی گویا زباں پر
کہ تھے آل عدنان سے میرے بانی
عرب کی ہوں میں اس زمیں پر نشانی

خاک مرہٹہ پر بھی اسی **آل عدنان** کے، اسی خاندان **قریش** کے، ان ہی ہاشمیوں فاطمیوں کے، جو سید القریش ہیں، بعض افراد آئے، یہیں ڈیرے جمائے، یہیں متوطن ہوئے، اپنے موروثی علم و فضل، اپنے خاندانی روایات، اپنے روحانی فیض سے ایک عالم کو مستفیض کیا، شجاعت

(گذشتہ سے پیوستہ)
اندلس کی مہم میں اوّل اسی پہاڑ پر پہنچا تھا۔ [1] سیلون میں جو سلسلہ پہاڑوں کا ہے اس میں سب سے اونچی چوٹی قلّۂ آدم یا کوہ آدم ہے۔ [2] اندلس میں ایک پہاڑ کی چوٹی جو ہمیشہ برف سے سفید رہتی ہے، عرب اس کو قلۂ بیضا کہتے تھے، اسکا قدیم نام سیرا ہے۔ [3] حمرا شہر گرینیڈا (غرناطہ) میں ایک عمارت کا نام ہے۔

ہاشمی وجلادتِ حیدری کے جوہر دکھائے، اُن کے لازوال کارناموں سے تاریخ کے صفحات پُر ہیں، وہ قرطبہ و بغداد کے محلات نہ سہی، وہ امروہہ کے ایوانات و مکانات ہی سہی، وہ میراں سید عبدالماجد کے معمرہ قلعہ اور دیوان سید محمود کی عمارتوں کے آثار، وہ سید اسداللہ خاں، سید علی اعظم خان گھڑیال والے اور دوسرے امرا کے ایوانوں کے شکستہ محراب و در، وہ سید ابدال محمد، میر کلو، شیخ محمد عارف، سید عبدالخالق وغیرہ کی معمرہ مسجدوں کے گنبد و مینار، وہ امروہہ کے سادات و شرفا کے صدہا دیوان خانوں، محلسراؤں، درگاہوں، خانقاہوں کے شکستہ کنگرے، غرضکہ اس چھوٹے سے شہر کی عمارتوں کی ایک ایک اینٹ آج اس سفلہ پرور زمانے میں بھی خاندان **قریش** کے اُن چند افراد کی نسلوں کے کارناموں، اُنکی گذشتہ عظمت، انکے اجڑے ہوئے کرّو فر کی داستانیں زبان حال سے سُنا رہی ہیں جو کبھی امروہہ آکر آباد ہوئے تھے۔

کیا امروہہ کے جدید مدعیان قرشیت کی "قرشیت" کا کوئی ثبوت، زیادہ قدیم نہ سہی، اب سے نصف صدی، چہارم صدی پہلے ہی کا کوئی ادنیٰ ثبوت، اینٹ اور چونے کی شکل میں اس سرزمین امروہہ پر ہی بتایا جاسکتا ہے؟ تنقیداً نہ سمجھا جائے محض اظہار واقعہ کے لحاظ سے عرض کرتا ہوں ان بیچاروں کے پاس تو انگل بھر زمین بھی اپنی ملکیت کی کبھی نہ تھی وہ ان ہی صحیح النسب قریشیوں کے رعایا کے طور سے، خام و خس پوش مکانوں میں رہتے آئے ہیں، جن سے آج نسبی تعلق ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے!

امروہہ کے قسائیوں، سفید بافوں (جولاہوں) اور بعض دیگر پیشہ ور اقوام کے بعض افراد نے اگرچہ انقلاب سلطنت کے بعد سے اراضیات خرید کر مکانات مسکونہ بنائے ہیں لیکن ان کا کثیر حصّہ اب تک سادات و شرفا کی مملوکہ سرایوں اور اراضیات میں بطور رعایا و کرایہ دار ساکن ہے، بعض لوگ حکومت کے مروجہ قانون میعاد کی بدولت مالکانہ قابض ہوگئے ہیں۔ اس سلسلہ میں سنہ ۱۸۱۱ء کی ایک دستاویز کی نقل ذیل ہیں درج کرنا تاریخی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا

جس میں قصّابوں، سفید بافوں (جولاہوں) دھوبیوں وچھپیرہ ومالی وگلفروش وغیرہ کی سکونت کی سراؤں کا تذکرہ ہے۔

شجاعت علی حسینی ۱۱۲۰

اقرار معتبر شرعی کرد مخبر باسم ونسب خود مسمّٰی سیّد شجاعت علی بن سیّد ہزبر علی بن سیّد غضنفر علی سکنہ قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل فی حال تصیح اقرار ہیں وجہہ کہ انچہ حصّہ شرعیہ منجملہ قطعہ کاشت موسوم چھیورہ و سرائے سکونت قصّاباں .... کہ در گنج د بازار جدید متعلقہ سیّد محمد اسد اللہ داخل شدہ وزمین خانہ دو دکان نان بّہ وخانہ ہائے سفید بافاں وگاذراں وچھپیرہ ومالی گلفروش و درحویلی سکونت صالح محمد خان وحویلی سکونت مراد بخش کہ درباورچی خانہ وغیرہ تعلقہ سید محمد اسد اللہ مذکور داخل است و در دیوانخانہ انچہ حصّہ شرعیہ حصّہ محمد اسد اللہ مذکور مقرر ہست از انجملہ یک صد درعہ مکسّر عوض زمین ہا صدر گرفتہ از سیّد محمد اسد اللہ بن سیّد مصطفیٰ علی بن سیّد ہزبر علی معاوضہ نمودیم وانچہ حصّہ من مقرر در زمین ہا مذکورات صدر بود در قبض سیّد محمد اسد اللہ گذاشتیم وزمین منجملہ دیوانخانہ عوض آں در تصرف خود آوردیم تقابض البدلین بین المتعاقدین حاصل گشت بنابراں ایں چند کلمہ بطریق عوض معاوضہ نوشتہ دادہ شد کہ تا فی الحال عند الحاجت حجت گردد۔ کان ذلک تحریر فی التاریخ یازدہم شہر جمادی الثانی سنہ ۳ مطابق سنہ ۱۱ ہجری یک ہزار یک صد ہفتاد ہجری۔

بندہ محمد علی حسینی ۱۱۵۶ | سید ظہور علی حسینی ۱۱۴۰ | فدوی غلام محمد حیدری ۱۱۶۸ | غلام مصطفیٰ ابن ... حسینی ۱۱۶۳

کیا کوئی صحیح النّسب قریشی دوسرے قریشی کا، کوئی صحیح النّسب ہاشمی دوسرے ہاشمی کا پروردہ ہو سکتا تھا؟ زیر دست ہو سکتا تھا؟ رعیّت ہو سکتا تھا؟ کیا اسلامی سلطنت میں کسی صحیح النسب عربی قبیلہ کے افراد کی ایسی پست حالت ممکن تھی جو جدید مدّعیان قریشیت کی ہمیشہ سے رہی ہے؟ آج کے دورِ تنزّل وانحطاط میں، آج کے "روزگارِ سفلہ پرور" میں، جو چاہے کوئی بن جائے، آج کوئی ذات کا بھنگی، ذات کا چمار بپتسمہ واسطباغ لیکر، انگریزی پڑھ کے حکومت کی کرسی پر جا بیٹھے

توکیا اس سے اس کا نسب بھی بدل جائے گا؟ آج کوئی قسائی کسی قریشی کی جائداد کسی سید کا دیوانخانہ خرید لے تو کیا اس بناء وہ قریشیت وہاشمیت کا مدّعی بھی بن جائے گا۔؟

ایک لچر اور پوچ دلیل قسائیوں کے عربی النسل ہونے کی ایک لچر اور پوچ دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ ان کی زبان پر عربی زبان کے بعض الفاظ اُنکے پیشہ کی مصطلحات کے طور سے اب تک جاری ہیں۔ یہ ایک سخت مغالطہ ہے جس کی حقیقت اس سلسلہ میں ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

سب سے پہلے ذیل میں وہ چند الفاظ یا بہ عبارت صحیح اُن کی مسخ شدہ صورت اور ان کے مقابلہ میں صحیح عربی الفاظ لکھتا ہوں جو کم از کم امروہہ کے قسائیوں میں مستعمل ہیں:۔

نمبر	قسائیوں کی خاص بولی	صحیح عربی لفظ	اردو لفظ
۱	خَستا	واحد	ایک
۲	جُورخستا	اثنان	دو
۳	دَھلّا	ثلثہ	تین
۴	رَبّا	اربع	چار
۵	کھمّس	خمسہ	پانچ
۶	تِھس	ستّہ	چھ
۷	ستبا	سبع	سات
۸	ماجی	ثمانیہ	آٹھ
۹	اُتاشر	تسع	نو
۱۰	آسر	عشرہ	دس
۱۱	کھمّس این	خمس وعشرون	پچیس
۱۲	جوڑ پہ ڈھینگا	اثنان وثلاثون	بتیس

نمبر	قسائیوں کی خاص بولی	عربی (الفاظ)	اُردو
۱۳	کھمس اگلا ڈینگا	خمسٌ وثلاثون	پینتیس
۱۴	یاچ	اربعون	چالیس
۱۵	آدھی لان	خمسون	پچاس
۱۶	لان	مائۃ	سو
۱۷	کھڑسے	خمسون ومائۃ	ڈیڑھ سو
۱۸	جوڑسے	مائتین	دوسو

گوشت کے پارچوں کے نام

نمبر	قسائیوں کی خاص بولی	عربی (الفاظ)	اُردو
۱۹	موڑ سینگ		پُٹھہ
۲۰	مقدم	مقدّم	ران کا اگلا حصّہ
۲۱	ٹبیک	ورک	ران کا اوپر کا حصّہ
۲۲	کھونچ	فخذ	ران
۲۳	پھرک	ورک	ران کا نیچے کا حصّہ
۲۴	بکھّا	عنُق	گردن
۲۵	پینچے	صُلب	پسلیاں
۲۶	اسپلت	میسرہ	بایاں حصّہ
۲۷	پُس	حنجرہ	نرخرہ
۲۸	مانجی	قلب	دل

مختلف الفاظ

نمبر	قسائیوں کی خاص بولی	عربی (الفاظ)	اُردو
۲۹	کاندو	ھندی	ہندو
۳۰	حمشی	جاموس	بھینس
۳۱	بکھبر	بقر	گائے

نمبر	قصائیوں کی خاص بولی	عربی (الفاظ)	اُردو
۳۲	ڈھوریا	ثَوْر	بیل
۳۳	بہیری	عجیل	بچھیا
۳۴	بہیرا	"	بچھڑا
۳۵	ڈہکی	"	کٹریا
۳۶	ڈہکا	"	کٹرا
۳۷	ہرکٹی	فیل یا فرس	گھوڑی
۳۸	جیدلا	سَیّدنا و مولٰنا	سیّد و مولوی
۳۹	پہیرا	النّاس	عوام
۴۰	لپٹرا	قماش (قمشہ)	کپڑا
۴۱	گل کرنا	تکلّم	بات کرنا

ان الفاظ میں صرف آٹھ نو الفاظ ایسے ہیں جن کو عربی کے بعض الفاظ سے کچھ مشابہت حاصل ہے باقی اُن کی اپنی خاص زبان کے الفاظ ہیں۔ ان عربی نما الفاظ کی مسخ شدہ صورت ہی اس کا صاف اظہار کر رہی ہے کہ یہ الفاظ استعمال کرنے والوں کی خود اپنی مادری زبان کے الفاظ ہرگز نہیں بلکہ یہ اس غیر قوم کی زبان کے چند الفاظ ہیں جن سے استعمال کرنے والوں کے آبا و اجداد کا کاروباری تعلق عرصہ دراز تک رہا ہی عربی بولنے والی قوم نے ان کو مسلمان کیا قصابی یا تو ان کا پہلے سے پیشہ تھا یا اسلام لانے کے بعد مقرر ہوا غرضکہ جو صورت بھی ہو گائے کے گوشت کی فروخت کے سلسلہ میں سوائے اسی عربی بولنے والی قوم کے اور کسی دوسری قوم سے چونکہ ان کا کاروباری تعلق مطلق نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا گنتی کے چند لفظ گوشت کے یار چوں کے چند نام جو بول چال میں اس حکمران عربی قوم کے افراد ادائے مطلب کے لئے ان قصابوں سے بولتے وہ انہوں نے بعینہٖ اسطرح اخذ کر کے اپنی پیشہ کی مخصوص مصطلحات بنا لیے جس طرح

آج ایک بوچڑ Butcher، ہندوستان کے ان مقامات پر، جہاں انگریزوں یا یورپین حضرات کی آبادی زیادہ ہوتی ہے، چند انگریزی الفاظ مسخ شدہ صورت میں استعمال کر لیتا ہے۔ ان بوچڑوں کی زبان پر یہ چند انگریزی الفاظ کچھ اسطرح چڑھ جاتے ہیں کہ انگریزوں کے علاوہ ہندوستانیوں سے بھی کاروباری گفتگو میں اکثر یہی الفاظ استعمال کرنے لگتے ہیں۔ مجھے اسکا ذاتی تجربہ ہوا، اس زمانہ میں کہ قسائیوں کا ادعائے قرشیت کا اظہار شروع ہوا تھا میں دیرہ دون میں ایک عزیز کے بنگلہ پر، جو انگریزی طرز معاشرت رکھتے ہیں، مقیم تھا، ایک دن ان عزیز کے خانساماں نے کسی بوچڑ (قسائی) کو جس کے خراب گوشت دینے کی شکایت تھی اپنے آقا کے سامنے پیش کیا۔ باوجودیکہ وہ بوچڑ کسی انگریز سے نہیں بلکہ ہندوستانیوں سے گفتگو کر رہا تھا تاہم وہ اپنی ٹوکری میں سے گوشت کے پارچے نکالتا اور دکھا دکھا کر کہتا جاتا تھا کہ صاحب دیکھئے یہ پھریش مٹن (Fresh mutton) ہے۔ یہ سلیس (slice) کیسا عمدہ ہے، یہ لگ (Leg) کیسا نیس (nice) ہے۔ میں اس کی زبان سے اس قسم کے چند مسخ شدہ انگریزی الفاظ سنکر سوچنے لگا کہ اگر ہندوستان میں انگریزوں کی سلطنت، ان کی آبادی چند صدیوں تک اور باقی رہی، اور اس بوچڑ کی نسل میں چند افراد نے عیسوی مذہب قبول کر کے یا انگریزی طرز معاشرت اختیار کر کے یہ دعویٰ پیش کر دیا کہ ہمارے پتیہ کا لقب انگریزی کا لفظ بوچڑ (Butcher) ہے اور ہماری زبان میں بھی چند انگریزی لفظ شامل ہیں لہٰذا ہم انگلو سیکسن (Anglo-saxon) قوم سے نسبی تعلق رکھتے ہیں یا فرڈیننڈ دی گریٹ (Ferdinand the Great) کی اولاد میں ہیں، انگریزی فوج کے ساتھ ہندوستان آئے اور گوشت فروشی کی وجہ سے ہمارا لقب Butcher پڑ گیا تو غور طلب سوال یہ ہے کہ اس بوچڑ کی اولاد کے دعوئے فرنگیت اور آج کے قسائی صاحبان کے دعوئے قرشیت میں کیا فرق ہوگا!! ہندوستان کے بعض ان مقامات پر خواہ وہ Hill stations (پہاڑی مقامات) ہوں یا میدانی علاقہ کے بعض شہر جن میں اینگلو انڈین و یوروپین حضرات کی زیادہ آبادی ہے، کیا کبھی آپ نے کسی ہندوستانی

تاجر و دوکاندار کو کسی انگریز سے کاروباری گفتگو کرتے نہیں سنا' جو مثلاً کہتا ہے "صاحب! اس کا پرائس (Price) پھائف روپی پھور آنہ (Five rupees and four annas) بس صاحب' ایک بات' خواہی ٹیک یعنی (You may purchase) کے بجائے خواہی نو ٹیک یعنی (You may not purchase) تو کیا اِن مسخ شدہ اور غلط الفاظ کا زبان پر چڑھ جانا اور عادتاً کاروباری گفتگو میں ان کا ادا ہونا اس امر کی کوئی دلیل ہو سکتی ہے کہ ان الفاظ کے بولنے والے اینگلو سیکسن قوم سے نسبی تعلق رکھتے ہیں؟ یہ اگر صحیح نہیں تو پھر قسائیوں کی زبان پر جو چند مسخ شدہ اور غلط الفاظ بطور مصطلحات پیشہ رائج ہیں وہ اُن کی عربیت یا قرشیت کی کیونکر دلیل ہو سکتے ہیں؟ فاین هذا من هذا!

مختلف زبانیں بولنے والی قوموں کے اختلاط اور میل جول سے غیر زبان کے جو الفاظ مروّج ہوتے ہیں اُن کی مثالیں ہندوستان کی زبانوں میں بکثرت مل سکتی ہیں۔ عہدِ مغلیہ اور اس سے قبل کے ہندو شاعروں کے دوہروں کو دیکھئے' برج بھاشا میں کہے گئے مگر مگر جابجا فارسی اور عربی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ **کبیر** شاعر' بنارس کے رہنے والے محض اَن پڑھ' گرو رامانند کے چیلے اور کبیر پنتھیوں کی مت کے بانی ہیں' فرماتے ہیں ؎

دین گنوایو دُنی سے دُنی نہ آیو ہاتھ — پیر کلہاڑی ماریو گا پھل (غافل) اپنے ہاتھ
کبیر سر پر سر آئے کیوں سوئے سکھ چین — کوچ نگارا (نقارہ) سانس کا باجت ہے دن رین

اسی طرح **گرو نانک** صاحب کے کلام میں عربی و فارسی کے الفاظ بکثرت ہیں' مثلاً

ساس ماس سب جیو تمھارا — تو ہے کھرا پیارا
نانک شاعر ایو کہت ہے — سچے پرور دگارا

بابا تلسی داس برہمن ذات ضلع باندہ کے رہنے والے سنسکرت داں رامائن کا ترجمہ برج بھاشا میں کرتے ہیں' مگر فارسی الفاظ بلا تکلف استعمال میں لاتے ہیں ؎

گھر بسو اسن سجن ہٹ بولے — کتنی بھنگ کلہ بھی کھولے

رام انیک گریب نواجے (غریب نوازے) لوک بید برید برا ابجے
مایا کو مایا ملے کر کر بلبے ہاتھ تلسی داس گریب (غریب) کی کوئی نہ پوچھے بات

ایسی مثالیں بکثرت بیان کی جا سکتی ہیں۔ انگریزی زبان کے الفاظ جس طرح آج اُردو میں مستعمل ہیں اس سے تو ہر شخص واقف ہے لیکن آج سے دوڈھائی سو برس پہلے جب شمالی ہند میں شاید کوئی فرد واحد بھی انگریزی زبان سے آشنا نہ تھا انگریزوں کے میل جول سے چند الفاظ انگریزی و پرتگالی کے بول چال میں استعمال ہونے لگے تھے حتیٰ کہ اس زمانہ کے شاعر اپنے کلام کو ان سے زینت دیتے تھے۔ ذرا سید انشا کے مشہور قصیدہ تہنیت جشن کو پڑھئے قریب قریب ہر شعر میں کوئی نہ کوئی لفظ انگریزی یا پرتگالی کا ملیگا۔ یہاں چند شعر نقل کرتا ہوں ؎

کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر کرے گی ناز پہ جلوہ کی دکھاوے گا پھبن
نسترن بھی نئی صورت کا دکھاویگا رنگ کوچ پر ناز کی جب پاؤں رکھیگا بن ٹھن
اپنے گیلاس شگوفے بھی کرینگے حاضر آکے جب غنچۂ گل کھولینگے بوتل کو دہن
پتے ہل ہل کے بجاوینگے فرنگی طنبور لالہ لاوے گا سلامی کو بنا کر پلٹن
کھینچ کر تار رگِ ابر بہاری سے کئی خود نسیم سحر آوے گی بجاتی ارگن
اردلی کے جو گراں ڈیل ہیں ہونگے سب جمع آن کر اپنا بگل پھونکیگا جب سیکھدرسن

گھوڑے کی تعریف میں کہتے ہیں ؎

ہو اس آفت کا سبک سیر کہ راکب اسکا حاضری کھائے جو کلکتہ تو لنڈن میں ٹپن

تو کیا جس طرح ہندوؤں کی زبان پر مسلمانوں کے میل جول سے عربی و فارسی کے الفاظ اور انگریزوں کے اختلاط سے ہندوستانی شاعروں کے کلام میں انگریزی الفاظ مستعمل ہونے لگے تھے ہندوستان کی ملیٹیہ در قوم کا عربی بولنے والی قوم کی بول چال سے چند الفاظ اخذ کر کے استعمال کر لینا اور وہ بھی صرف اُن ہی ملتہ وروں کا استعمال کرنا جن کا کاروبا

محض عربی بولنے والی قوم کے ساتھ عرصہ دراز تک رہا کسی دوسری قوم کے ساتھ نہیں رہا اور وہ چند الفاظ بھی جو صرف کاروباری گفتگو کے الفاظ ہوں کیا اس امر کی کوئی دلیل ہو سکتے ہیں کہ یہ غلط اور مسخ شدہ الفاظ اُن کی اپنی مادری زبان کے الفاظ ہیں بہرنوع قصابوں کی زبان پر تو اِن میں کا ایک لفظ بھی نہیں اور اسلئے نہیں کہ اُن کے پیشہ کا تعلق صرف مسلمانوں ہی تک محدود نہ تھا جن کی زبان ابتداءً عربی یا عربی آمیز فارسی تھی بلکہ بکرے کے گوشت کی فروخت کے سلسلہ میں ہندوستان کی دیگر گوشت خور قوموں سے بھی برابر کا تعلق رہا۔

عربی فارسی کے بہت سے الفاظ مسخ شدہ صورت میں عرصہ دراز سے ہندوستانی زبان بولنے والی تمام قوموں کی زبان پر رائج ہیں تو کیا وہ اُن کے عربی النسل ہونے کی دلیل میں پیش کئے جا سکتے ہیں ایسے چند الفاظ کا یہاں لکھنا غالباً بے محل نہ ہوگا:-

افراتفری (افراط تفریط) **بچاوہ** (پڑاوہ) **تارتلا** (تار طلا) **ہمام دستہ** (ہاون دستہ) **کھگل** (کاہ گل) **کھیسا** (کیسہ) **توبہ تلسنوہا** (توبۂ نصوحا) **تانے تشنے** (طعن وتشنیع) **ٹاٹ باقی** (تارباقی) **جھاڑو** (جاروب) **بجے منڈل** (بدیع منزل) وغیرہ

ہندوستان میں صحیح النسب عربی خاندان مختلف اقطاع ملک میں مختلف زمانوں سے آباد ہیں ایسے بھی ہیں جن کو ہندوستان آئے صدیاں گذر گئیں اور ایسے بھی جن کو کچھ زیادہ زمانہ نہیں گذرا کیا ان میں سے کسی کی زبان پر اس قسم کے مسخ شدہ اور غلط الفاظ باقی ہیں؟ آخر ان کی زبان پر کیوں باقی نہیں اور قسائیوں کی زبان پر اب تک کیوں باقی ہیں؟ سوچنے کی بات ہے صحیح النسب عربی خاندانوں کی زبان پر اسلئے باقی نہیں کہ وہ اُن کی مادری زبان تھی، ہندوستان میں اُن کی جو نسلیں پیدا ہوئیں، جس مقام پر پلیں بڑھیں وہاں کی مروجہ زبانوں نے اُن کی مادری زبان کی جگہ لے لی، قسائیوں کی مادری زبان چونکہ عربی نہیں تھی بلکہ صرف یہ چند الفاظ انہوں نے اوّلاً عربی زبان بولنے والوں کی بول چال سے

اپنے اِس کاروبار اور اپنے اِس پیشہ کے متعلق حاصل کئے تھے جس کا تعلق ابتدا ًصرف ان ہی عربوں سے تھا کسی اور قوم سے نہ تھا اسلئے وہ ہی چند الفاظ' جو محض کاروباری گفتگو کے الفاظ ہیں' انکی دو چار نسلوں کے بعد اُن کے پیشہ کی مخصوص مصطلحات بن گئے' اُن کا **دھلاّ** عربی زبان کا **ثلثہ** نہیں تھا بلکہ ان کے پیشہ کا دھلاّ تھا وہ دھلاّ آج تک چلا جاتا ہے' ان کا **کھمّس** عربی کا **خمسہ** نہ تھا بلکہ ان کے پیشہ کا **کھمّس** تھا چنانچہ وہ آج تک اپنی اسی ہیئت کذائی کے ساتھ باقی ہے اور علیٰ ہذا القیاس۔

یہ تو مسخ شدہ عربی الفاظ کا حال ہے لیکن یہ **ختا** اور **جورختا** کس زبان کے لفظ ہیں؟ جو داحد اور استان کے معنی میں مستعمل ہیں' آپ اگر **ختا** اور **جورختا** کو ذرا بلند آواز سے کہئے تو ایک ہی آواز میں ان کی عربیت کا بھانڈا پھوٹ جائیگا۔ ہاں' ذرا چلا کر کہئے تو' **جورختا!** اُس سے عربیت ٹپکتی ہے یا سندھیت و بلوچیت!!

ان الفاظ کے علاوہ اگر اُن فقروں اور اُن الفاظ کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو یہ لوگ اپنی خاص بولی میں استعمال کرتے ہیں تو یہ امر درجہ یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ ان کا نسبی تعلق ہرگز و زنہار کسی عربی قبیلہ سے نہیں ہے بلکہ سندھ و بلوچستان کی کسی ادنیٰ قوم سے ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں:۔

کانڈوکے سے لپڑا کد لادان:۔ یعنی ہندو کے سے کپڑا خرید لائیں۔

بتھرا اگال لیا ہے:۔ یعنی شیر دیکھ رہا ہے۔

لنینیں تھک رہی ہیں:۔ عورتیں بیٹھی ہیں۔

لنینیں بڑی سپلائی ہیں آؤ تھنگ جاؤ:۔ یہ عورتیں بڑی خوبصورت ہیں آؤ بیٹھ جائیں۔ **بھکر کو تھنگا دو** اور **لاپ لو**:۔ یعنی گائے کو ڈھا دو اور کاٹ لو۔

اسی طرح اور بہت سے فقرے ہیں جن میں لفظ ہیں' یا ہیں کے سوائے مسخ شدہ سندھی اور بلوچی الفاظ شامل ہیں۔

خصائص قومی

نوع انسانی کی مختلف شاخوں کے نسبی معاملات کا ثبوت اور اسکا صحیح اندازہ علم الانساب کی کتابوں، کرسی ناموں کے اوراق اور شجرہائے نسب کے بوسیدہ چیتھڑوں سے کہیں زیادہ ان اقوام کی عادات و خصائل شکل و شمائل اور خصوصیات قومی سے ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ہندوستان کے ان جدید مدعیان قریشیت کا کوئی دُور کا واسطہ و تعلق بھی قوم عربی سے نہیں پایا جاتا۔

اہل عرب کی صفائی ذہن اور فطری سرعت فہم دنیا میں مسلّم ہے برخلاف اسکے ہندوستان کے ان مدعیان عرب نژادگی کی کند ذہنی مشہور ہے۔ زباں دانی اور فصاحت و بلاغت عرب کے ایک ایک فرد کا مخصوص جوہر تھا، نطق اعرابی و عدنانی فصاحت دنیا میں مشہور ہے۔ اپنے علاوہ تمام دنیا کو انہوں نے عجم (یعنی ژولیدہ بیان) کا خطاب دے رکھا تھا۔ عرب سے باہر جہاں گئے اور جس ملک میں جاکر ڈیرے جمائے یہ فطری جوہر بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ بازار **عکاظ** کا سماں ہر جگہ جا رچایا، فارسی ہو یا اردو، سندھی ہو یا پنجابی ہر زبان میں فصاحت کے دریا بہادئے۔ ان زبانوں کے چوٹی کے شعرا کی فہرست اٹھا کر دیکھو اس میں کوئی **میر تقی میر** ہاشمی ہوگا، کوئی شیخ **غلام ہمدانی مصحفی** قریشی۔ کیا جدید مدعیان قریشیت کسی قسائی شاعر کا نام پیش کر سکتے ہیں۔؟

اقوام عالم میں صرف اہل عرب ہی اپنی اس خصوصیت میں ممتاز و منفرد رہے ہیں کہ انکے جاہل سے جاہل افراد بھی اپنے انساب محفوظ رکھتے تھے۔ انسان تو انسان وہ اپنے جانوروں یعنی گھوڑوں، اونٹوں حتیٰ کہ کھجوروں کی نسلیں تک جانتے اور از بر رکھتے تھے۔

"عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں بعض خاص خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن کو تاریخی سلسلہ سے تعلق تھا اور جو اور قوموں میں معدوم تھیں مثلاً **انساب** کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤ اجداد کے نام اور ان کے رشتے ناطے دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا، یہاں تک کہ انسانوں سے

گذر کر گھوڑوں اور اونٹوں تک کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے۔[۱]

اہل عرب اور قریش عرب سے نکلکر جہاں بھی گئے اور جس ملک میں بھی جاکر بسے یہ قومی خصوصیت اپنے ساتھ لیتے گئے، آج ہندوستان کے اندر خاندان قریش کی جو صحیح النسب نسلیں آباد ہیں ان میں انساب کے محفوظ رکھنے کا اہتمام سلف سے برابر چلا آتا ہے۔ کیا یہ جدید مدعیان قرشیت زیادہ نہیں دس بارہ پشت تک، جناب قصی تک نہیں تو اپنے کسی ہندی بزرگ ہی تک اپنا سلسلۂ نسب مسلسل دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں؟

میں اقوام کے محاسن و رذائل پر گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا، آج کے حالات سے بحث نہیں، دو تین صدیوں پہلے ہی کا زمانہ چشم تصور میں لاؤ اور دیکھو ہندوستان کے مسلمانوں کے کس طبقہ میں متقین زہد و تقوی، عصمت و عفاف، احسان و کرم، حلم و عفو، عزم و ثبات، ایثار و لطف، غیرت و استغنا کے نمونے ملتے ہیں۔ کیا ہندوستان کے ان جدید مدعیان قرشیت کے افراد کے اقوال و افعال، وضع و قطع، شکل و شباہت، رفتار و گفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت میں کوئی خفیف سے خفیف اور ادنی سے ادنی شائبہ بھی قریش تو قریش مسلمانان ہند کے کسی شریف النسب طبقہ سے پایا جاتا ہے۔ اگر پایا جاتا ہے تو اسکا کوئی ثبوت اور اگر نہیں پایا جاتا تو پھر یہ دعوی قرشیت کیسا؟

ہندی پیشہ وروں کی قومی خصوصیات

ہندوستان کے پیشہ ور اقوام میں، خواہ ہندو ہوں یا مسلمان چند خصوصیات ایسی پائی جاتی ہیں جو ہندوستان کے علاوہ کسی دوسرے ملک و قوم کے پیشہ وروں اور بالخصوص عرب وغیرہ میں ہرگز نہیں پائی جاتیں۔ سب سے پہلی خصوصیت کسی پیشہ کا ایک ہی قوم و نسل میں متوارث ہو جانا اور نسلاً بعد نسلٍ اس نسل کے افراد کا اپنے آبائی پیشہ کا اختیار کرنا۔ یہ خصوصیت ابتک صرف ہندوستان ہی کو حاصل رہی ہے کہ یہاں ذاتیں اور برادریاں بربنائے پیشہ کے قائم

---

[۱] الفاروق صفحہ ۳ مطبوعہ

ہوئیں، اور باپ کے بعد بیٹا اسی پیشہ کو کرتا رہا۔ سلطنت برطانیہ کے زمانہ سے البتہ یہ پیدا ہوا ہے کہ بعض پیشہ وروں نے اور اور پیشے بھی اختیار کرنے شروع کر دیئے ہیں لیکن انکی مثالیں خال خال ہیں ورنہ اب بھی بالعموم یہی حالت ہے کہ جو لاہے کی نسل سے ہے تو جولاہے کا پیشہ کرے گا، قسائی کی اولاد سے ہے تو بالعموم قسائی کا کام۔ ہندوستان کے علاوہ اور ممالک بالخصوص عرب میں یہ کیفیت کبھی نہیں رہی۔ اسلئے ہندوستان کے قسائیوں وغیرہ کے بعض افراد جو کچھ عرصہ سے عرب نژادگی کے مدعی بنے ہیں اپنی اس قومی خصوصیت کو جو انہیں اپنے ہندو ہم جدیوں کے ساتھ مشترک حاصل ہے کس طرح میٹ سکتے ہیں؟

دوسری خصوصیت اور سب سے بڑی خصوصیت ان ہندو اور مسلمان پیشہ ور اقوام میں **پنچایت** کا دستور ہے۔ ہندوستان میں جتنے عربی و عجمی النسل خاندان آباد ہوئے کسی ایک میں بھی کبھی **پنچایت** کا رواج نہیں رہا۔ خود "پنچایت" کا لفظ، اس کی اصل، اسکی غرض و غایت، اسکی ہیئت ترکیبی، یہ سب اس کے ہندی ہونے کا بیّن ثبوت ہیں۔ پنچایت کا دستور ہندوستان میں قدیم ترین زمانہ سے ہے اور ہندو دیہاتیوں اور بالخصوص ہندو پیشہ ور تمام اقوام میں پایا جاتا ہے۔ पञ्च में परमेश्वर - "پنچ میں پرماتما" مشہور ہندی مثل ہے۔ پنچایت حقیقتاً برادری اور فرقہ وارانہ تنظیم کے لئے بہت مفید ہے اسکو اگر دانشمندانہ اصول پر چلایا جائے تو باہمی نزاعات کا تصفیہ بخوش اسلوبی ممکن ہے، "پنچایت" کے علاوہ ہر پیشہ ور برادری میں **چودھری** یا چودھریوں کا مقرر ہونا، برادری کے فیصلہ سے برادری کے کسی مجرم کا کھان پان اور حقہ پانی بند ہونا، یہ سب دستور اور رواج ہندی الاصل ہونے کے کافی ثبوت ہیں۔ **چودھری** کا لفظ بھی ہندی لفظ ہے اصل میں **چتر دھر** تھا، بگڑ کر چودھری ہو گیا۔ یہ دستور صرف اُن ہی اقوام میں پائے جاتے ہیں جو نسباً ہندی ہیں اور یہ وہ قدیم انسٹی ٹیوشن اور دستور ہیں جو اسلام لانے کے بعد تقریباً سات سے صدیوں ہندوانہ مراسم کے ساتھ ان اقوام میں باقی رہے۔

قسائیوں کا نسب

مندرجہ بالا بیانات سے جب یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ امروہہ وغیرہ کے قصاب نسباً نہ قریشی ہیں اور نہ عربی النسل تو اب یہ سوال حل طلب باقی رہ جاتا ہے کہ آخر وہ کس قوم و نسل سے ہیں یا ہو سکتے ہیں۔

اس مسئلہ پر غور کرتے وقت بعض سطحی معلومات کے لوگ یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ قصابوں کا پیشہ چونکہ گائے وغیرہ کی گوشت فروشی کا پیشہ ہے اسلئے یہ کسی ہندو قوم سے تو ہو نہیں سکتے لامحالہ ہندوستان کے باہر سے آئے ہونگے۔ لیکن ان لوگوں کا یہ خیال محض بربنائے عدم واقفیت ولاعلمی کے ہے۔ ہندوؤں کی تہذیب و تمدن کا گہرا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ ہندوستان میں "جیو ہتیا" کا مسئلہ ہمیشہ سے نہ تھا ہندو تہذیب و تمدن نے بھی زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ مختلف پلٹے کھائے ہیں، ایسا بھی زمانہ رہا ہے جب گائے بھینس، گھوڑے، مینڈھوں کی قربانی کرنے کا دستور عام تھا، حیوانی غذا کو بہ افراط استعمال کیا جاتا تھا، ہندوستان کے مختلف حصص میں ہندوؤں کی گوشت خور قومیں آباد تھیں چنانچہ سندھ وغیرہ سرحدی مقامات کے ہندوؤں اور شمالی ہند کے ہندوؤں کے تمدن میں آج بھی بیّن فرق نظر آتا ہے۔ مسٹر آر۔ سی۔ دت اپنی بے نظیر تصنیف "سولیزیشن آف اینشنٹ انڈیا"[1] (قدیم ہندوستان کی تہذیب) میں لکھتے ہیں:۔

"یہ امر بہ آسانی متصوّر ہو سکتا ہے کہ پنجاب کے قدیم ہندو حیوانی غذا بھی بہ افراط کام میں لاتے تھے۔ ہم اکثر اشارات **گائے، بھینسوں** اور **بیلوں** کی قربانی کرنے اور گوشت پکانے کی بابت بھی پاتے ہیں۔

دسویں منڈل کے منتر ۸۹ کی رچا ۱۴ میں اس مسئلے کا ذکر ہے جہاں **گائیں** ذبح کی جاتی تھیں اور نیز اسی منڈل کے منتر ۹۱ کی رچا ۱۴ میں ایک اشارہ **گھوڑے بیل** اور **مینڈھوں** کی قربانی کا بھی دیکھا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

---

[1] The Civilisation of Ancient India by R.C.Dutt.

آخری زمانوں میں گھوڑے کا بلدان اسومیدہ کے وقت بڑی دھوم دھام کے ساتھ جبکہ کوئی طاقتور راجہ بعد اس کے کہ وہ اپنے ہمسایہ راجاؤں کو مغلوب کرکے ایسا خطاب اختیار کرے جو یورپ میں شاہی خطاب کے ہم پلہ سمجھا جاتا ہو کثر موقعوں پر ہوا کرتا تھا..................

رگ وید کے پہلے منڈل کی ۱۶۲ منتر کی ایک رچا کا ترجمہ یہ ہے :-

"۱۳۔ وہ کفچہ جو ابلتی ہوئی ہانڈی میں ڈالا جاتا ہے' وہ ظرف جس میں یخنی رکھی جاتی ہے' وہ سرپوش جو اس کو گرم رکھتے ہیں' وہ بید جس کے ذریعہ سے گھوڑے کے جسم پر اول خط کھینچا جاتا ہے اور وہ **چھری** جس سے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاتے ہیں یہ تمام آلات گھوڑے کے گوشت پکانے میں مدد دیتے ہیں۔

۱۸۔ **چھری** دیوتاؤں کے ایک دوست کے مانند گھوڑے کی چونتیس پسلیوں کے جدا جدا کرنے کو داخل ہوتی ہے..........................[ا]"

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ گائے' بھینس' بیل' گھوڑے' مینڈھے وغیرہ کے ذبح کرنے گوشت کاٹنے وغیرہ کا کام اس زمانہ میں ہندوؤں کے کسی فرقہ کو کرنا ہوتا ہوگا' برہمنوں کے اقتدار سے حیوانی غذا کے استعمال کا رواج بعض حصص میں معدوم اور بعض میں کم ہو گیا تھا' تاہم ہندوؤں کی یہ گوشت فروش قوم نیست و نابود نہیں ہوئی تھی' سنہ ۹۳ھ میں جب محمد بن قاسم ثقفی نے ملک سندھ فتح کیا' وہ اور ان کے ہمراہی ثقفی اور انصاری قبائل کے افراد عربی زبان بولنے والے تھے' اس زمانہ میں ہزاروں ہندوؤں نے اپنا قدیم مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا۔ اس قدیم گوشت فروش قوم کے افراد نے یقیناً قبول اسلام میں دوسروں کے مقابلہ میں سبقت کی ہوگی' اور جس پیشہ کو ان کے آبا و اجداد کرتے تھے اور برہمنوں

[ا] The Civilisation of Ancient India, by R.C. Dutt.

مذہبی اقتدار کی وجہ سے تقریباً معدوم یا کم ہو گیا تھا انھوں نے پھر اختیار کر لیا ہوگا۔ علاوہ ازیں سندھ اور اس کے قرب و جوار میں بہت سی ایسی قومیں آباد تھیں جو اپنے تمدن و معاشرت میں پست درجہ رکھتی تھیں، اور آج بھی جن لوگوں کو سندھ کے بعض مقامات پر بالخصوص کراچی جانے کا اتفاق ہوا ہو وہ بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ بلوچیوں کی پست اقوام کیچ و مکران کے ادنیٰ طبقہ کے لوگ، مسلمانوں کی ابتدائی یورش کے زمانہ میں حلقہ بگوش اسلام ہو کر اسی قسم کی خدمات پر مامور ہوئے جو رفتہ رفتہ ان کے مخصوص پیشے ہو گئے۔ **ختنا** اور **بجو رختنا** کے ساتھ ساتھ کچھ مسخ شدہ عربی الفاظ بھی ان کی زبان میں شامل ہو گئے۔

امروہہ وغیرہ کے قصابوں کی قومی سیرت، اُن کی اخلاقی پستی اور اُن کے عادات و خصائل کا بغور مطالعہ کرنے والا اسکو بآسانی قبول کر لے گا کہ بلوچیوں کی بعض ان پست اقوام کی عادات و خصائل بلکہ شکل و شمائل میں انہیں کہاں تک اور کس حد مماثلت و مشابہت حاصل ہے جو آج بھی کراچی وغیرہ میں بالعموم محنت مزدوری کا پیشہ کرتے ہیں اگرچہ اِس دورِ تنزل و انحطاط میں مسلمانوں کے اونچے سے اونچے طبقہ کے افراد کی اخلاقی حالت کا معیار وہ نہیں ہے جو ایک مسلم کا ہونا چاہیئے یا اُن کے اسلاف کرام کا رہا ہے تا ہم ہمارے قسائی بھائیوں کے کردار و گفتار، قول و فعل کا فرق اور غلط بیانی ضرب المثل ہو گئی ہے۔ لغت و محاورے کی کتابوں میں متعدد کہاوتیں اس بیان کی تائید میں ملتی ہیں۔ یوں تو قسائی بھائیوں میں بھی نیک کردار اور راست گفتار افراد موجود ہیں لیکن اُردو زبان میں جو امثال مشہور ہیں وہ عمومیت کے لحاظ سے ہیں، بلوچیوں کی ان پست اقوام کے عادات کے متعلق بھی بعینہٖ یہی شکایت ہے، ان کی شکل و شمائل اور اخلاقی حالت بھی بہت کچھ قسائیوں کی قوم سے ملتی جلتی ہے **ختنا** اور **بجو رختنا** وغیرہ الفاظ بھی اسی بلوچیت کا پتہ دیتے ہیں، اس لئے جو لوگ ان کو نسبًا سندھیوں و بلوچیوں کی پست

قوم سمجھتے ہیں وہ شاید سب سے زیادہ صحیح نتیجہ پر پہنچے ہیں ۔ زمانۂ حال کے مشہور مؤرخ پروفیسر ای ۔ جے ۔ ریپسن نے اپنی مبسوط تاریخ میں ثابت کیا ہے کہ ہندوستان کے قدیم باشندوں (یعنی Dravidians) کا جنھیں شودر کہا جاتا ہے ایک قدیم فرقہ اب تک بلوچستان کے پہاڑی علاقہ میں موجود ہے ۔ یہ لوگ ابتداءً ان ہی اطراف سے ہندوستان آئے تھے ۔

نداف و نورباف یعنی دھنے اور جولاہے

جیسا کہ کسی دوسری جگہ ذکر ہو چکا ہے دھنے اور جولاہے حقیقتاً ایک ہی قوم کے دو مختلف الحرفہ فرقے ہیں ۔ شمالی ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم ہونے کے ابتدائی زمانہ میں نیز اس کے بعد بھی ان دونوں قوموں کے ہزاروں خاندان "اونچ" ذات کے ہندوؤں کے ذلت آمیز و ناقابل برداشت برتاؤ سے نجات حاصل کرنے کے لئے بعض دوسری شودر اقوام کی طرح حلقہ بگوش اسلام ہوئے ۔ اسلام لانے کے بعد بدستور اپنا آبائی پیشہ کرتے رہے ۔ ہندو **کوریوں** سے امتیاز کی خاطر فارسی زبان نے انہیں **جولاہہ** کا لقب دیا ۔ بعض مقامات پر اپنے ہندو ہم قوم اور ہم پیشوں کے مقابلہ میں یہ **مومن** کہلائے ۔ رفتہ رفتہ ان کے لئے مومن، نورباف، وسفید باف اور دھنوں کے لئے **نداف** وغیرہ الفاظ استعمال ہونے لگے ۔

فارسی زبان میں کپڑا بننے والے کو **جولاہ** یا **جولاہہ** کہتے ہیں ۔ خاقانی کہتا ہے ۔ ع

"جولاہہ ترا دیم از سوئے جد" صاحب فرہنگ محتشمی لکھتا ہے :۔

جولاہہ و جولاہ ہر دو صحیح باشد بمعنی بافندہ پارچہ کسانیکہ جلاقی و جلاہی خوانند غلطی کنند ۔ ؎۲

جولاہہ و جولاہ دونوں صحیح ہیں جو کپڑا بننے والے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جو لوگ جلاقی و جلاہی پڑھتے ہیں غلطی کرتے ہیں ۔

۱؎ The Cambridge History of India Vol. I page 42 & 43.

۲؎ فرہنگ محتشمی

بعض فارسی نویس صنعت پارچہ بافی کو "حرفتِ[1] جولاہی" لکھتے ہیں لیکن اردو میں مرد کو جولاہہ اور عورت کو جولاہی یا جولائی کہتے ہیں مثلاً اُبالی امروہوی فرماتے ہیں ؎

وہ خیالات کے حامئ مسلمان نہ گبر   وہ وہ الفاظ کہ کہتی نہ جولاہی نہ ڈنی

مسٹر جان بیمس لکھتے ہیں :-

"**جولاہہ** - یہ لوگ بالعموم غریب اور بے حیثیت ہوتے ہیں - بعض اضلاع میں اسی پیشہ کے ہندو بھی جولاہے کہلاتے ہیں لیکن **جولاہہ** کا لقب زیادہ تر مسلمان پیشہ وروں کے لئے مخصوص ہے اور ہندوؤں کو **تانتی** یا **ٹھٹیا** وغیرہ کہتے ہیں[2]"

مسٹر موصوف ضلع بجنور کے جولاہوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"جولاہوں کی تعداد اس ضلع میں ساٹھ ہزار تین سو تیس ہے - ان میں ہندوؤں کی تعداد بہت کم ہے جو مسلمان جولاہوں سے امتیاز کی خاطر ہنبار (یا ہبنیا) کہلاتے ہیں[3]"

پارچہ بافی کی صنعت ہندوستان کی قدیم ترین صنعت تھی، لاکھوں افراد اس صنعت کو نسلاً بعد نسلٍ کرتے تھے، اسلامی سلطنت کے ابتدائی دور میں مختلف مقامات پر پارچہ بافی کے کارخانے قائم تھے، سلطان علاء الدین خلجی نے کپڑے کی ارزانی کے متعلق خاص قواعد مقرر کئے، جداگانہ محکمہ قائم کیا، اس کے افسر و دلال متعین کئے، ڈھاکہ کی ململ تو تمام دنیا میں مشہور تھی، بنارس، دہلی، ملتان، ناگور، کوٹلہ، دیوگیر وغیرہ مقامات پارچہ بافی کے بڑے بڑے کارخانے موجود تھے جن میں ہزاروں ہندو اور مسلمان کاریگر، کوری اور جولاہے، کام کرتے تھے - عہد اکبری میں صرف ایک لاہور میں شال بافی کے ایک ہزار سے زیادہ کارخانے تھے - اسی سے پارچہ بافی کے کارخانوں کا قیاس ہوسکتا ہے - اس زمانہ میں مانچسٹر[4] برمنگھم اور لائنس وغیرہ کی پارچہ بافی کے کارخانوں اور احمد آباد وغیرہ کی کلاتھ ملس

۱؎ تحفۃ الاکرام صفحہ ۱۲۳ - ۲؎ و ۳؎ میموائرس سر ہنری ایلیٹ -

۴؎ *Manchester, Birmingham, Lyons.*

(Cloth Mills) کا وجود کیسا کسی کو خیال بھی نہ ہو سکتا تھا، اور نہ انسان کا ہاتھ بٹانے کے لئے بھاپ اور بجلی کی طاقت سے کام لینے کا وہم و گمان۔ اسلئے ہندوستان کے بادشاہوں، شہزادوں، بیگمات، وزراء امراء، رؤساء و عمّال سلطنت کے علاوہ کروروں باشندگان ملک کی ضروریات کے لئے ہزاروں کارخانے اور لاکھوں کاریگر، کوری اور جولاہے کا کام کرتے تھے۔ انہی لاکھوں کاریگروں کی نسل سے وہ تمام جولاہے اور کوری ہیں جو آج بھی مختلف حصص ملک میں یورپین مصنوعات کی گرم بازاری کے باوجود کچھ نہ کچھ اپنا قدیم اور آبائی پیشہ کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کچھ عرصہ سے البتہ دوسرے پیشے بھی شروع کردئے ہیں۔ عہد اسلامی میں جب پارچہ بافی کی صنعت اور پارچہ فروشی کی تجارت خوب رونق پر تھی، ملکی مصنوعات کے قدردان موجود تھے۔ دو ایک مسلمان جولاہوں نے دولت و تموّل کے اعتبار سے خوب ترقی حاصل کی تھی۔ دولت کے ساتھ اُن میں علم بھی آیا اور ان میں سے چند افراد کو شاہی تقرّب بھی حاصل ہوگیا۔ لیکن اس زمانہ میں عمّال سلطنت کے تقرر میں ذاتی فضائل و کمالات کے ساتھ ساتھ عالی نسبی کو بھی خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ مسلمان جولاہوں کا نسبی تعلّق چونکہ اس ہندی قوم سے تھا جسے ہندو "اونچ" ذات والوں نے "شودر" کا لقب دے رکھا تھا اسلئے عہد التمش میں ایک مسلمان جولاہے کو، جس نے اپنی ذاتی لیاقت و قابلیت سے وزارت کے درجہ تک ترقی حاصل کی تھی، محض اسلئے عہدے سے علیحدہ ہونا پڑا کہ وہ نسباً جولاہہ تھا۔ مشہور مورّخ ضیاء الدین برنی نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کا ایک وزیر نظام الملک نام تھا۔ اس نے ایک شخص جمال الدین مرزوق کی، جو دار الضرب کا کوئی عہدہ دار تھا، صوبہ قنوج کے حاکم مقرر کئے جانے کی سفارش کی تھی — جمال الدین مرزوق کم اصل تھا اسلئے بادشاہ کے ایک دوسرے وزیر عزیز بہروز نے فوراً یہ شعر موزوں کرکے پڑھا ؎

بدستِ دوں مدہ خامہ کہ گردوں را مجال افتد   سیہ سنگے کہ در کعبہ است سازد سنگ استنجا

اس شعر کو پڑھکر جمال الدین مذکور کی جانب اشارہ کیا۔ بادشاہ نے اس وقت حکم دیا کہ جمال الدین مرزوق کے نسب کی تفتیش کی جائے۔ چنانچہ بعد تحقیقات ثابت ہوا کہ وہ حقیقتاً کم اصل تھا لیکن نظام الملک اسپر بھی سفارش کرتا رہا کہ "جہاں پناہ! یہ شخص بہت لایق و کارداں ہے، خط نہایت پاکیزہ ہے، تحریر میں خاص لیاقت ہے"۔ بادشاہ کو اس کے اصرار پر غصہ آیا اور حکم دیا کہ :-

"تفحص اصلِ وزیر می باید کرد کہ	وزیر (نظام الملک) کے نسب کی چھان بین کیجائے
اگر در ورگِ کم اصلی نباشد ہرگز کم اصلاں	کیونکہ اس میں اگر کھوٹ نہ ہوتی تو وہ ہرگز کم اصلوں کو
را دفتر نہ دہد .... چوں در اصل	عہدہ نہ دیتا .... جب وزیر کے نسب کی اچھی طرح
وزیر تفحص شافی کردند و سیالات نمودند بابائے	چھان بین کی گئی تو معلوم ہوا کہ نظام الملک کا دادا جولاہا
جد نظام الملک **جولاہہ** یافتند و از فرمودن	تھا۔ کم اصلوں اور رذیلوں کو عہدہ دینے کی وجہ سے
اشغال بہ کم اصلاں و ناکس بچگان آنچناں	ایسے ذی وجاہت (ملک) کو بھی بدنامی اوٹھانی پڑی اور
ملکے فضیحت شد و بہ جلاہگی منسوب گشت[1]	جولاہگی سے اسے منسوب ہونا پڑا۔

سلطان محمد تغلق کے متعلق مورخین نے عجیب وغریب واقعات بیان کئے۔ منجملہ ان کے صاحب تاریخ فیروز شاہی نے لکھا ہے کہ اس بادشاہ نے بعض رذیلوں کو منہ چڑھایا تھا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دئے تھے چنانچہ ان کے نام بھی درج کئے ہیں اور لکھا ہے کہ :-

نجبا مطرب بچہ بد اصل را چناں سر کشید کہ درجۂ او	نجبا میراثی بچہ بد اصل کو اتنا بڑھایا کہ اس کا رتبہ
از درجات بسیاراں از ملوک بہ گذشت	بہت سے ملوک (امرا) سے بڑھ گیا ....
عزیز خمار و برادر او **فیروز حجام** و **منگا** طباخ	عزیز خمار اور اسکے بھائی فیروز حجام و منگا باورچی و مسعود
مسعود خمار و **لدہا باغبان** چندیں جوائے ترے	خمار و لدہا باغبان اور دوسرے رذیلوں کو عزت دی .....
را بزرگ گردانید ... و **بابو نایک بچہ جولاہہ** را قرب از زانی داشت[2]	اور بابو نایک بچہ جولاہہ کو اپنا مقرب بنایا —

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۹ — [2] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۵۰۵۔

غرضیکہ عہد اسلامی میں جولاہوں کی قوم کو ہندوستان کی پست اقوام میں شامل کیا جاتا تھا اور امر واقعہ بھی یہی تھا کہ ان کا نسبی تعلق شودر اقوام سے ہے لیکن اب چند سال سے اس قوم کے بعض نادان اپنے کو **قبیلہ انصار** سے منسوب کرنے لگے ہیں۔ برادری کی انجمنوں اور پنچایتوں کے نام بھی "جمعیتہ الانصار" رکھے گئے ہیں اور بعض لوگوں نے اپنے نام کے ساتھ "انصاری" بھی لکھنا شروع کیا ہے۔ واقفان حال سے تو یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ہندوستان کے بعض جولاہوں کا دعویٰ "انصاریت" کس درجہ لغو و مہمل بلکہ مضحکہ انگیز ہے۔ کجا عربی قبیلۂ انصار اور کجا ہندی نژاد جولاہے! لیکن تاریخی بحث کے سلسلہ میں قبیلۂ انصار کا مختصر ذکر کر دینا شاید بے محل نہ ہوگا۔

جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان ہو چکا ہے اہل عرب دو بڑی شاخوں میں منقسم ہیں ایک **قحطانی** اور دوسرے **عدنانی یا اسماعیلی**۔ انصار قبیلۂ **قحطان** [1] سے ہیں۔ یہ اصل میں **یمن** کے رہنے والے تھے وہاں جب مشہور سیلاب آیا جسکو **سَیل عرم** کہتے ہیں تو یہ لوگ **یمن** سے نکلکر **مدینہ** میں آباد ہو گئے۔ یہ دو بھائی تھے **اوس و خزرج**۔ تمام انصار ان ہی دو بھائیوں کی اولاد سے ہیں۔ ان سے مختلف قبیلے متفرق ہوئے مثلاً **بنو نجار بنو تمیم** وغیرہ **بنو ہاشم** سے اور انصار سے برابر رشتہ ہوتے تھے **بنو نجار** جناب **عبد المطلب** کے ماموں کا خاندان تھا اور حضرت **عباس** بھی انصار کے بھانجے تھے۔ وفد یمن نے جو قحطانی تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا آپ اور ہم ہم خاندان نہیں ہیں آپ نے فرمایا "ہم **نضر بن کنانہ** (اسماعیلی) کے خاندان سے ہیں نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کر سکتے ہیں" [2]

عرب کوئی زرعی ملک نہیں ہے۔ طائف وغیرہ میں کچھ غلہ اور ترکاریوں کی کاشت البتہ ہوتی

---

[1] بعض محقق انصار کو بھی اسماعیلی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنو قحطان سے چونکہ ان کی قرابت زیادہ ہے اسلئے ابن ہی قبیلہ سے منسوب ہو گئے۔ واللہ اعلم۔ [2] زاد المعاد جلد ۱، صفحہ ۲۲۔

تھی، تمام قبائل عرب کا پیشہ ہمیشہ سے تجارت تھا، جنگلی درختوں کے میوے، مویشیوں کے بال اور چمڑے وغیرہ یہ لوگ مصر و شام و یمن لیجاتے اور وہاں سے ان کے بدلے تمام ضروری چیزیں کھانے پہننے کی لاتے تھے۔ عرب میں جب روئی کی پیداوار ہی نہ تھی سوت و کپاس میسر نہ آتی تھی تو پھر دھنے جولاہے کا پیشہ کیسا۔ **ابن قتیبہ** نے اپنی کتاب میں "صناعات الاشراف" کا ایک باب قائم کیا ہے۔ اسکے تحت میں بعض اشخاص کے تجارتی مشاغل کا بھی ذکر کیا ہے اس میں کسی نساج (جولاہے) کا ذکر نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ وحضرت عثمانؓ وحضرت طلحہؓ وحضرت عبدالرحمن بن عوف البتہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے لیکن یہ کپڑا عرب میں نہیں بنا جاتا تھا بلکہ ممالک غیر سے آتا تھا۔ مدینہ میں کسی جولاہے کی کارگاہ (کرگاہ) نہیں تھی اور بفرض محال اگر کسی انصاری نے کبھی کپڑا بننے کا کوئی کام کبھی کیا بھی ہو تو ان کی اولاد نے نہیں کیا۔ جب اہل عرب فاتح کی حیثیت سے عرب سے باہر نکلے تو تُرا اور ہتہ یا چرخہ و کوچ لیکر کوئی نہیں نکلا، تلوار اور نشان فتح (جھنڈا) لیکر نکلے۔ ان کے اخلاف کے ہاتھ میں بھی تلوار رہی یا قلم، سوت، اٹیرن یا نلی کبھی نہیں رہی۔ ۹۳ھ میں محمد بن قاسم ثقفیؒ کی معیت میں بعض قبائل انصار کے افراد بھی سندھ آئے اور خلفاء بنی امیہ و بنی عباس کے زمانہ میں کئی صدیوں تک یہ ہی لوگ سندھ کے گورنر رہے۔ ان میں بنی تمیم اور اولاد حبر یمہ انصاری اور دوسرے قبائل کے اشخاص سلاطین غزنین و غور کے زمانہ میں عہدۂ قضا و خطابت پر معمور ہوئے۔ شاہجہاں کے مشہور وزیر علامی سعد اللہ خان[1] بنی تمیم سے تھے، ان میں کبھی کسی نے کپڑا بننے کا پیشہ اختیار نہیں کیا۔ صاحب تحفۃ الکرام نے ان قبائل کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد جو اہل عرب خواہ وہ انصاری

---

[1] نواب عاشق حسین خان رئیس سلطنف، جو نواب امین الدولہ امین الدین خان بہادر منصبدار شہزاری عہد جہاندار شاہ کے خاندان سے ہیں نسباً انصاری ہیں اس خاندان کا سلسلہ نسب تمیم انصاری سے متصل ہوتا ہے۔ اردو سپر کے صحیح النسب انصاری یعنی خاندان مولوی مظہر علی ساکنان محلہ مولانا شیش محل بھی انکی ہمجدی میں

تھے یا قریشی سے ہندوستان آئے شاہان ہند نے ان کی قدر و منزلت کی، سلطنت کے معزز عہدوں پر مامور کیا، املاک مدد معاش و جاگیریں عطا کیں۔ ان میں سے کسی نے نہ کبھی کپڑا بننے کا پیشہ اختیار کیا اور نہ مدد معاش کے لئے ان کو ایسے پیشے اختیار کرنے کی ضرورت ہوئی جن کو اس زمانہ کی سوسائٹی کے اعتبار سے شرفا میں معیوب سمجھا جاتا تھا جس کا تھوڑا بہت اندازہ مندرجہ بالا اقتباسات سے ہو سکتا ہے۔

ہندوستان میں مسلمان جولاہوں کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ عرب میں قبائل انصار کی مجموعی تعداد بھی کبھی اتنی نہیں ہوئی ہوگی۔ صرف ایک روہیلکھنڈ میں تقریباً دو لاکھ جولاہے آباد ہیں جن میں صرف ضلع مرادآباد میں تقریباً ساٹھ ہزار ہیں۔ اسی پر تمام ہندوستان کا قیاس ہو سکتا ہے۔ عرب سے قبائل انصار کا ایک ایک فرد بھی اگر ہجرت کر کے ہندوستان آجاتا تب بھی ان کی تعداد اتنی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان کے مسلمان جولاہوں کی جسمانی ساخت، ان کی ذہنی و اخلاقی، تمدنی و معاشرتی پستی، ان کے عادات و خصائل، ان کی شکل و شمائل، ان کے رسوم و رواجات، ان کے خصائص قومی باوجود اسلامی تمدن و معاشرت کے اثرات کے ابتک بہت کچھ ان کے ہندو ہم قوموں سے ملتے جلتے ہیں۔ ہندوؤں کی مختلف قوموں بالخصوص پست اقوام میں سے جو خاندان اور گروہ مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان کی سوشیل، معاشرتی اور ذہنی حالت میں اسلام لانے کے بعد کوئی اہم اور بڑی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، توہمات اور ضعیف الاعتقادی کی حالت بالعموم باقی رہی۔ ہندو سادھوؤں، جوگیوں اور پروہتوں کے بجائے یہ لوگ مسلمان اولیا اللہ، پیروں اور مُلّاؤں کے معتقد ہو گئے۔ ہر پیر ان کا دستگیر اور ہر قبر و مزار ان کا حاجت روا بن گیا۔ ان ہی نومسلموں کی بدولت ہندوؤں کے تیوہاروں اور میلوں کا رنگ عرسوں، نیزے کے میلوں اور اسلامی تیوہاروں میں بھی جھلکنے لگا۔ امروہہ کے تیلی، قسائی وغیرہ حضرت شاہ ولایت کے اور جولاہوں کا ایک طبقہ حضرت شاہ ابن کا معتقد چلا آتا ہے،

یہ لوگ آج بھی ان کا عرس دھوم دھام سے کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولایتؒ اور ان کے خاندان سے امروہہ کے قسائیوں کی عقیدت اور محبت کی تو یہ وجہ بھی ہے کہ شاہ صاحب ممدوح کی اولاد سادات امروہہ کے یہاں بالخصوص صدہا برس سے اس قوم کے مرد ملازمت اور ان کی عورتیں دایہ گری اور خانگی خدمت کرتی تھیں۔ اب سے پچیس تیس برس پہلے سادات کے اکثر بچے قسائنیوں کا دودھ پیتے اور ان کی گودوں میں پرورش پاتے تھے۔ انقلاب حکومت اور جائدادوں کی تباہی سے وہ تمام طریقے رفتہ رفتہ متروک ہو گئے تاہم اس قوم کو اب تک اس خاندان سے عقیدت چلی آتی ہے۔ آقاؤں نے جب امروہہ میں تعزیہ داری شروع کی تو متوسلین اور رعایا نے بھی تقلید کی، قسائی بھی تعزیہ اور مہندی وغیرہ نکالتے تھے اور آج بھی حجاموں، بھنڈیلوں کے تعزیے نکلتے ہیں، سقوں کے علم بھی محرم کی ایک تاریخ میں نکلتے ہیں، غرضیکہ وہ تمام تقریبات جن میں میلوں کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور عرسوں وغیرہ کی رونق زیادہ تر ان ہی عوام الناس سے ہے جو ہندوؤں کی مختلف اقوام سے مسلمان ہوئے۔ سامی النسل قبائل، خواہ عرب ہوں یا انصار، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، عقیدۂ توحید میں بہت غلو رکھتے ہیں۔ ان کے ایمان اور اسلام پر باوجود امتداد زمانہ آج تک شرک کا پرتو نہیں پڑا۔ اہل عرب کے جو خاندان ہندوستان کے مختلف مقامات کی طرح امروہہ میں بھی آباد ہیں باوجود بے علمی اور ہندی نژادوں کے میل جول کے اثرات اور ضعیف الاعتقادی کے ان میں پیر پرستی و قبر پرستی کے مقابلہ میں بالعموم توحید پرستی کا رنگ غالب ہے۔ علاوہ ازیں جولاہوں میں پنچایت کا دستور، چودھریوں کا تقرر، شادی بیاہ کی بعض خاص خاص ہندوانی رسمیں، عورتوں کی بیع و شرا اور اسی قبیل کی صدہا رسوم ان کی ہندی قومیت کا بیّن اور واضح ثبوت ہیں۔ ان کو انصار تو انصار کسی عربی یا غیر ہندی شریف قوم سے کوئی دور کا واسطہ و تعلق بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر نسبی تعلق کا معیار ان مدعیان انصاریت کے نزدیک یہ ہے کہ کسی قوم و ملک کے کسی فرد نے کپڑا بننے یا دی

دُھنے کا کام کیا تو ہندوستان کے جولاہے اور دُھنے ہم پیشہ ہونے کی بنا پر اُس سے اپنا سلسلۂ نسب جا ملائیں تو قبیلۂ انصار یا شیخ حسین بن منصور حلاج کی بچھر کیا تخصیص ہے دنیا میں اور بہت سی قومیں ہیں جن کے افراد پارچہ بافی کا کام کرتے ہیں۔ انصار نہ پارچہ بافی کا کام کرتے تھے اور نہ حسین بن منصور حلاج دھنے کا پیشہ۔ انگلستان، جرمنی و جاپان میں پارچہ بافی کی صنعت آجکل اوج کمال پر پہنچی ہوئی ہے اس اصول کے مطابق ان اقوام کو نہیں اپنا ہمجدی یا کم از کم بنی اعمام تسلیم کرنے میں کون امر مانع ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانان ہند کے ہر طبقہ میں کچھ عرصہ سے یہ عام وبا پھیلی ہے کہ جسے دیکھو عرب و عجم سے سلسلۂ نسب ملانے کی فکر میں ہے، کیا ہندی الاصل ہونا کوئی ذلت کی بات ہے؟ مسلمانوں کے اعتقاد میں تو بنی آدم سب برابر ہیں۔ علم تقویٰ اور عمل صالح حقیقت میں معیار شرف و فضیلت ہیں۔ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ ۔ نص صریح ہے۔ حضور سرور کائنات نے فتح مکہ کے وقت ارشاد فرمایا تھا کہ:۔

اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ تمام انسان حضرت آدم کی نسل ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں عزت و ذلت، شرافت و رذالت کا انحصار انسان کے اپنے ذاتی حالات پر ہے۔ کاش یہ لوگ اپنے پس ماندہ بھائیوں کی حالت بہتر کرنے کی تدبیر کریں اور "انصاریت" اور "حلاجیت" کی لغو باتوں کو خیرباد کہیں۔

آفاقی لوگ

سادات و شرفاء اور اہل حرفہ کی مختلف اقوام کے علاوہ بعض گھرانے ہند میں ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کا تعلق حقیقتاً طبقۂ شرفاء سے نہیں ہے اور نہ انکا کوئی صحیح نسب ہے بلکہ یہ لوگ ان اشخاص کی نسل ہیں جو یہاں کے سادات و شرفاء کے مختلف خاندانوں کے پروردہ تھے اور جن کو عرف عام میں غلام و باندی کہا جاتا تھا اگرچہ اُن کی حیثیت اُن شرعی غلام و کنیزوں کی سی نہ تھی جو عموماً جہاد میں فریق

محارب سے گرفتار ہوئے اور فدیہ نہ ادا کرنے کی صورت میں غلام و کنیز بنائے جاتے تھے اور جن پر "ملک یمین" کا شرعاً اطلاق ہوتا ہے اور اُن کے لئے اسلام میں خاص احکام ہیں بلکہ یہ لوگ ادنیٰ طبقہ کے نومسلم لاوارث لڑکے اور لڑکیاں یا اسی طرح کی پست اقوام کے مفلوک الحال یا تباہ شدہ لوگوں کی اولاد تھی جن کو سادات و شرفا مسلمان کر لیا کرتے تھے اور از راہ ترحم و دستگیری انکی پرورش کیا کرتے اور اُن سے اپنی خانگی خدمات لیا کرتے تھے اور انہیں **باندی یا غلام یا خانہ زاد** کہا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں اکثر معزز گھرانوں میں اس قسم کے پروردہ لڑکے اور لڑکیاں ہوتی تھیں جن کا جوان ہونے پر باہم شادی بیاہ کر دیا جاتا تھا۔ یہ طبقہ انہیں کی اولاد ہے۔ ان میں سے بعض کی نسل چلتی رفتہ رفتہ اچھی ہو گئی اور چند کی قرابتیں بھی مفلوک الحال شرفا کے یہاں ہو گئیں جسکی بنا پر یہ لوگ بھی اپنا شمار طبقۂ شرفا میں کرنے لگے۔ ان میں سے بعض اپنے آپ کو اسی خاندان سے ظاہر کرنے لگے ہیں جس میں ان کے مورث نے مذکورہ بالا حیثیت سے پرورش پائی تھی۔ باوجودیکہ اہل شہر اُن کے حالات سے واقف ہیں لیکن اب اُن میں سے بعض عربی النسل، قریشی، ہاشمی، انصاری وغیرہ ہونے کے بھی مدعی ہیں اور اپنے آپ کو شیخ و پٹھان حتیٰ کہ سید بھی کہنے لگے ہیں۔ اُن میں سے کچھ لوگ محلہ مراد آبادی دروازہ، کٹکوئی، ترپولیہ بازار رزاق، نوگزہ، مولانہ، چاہ شور، ٹبوال وغیرہ میں آباد ہیں۔

مجہول النسب:- حضرت عشق کی ناوک افگنی سمجھئے یا مال و دولت اور عیش پرستی کی مدہوشی کہ بعض لوگ ہر زمانہ میں سوسائٹی کے قواعد کی خلاف ورزی کر کے ایسے بچوں کو وجود میں لانے کے موجب ہوتے رہے ہیں جنکا پدری نسب دنیا کو معلوم نہ ہوا۔ زنان بازاری کے علاوہ بعض نیچے طبقہ کی عورتوں حتیٰ کہ بھنگنوں سے بھی اولاد ہوئی اکثر تو ان طبقات ہی میں شامل رہے اور بعض کی جداگانہ ہستی قائم ہوئی۔ مسٹر جان بیمس[1] نے سچ کہا ہے کہ مرد و عورت کے فطری جذبات اور تعشق کی قوت سوسائٹی کے مقررہ ضوابط سے بالاتر ہے۔ ایسے تعلقات کے نتیجہ میں جو ہستیاں عالم وجود میں آئیں ان کی نسل کے چند افراد بھی امروہہ میں موجود ہیں جن سے اہل شہر واقف ہیں۔

---

[1] میموائرس سر ہنری ایلیٹ۔

امروہہ کے شیعہ و سنی

مسٹر ای۔ آر نیول آئی۔ سی۔ ایس مؤلف مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر امروہہ کے تاریخی حالات کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں

"امروہہ کے شیعہ و سنی فرقوں کی باہمی مخاصمت و عناد (حکومت کے لئے) ہمیشہ موجب تشویش رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تمام سادات ابتداءً شیعہ تھے ان میں سے جزو غالب تو اپنے مذہبی عقائد پر قائم رہا لیکن باقی حصہ سنی ہو گیا۔ (شہنشاہ اکبر کے عہد سے (نوابان) اودھ کے تسلط و حکومت کے ابتدائی زمانہ تک امروہہ کے تمام سید موخر الذکر مذہب (یعنی اہل سنت و جماعت) کے پابند تھے۔ نوابان اودھ چونکہ بذات خود غالی شیعہ تھے اس لئے (ان کے عہد حکومت میں) امروہہ کے بہت سے سیدوں نے اپنا قدیم مذہب پھر اختیار کر لیا اور اس طرح تبدیل مذہب کرنے سے انہیں بہت سے دنیاوی فوائد بھی صحرائی و سکنائی جائداد و املاک کے حصول کی صورت میں حاصل ہو گئے۔"[1]

مسلمانان امروہہ کی بدقسمتی ہے مسٹر نیول کا یہ قول مبالغہ آمیز نہیں کہ امروہہ کے شیعہ و سنیوں میں مذہبی مخالفت بلکہ منافرت کے جذبات موجود ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ بغض و عناد کی موجودہ حالت گذشتہ ساٹھ ستر برس کی پیداوار ہے اس سے پیشتر یہ حالت نہ تھی۔ خاکسار مؤلف کو اس موقع پر یہ ناگوار اور بے نتیجہ بحث چھیڑنا ہرگز مقصود نہیں کہ شیعہ و سنی صاحبان کا باہمی اختلاف مذہبی کی اصلیت کیا ہے یہ اختلافات کب شروع ہوا کیوں شروع ہوا سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات اور خلافت و امامت کے جھگڑوں کی حقیقت و نوعیت کیا ہے جنگ جمل و جنگ صفین کے معرکے کیوں اور کس بنا پر ہوئے کون معرد الزام ہے اور کون نہیں۔ ان مباحث سے جن حضرات کو دلچسپی ہے اور جو انہیں ایمان اور دین سمجھتے ہیں انکی چھان بین انہیں ہی مبارک رہے، مجھے ان سے مطلق سروکار نہیں۔

تو چہ دانی سرّ حق اے جاہلی — تو گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ
گر علیؓ بود و اگر صدیقؓ بود — جان ہر یک در پئے تحقیق بود

ان تمام مباحث سے قطعاً آزاد اور بے تعلق ہو کر مجھے یہاں اس سوال کی تاریخی حیثیت واضح کر دینا مطلوب ہے کہ مسلمانان امروہہ میں تفریق مذہب کب سے اور کیونکر شروع ہوئی اور بس۔

[1] مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ سنہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۸۴۔

مندرجہ بالا اقتباس میں مسٹر نیول نے جس کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امروہہ کے شیعہ سادات کے واجب الاحترام مورث و اجداد بھی اپنے موجودہ اخلاف کی طرح مذہبًا و عقیدتًا شیعہ تھے وہ تاریخی واقعات و حالات اور شواہد و قرائن کے سراسر خلاف ہے۔ امروہہ کے سادات میں جن کا غالب حصہ اب شیعی مذہب ہے، قدیم ترین خاندان حضرت شاہ ولایت، قاضی زادگان اور شاہ نصیر الدین چشتی کے خاندان ہیں۔ ان کے علاوہ حضرات نخشبی کا خاندان بھی جن میں سلسلۂ عبد السبل امروہہ کے مفتی ہوتے رہتے، امروہہ کا ایک قدیم خاندان ہے۔ سادات کے دوسرے خاندان جن کے اکثر و بیشتر افراد شیعی مذہب ہیں زیادہ قدیم نہیں مثلاً خاندان دانشمندان، جڑودیہ وغیرہم۔ سادات کاظمی کے بعض اور خاندان جو یہاں ساکن ہیں مثلاً سادات کاظمی (محلہ کنکوئی)، و سادات حسنی (محلہ چاہ) وغیرہ وہ اب بھی سنی حنفی ہیں۔

سادات امروہہ کے تقریبًا تمام خاندانوں کے مورث یا مشائخ و اولیائے کبار میں سے تھے یا علماء و فضلاء تھے یا قاضی و مفتی۔ ان بزرگوں میں سے کوئی فرد واحد کبھی نہ کبھی حقیقتًا شیعہ تھا اور نہ ان میں سے کسی بزرگ کے شیعی مذہب ہونے کا امکان ہوسکتا تھا۔ مسلمانوں میں مشائخ اور اولیاء کی تعداد لاکھوں سے زیادہ شمار ہوسکتی ہے لیکن سلف سے آج تک ان میں سے کسی ایک فرد کا نام بھی ایسا نہیں بتایا جاسکتا جو مذہبًا و عقیدتًا شیعہ ہو۔ مشائخ کا مسلک ہی شیعہ مذہب کے بنیادی اصولوں کے سرتاسر منافی ہے۔ رہا یہ خیال کہ یہ سب حضرات تقیہ کئے ہوئے تھے اور کسی خوف ضرر یا طلب منفعت کی وجہ سے، جیسا کہ امروہہ کے ایک شیعہ عالم نے دوران گفتگو میں خاکسار مؤلف سے فرمایا تھا، اپنے عقائد مذہبی کو مخفی رکھتے تھے، محض بے اصل اور بے بنیاد ہے۔ عقل سلیم اسے ہرگز باور نہیں کرسکتی کہ حضرت شاہ ولایت قدس سرہٗ جیسے ولی اللہ جو خلق خدا کے ارشاد و ہدایت کے منصب جلیل پر فائز ہوں اور جن کے مرید ہونے کی (بقول ان ہی حضرات کے) بادشاہ وقت تک آرزو کرے، وہ کسی خوف ضرر یا طمع نفسانی سے اپنے اصلی عقائد کو پوشیدہ رکھتے اور خلق اللہ کو بجائے صحیح اور اصلی مسلک کی جانب رہنمائی کرنے کے نعوذ باللہ دھوکے میں ڈالتے یا غلط ہدایت کرتے۔ ایسا خیال کرنا ہی ان نہادر سیدہ اور نیک بندوں کی، جن کا ظاہر و باطن یقینًا ہر حالت میں یکساں تھا اور جو سوائے خدائے واحد کے اور کسی قوت و طاقت سے ڈرنے والے نہ تھے، سخت ترین توہین کرنا ہے۔

علاوہ ازیں تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت شاہ ولایت قدس سرہٗ کے زمانۂ حیات میں نیز اس سے کچھ قبل اور کچھ عرصہ مابعد

سوائے اہلِ سنّت وجماعت کے کسی اور عقیدے کے مسلمان کا ہندوستان میں وجود ہی نہ تھا۔ اُس وقت مسلمانانِ ہند کا سوادِ اعظم حنفی تھا، کچھ شافعی، مالکی و حنبلی بھی تھے لیکن شیعہ، معتزلی اور خارجی یہاں مطلق نہ تھے۔ اس کا ثبوت ایک ایسی مقتدر اور باخبر ہستی کا بیان ہے جو اُس زمانہ کے مشاہیر اکابر میں سے تھے یعنی حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور مثنوی عشقیہ میں سلطان علاء الدین خلجی کے عہدِ حکومت (۶۹۵ - ۷۱۵ھ) کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے صاف اور صریح الفاظ میں اس کا اظہار کیا ہے کہ اُس عہد میں یعنی ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے مابین ہندوستان کے طول و عرض میں نہ کوئی یہودی موجود تھا اور نہ عیسائی وغیرہ۔ ہندو اور مسلمان صرف دو مذاہب کے پیرو یہاں تھے۔ ہندو مسلمان کے مطیع و منقاد تھے اور مسلمان من حیث الجماعت ایک ہی مشرب اور ایک ہی مسلک کے پابند و متبع تھے اور وہ مشرب و مسلک اہلِ سنّت وجماعت کا مشرب و مسلک تھا۔ حضرت امیر خسروؒ فرماتے ہیں [۱]

خوشا ہندوستان و رونقِ دیں ... شریعت را کمال عز و تمکیں
ز علم با عمل دہلی بخارا ... ز شاہاں گشتہ اسلام آشکارا
سر ہندو چو فرماں را مطیع است ... ز آب تیغ خونش را شفیع است

زغزنیں تا لب دریا دریں باب ... ہمہ اسلام بینی بر یکے آب
نہ زاں زہ دیدہ زاغانِ گیرو گیر ... ہمہ در کیش احمد راست چوں تیر
نہ ترسائے کہ از ناترس گاری ... نہد بر بندہ داغ کردگاری
نہ از جنسِ جہوداں جنگ جوریت ... کہ از قرآں کند دعوی بہ توریت
نہ مغ کز طاعتِ آتش شود شاد ... وزو باصد زباں آتش بہ فریاد
مسلمانانِ نعمانی روش خاص ... ز دل ہر چار آئیں را با خلاص
نہ کیں با شافعی نے مہر با زید ... جماعت را و سنّت را بجاں صید
نہ ز اہلِ اعتزالی کز فن شوم ... ز دیدارِ خدا گردند محروم

---

[۱] مثنوی عشقیہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ۔

نہ رفضی تا رسد زاں مذہب بد — جفائے بر وفاداران احمدؐ
نہ آں سگ خارجی کز کینہ سازی — کند با شیر حق روباہ بازی
زہے خاک مسلماں خیزد دیں جوئے — کہ ماہی نیز سنی خیزد از جوئے

حضرت شاہ ولایتؒ کی ولادت اسی عہد علائی سے چند سال قبل ہوئی، عنفوان شباب اور زمانہ تحصیل کمالات خاص اسی عہد میں گزرا، خانوادہ مشائخ سہروردیہ میں آپنے اسی زمانہ میں بیعت کی اور عہد علائی سے چند سال بعد بعہد سلطان غیاث الدین فیروز تغلق آپ مع اپنے خلفائے باکمال اور اعزا امروہہ تشریف لائے۔ آپکے ولد اکبر قاضی سید امیر علی عہدۂ قضا پر مامور ہوئے۔ عہدۂ قضا کے لئے عالم فاضل ہونا لازمی شرط تھی اسلئے قاضی سید امیر علی یقیناً اپنے زمانہ کے ممتاز عالم ہوں گے۔ بادشاہ وقت سنی حنفی تھا، سلطنت سنیوں کی تھی، فقہ حنفی کا رواج تھا، تمام مسائل شرعیہ اسی کے مطابق طے ہوتے تھے، کوئی شیعہ اس عہدہ پر ہرگز مقرر نہیں ہوسکتا تھا۔ مشہور مؤرخ ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ اُس زمانہ میں مخالفان مذہب اہل سنت وجماعت میں سے کسی شخص کا تقرر قاضی ومفتی کے عہدوں پر نہیں ہوسکتا تھا اور اسکے متعلق صاف اور صریح احکام موجود تھے[1] اور ایک فاضل ہم عصر کا بیان آپ پہلے پڑھ چکے کہ اُس زمانہ میں کسی شیعہ کا ہندوستان میں وجود ہی نہ تھا۔ پس نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ قاضی سید امیر علی جد سادات محلہ لکڑہ، حقانی وچھپڑہ وغیرہ سنی المذہب تھے۔ اُن کے فرزند سید اشرف جہانگیر چشتیؒ جو شرف الدین کے نام سے بھی مشہور تھے مشائخ کبار میں ہوئے۔ چند پشتوں کے بعد قاضی سید امیر علی کی نسل میں سید عمر زندہ پیر، عمدۃ الواصلین سید عبد الحکیم چشتی، سید الٰہ یار نقشبندی، اُن کے فرزند سید غلام محمد نقشبندی قدس اللہ اسرارہم مشائخ واولیا رہیں اور سید اشرف بن سید خان، سید میر علی، سید قطب الدین وغیرہ سنیوں کے نامور عالم اور مفتی ہوئے۔ اُن کے اخلاف میں متعدد نام خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ناموں پر ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، فاروقؓ وصدیقؓ اور حضرت پیر دستگیر شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ کے نام پر غلام محی الدین، معتقد محی الدین، عطا محی الدین، عنایت محی الدین اور عنایت غوث وغیرہ رکھے جاتے تھے جسکے ثبوت میں دریبہ

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ۔

اور قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں اور ایسے بعض نام مطبوعہ شجروں میں بھی درج ہیں۔
سید محمد شاکر و سید ابدال محمد مورث موجودہ سادات محلہ لکڑہ بھی صوفی منش، عابد و زاہد سنی مذہب تھے اور انکا تمام خاندان سنی المذہب خاندان تھا۔ ان دونوں بھائیوں نے سنہ ۱۱۱۰ھ میں درگاہ حضرت شاہ عبد المجید علوی کے لئے کچھ جائداد موضع پاکڑی پرگنہ رجب پور کی وقف کی تھی جس کی اصل دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں۔ ان کے حقیقی چچا سید سلطان بن سید عبد الرحیم بن سید سعید خان بھی درویش تھے اور بقول صاحب تاریخ اصغری "سید سلطان فقر کی طرف مائل اور تاحیات عبادت الٰہی میں مصروف رہے" کچھ اشخاص اس نسل میں اب بھی سنی المذہب ہیں اور ایک صاحب یعنی **سید نثار حسین شاہ** چشتی صابری جو سادات محلہ لکڑہ کے ہم جدی ہیں، مشائخ میں سے ہیں، پیری مریدی کرتے ہیں، بیرونجات میں ان کے بہت سے مرید و معتقد ہیں۔ ان کی اولاد بھی سب سنی المذہب ہے۔ —

قاضی سید امیر علی کی نسل سے متعدد اشخاص مختلف اوقات میں امروہہ سے باہر جاکر مختلف مقامات میں سکونت پذیر ہوئے یہ سب حضرات سنی المذہب تھے اور ان کی اولاد بھی آج تک سنی ہے۔ موضع اغوان پور میں جو خاندان سید عمر زندہ پیر کے اخلاف کا آباد ہے اس میں البتہ بعض اشخاص بعد میں شیعہ ہوگئے اور باقی سنی ہیں۔ سید عاشق حسین انجنیر کا خاندان جن کے لائق فرزند سید ظفر حسن بی اے۔ ایل ایل بی (علیگ) مراد آباد میں وکالت کرتے ہیں سنی حنفی ہے۔ نیز مولانا سید فرزند علی دہلوی مدنی مؤلف کتاب "الریاض السندیہ فی تراجم مشائخ نقشبندیہ" جن کے جد بزرگوار مولوی سید منور علی تقریباً ڈیڑھ دو صدی پہلے امروہہ سے دہلی گئے تھے سنی المذہب عالم اور صوفی منش بزرگ تھے۔ حضرت مولانا قاری شاہ سلیمان (پھلواری) اور مولانا محمد ریاض حسن خان رئیس رسول پور ضلع مظفرپور (صوبہ بہار) ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کا خاندان دہلی میں اب تک آبائی مذہب پر قائم ہے۔ اسی طرح سید علی اکبر نبیرہ دیوان سید محمود (مورث سادات لکڑہ) کی اولاد سے جو خاندان بریلی میں متوطن ہے وہ اباً عن جدٍ سنی المذہب ہے۔ ان میں سید محمد عبد الرشید صاحب ابن مولانا الحاج حافظ سید محمد عبد الوحید بن مولانا مولوی سید محمود علی مغفور کا خاندان ذی علم اور سنی مذہب ہے۔
حضرت شاہ ولایت قدس سرہ کے فرزند اصغر سید عبد العزیز کے اخلاف میں جو بزرگ امروہہ سے باہر گئے

وہ بھی سب سُنّی المذہب تھے۔ سیّد کمال محمد نقشبندی مُوَرِّث اعلیٰ سادات امروہہ کے جدّ اعلیٰ سیّد چاند بن سیّد معروف بن سیّد مجد الدین بن سیّد عبد العزیز مذکور صوفی مسلک بزرگ تھے۔ اولاً امروہہ کے قریب موضع بھوج پور میں جا رہے تھے وہاں سے شیخ عمر شہ سنبھلی کی تحریک پر سنبھل میں متوطن ہوئے۔ بہر حال ان میں نسلاً بعد نسلٍ مشائخ ہوتے رہے۔

اب غور طلب سوال یہ ہے کہ آیا یہ تمام حضرات تقیہ میں تھے؟ کیا یہ سب مشائخ کرام جو اپنے زمانۂ حیات میں ہزارہا مسلمانوں کے مقتدا و پیشوا، کیا یہ علمائے عظام، جو حنفی مسلک کے مقلد و پابند، کیا یہ قضاۃ و مفتیانِ کرام جو بحکام شرع و اصحاب افتا تھے مدّۃ العمر اپنے معتقدات مذہبی کو چھپاتے اور مخفی رکھتے اور مخلوقِ خدا اور سلطنتِ اسلامی کو دھوکہ دیتے رہے؟ سوچنے کی بات ہے۔

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت (۷۵۲ – ۷۹۰ھ) میں چند شیعہ مبلغ البتہ ہندوستان آئے تھے جنھوں نے شیعی عقائد کی تبلیغ اس ملک میں شروع کی تھی لیکن سلطان موصوف نے، چونکہ وہ بذاتِ خود راسخ العقیدہ سُنّی اور مشائخ کا معتقد تھا، اس کا سختی سے تدارک کیا۔ اس بادشاہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت شاہ ولایتؒ سے خاص عقیدت رکھتا تھا اور اسی بنا پر اپنی بیٹی بھی شاہ صاحب کے فرزند اصغر سیّد عبد العزیز کے عقد میں دیدی تھی اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولایتؒ اس بادشاہ کے عہد سلطنت سے قبل واصل بحق ہو چکے تھے اور شادی کی روایت بھی، جیسا کہ دوسری جگہ تفصیلی بحث کی گئی ہے، صحیح نہیں تاہم اس روایت کو اگر باور کر لیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ حضرت شاہ ولایتؒ اسکے زمانۂ سلطنت میں موجود تھے تو جو سلوک اور برتاؤ اس متعصب سُنّی بادشاہ نے شیعہ مبلغین کے ساتھ کیا اور اس کی جو کیفیت اس نے خود اپنے قلم سے اپنے خود نوشت حالات میں لکھی ہے وہ اسی کے الفاظ میں سُنیئے:۔

"فرقہ شیعہ نے جنھیں روافض بھی کہتے ہیں میری سلطنت میں اپنے عقائد ..... پھیلانے کی کوشش کی، رسائل اور کتابیں لکھیں اور شیعی معتقدات کی تعلیم و اشاعت بھی شروع کی حتیٰ کہ حضرات خلفائے راشدینؓ کی ہتک حرمت اور سب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اقدام کیا۔ میں نے ان سب کو گرفتار کرا لیا اور ان کے جرائم

وقصوروں پر انہیں سخت ترین سزائیں دیں۔ ان میں سے جو غالی شیعہ تھے انہیں قتل کرایا اور بقیہ کو تعذیر و تہدید اور حرز و تشہیر کی۔ ان کی کتابیں اور تحریریں جلادی گئیں اور اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل و احسان سے اس فرقہ کے اثرات بد سے ملک کو قطعاً پاک و صاف کیا گیا۔[۱]

مندرجہ بالا اقتباس کے بعد شاید یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ اگر حضرت شاہ ولایت قدس سرہ اس بادشاہ کے عہد حکومت میں موجود ہوتے اور آپ یا آپ کے اعزّا مذہباً و عقیدتاً شیعہ ہوتے تو یہ متعصب سُنّی حکمراں آپ سے عقیدت رکھنے کی بجائے آپ کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کرتا جس کا تذکرہ اس نے خود اپنے قلم سے سطور بالا میں کیا ہے۔

مسئلۂ تقیہ میں جہاں تک خوف ضرر کا تعلق ہے عہد مغلیہ سے پیشتر اس کا امکان بتایا جا سکتا ہے لیکن شاہان مغلیہ کے زمانہ میں تو اسکا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس عہد میں غالی سے غالی شیعہ ایران سے آتا اور حسب لیاقت و قابلیت منصب اور عہدہ پاتا۔ شاہی بیگمات تک شیعہ مذہب رکھتی تھیں۔ وزراء امراء اور خاص مقربین شاہی کے زمرہ میں شیعہ موجود تھے پھر کیا وجہ تھی کہ اس عہد میں مولانا محمد سید میر عدل ان کے نامور اخلاف یا ان کے دوسرے اعزّا نے شیعت کا اظہار و اعلان نہیں کیا؟ اس زمانہ میں تو اس کے اظہار و اعلان میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا تھا۔ مولانا سید محمد میر عدل راسخ العقیدہ سُنّی اور عالم متبحر میاں حاتم سنبھلی قدس سرہٗ کے شاگرد رشید اور مرید باخلاص تھے۔ عرصۂ دراز تک وطن مالوف میں ان کا افادہ درس جاری رہا۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی جیسے متعصب سُنّی نے امروہہ آکر ان سے اخذ علوم کیا تھا۔ جب دربار اکبری میں پہنچے تو ان کے تبحر علمی ان کی نیکی اور بزرگی کی وجہ سے بادشاہ بھی ان کا پاس و ادب کرتا تھا۔ اپنے معتقدات کے اتنے سخت تھے کہ کوئی مولوی خلاف سُنّت بات کہتا تو مزاج برہم ہو جاتا، حاجی ابراہیم سرہندی کی تو اسی بنا پر سر دربار فضیحت کی تھی۔ حضرت غوث صمدانی محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی سے خاص عقیدت تھی، حضرت پیر دستگیر رح

---

[۱] فتوحات فیروز شاہی قلمی درالمیت حصۂ سویم صفحہ ۳۲

الله اکبر

عکس تحریر سید ابراهیم بن سید ابوالفضل بن سید محمد میر عدل

متعلق ص ۲۶۵

معتمد خاص کمالی نصاب اعلام آنکه چون مشیخت پناها [illegible]

میان شیخ صدر الدین [illegible] به تشریف آوردند و میخواهند

که چند روز آنجا بگذرانند شمار الیه بدانکه بجمیع ابواب در خدمت ایشان

خود در اسعاف مدعای ایشان [illegible] و در هر هفته برخوردار میر محمد عاقل برادرزاده ایشان

در ملازمت ایشان می برده باشید که از دولت ملازمت ایشان

بکمال بهره دولت دارین رسد دیگر تصدیع [illegible] زمین [illegible]

ضمن برای [illegible] ملازم ایشان از جاگیر بدهند [illegible] در هر دیه

که حق [illegible] نمانید بیهوده و [illegible] بدهند که متصرف [illegible]

حق باشند در [illegible] اهمال و تعطیل جایز ندارند

[illegible] سنه ۱۰۲۳

کے خاندان کے ایک بزرگ سید سراج الدین قادری اس زمانہ میں اکبر آباد (آگرہ) میں مقیم تھے۔ اس خاندان سے اسی عقیدتمندانہ تعلق کی بنا پر انہیں امروہہ میں متوطن ہونے کی تحریک کی اور اپنی پوتی کو ان کے عقد میں دیا۔

مولانا سید محمد میر عدل کے فرزند سید شاہ ابوالحسن باوجود امارت کے درویش تھے، وہ اور اُن کے سب بھائی خانوادہ حضرت الٰہ بخش گنج بخشؒ گڈھ مکتیسری کے مرید اور عقیدتمند تھے میاں پیر بخشؒ جنکا مزار مرادآبادی دروازہ کے متصل ہے اسی خاندان سادات دربار کلاں کے عقیدتمند آ اصرار پر امروہہ میں آکر مقیم ہوئے تھے۔ میاں صاحب کی ذات سے بزرگان سادات دربار کلاں کی عقیدت ارادت کا یہ حال تھا کہ کوئی دنیاوی کام بغیر ان سے دریافت کئے نہ کرتے حتیٰ کہ گھروں میں کھانا کھانا بھی اس وقت شروع ہوتا جب یہ سن لیتے کہ میاں صاحب نے کھانا تناول فرمانا شروع کر دیا ہے۔

بزرگان سادات امروہہ اولاد حضرت شاہ ولایت کو حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ اور آپ کے فرزند باکمال حضرت شاہ صدر الدین قدس اللہ سرہما سے بھی عقیدت تھی۔ اس سلسلہ میں سید ابراہیم بن سید ابوالفضل بن مولانا سید محمد میر عدل کی دلچسپ تحریر جو انہوں نے کہیں باہر سے اپنے معتمد خاص کمال خان کے نام بھیجی تھی اور حسن اتفاق سے حضرت شاہ صاحب کے خاندان کے ایک سن رسیدہ بزرگ پیر نور دوز علی ابن پیر احمد علی کے کاغذات میں دستیاب ہوئی، ذیل میں درج کرتا ہوں۔
حضرت شاہ صدر الدینؒ کا قیام اکثر امروہہ سے باہر رہتا تھا، سید ابراہیم کو آپ سے عقیدت وارادت تھی۔ ایک مرتبہ جب آپ وطن تشریف لانے لگے سید ابراہیم موصوف نے اپنے معتمد خاص کمال خان کو تحریر فرمایا۔

اللّٰہ اکبر



معتمد خاص کمال خان را اعلام آنکہ چوں شیخت پناہ تقویٰ دثار میاں شیخ صدر الدین جیو بہ امروہہ تشریف آوردند و می خواہند کہ چند روز آنجا بگذرانند، شمارا می باید کہ ہمہ ابواب در خدمت ایشاں خود را معاف ندارید و در ہر ہفتہ برخوردار محمد عاقل را معہ برادران در ملازمت ایشاں می بردہ باشید کہ از دولت ملازمت ایشاں بکمال بہتری و دولت

دارین رسند - دیگر یک صدوپنج بیگه زمین بتفصیل ضمن برائے فقرا ملازم الیشان از جاگیر پرگنه نزدلی در بہرده که خوش نماید بموده وحکیبسته بد بهند که متصرف گشته در یاد حق باشند - درین باب اہمال وتعطل جائز ندارند - تحریر فی التاریخ ۲۳ رمضان سنه ۹۰ه"

سید ابراہیم کی اولاد کا بیشتر حصہ اب تین تین چار چار پشت سے شیعی مذہب ہے لیکن اس تحریر کے مطالعہ سے ہر انصاف پسند کو غور کرنا چاہئے کہ کیا یہی وہ بزرگ ہستیاں ہیں جن کے متعلق مشرنوں کے مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ بھی نسل اپنے موجودہ اخلاف کے مذہبًا وعقیدتًا شیعہ تھے - کیا کسی شیعہ کو بزرگان طریقت ومشائخ کے ساتھ جو اس کے اصول مذہب کے کلیتًا خلاف ہوں، ایسی غیر معمولی عقیدت ونیازمندی ہو سکتی ہے جس کا اظہار مندرجہ بالا تحریر میں کیا گیا ہے؟ طرفہ یہ ہے کہ سید ابراہیم اپنی اولاد کے لئے بھی تاکید کرتے ہیں کہ وہ ان بزرگ کی خدمت وصحبت سے بہرہ اندوز سعادت ہوں اور "دولت دارین" حاصل کریں -

حضرت شاہ ولایت کے خاندان کے علاوہ دوسرا قدیم خاندان سادات فاطمی قاضی زادگان کا ہے - سلطان فیروز شاہ تغلق کے اواخر عہد سے اس خاندان میں نسلًا بعد نسلٍ امروہہ کے قاضی ہوتے رہے ہیں[1] جیساکہ اوپر عرض کیا گیا ہے اس عہد پر کسی شیعہ کا تقرر نہیں ہو سکتا تھا - یہ سب حضرات جو عہدۂ قضا پر مامور ہوئے سُنی المذہب حنفی مسلک کے مقلد اور پیرو تھے اور بحیثیت قاضی نہ صرف حاکم شریعت تھے بلکہ مسلمانان شہر کے پیش امام بھی تھے جمعہ وجماعات، وعیدین کی امامت کرنا ان کے فرائض منصبی میں داخل تھا - ان کے اسناد تقرر میں جمعہ وجماعات کی اقامت کے الفاظ خاص طور سے مندرج ہوتے تھے -

" در فصل قضایا وخصومات واجرائے حدود وتعزیرات واقامت جمعہ وجماعات وترغیب مردم بہ طاعات وانکاح من لا ولی لہ وقسمت ترکات وحفظ اموال غیب و ایتام وتعیین اقضیاء ونصب قوام ..... الخ "[2]

ظاہر ہے کہ ان فرائض کی بجا آوری کے لئے نہ سُنی حکومت کسی شیعہ کا تقرر کر سکتی تھی اور نہ شہر کے عام مسلمان جو سب کے سب سُنی حنفی مذہب تھے، اس تقرر کو قبول کر سکتے تھے اور نہ کسی شیعہ امام کے پیچھے جمعہ وجماعات عیدین کی

---

[1] ملاحظہ ہو فہرست قضاۃ امروہہ - [2] اسناد تقرر قضاۃ -

نماز پڑھ سکتے تھے۔ علاوہ ازیں سلطنت اودھ کے تسلط سے پہلے شیعہ حضرات میں جمعہ وجماعت کی نماز پڑھنے کا دستور بھی کہیں نہ تھا۔ شیعان ہند میں جمعہ وجماعات کی نماز پڑھنے کا رواج سب سے پہلے نواب آصف الدولہ کے زمانہ سے یعنی ۱۱۸۹ھ کے بعد سے شروع ہوا۔ اس کے بانی نواب موصوف کے نائب حسن رضا خاں تھے۔ ایک شیعہ مورخ سید غلام علی خاں صاحب عماد السعادت لکھتے ہیں:۔

"القصہ حسن رضا خان بہادر سوائے سیر و شکار در	غرضکہ حسن رضا خاں سوائے شیر و شکار اور
"رکاب جناب عالی و صوم و صلوات باہیچ چیز سروکار	جناب عالی (یعنی نواب آصف الدولہ بہادر) کی ہمرکابی
"نداشت و بانی جمعہ و جماعات در اثنا عشریان در لکھنؤ	اور نماز روزے کے کسی بات سے تعلق نہ رکھتے تھے۔
"او بودہ است در ہیچ شہری از شہرہائے	لکھنؤ کے شیعوں میں نماز جمعہ وجماعت کے شروع ہونے
ہندوستان نماز جمعہ و جماعت در مذہب	کے وہی بانی مبانی تھے اور ہندوستان کے کسی ایک
امامیہ رائج نبود بلکہ کسے را گمان این ہم نبود"	شہر میں بھی نماز جمعہ وجماعت مذہب امامیہ میں رائج نہ تھی
"کہ در ایران و بلاد عرب نماز جماعت در ...	بلکہ کسی کو اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا ایران اور عرب کے
"اثنا عشریاں گذاردہ می شود"۔ [1]	شیعوں میں جماعت سے نماز ہوتی ہے۔

انقلاب سلطنت کے بعد بھی جب قاضی کا کام صرف نکاح پڑھانا رہ گیا تھا مسلمانان شہر اسی خاندان کے قاضی سے نکاح پڑھواتے اور عیدین کی نماز ان کے پیچھے پڑھتے رہے۔ قاضی ایزد بخش کے زمانہ تک' جو خود عالم نہیں تھے اور اس وجہ سے امامت نہیں کرسکتے تھے' معمول قدیم کے مطابق نماز پڑھانے کی اجازت ان سے حاصل کیجاتی تھی اور عیدین کا خلعت بھی ان کو ملتا تھا لیکن آخر میں جب اس خاندان میں بھی شیعی عقائد کا رواج ہونے لگا سنیوں نے نائب قاضی کو جو سنی مذہب تھے' اپنا قاضی بنایا اور سنی عالم کو جمعہ وعیدین کی امامت کے لئے مقرر کیا۔

حضرات قاضی زادگان کی ایک شاخ میں جو "سادات بھوکہ" کے لقب سے مشہور ہو' مشیخت کا سلسلہ اباً عن جدٍ کئی پشتوں تک جاری رہا۔ اس شاخ کے جد القبیلہ سید محمد فاضل کی اولاد میں شاہ جعفر علی

---

[1] عماد السعادت مطبوعہ نولکشور پریس صفحہ ۱۳۷۔

شاہ صابر علی، شاہ قمر علی و شاہ مہر علی وغیرہ یہ سب بزرگ مشائخ میں سے تھے۔ اس خاندان کے دیرینہ کاغذات سے بخوبی ثابت ہے کہ ترک و توکل ان حضرات کا شیوہ تھا اور سلطنت اسلامی ان کے اخراجات کی کفیل تھی۔ اکثر حضرات کو مدد معاش میں روزینہ ملتا تھا۔ شاہ **صابر علی** جو اسم بامسمّی تھے، سلسلۂ نقشبندیہ میں عارف باللہ شاہ **رحمت اللہ** رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و مجاز و خلیفہ تھے۔ سید عمر وغیرہ نام اس شاخ میں بھی عام طور سے رکھے جاتے تھے۔ اس خاندان کی دوسری شاخ یعنی خاندان سید نجف علی (پھوہہ والے) ابًا عن جدٍ سنّی المذہب تھا۔ بعض اشخاص نے زمانۂ حال میں شیعی مذہب قبول کیا ہے۔ سید سبط حسن سنّی المذہب کے صاحبزادوں میں ایک بھائی سید سبط رسول شیعہ ہو گئے، ان کے دوسرے بھائی سید سبط پیمبر وغیرہ اپنے قدیم اور آبائی مذہب پر قائم ہیں۔ شیعہ خاندانوں سے رشتہ و قرابت کی بنا پر جس طرح سادات امروہہ کے دوسرے سنّی خاندانوں کے افراد رفتہ رفتہ شیعہ ہوتے رہے ہیں اس خاندان کے بعض نوجوان بھی چند سال سے شیعہ ہو گئے ہیں ورنہ کچھ عرصہ پیشتر اس خاندان میں فرد واحد بھی شیعہ نہیں تھا۔

تیسرا قدیم خاندان حضرت شاہ **نصیر الدین** چشتی قدس سرہٗ کا ہے۔ شاہ صاحب کے جد اعلیٰ مولانا بدر الدین اسحٰق الدہلوی حضرت بابا **فرید الدین** فاروقی گنج شکر قدس سرہٗ کے مرید و داماد تھے۔ ان کے دو فرزند صاحبِ کمال ہوئے خواجہ محمد امام اور خواجہ موسیٰ۔ یہ دونوں بھائی حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء دہلوی کے تربیت یافتہ اور مرید تھے۔ خواجہ محمد امام حضرت سلطان المشائخ کے جانشین ہوئے اور ان کے فرزند **خواجہ فخر الدین** امروہہ آئے[1]۔ ان ہی **خواجہ** فخر الدین کے پوتے حضرت شاہ نصیر الدین چشتی تھے جو اپنے زمانہ میں خانوادۂ مشائخ چشتیہ کے مشائخ کبار میں سے ہوئے۔ آپ کی نسل میں درویشی اور سجادہ ارشاد و بیعت کا سلسلہ کئی پشتوں تک جاری رہا۔ آپ کے فرزند **شیخ محمد یوسف** اور آپ کے

---

[1] خواجہ امام کے چار فرزند ہوئے خواجہ فخر الدین، خواجہ جلال الدین، خواجہ داؤد اور خواجہ مسعود۔ اول الذکر کی اولاد امروہہ و نوگانوہ میں ہے۔ خواجہ داؤد کی نسل سے خواجہ حسن نظامی دہلوی کا خاندان ہے جو ابًا عن جدٍ سنّی ہے۔ اس خاندان میں اس وقت پچاس ساٹھ مرد و عورت اور بچے ہیں۔ شاہ نصیر الدین اور ان کی اولاد کا نام موسیٰ تھا بوجہ شہرت ہر زمانہ میں نظر شیخ لکھا جاتا تھا۔

[2] جواہر فریدی۔

فرزند شیخ **فتح اللہ** قدس سرہ اللہ اسرارہم سجادہ پدری پر ممکن رہے۔ شاہ صاحب کے بنی اعمام کی اولاد میں جو نوگانوہ میں ساکن ہیں مشائخ ہوتے رہے۔ یہ خاندان بھی آباعن جد سنی المذہب تھا۔ شاہ **غلام نبی** ساکن (نوگانوہ) پچھلے زمانہ کے مشائخ میں سے تھے۔ حضرت شاہ حبیب اللہ برادر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مرید و مجاز تھے۔

حضرت شاہ نصیر الدین چشتیؒ کے اخلاف میں سید عبد الرسول عرف **میراں خان** جو موجودہ سادات نوگانواں کے مورث ہیں مذہباً سنی حنفی مشائخ کے عقیدتمند تھے۔ ان کے زمانہ میں شاہ صاحب کا عرس بڑے اہتمام سے ہوتا تھا، خانقاہ بھی آباد تھی۔ حضرت بابا صاحب اور حضرت پیر دستگیر محی الدین شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی کھچڑی اور نیاز و فاتحہ دلانے کا دستور میراں خان کے بہت بعد تک بلکہ کچھ عرصہ پیشتر تک اس خاندان میں قائم رہا۔ حضرت پیر دستگیرؒ اور دوسرے اکابر مشائخ سے عقیدت کی بنا پر اس خاندان میں بچوں کے نام عطا محی الدین، غلام محی الدین، عنایت محی الدین، غلام قطب الدین، غلام نصیر الدین وغیرہ عام طور سے رکھے جاتے تھے۔

اسی طرح **قبیلہ بخشیاں** میں بھی نسلاً بعد نسلٍ سنی المذہب علماء و فضلا اور مفتی ہوتے رہے جو امام ابو حنیفہؒ کے مسلک اور فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ مفتی ہونا اور اہل سنن باشندگان امروہہ کا مسائل شرعیہ کے متعلق ان سے فتاوے حاصل کرنا ہی اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ خاندان سنی المذہب خاندان تھا۔ علاوہ علماء کے اس خاندان کی بعض شاخوں میں شیعیت کا سلسلہ بھی عرصہ دراز تک جاری رہا۔ مولانا آل حسن بخشی نے اپنے پردادا کے مذہب امامیہ اختیار کرنے کے سلسلہ میں خاندان بخشیاں کی مذہبی حالت کا اظہار اپنی تالیف نخبۃ التواریخ میں بہ الفاظ ذیل کیا ہے:-

سید علی احمد در ابتدا مذہب قدیم اہل سنت و جماعت داشت چوں اورا وہم دیگر سادات جاگیرداران امروہہ را بہ استخلاص محال جاگیر منضبط کردہ نواب آصف الدولہ کہ درآں وقت متصرف این ممالک بود اتفاق بہ لکھنؤ افتاد چندگاہ آنجا اقامت اختیار کردند	سید علی احمد اپنے قدیم مذہب اہل سنت والجماعت پر قائم تھے چونکہ انکو اور دوسرے سادات جاگیرداران امروہہ کو بغرض بحالی محال جاگیر جو نواب آصف الدولہ حاکم وقت نے ضبط کر لئے تھے لکھنؤ جانے کا اور کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کا اتفاق ہوا بشکل مشہور ہے کہ تخم تاثیر صحبت اثر

صحبت‌ہائے شیعیان آنجا کہ معاون کار آناں بودند بر داشتند بمضمون الصحبۃ مؤثرۃ مذہب تشیع اختیار کردند پیش ازیں درین سلسلہ کسے متہم بہ شیعیت نشدہ[1]	لکھنؤ کے شیعوں کی صحبت سے جو اس کام میں ان کے معاون تھے مذہب تشیع اختیار کرلیا ورنہ ان سے پہلے اس خاندان (یعنی بخشیوں) میں کوئی شخص شیعہ نہ تھا

مولانا آل حسن کے دادا مولانا امام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنے زمانہ کے مشہور عالم اور صوفی تھے، مذہب قدیم اہل سنت و جماعت اختیار کیا اور ان کے خاندان کے دوسرے اشخاص بھی جو خوش استعداد عالم تھے مثلاً مولانا آل حسن کے چچا مولوی کریم بخش جو مولانا تراب علی لکھنوی اور شاہ عبدالغنی دہلوی کے شاگرد اور مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و مجاز تھے نیز ان کے فرزند مولوی ابن حسن وغیرہ یہ سب سنی المذہب تھے۔

سادات فاطمی کے جو خاندان امروہہ میں زیادہ قدیم نہیں ان میں حضرات **دانشمندان** کا خاندان علماء و فضلا کا مقتدر خاندان رہا ہے۔ اس خاندان کے غالباً تمام افراد اب شیعی مذہب ہیں لیکن ان کے جد القبیلہ مولانا **سید اشرف** دانشمند سنی حنفی عالم متبحر اور فقیہ فاضل تھے۔ سنبھل کے خاندان مشائخ میں ان کی شادی ہوئی اس زوجہ سے حضرت **سید محمود رضوی** قدس سرہٗ متولد ہوئے جو اپنے زمانہ کے صاحب کمال بزرگ ولی کامل اور تاج العارفین شیخ تاج الدین سنبھلی کے مرید و داماد تھے۔ ان کے دونوں فرزند سید عصمت اللہ عرف شاہ بھونڈا اور سید حاجی محمد قدس اللہ اسرارہم سلسلہ چشتیہ کے مشائخ تھے۔ سید عصمت اللہ کے فرزند سید رحمت اللہ بھی صوفی منش بزرگ تھے۔ ان کے کئی فرزند عالم فاضل اور صاحب منصب و جاگیر ہوئے۔ قاضی سید محمد فیاض سنہ جلوس جہاندار شاہ مطابق سنہ ۱۱۲۴ھ پرگنہ مرادآباد کے عہدہ محتسب پر اور سنہ ۲ جلوس فرخ سیری (مطابق سنہ ۱۱۲۵ھ) میں صوبہ قنوج کے قاضی مقرر ہوئے۔ قاضی اور محتسب کے عہدہ پر کسی شیعہ کا ہرگز تقرر نہیں ہوسکتا تھا۔ محتسب کا عہدہ ہی اوّلاً شہنشاہ عالمگیر انار اللہ برہانہٗ جیسے ذی علم اور راسخ العقیدہ سنی بادشاہ نے قائم کیا تھا غرضکہ ابتداءً یہ خاندان مشائخ و علماء و قضاۃ بھی نسلاً بعد نسلٍ سنی المذہب تھا۔

خاندان سادات **جر ودیہ** جو لسّا زیدی ہیں بارہویں صدی ہجری کے آخری سنین تک سنی المذہب خاندان تھا۔ اس خاندان کے جد القبیلہ سید **خوند سعید**[2] اور ان کے فرزند سید **اشرف** عالم فاضل صوفی منش

---

[1] نخبۃ التواریخ صفحہ ۳۱ — [2] تاریخ واسطیہ کے مطبوعہ شجرہ میں انکا نام "اخوان سعید" درج ہے جو صحیح نہیں دیدہ

تھے - اس خاندان میں بھی غلام محی الدین، پیر بخش اور دستگیر وغیرہ نام رکھے جاتے تھے۔

اسی طرح خاندان سادات **دستار سیاہ** (کالی پگڑی) جو نسباً حسنی سید ہیں ہمیشہ سے سُنّی المذہب خاندان تھا۔ اس خاندان کے جدِ امجد قبلہ حضرت **شیخ فتح اللہ** شیرازی قدس سرہٗ جو صاحب کمال بزرگ تھے ایران سے ہندوستان آئے - ان کی اولاد میں **شیخ نصر اللہ** اور ان کے فرزند عارف باللہ **شاہ شکر اللہ** قادری صاحب ارشاد و ہدایت ہوئے۔ سجادگی کا سلسلہ کئی پشت تک ان کی نسل میں متوارث رہا، خانقاہ بھی بارہویں صدی ہجری تک آباد تھی - ان میں مولوی سید شمس علی کا خاندان ہے جو خود بھی سُنّی تھے، ان کے پوتے سید حامد علی و احمد علی وغیرہ اپنے آبائی مذہب پر قائم ہیں۔ منشی اظہر علی وغیرہ جو نسباً اس خاندان سے نہیں ہیں، غالباً کسی رشتہ کے تعلق کی بنا پر اپنے کو اس خاندان میں ظاہر کرتے ہیں، البتہ شیعی مذہب ہیں -

تقریباً یہی حال سادات فاطمی کے چند اور خاندانوں کا بھی ہے[۱]، ان خاندانوں کے مورثوں کا زمانہ شاہان مغلیہ کا زمانہ ہے جبکہ ہندوستان میں ہزاروں شیعہ موجود تھے، جن میں امراء بھی تھے اور بڑے بڑے عمّال حکومت بھی، امروہہ کے ان خاندانوں کے مورثوں کو اپنے عقائد مذہبی کے اخفار کے لئے کوئی وجہ بھی موجود نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب بزرگان دین، علماء اور فضلاء مذہباً و عقیدتاً سُنّی حنفی تھے - انکے لئے نہ خوف ضرر تھا اور نہ طمع زر۔

تفریق مذہب کی ابتداء

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مسٹر نول نے جن لوگوں کا یہ مقولہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے مندرجہ بالا اقتباس میں درج کیا ہے کہ ابتداءً امروہہ کے تمام سید شیعی مذہب تھے ہر انصاف پسند تسلیم کریگا کہ مندرجہ بالا وجوہ سے یہ خیال ہرگز صحیح نہیں بلکہ برخلاف اسکے واقعہ یہ ہے کہ ابتداءً امروہہ کے تمام سادات کا مذہب اہل سُنّت والجماعت تھا اور یہی ان کا قدیم اور آبائی مذہب تھا اور ایک حصّہ کا اب تک ہے لہذا اب یہ سوال حل طلب باقی رہجاتا ہے کہ پھر یہ تفریق مذہب کب سے اور کیونکر شروع ہوئی -

---

(بہ سلسلہ گذشتہ) کاغذات میں جو خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں "خوند سعید" تحریر ہے - "خوند" فارسی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی بزرگ کے ہیں، یہ لفظ اصلاً "اخوند" کا مخفف ہے - "خوند سعید" اپنے زمانہ کے عالم تھے، درس دیتے تھے اسلئے "اخوند" کا لفظ بمعنی استاد انکے نام کا جزو ہوگیا۔]

[۱] امروہہ میں سادات فاطمی کے باقی خاندان مثلاً سادات کاظمی ساکنان محلہ کٹکوئی و سادات حسنی ساکنان محلہ حقّہ و شاہ علی سرائے اباً عن جدٍ سُنّی حنفی ہیں۔

اس کا جواب مسٹر نیول کے مندرجہ بالا اقتباس ہی کی آخری سطور میں ملتا ہے یعنی امروہہ کے مسلمانوں میں مذہبی تفریق نوابان اودھ کے زمانہ سے' جو بذات خود غالی شیعہ تھے' شروع ہوئی۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اودھ اور روہیلکھنڈ میں نواب آصف الدولہ نے شیعہ مذہب کی تبلیغ کی مولانا حکیم سید عبدالحی مرحوم ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ' جو ضلع رائے بریلی کے قدیم اور مشہور خاندان سادات کے نامور رکن' عالم' ادیب' و طبیب حاذق ہونے کے علاوہ' فاضل مؤرخ بھی تھے' لکھتے ہیں:

"نواب آصف الدولہؒ کے زمانہ کا یہ کارنامہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لہو و لعب میں مشغول ہونے کے ساتھ مذہب تشیع کی اشاعت میں انہوں نے دل سے کوشش کی۔ ان کے نائب حسن رضا خان بھی مذہبی آدمی تھے' وہ بھی اسی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ ان کی کوششوں سے ہزاروں خاندان سُنّی سے شیعہ ہو گئے اور انکو جاگیریں ملیں اور جو اپنی ضد پر قایم رہے ان کی جاگیریں ضبط ہوئیں' خوشحال

(بہ سلسلہ گذشتہ) شاہ علی سرائے والوں میں سے مولوی محمد احسن نے مرزا غلام احمد قادیانی کے مسلک کو اختیار کر لیا تھا۔ ان خاندانوں میں نیز اسی طرح یہاں کے دوسرے فاطمی سیّدوں میں کسی نے مذہب امامیہ اختیار نہیں کیا۔]

سلہ نواب آصف الدولہ یحییٰ علی خان ہزبر جنگ بہادر نواب شجاع الدولہ کے اکلوتے فرزند تھے۔ بہو بیگم جنکا اصلی نام امۃ الزہرا بیگم تھا' انکی والدہ تھیں۔ یہ موتمن الدولہ نواب محمد اسحٰق شوستری کی بیٹی تھیں' محمد شاہ بادشاہ نے انکو اپنی بیٹی بنایا تھا اور شجاع الدولہ کے ساتھ شادی کی تھی۔ جہیز میں ان کو لاکھوں کا مال و متاع ملا طبعاً نہایت فیاض اور سیر چشم تھیں۔ پونے دو کروڑ روپیہ کے قریب انہوں نے ایک وثیقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تحویل میں دیدیا تھا جس سے آج تک ان کے اعزا اور متوسلین کی اولاد کی پرورش ہوتی ہے۔ آصف الدولہ ۱۱۸۷ھ میں مسند وزارت یعنی حکومت صوبہ اودھ کی مسند پر بیٹھے۔ ماں کی فیاض طبعی کا حصہ انکو بھی ملا تھا' لکھنؤ کے دوکاندار آج تک ان کا نام لیکر دوکان کھولتے ہیں اور یہ فقرہ لکھنؤ میں بطور ضرب المثل بولا جاتا ہے "جس کو نہ دلائے مولیٰ اُسے کیا دیں آصف الدولہ"۔ لکھنؤ کا مشہور امام باڑہ' رومی دروازہ' باولی' مسجد' بھول بھلیاں جیسی شاندار اور مشہور عمارتیں انکی یادگار ہیں۔ فیض آباد کی بجائے

مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں، ضبط کی گئیں"۔ [1]

نوابان اودھ میں سب سے پہلے نواب وزیر، نواب برہان الملک شیعہ تھے۔ انہوں نے اور ان کے بعد ان کے جانشینوں نے اپنے زیر حکومت تمام صوبوں کے علماء کی جو اس زمانہ میں سب کے سب سُنّی المذہب تھے، جاگیریں اور املاک مدد معاش ضبط کرلی تھیں۔ اس کے متعلق ایک زبردست شہادت ایک ہمعصر نعنی مشہور مؤرخ علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی [2] کا بیان ہے۔ علمائے بلگرام کے تذکرے میں جو اس زمانہ میں سب کے سب بلا استثناء سُنّی المذہب تھے اور جن کی املاک و سیورغالات ضبط کرلی گئی تھیں علامہ ممدوح فرماتے ہیں:

تا حدود سنہ ۱۱۳۰ھ ہنگامۂ علم و علما دریں گل زمین (یعنی قصبۂ بلگرام) گرمی داشت تا آنکہ برہان الملک سعادت خان نیشاپوری در آغاز جلوس محمد شاہ حاکم صوبۂ اودھ شد و اکثر بلاد عمدۂ صوبہ الہ آباد نیز دار الخیر جون پور و بنارس و غازی پور و کڑہ و مانک پور و کوڑہ جہان آباد وغیرہا ضمیمۂ حکومت گردید و وظائف و سیورغالات خانوادہائے قدیم و جدید تک قلم ضبط ساخت و کار شرفا و نجبا بہ پریشانی کشید و اضطرار مردم آنجا از کسب علم باز داشت ....

سنہ ۱۱۳۰ھ تک اس سرزمین (یعنی قصبۂ بلگرام) میں علم و عمل کا خوب چرچا تھا حتیٰ کہ محمد شاہ بادشاہ کے شروع زمانہ سلطنت میں برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری صوبۂ اودھ کے حاکم مقرر ہوئے اور اکثر عمدہ صوبے یعنی الہ آباد، جون پور، بنارس، غازی پور، کڑہ، مانک پور، کوڑہ جہان آباد وغیرہ بھی ان کے تحت حکومت میں دیدیئے گئے اسوقت سے (شرفاء و سادات) کے قدیم و جدید خاندانوں کے وظیفے اور املاک مدد معاش یک قلم ضبط کرلی گئیں شریف و نجیب پریشان روزگار ہوگئے اور حصول معاش کی پریشانی نے وہاں کے آدمیوں کو حصول علم سے باز رکھا...

(بسلسلہ گذشتہ) لکھنؤ کو دارالحکومت بنایا تھا۔ سنہ ۱۲۱۱ھ میں استسقا کی بیماری میں انتقال ہوا۔ [1] گل رعنا صفحہ ۱۵۳

[2] علامہ میر غلام علی آزاد بن سید نوح بلگرامی یکشنبہ ماہ صفر سنہ ۱۱۱۶ھ کو بلگرام میں پیدا ہوئے۔ بارھویں صدی ہجری کے فاضل ادیب اور مؤرخ تھے سنہ ۱۲۰۰ھ میں بمقام روضہ نواح اورنگ آباد دکن چوراسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ سرو آزاد، ید بیضا، خزانۂ عامرہ، روضۃ الاولیا، سبحۃ المرجان، مآثر الکرام انکی شہرۂ آفاق تصانیف ہیں۔

ورواج تدریس وتحصیل بآں درجہ نماند وبدآں که از عہد قدیم معدنِ علم وفضل بود یک قلم خراب افتاد وانجمن ہائے ارباب کمال متفرق برہم خورد۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ واحد ارتحال برہان الملک نوبت حکومت بہ خواہر زادۂ او ابوالمنصور خان صفدر جنگ رسید و وظائف واقطاعات بدستور زیر ضبط ماند و دراواخر عہد محمد شاہ سنہ ۱۱۵۹ھ صوبہ داری الہ آباد نیز صفدر جنگ مقرر شد وتتمۂ وظائف آں صوبہ کہ تا حال از آفت ضبط محفوظ مانده بود بضبط در آمد در عہد جہاندار شاہ

اور تعلیم وتعلم کی وہ حالت باقی نہ رہی جو مدرسے زمانہ قدیم سے علم وفضل کے معدن ومرکز تھے سب پر تباہی آگئی۔ اہل کمال کی انجمنیں منتشر ہوگئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ برہان الملک کی وفات کے بعد انکے بھانجے ابوالمنصور خان صفدر جنگ مسند حکومت پر بیٹھے۔ وظیفے اور املاک بدستور ضبط رہے۔ محمد شاہ بادشاہ کے آخر عہد یعنی سنہ ۱۱۵۹ھ میں الہ آباد کی صوبہ داری بھی صفدر جنگ کو دیگئی اس صوبہ کے وظیفے (املاک مدد معاش) جو اسوقت تک ضبط ہونے کی بلا سے محفوظ تھے ضبط کر لئے گئے۔ جہاندار شاہ بادشاہ کے عہد میں

(بہ سلسلۂ گذشتہ) صمصام الدولہ شاہ نواز خان کی بے نظیر تالیف مآثر الامرا کی تکمیل وتہذیب ان ہی کے قلم کا کرشمہ ہے۔ سلہ (صفحہ ۲۷۳) مولوی عبدالحق صاحب مآثر الکرام کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک بات تاریخی حیثیت سے اس تذکرہ میں خاص طور پر قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ ان علماء وفضلائے بلگرام میں سے جنکا اسمیں ذکر ہے ایک بھی اہل تشیع میں سے نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ نے وہاں بعد کے زمانہ میں رواج پایا"۔ بزرگان سادات بلگرامی جو نسبا زیدی ہیں علامہ میر عبدالجلیل جامع علوم اور عہد عالمگیری کے مشہور اور متبحر علماء میں سے تھے۔ اس زمانہ کا ذوق علمی دیکھئے۔ صوبہ بھکر وسیوستان کی بخشی گری وسوانح نگاری ووقایع نویسی کی اہم خدمات پر مامور ہیں" آخر ایام ملازمت میں صحیح بخاری کی کتابت اور مقابلہ کا علمی شغل ہے حکم شاہی پہنچتا ہے کہ عہدہ کا چارج دوسرے کو دیکر تعمیل حکم کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں کتابیں کمیاب تھیں صحیح بخاری کی کتابت کا کام بدستور جاری ہے اور محض اسی لئے بھکر کے قریب چھ ماہ تک ایک ضلع نوشہرہ میں خیمہ ڈالے مقیم رہتے ہیں اور جب یہ کام ختم کر لیتے ہیں تو دہلی کی جانب کوچ ہوتا ہے۔ اس شغف علمی کی کوئی مثال آج کل یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ طبقہ میں پیش کی جاسکتی ہے؟ ۔سلہ نواب برہان الملک کا اصلی نام میر محمد امین اور برہان الملک سعادت خان بہادر خطاب تھا۔ سلسلہ نسب بروایت صاحب عماد السعادت سید زید بن امام موسی کاظم تک منتہی ہوتا ہے۔

صفدر جنگ بہ پایہ وزارت اعلیٰ صعود نمود و نائب صوبہ کار بر ارباب وظائف تنگ تر گرفت و تا حینِ تحریر کتاب این دیار پامال حوادث روزگار است ۔ [1]

صفدر جنگ وزارت اعلیٰ کے منصب پر فائز ہوئے اور نائب صوبہ نے ارباب وظائف پر اور بھی زیادہ تباہی آئی اور اس کتاب کی تحریر کے وقت تک یہ شہر حوادث زمانہ سے پامال ہے ۔

۱۱۸۸ھ میں روہیلکھنڈ بھی نوابان اودھ کے قبضہ میں آگیا ۔ یہ زمانہ نواب شجاع الدولہ کا تھا جو اپنے پدر بزرگوار صفدر جنگ کے بعد مسند حکومت پر بیٹھے ۔ دس ماہ کے بعد شجاع الدولہ کا بھی انتقال ہوگیا تو ان کے اکلوتے بیٹے نواب آصف الدولہ ۲۵ ذیقعد ۱۱۸۸ھ کو مسند نشین ہوئے ۔ انہوں نے علی الاعلان مذہب تشیع کی اشاعت میں کوشش کی ان ہی کے وقت سے امروہہ میں بھی اس مذہب نے رواج پایا ۔ مولوی عبدالحق بی ۔ اے (علیگ) پرنسپل اورنگ آباد کالج و سیکریٹری انجمن ترقی اردو ماثر الکرام کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :-

" یہ امر واقعی ہے کہ اودھ کی سلطنت نے خاصکر آس پاس کے اضلاع و قصبات پر اور بعض اوقات دور دراز کے مقامات پر بھی مذہبی لحاظ سے خاص اثر ڈالا ہے ۔ چنانچہ جونپور و دیگر مضافات لکھنؤ وغیرہ کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ امر پایۂ تیقن کو پہنچ جاتا ہے جب مذہب کی پشتی پر حکومت ہوتی ہے تو حالت اندیشہ ناک ہو جاتی ہے ' میرا اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں کہ سلطنت اودھ نے مذہب کے معاملہ میں کبھی جبر و تعدی سے کام لیا بلکہ بات یہ ہے کہ جاہ طلبی اکثر لوگوں کی نیت کو ' جو اعتقاد کے کچے ہوتے ہیں ' ڈانواں ڈول کر دیتی ہے ۔ ایسا ہی ہر جگہ ہوا ہے " [2]

مولوی عبدالحق صاحب فرماتے ہیں کہ سلطنت اودھ نے مذہب کے معاملہ میں کبھی جبر و تعدی سے کام نہیں لیا ' مجھے اپنے محترم دوست کی اس رائے سے اختلاف ہے ' جبر و تعدی کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں ' کسی شخص کی جائداد و جاگیر بلا کسی جرم و قصور کے اگر ضبط کر لی جائے اور واگذاشت کے لئے تبدیل مذہب کا لالچ دیا جائے تو

---

[1] ماثر الکرام صفحہ ۲۲۲ ۔

[2] مقدمہ ماثر الکرام مؤلفہ علامہ آزاد بلگرامی مطبوعہ .... صفحہ ۱۴

کیا اسے جبر و تعدی نہ کہا جائے گا۔

صوبہ اودھ میں تبلیغ شیعت کے متعلق مولانا حکیم سید عبدالحی مرحوم مندرجہ بالا اقتباس میں فرماتے ہیں کہ نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں :-

ہزاروں خاندان سنی سے شیعہ ہو گئے اور ان کو جاگیریں ملیں اور جو اپنی ضد پر قایم رہے انکی جاگیریں جو شاہان مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں ضبط کی گئیں "

اس قول کی تائید میں متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ نواب مدار الدولہ کے والد خواجہ موسیٰ خان جو خاندان مشائخ نقشبندیہ سے تھے سنی المذہب تھے۔ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ نواب برہان الملک کی صحبت میں جو پہلے نواب وزیر تھے' مذہب شیعہ اختیار کیا تھا لیکن تقیہ میں تھے ان کے فرزند نواب مدار الدولہ نے شیعت کا اعلان کیا ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر انعام میں ملی۔ ایک شیعہ مورخ لکھتے ہیں کہ :-

" خواجہ موسیٰ خان از جہت تولد در توران و صحبت بزرگان خود سنی بود و در ہندوستان چوں صحبت نواب برہان الملک دریافت بمذہب اثنا عشری میل نمود لیکن بکمال اخفا و مدار الدولہ ہرگز اخفائے مذہب کہ در اثنا عشریاں تقیہ ہمتیست بخاطر نہ دارد و بہ اعلان تمام تعزیہ داری می کرد و حالا در لکھنؤ جاگیر شصت ہزار روپیہ از سرکار دولتمدار برائے او مقرر است " [1]

خواجہ موسیٰ خان بوجہ ملک توران میں پیدا ہونے اور اپنے بزرگوں کی صحبت کی وجہ سے سنی تھے جب نواب برہان الملک کی صحبت میں رہے تو مذہب امامیہ کی جانب مائل ہوئے لیکن نہایت خفیہ طریقہ پر اور مدار الدولہ (جو ان کے فرزند تھے) اپنے مذہب کا اخفا جسکو امامیہ مذہب میں تقیہ کہتے ہیں ہرگز نہ کرتے تھے بلکہ علی الاعلان تعزیہ داری کرتے تھے اور اب لکھنؤ میں انکو ساٹھ ہزار روپیہ کی جاگیر سرکار سے ملی ہوئی ہے۔

برخلاف اسکے جن امرا کی جاگیریں شاہان مغلیہ کی عطا کردہ تھیں اور وہ مذہب کے معاملہ میں اپنی ضد پر قایم رہے' ضبط کی گئیں۔ امروہہ میں بعض مثالیں اسکی تائید میں ملتی ہیں۔ سادات امروہہ اولاد حضرت

[1] عماد السعادت

نواب صاحب مکرم مهربان سلامت

بعده مشتاق ملاقات محبت آیات حضوری مهربانی

نمایند که مشهود خاطر خلت مآثر سید اکبر سادات

رفعت و معالی مهر عظیم قدیم این جانب و اوسط مراتب

موافقت و اتحاد واجب الرعایات حواله نظر [illegible]

رفع الالقاب [illegible] اصحاب نواب عمدة الملک [illegible]

نموده فلسی کو [illegible] چنانچه مرواند و اکثر [illegible]

دیهات [illegible] موضع [illegible] امر [illegible]

[illegible] علاقه [illegible] مرحوم [illegible]

[illegible] نواب صاحب [illegible]

نواب [illegible] بهادر [illegible]

در حقیقت [illegible] نواب صاحب موصوف [illegible]

[illegible] محبت [illegible] احوال

[illegible] کرده [illegible]

و [illegible]

رفعت [illegible] موجب خوشنودی

[illegible]

[illegible]

عکس تحریر درباره واگذاشت جاگیر سید علی اعظم خان دگهر یال والے
ضبط کرده نواب احمد الدوله بهادر
شرق [illegible]

شاہ ولایتؒ میں سید **علی اعظم خاں** (گھڑیال والے) کا خاندان اباً عن جدٍ سُنّی حنفی ہے۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے اس خاندان میں نامور منصب دار اور امرا ہوتے رہے۔ شاہانِ مغلیہ اور سلطنت اسلامی کی شاندار خدمات کے صلہ میں بڑی بڑی جاگیریں ملیں۔ جب روہیلکھنڈ کا علاقہ نوابان اودھ کے زیر حکومت آیا تو نواب شجاع الدولہ کے زمانہ میں اور جاگیرداروں کی طرح انھیں بھی پروانۂ واگذاشت ملا لیکن جب نواب آصف الدولہ بہادر مسند حکومت پر بیٹھے تو سید علی اعظم خان سے بھی جو اس زمانہ میں امروہہ کے بڑے جاگیردار تھے، مذہب شیعہ اختیار کرنے کی تحریک ہوئی اور در صورت انکار ضبطی جاگیر کی دھمکی دی گئی لیکن سید موصوف نے اس نازک وقت میں بھی دنیاوی مال و دولت پر اپنے عقائد مذہبی کو ترجیح دی۔ اس طرز عمل کی پاداش میں شیعہ حکومت نے ان کی جاگیر کے مواضعات مجھوکہ وغیرہ عطیۂ شاہان مغلیہ ضبط کر لئے کسی معمولی شخص کا معاملہ ہوتا تو اس زمانہ میں شخصی حکومت کے استبداد کے خلاف چارۂ کار ہی کیا تھا مگر سید علی اعظم خان[1] خود بھی منصب دار تھے، شاہ دہلی کے وزرا سے ان کے خاندانی تعلقات تھے۔ وہاں سے نواب آصف الدولہ کے نائب حسن رضا خاں پر جو ان کارروائیوں کے بانی مبانی تھے، زور ڈالا گیا تب جا کے یہ جاگیر واگذاشت ہوئی اس سلسلہ میں شاہ دہلی کے وزیر کی ایک سفارشی تحریر جو نواب آصف الدولہ کے ایک مقرب خاص کے نام ہے تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے شایع کرنا بے محل نہ ہوگا۔ یہ اصلی تحریر خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے، کاغذ افشاں ہے جس پر طلائی کام ہے، اس کا عکس بھی شایع کیا جاتا ہے:۔

نواب صاحب برادر بہتر از جان سلامت

بعد اشتیاق ملاقات محبت آیات کہ حقیقت دہنا یتے ندارد مشہود خاطر خلت مآثر میدارد

کہ سیادت و رفعت نشان **محمد اعظم**[1] از قدیم باینجانب واسطہ مرافقت و موافقت

دارند واجب الرعایت خود اند نظر بر ایں یعنی رسوخ ارادت ایشاں را بجناب نواب

---

[1] ان کا اصلی نام "سید محمد اعظم" تھا اور "علی اعظم خان" خطاب۔ ملاحظہ ہو حصۂ دوم۔ سید علی اعظم خان حضرت شاہ عبد الہادی قدس سرہٗ سے بیعت ارادت رکھتے تھے ان کے نامور فرزندوں میں سید بنیاد علی خاں صوفی اور راسخ العقیدہ سُنّی تھے انہوں نے یہ دیکھکر کہ سادات کی برادری میں شیعہ سُنّیوں کی باہم مناکحت و رشتہ داری کے

نعفران مآب گذارش نموده دلنشین گردانید چنانچہ پروانہ واگذاشت دیہات جاگیر مجوزلہ
وغیرہ عملہ پرگنہ امروہہ رابواسطۂ علاقۂ زمینداری رفعت نشان مرقوم مرحمت فرمودند
ازانجاکہ پرگنہ مذکور در قلمرو نواب صاحب قدردان نواب آصف الدولہ بہادر است بر دانشمندان
رفیقان اینجانب کہ در حقیقت از متوسلان نواب صاحب موصوف اند بنابراں مستلزم
محبت و یکدلیہا آن است کہ احوال ایشاں بخوبی ذہن نشین گردانیدہ پروانہ واگذار
دیہات مرقوم را حاصل کردہ دہند کہ کامیابی رفعت نشان مسطور فی الحقیقت خوشنودی
اینجانب تواند شد مدام ترسیل مکاتیب مسرت اسالیب مسرور و خورسند دارند
زیادہ چہ تحریر در آید"

مولوی محب علی خان عباسی، جنھوں نے امروہہ میں مذہب شیعہ کی اشاعت کا ابتدائی دور بچشم خود دیکھا تھا، اپنی تالیف آئینۂ عباسی میں لکھتے ہیں :-

"اس شہر (یعنی امروہہ) میں بعد سالار غازی کہ آٹھ سو برس ہوئے ہونگے، اہل اسلام سادات و شرفا بود و باش رکھتے ہیں، سب کا ایک مذہب حق اہل سنت والجماعت تھا جیساکہ آثار و اطوار و تصانیف و اخبار سے بخوبی ثابت ہے۔ اب عرصۂ ۵۰ برس سے بوجہ آنے عملداری نواب وزیر (اودھ) کہ وہ بھی اس مذہب ..... کا موجد ہندوستان میں ہے بمصداق اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ بعض بعض نے بہ طمع نفسانی اپنے بزرگوں کا مذہب ... چھوڑکر تشیع اختیار کیا۔ اب ہمارے سامنے اس مذہب کی ترقی ہوئی ہے[1]"

اس خیال کی تائید کہ مذہب شیعہ نے امروہہ کے سادات فاطمی میں ابتداءً نوابان اودھ کی کوششوں اور شیعہ حکومت کے اثرات کی بدولت رواج پایا اور شیعہ حکومت کی حمایت سے اس کو قوت حاصل ہوئی ایک

(بہ سلسلۂ گذشتہ) تعلقات و اثرات سے شیعی عقائد کا رواج ہونے لگا تو اپنے خاندان میں اس کی روک تھام کی حتیٰ کہ جو جائداد انہوں نے وقف کی تھی اسکے متنظمین کیلئے سُنّی المذہب ہونے کی قید لگائی۔ [1] بزرگان سادات امروہہ کے مذہب شیعہ اختیار کرنے پر "طمع نفسانی" کا عام اطلاق کرنا خاکسار مؤلف کے نزدیک صحیح نہیں۔ سادات حسینی کا ...

استفتاء مرقومہ ۱۲۰۸ھ سے بھی ہوتی ہے۔ جب عزاداری بقول مولوی سید اعجاز حسن مرحوم اسی عہد آصفی میں اوّل اوّل امروہہ میں شروع ہوئی تو اسوقت شیعہ حکومت اس فرقہ کی پشتی پر موجود تھی غالباً اسی وجہ سے بعض حضرات نے "جنھوں نے نیا نیا مذہب شیعہ اختیار کیا تھا" ایک ایرانی شیعہ کی تحریک پر مجالس عزا میں جنھیں اس زمانہ کی اصطلاح میں "عرس شہدائے کربلا" کہتے تھے سبّ صحابۂ کرام کا ارتکاب کیا۔ اس وقت حسب ذیل استفتا ارباب شریعت کی خدمت میں پیش ہوا جس سے صاف طور سے مترشح ہے کہ عزاداری کا موجودہ طریقہ امروہہ میں اس سے پیشتر نہیں تھا بلکہ اسی زمانہ سے شروع ہوا ہے:۔

.... درصورتیکہ مثلاً گروہے از بدعقیدگان زمانہ بہ ارادۂ ہتک حرمت جماعتے از اہل اسلام کہ حسن عقیدہ باصحابہ نبی آخر الزمان داشتند مجلسے بطریق عرس شہدا کربلا رضوان اللہ تعالیٰ عنہم آراستہ ساختہ جماعتے حسن عقیدہ را از روئے فریب و عذر برائے ایذا و ہتک حرمتہ دراں مجلس طلب ساختند و چونکہ جماعتے از حسن عقیدگان در مجلس آں بدعقیدگاں درآمد سخنان اہانت و تحقیر و سبّ درحق صحابۂ کبار آغاز نمودند پس آں جماعتے حسن عقیدہ **ازخوف ولاۃ الملک** صبر و شکیبائی ورزیدہ ازاں مجلس خودہا را بہ ہزار جدّ و کد بیروں آوردند پس آیا دریں صورت آں گروہ بدعقیدگاں کہ بنا و عذر و فریب گردیدہ متعرض ہتک حرمت حسن عقیدگاں گشتہ و مرتکب طعن و تحقیر و سبّ صحابۂ کرام گردیدہ اند از روئے شریعت داز روئے قوانین عقلیہ مستحق تعزیر شدید و سیاست قلبیہ اند یا نہ۔ بینوا و توجروا۔

استفتا کے نقل کرنے سے چونکہ مقصد یہ نہیں کہ مذہبی بحث چھیڑی جائے بلکہ صرف ایک تاریخی سوال کا حل مطلوب ہے اس لئے مفتیوں کے جواب کو حذف کر دینا ہی مناسب سمجھتا ہوں۔

※ اکثر بنی ہاشم نسلی تعصبات کی بنا پر تفضیلی رہے ہیں تفضیل و شیعیت میں مستحکم حد فاصل نہیں پس کیا تعجب کہ ان حضرات میں ایسے اشخاص شامل ہوں جو شیعیان لکھنؤ کی صحبت سے شیعہ ہو گئے ہوں۔ طبع لفانی کا حکم عام لگانا مبنی پر انصاف نہیں ہو سکتا سنہ ۱ (صفحہ ۲۷) آئینہ عباسی صفحہ ۳۶ و ۳۷ - ؟

معلوم نہیں اس وقت کی شیعہ حکومت نے ان شکایتوں کا، جن کی بنا پر یہ استفتا پیش کیا گیا تھا، کیا تدارک کیا لیکن یہ تاریخی واقعہ ہے کہ یہ صورت حال زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہی ۱۲۱۲ھ میں نواب آصف الدولہ کا انتقال ہو گیا اور اس سے چار برس بعد یعنی ۲۸ جمادی الآخر ۱۲۱۶ھ مطابق ۸ نومبر ۱۸۰۱ء سے روہیلکھنڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت حکومت آ گیا۔ البتہ اس سلسلہ میں یہ روایت مشہور چلی آتی ہے کہ شیعہ سنی کے مذہبی ہنگامہ آرائیوں میں امروہہ سے باہر کے کسی شیعہ کو جسے ایران کا باشندہ اور امروہہ میں تبرا و سب صحابہ کرام کے اس طریقہ کا جو اس زمانہ کے بعد سے امروہہ میں رائج ہوا بانی بتایا جاتا ہے، کسی سنی نے اس فتوے سے متاثر ہو کر قتل کر دیا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مقام پر جہاں اب امام باڑہ محلہ قاضی زادگان کے دروازہ کی ڈیوڑھی ہے مقتول کو دفن کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

مندرجہ بالا واقعات سے بخوبی ثابت ہے کہ مسلمانان امروہہ میں تفریق مذہب کی مدت ڈیڑھ سو سال سے زائد نہیں۔ اس سے پیشتر تمام مسلمانوں کا، خواہ وہ نسباً شیخ ہوں یا سید، مغل ہوں یا پٹھان سب کا ایک ہی مذہب اور ایک ہی مسلک تھا۔ نوابان اودھ کے زمانہ سے شیعہ و سنی کی تفریق شروع ہوئی، پھر مقلد و غیر مقلد کے جھگڑے رہے اور اب بدعتی و وہابی کے جھگڑے زوروں پر ہیں۔ الغرض

نہ سنی میں اور جعفری میں ہو الفت ۔۔۔ نہ نعمانی و شافعی میں ہو ملت
وہابی سے صوفی کی کم ہو نہ نفرت ۔۔۔ مقلد کرے نامقلد پہ لعنت

رہے اہل قبلہ میں جنگ ایسی باہم
کہ دین خدا پر ہنسے سارا عالم

اس ملک میں اب نہ سنی حکومت باقی ہے اور نہ شیعہ سلطنت، زمانہ کی رفتار نہ شیعہ پھیر سکتا ہے اور نہ سنی، حوادث روزگار کی چکی نے دونوں کو پیس ڈالا مگر افسوس کہ فریقین کے تنگ خیال افراد ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف پر دست و گریباں ہونے کو اب بھی آمادہ رہتے ہیں، آگ بجھ گئی ہے لیکن خاکستر کے ڈھیر میں تعصبات لایعنی کی چنگاریاں دبی پڑی ہیں وہ کبھی کبھی بھڑک اٹھتی ہیں۔ عقائد و خیالات کا اختلاف کہاں نہیں لیکن امروہہ کے شیعہ اور سنیوں کا باوا آدم ہی نرالا ہے، آپس کی تفریق سے نہ ان کا کوئی اجتماعی کام سر سبز و کامیاب ہوتا ہے اور نہ باعتبار کثرت آبادی شہر کے حالات میں ان کی آواز کو کوئی قوت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ عام اسلامی مفاد پامال ہوتے رہتے ہیں۔

اگر سمجھ لیتے ہم نہ قول پیمبر — کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر
برادر ہے جب تک برادر کا یاور — معین اس کا خود ہے خداوند داور

تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی
فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

عام قومی اور اسلامی مفاد کے کاموں میں بھی یہاں شیعہ و سنّی کی تفریق موجود ہے۔ انتہا یہ ہے کہ دنیاوی تعلیم کی درسگاہ یعنی انگریزی اسکول میں بھی شیعیت و سنّیت کے اڑنگے لگائے جاتے ہیں۔ امروہہ میں شیعہ و سنّی کیمپ جداگانہ قایم ہیں یعنی شیعہ سوسائٹی علیحدہ ہے اور سنّی سوسائٹی علیحدہ عام طور سے امروہہ کا شیعہ شیعہ سوسائٹی میں گھومتا ہے اور سنّی سنّی سوسائٹی میں۔ اور اب تو نوبت یہ پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی سنّی شیعوں کے مجمع میں چلا جائے یا شیعہ سنّیوں میں آجائے تو اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حالت جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے ساٹھ ستر برس پہلے نہ تھی۔ اسوقت عام قومی مقاصد میں شیعہ و سنّی، سادات و شرفا سب متحد ہو کر کام کرتے تھے۔ ذیل میں ۱۳۲۲ھ کی ایک تحریر نقل کرتا ہوں جو نکاح کی ایک غیر شرعی رسم کے موقوف کرنے کے متعلق ہے۔ اس پر امروہہ کے سادات و شرفا شیعہ و سنّیوں کے تقریباً چار سو اشخاص کے دستخط ثبت ہیں۔ شیعہ و سنّی علماء کے دستخط ساتھ ساتھ ہیں جہاں مولانا سید محمد عبادت شیعی مذہب کے دستخط ثبت ہیں وہاں اس زمانہ کے سنّی علما مولانا امام الدین بخشی مولوی سید رمضان علی اور مولانا کفایت اللہ ملا پہلوان کے دستخط بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ہر خاندان کے صدہا دستخط ہیں اس سے اس زمانہ کے اتحاد و یکدلی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ما یانکہ جملہ سادات و شرفاء سکنہ قصبہ امروہہ ایم از انجا کہ در اقوام سادات و شرفا اکثر معمول و مرسوم است کہ عقد نکاح با زنان بستہ بلا خلوت آنہا را در خانہ پدر آنہا میگذارند و رخصت و خلوت را شادی نام نہادہ بر آیندہ ملتوی می دارند چنانچہ حسب اتفاق بعضے از ناکحین زنان مذکورہ بقضاء الٰہی فوت شدہ اولیاء منکوحات را بطور ایامی یعنی زنان

بے شبہ ہر ترکہ زینت وغیرہ بلا تعجیل نکاح ثانی نزد خود نگاہداشت می نمایند و آئینہ
این معنی صریح خلاف احکام آیات الٰہی وبالعکس افعال واقوال رسالت پناہی و مباعد
طریقۂ اہل اسلام است لہذا ما جملہ سادات و شرفا خدا و رسول او تعالیٰ شانہٗ را مالک گرد
درمیان نمودہ اقرار صحیح وعہد وضیح می نمایند کہ اگر احیاناً کدام جا اختیار ما جملہ مردان
مرقوم الاسما قرطاس ہذا واقعہ مذکورہ بوقوع رسد بعد عدۃ نکاح ہمچو زنان حسب
نصوص قطعیہ ومسائل شرعیہ در برادری خود کردہ دہند تعذر و تلبث وحرف و
حکایت نوعے وہیچے بمیان نیارند وہر کہ موافق این امر معہودہ بعمل نیارد و مخالف بارگاہ
خدائے عظیم وحضرت رسول کریم و خارج از طریقۂ اسلام و بیرون از برادری تمام است
بنا برآں این چند کلمہ بطریق اقرارنامہ نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال سند گردد
وعند الحاجت بکار آید و کان ذٰلک تحریر التاریخ یازدہم شہر ربیع الثانی ۱۲۴۳ھ "

اس زمانہ کے شیعہ و سنی بزرگ سنجیدہ اور باوقار تھے آجکل کے سے چھچھورے نہ تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر شیعت و سنیت کے سوال اٹھاتے ۔ نواب ثابت جنگ علی قلی خان عباسی المتخلص بہ والہ عقیدتاً اثنا عشری نسباً عباسی اور شاہ ایران کے وزیر اعتماد الدولہ فتح علی خان عباسی کے بھتیجے تھے ' محمد شاہی دور میں ہندوستان آئے ۔ اس زمانہ میں دہلی کے شیعہ و سنیوں کے لایعنی تعصبات دیکھ کر یہ ایران کا شیعہ بھی جل اٹھا اور ایک رباعی شیعہ و سنی جہلا کے حسب حال کہی جو شاید امروہہ کے ان متعصبین کے حسب حال ہوگی جو فریق مخالف کے سب وشتم اور ایذا دہی کو اپنی نجات کا باعث سمجھتے ہیں ۔

" دیدم ز نزاع سنی و شیعہ تعب — کاموختہ اند کیش جہل از ام و اب
ہر جا کہ خریست کیشش شیعہ بود — ہر جا کہ سگیست سنیش ہست لقب

امروہہ کی معافیات

مسٹر نیول، آئی۔ سی۔ ایس۔ مؤلف مرادآباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر لکھتے ہیں:۔

"عطیات معافی کے تاریخی حالات تاریکی میں مستور ہیں۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے بہت پیشتر سے سادات امروہہ کو تمام ہندوستان میں بہت کچھ شہرت حاصل تھی اور غالباً یہ لوگ ضلع مظفر نگر کے سادات بارہہ سے بھی افضل سمجھے جاتے تھے۔ یہ لوگ اپنا سلسلۂ نسب (حضرت شاہ) شرف الدین واسطی سے متصل کرتے ہیں نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے فرزند (سید) عبدالعزیز کی شادی ۷۱۱ھ ۱۳۱۱ء میں [1] فیروز شاہ (خلجی) کی دختر سے ہوئی تھی مگر یہ ممکن الوقوع معلوم نہیں ہوتا ہے کیونکہ (سلطان) جلال الدین فیروز (خلجی) ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء میں قتل ہو گیا تھا اور اس وقت وہ ایک مسن شخص تھا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جس بادشاہ نے ان سادات پر اپنی عنایات مبذول کیں وہ **فیروز شاہ تغلق** [2] تھا۔

اسی سلسلہ میں صاحب تاریخ اصغری، جو سید عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولایت کی نسل سے ہیں لکھتے ہیں:۔

صدہا برس سے اس شہر کے باشندوں کی اوقات گذاری کا مدار اراضی معافی کی پیداوار پر ہے۔ ابتدا میں **فیروز شاہ خلجی** نے اپنے داماد سید عبدالعزیز ولد سید شرف الدین شاہ ولایت کی اولاد کے مصارف کو بہت گانوں سلطنت سے جدا کر دیئے تھے۔ سلاطین مابعد نے بھی انکو بدستور برقرار رکھا اور خاندان تیموریہ نے مزید برآں جملہ سادات و شرفا کو دیہات معافی عطا کر دیئے۔" [3]

---

[1] ۷۱۱ھ ۱۳۱۱ء میں سلطان علاء الدین خلجی سریر آرائے سلطنت تھا۔ اس سے ۱۶ سال پیشتر سلطان جلال الدین فیروز خلجی بعمر ۷۰ سال فوت ہو چکا تھا۔ [2] مرادآباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر صفحہ ۸۵۔ [3] تاریخ اصغری صفحہ ۱۴۔

مندرجہ بالا اقتباسات میں عطیات معافی کی ابتدا سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد سے بیان کی گئی ہے اور ان عطیات میں جزو غالب "ان بہت دسے گاؤں" کا بتایا گیا ہے جو بقول صاحب تاریخ اصغری فیروز شاہ خلجی نے "اپنے داماد سید عبدالعزیز ولد سید شرف الدین شاہ ولایت کی اولاد کے مصارف کو..... سلطنت سے جدا کر دئیے تھے" اسلئے معافیات امروہہ کے تاریخی حالات کے سلسلہ میں ضروری ہے، کہ اس روایت پر ذرا ایک نظر ڈالی جائے جو سلطان جلال الدین فیروز خلجی یا سلطان فیروز شاہ تغلق یا کسی اور بادشاہ کی بیٹی سے سید عبدالعزیز کی شادی ہونے کے متعلق بیان کی جاتی ہے۔

شادی کی روایت

صاحب تاریخ واسطیہ[1] نے یہ روایت بحوالہ سید سراج الدین احمد[2] مندرجہ ذیل الفاظ میں درج کی ہے:-

"و ہم از ثقات شنیدہ کہ چوں سلطان فیروز شاہ خبر یافت کہ سید عبدالعزیز پسر خورد حضرت شاہ ولایت در دہلی بجہت طالب علمی تشریف آوردند خلعت نمودہ و آگاہ کردہ دختر خود بحبالہ نکاح ایشاں درآوردہ چوں ایں خبر در خدمت حضرت شاہ ولایت رسید از انجا کہ گوشہ عزلت و قناعت و ترک دنیا طریق ایشاں بود بزبان مبارک فرمودند کہ آں گردن شکستہ را فقر ما خوش نیامدہ میر سید عبدالعزیز روزے بر عراقی سوار شدہ می رفتند ناگاہ از اسپ افتادند گردن ایشاں بشکست و جاں بحق تسلیم کردند۔ بادشاہ از شنیدن ایں خبر متألم شد پرسید زن سید حاملہ است

ثقہ اشخاص سے سنا گیا ہے کہ فیروز شاہ بادشاہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ حضرت شاہ ولایت کے چھوٹے فرزند سید عبدالعزیز طالب علمی کی غرض سے دہلی میں تشریف لائے ہیں انکو خلعت پہنا کر اور انہیں اسکی اطلاع کرکے ان کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کردی۔ یہ خبر جب حضرت شاہ ولایت کو پہنچی تو چونکہ گوشہ نشینی و قناعت و ترک دنیا اپنا شیوہ کر لیا تھا آپ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ اس گردن شکستہ کو ہمارا فقر پسند نہ آیا۔ سید عبدالعزیز ایک دن (دہلی میں) گھوڑے پر سوار چلے جاتے تھے کہ یکایک گھوڑے سے گر پڑے گردن ٹوٹ گئی اور جاں بحق ہوگئے۔ بادشاہ کو اس خبر کے سننے سے صدمہ ہوا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ انکی زوجہ حاملہ ہے بادشاہ نے

---

[1] تاریخ واسطیہ صفحہ ۹۔ [2] یعنی سید سراج الدین احمد بن سید نجیب الدین جو سنہ ۱۳۲۲ھ تک زندہ تھے۔

گفت چوں فرزند تولد شود در خدمت شاہ ولایتؒ بر ود قدم بوسی حاصل نماید۔ چوں فرزند تولد شد قدم بوس کنانید۔ حضرت بر سر کودک دست مبارک نہادہ گفتند کہ از اولاد تو ریاست ایں دیار تا بہ قیامت خواہد ماند۔ چوں حضرت میر علی بزرگ پسر کلاں حضرت شاہ ولایت ہمیشہ در خدمت قیام داشتند عنایت دربارہ برادر زادہ دیدند سکوت نمودند حکم شد کہ ولایت و دولت نعمت (؟) در اولاد شاں تا بہ قیامت خواہد ماند بموجب فرمودہ حضرت ہر دو حکم جاری است۔

کہا کہ جب فرزند تولد ہو جائے تو شاہ ولایت کی خدمت میں جائے اور قدم بوس ہو۔ جب بیٹا پیدا ہو گیا تو قدم بوس کرایا گیا۔ آپ نے بچہ کے سر پر دست مبارک رکھکر فرمایا کہ تیری اولاد میں اس شہر کی ریاست قیامت تک باقی رہیگی۔ چونکہ حضرت میر علی بزرگ (؟) حضرت شاہ ولایتؒ کے بڑے بیٹے ہر وقت خدمت میں حاضر رہتے تھے انھوں نے جب بھتیجے کے حال پر عنایت زیادہ دیکھی تو خاموشی اختیار کی حکم ہوا کہ ولایت اور دولت روحانی (؟) ان کی اولاد میں قیامت تک باقی رہیگی حضرت کے ارشاد کے بموجب دونوں حکم جاری ہیں۔

روایت کی حیثیت

یہ روایت ہر خاص و عام کی زبان پر ہے، لیکن کب سے مشہور ہے، راوی کون لوگ ہیں، سلسلۂ روایت کہاں ختم ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو کسی قدیم تحریر یا کسی ثقہ و صحیح الروایۃ شخص کے بیان سے اسکا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ روایت ڈیڑھ دو سو برس سے خاندان کی بعض شاخوں میں مشہور چلی آتی ہے۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندانی حالات کے متعلق قدیم ترین بیان صاحب **ثمرات القدس** کا ہے جو آخر عہد اکبری کی تالیف ہے، یعنی حضرت شاہ ولایتؒ کے زمانہ سے تقریباً تین سو برس بعد کی، لیکن صاحب ثمرات القدس نے بھی اپنی تالیف میں اس روایت کا مطلق کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ ثمرات القدس کے علاوہ دوسری قدیم تالیف، جس میں اس خاندان کا تفصیلی تذکرہ ہے سید کمال محمد کی تالیف **اسرار یہ** ہے جو ۱۰۶۸ھ کی تالیف ہے۔ صاحب اسراریہ کے بیان کو خاندانی حالات کے سلسلہ میں خاص اہمیت یہ حاصل ہے کہ وہ نسباً ان ہی سید عبدالعزیز کی نسل سے ہیں جن کی شادی بادشاہ کی بیٹی سے ہونا بیان کی جاتی ہے لیکن سید کمال محمد نے بھی اپنی کتاب میں اس روایت کا اشارتاً و کنایتاً بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ سید کمال محمد کا اپنے جد مجد کے

متعلق ایک ایسے اہم واقعہ کا بیان نہ کرنا جو بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ شادی ہونے اور بروایت مندرجہ بالا حضرت شاہ ولایت کی بددعا سے اچانک طور سے وفات پاجانے کی وجہ سے کم ازکم مؤلف اسرار یہ کو خاندان کے لئے خاص تعلق اور اہمیت رکھتا تھا، اسکا قوی ثبوت ہے کہ یہ روایت ان کے زمانہ تک مشہور نہیں ہوئی تھی۔

علاوہ ازیں سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد سے تقریباً ۴۰ برس بعد مشہور سیاح **ابن بطوطہ** ۱۳۴۱ھ میں امروہہ آیا تھا، وہ تقریباً ایک مہینہ تک یہاں مقیم رہا، امروہہ کے سفر کے حالات اس نے اپنے سفرنامہ میں بالتفصیل لکھے ہیں، سید عبدالعزیز مذکور کے بڑے بھائی قاضی سید امیر علی سے ملاقات اور ضیافت کا تذکرہ خاص طور سے کیا ہے۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے حالات بھی تحریر کئے ہیں لیکن اس نے بھی شادی کے واقعہ کا یا بادشاہ کی بیٹی یا نواسہ کے امروہہ میں موجودگی یا قیام کا مطلق کوئی تذکرہ نہیں کیا حالانکہ اسکی آمد کا زمانہ یقیناً ایسا زمانہ تھا کہ شہزادی یا اسکا بیٹا ضرور بقید حیات اور امروہہ میں موجود ہوتے اور ان کے واقعہ کی مفصل کیفیت کسی اور سے نہیں تو قاضی سید امیر علی سے تو اس نے ضرور سُنی ہوتی اور واقعہ کی نوعیت بھی ایسی تھی کہ امروہہ کے حالات کے سلسلہ میں وہ اس اہم اور عجیب غریب واقعہ کا ضرور تذکرہ کرتا۔ ایک اور تالیف جس میں حضرت شاہ ولایت کے خاندانی حالات کا تذکرہ ہے **مقاصد العارفین** ہے جو ۱۲۲۴ھ کی تالیف ہے اس میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں ان وجوہ سے اس روایت کی شہرت کا آغاز ۱۲۲۴ھ یعنی مقاصد العارفین کی تالیف کے بعد سے سمجھنا کچھ بیجا نہ ہوگا۔

روایت پر تنقیدی نظر

اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ شادی کی یہ روایت تو خاندان میں بہت قدیم زمانہ سے مشہور چلی آتی تھی لیکن صاحب ثمرات القدس، صاحب اسرار یہ، ابن بطوطہ یا صاحب مقاصد العارفین نے کسی وجہ سے اسکو قابل تذکرہ نہیں سمجھا تو اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ تاریخی حالات و واقعات کے لحاظ سے ممکن الوقوع بھی ہے یا نہیں ہے؟

دو بادشاہوں کے نام اس سلسلہ میں لئے جاتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کی دختر سے حضرت شاہ ولایت کے فرزند سید عبدالعزیز کی شادی ہوئی تھی اور بہت سے مواصفات جہیز میں عطا ہوئے تھے۔ صاحب تاریخ اصغری نے سلطان جلال الدین فیروز خلجی کا نام لیا ہے لیکن حسب ذیل وجوہ کی بنا پر اس بادشاہ کی

کسی بیٹی سے سید عبد العزیز مذکور کی شادی ہونی ممکن الوقوع نہیں :۔

اوّلاً یہ کہ اس بادشاہ کا زمانۂ سلطنت ۶۸۹ھ سے ۶۹۵ھ تک ہوتا ہے۔ تاریخ اصغری و داستطیہ اور دوسرے تذکروں میں حضرت شاہ ولایتؒ کا سنہ ولادت[1] ۵۵۲ھ بتایا گیا ہے اس لحاظ سے حضرت ممدوح کی عمر اس بادشاہ کے عہد سلطنت میں تقریباً ۱۴۰ برس کی ہوتی ہے۔ باپ کی عمر جب ۱۴۰ برس کی ہو تو بیٹے کی عمر اور ایک ایسے باپ کے بیٹے کی عمر جو دلی کامل ہو اور جسکا عہد شباب کے بعد تعلقات زناشوئی کی جانب ملتفت ہونا قرین قیاس نہو، کم سے کم نوّے ۹۰ یا سو ۱۰۰ برس کی تو ضرور ہوگی پس کسی شخص کا نوعمری کے بجائے سن کہولت میں طالبعلمی کرنے دہلی جانا اور بادشاہ کا اپنی دختر کو کسی پیر صد سالہ کے حبالۂ عقد میں دیدینا محض لغو اور مہمل ہے۔

ثانیاً یہ کہ اگر شاہ ولایتؒ کا سنہ ولادت بخلاف ان "مورخین" اور تذکرہ نویسوں کے بیان کے ۶۶۳ھ قرار دیا جائے، جیساکہ خاکسار مؤلف نے کسی دوسری جگہ ثابت کیا ہے، تو اس بادشاہ کے زمانہ میں آپ کی عمر چھبیس یا تیس برس کی شمار ہوتی ہے اسلئے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس زمانہ میں آپ کے چھوٹے فرزند کی ولادت بھی نہیں ہوئی ہوگی اور اگر پیدا بھی ہوچکے ہونگے تو زمانہ شیرخوارگی کا ہوگا پس کسی طفل شیرخوار کا طالب علمی کرنے دہلی جانا اور بادشاہ کا اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دینا اور بھی زیادہ لغو اور مہمل ہے۔

ثالثاً یہ کہ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد حکومت کے تفصیلی حالات اور اس کے سوانح حیات معتبر و مستند کتب تاریخ میں مندرج ہیں۔ تاریخ فیروز شاہی کے مؤلف ضیائے برنی نے، جو شاہ موصوف کا ہمعصر ہے، بادشاہ کے حالات، اسکے بیٹوں، دامادوں کے نام اور ان کے کارنامے تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں، ان میں کہیں بھی سید عبد العزیز کا نام، ان کا ذکر یا شادی کے اس واقعہ کا اشارہ تک بھی نہیں پایا جاتا۔ ضیائے برنی کا باپ بادشاہ کے منجھلے بیٹے ارکلی خان کا نائب تھا، جس کی سکونت کا مکان محلات شاہی سے متصل تھا، ان تمام وجوہ سے بادشاہ کے خانگی حالات پر مطلع ہونے کا ضیائے برنی

---

[1] افسانہ نویسوں نے حضرت شاہ ولایتؒ کا سال ولادت ۵۵۳ھ، سال وفات ۷۸۳ھ اور مدت عمر ۲۳۰ قرار دی ہے۔ تاریخی حالات کے لحاظ ولادت وفات دونوں صحیح نہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصّہ دویم۔

کو خوب موقع حاصل تھا، اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا جس کا ذکر اس روایت میں کیا جاتا ہے تو ضیائے برنی، جو معمولی واقعات تک تحریر کرتا ہے اس کا ضرور تذکرہ کرتا۔

رابعاً یہ کہ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے چار بیٹے تھے یعنی شاہزادہ محمود خان خاناںؔ[1]، ارکلی خان، قدر خان اور رکن الدین ابراہیم۔ چار ہی بیٹیاں تھیں جن کے شوہروں کے یہ نام ہیں **علاء الدین** (جو بعد میں سلطان علاء الدین خلجی کے نام سے مشہور ہوا) **الغ خان، الماس بیگ** (یہ تینوں بادشاہ کے بیادر زادہ تھے) اور چوتھا **الغو خان** نبیرۂ چنگیز خان۔ ان میں کہیں بھی سید عبد العزیز کا نام نہیں ملتا۔

خلاصہ یہ کہ مندرجہ بالا وجوہ اور تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کی دختر سے شادی ہونے کی روایت ہرگز صحیح نہیں۔

دوسرا بادشاہ جس کا نام اس روایت کے سلسلہ میں لیا جاتا ہے سلطان فیروز شاہ تغلق ہے۔ اس بادشاہ کی کسی دختر سے بھی سید عبد العزیز کی شادی کا ہونا مندرجۂ ذیل وجوہ سے ناممکن الوقوع ہے:-

اولاً یہ کہ اس بادشاہ کا عہد حکومت ۷۵۲ھ سے ۷۹۰ھ تک رہا۔ پس اگر تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق حضرت شاہ ولایت کا سنہ ولادت ۶۵۵ھ قرار دیا جائے تو اس بادشاہ کے عہد حکومت کی ابتدا میں حضرت ممدوح کی عمر دو سو برس کی شمار میں آتی ہے، لامحالہ آپ کے فرزند کی عمر کم سے کم سوا سو یا ڈیڑھ سو برس کی تو ضرور ہوگی لہٰذا ڈیڑھ سو برس کی عمر والے شخص کا بذات خود تو درکنار اسکی اولاد در اولاد کا بھی طالب علمی کرنے دہلی جانا اور بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرنا خلاف قیاس اور مہمل ہے۔

ثانیاً یہ کہ حضرت شاہ ولایت کی ولادت ۶۶۲ھ میں قرار دی جائے تب بھی آپ کی عمر اس بادشاہ کے عہد حکومت میں تقریباً سو برس کی اور آپ کے فرزند کی تقریباً ساٹھ ستر برس کی تسلیم کرنا پڑے گی لیکن یہ عمر بھی ہرگز ایسی نہیں کہ اس عمر میں وہ طالب علمی کرنے دہلی جاتے اور بادشاہ اپنی بیٹی کی ستر برس کے بوڑھے

---

[1] بادشاہ کا یہ بڑا بیٹا اسکے سامنے ہی مرگیا تھا حضرت امیر خسروؔ نے اسی شاہزادہ کی وفات کے وقت وہ مشہور مرثیہ لکھا تھا جسکے دو شعر یہ ہیں:- چہ روز ست ایں کہ من خورشید تاباں را نمی بینم دگر شب شد چرا ماہ درخشاں را نمی بینم
شہ اینک بر سر تخت و بزرگاں صف زدہ ہر سو ہمہ ہستند لیکن خان خاناں را نمی بینم

کے ساتھ شادی کر دیتا۔

ثالثاً سلطان فیروز شاہ تغلق ہی قدیم شاہان ہند میں ایک ایسا بادشاہ گذرا ہے جس کے عہد سلطنت کے حالات میں ایک چھوڑ تین تین مبسوط اور مستند کتب تاریخ موجود ہیں یعنی تاریخ فیروز شاہی تصنیف ضیاء الدین برنی و تاریخ فیروز شاہی مؤلفہ سراج عفیف اور فتوحات فیروز شاہی جو خود بادشاہ نے اپنے قلم سے لکھی ہے اور اپنے خاص خاص حالات و واقعات قلمبند کیے ہیں۔ ان کتب تاریخ میں بادشاہ موصوف کی اولاد اور اس کے دامادوں کے جا بجا تذکرے ملتے ہیں لیکن کہیں بھی سید عبد العزیز کا نام یا ان کی شادی اور ان کی اچانک موت کا واقعہ مذکور نہیں حالانکہ واقعہ کی نوعیت اور اہمیت اس کی مقتضی تھی کہ اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ دوسرے مؤرخ اگر نہ لکھتے تو خود بادشاہ جس کی حضرت شاہ ولایتؒ سے عقیدت کا تذکرہ ان تذکرہ نویسوں نے بڑی شد و مد کے ساتھ تحریر کیا ہے، اس اہم واقعہ کا تذکرہ ضرور کرتا۔

رابعاً۔ حضرت شاہ ولایتؒ کی وفات اس بادشاہ کے عہد سلطنت سے تقریباً بارہ برس پہلے واقع ہو چکی تھی، آپ کا سنہ وفات جو عام طور سے ۸۰۳ھ مشہور ہے وہ آپ کا سنہ وفات نہیں ہے بلکہ حقیقتاً آپ کے پوتے سید اشرف جہانگیرؒ کا سنہ وفات ہے جو شرف الدین جہانگیر کے نام سے بھی مشہور تھے اور سلسلۂ مشائخ چشتیہ کے بزرگ اور اپنے جد امجد کے جانشین ہونے کی بنا پر شاہ ولایت بھی کہلاتے تھے۔ اس پر تفصیلی بحث میں نے دوسرے موقع پر کی ہے لیکن یہاں مختصراً یہ عرض کرنا ہے کہ مشہور سیاح ابن بطوطہ جو مشائخ کا عقیدتمند تھا، اثنائے سفر میں جہاں کہیں کسی ولی کامل کا ذکر سنتا ہے اس کی خدمت میں ضرور پہنچتا ہے اور ملاقات کے حالات لکھتا ہے، وہ ۷۴۲ھ میں امروہہ آتا ہے، یہاں کامل ایک مہینہ تک مقیم رہتا ہے، آپ کے ولد اکبر قاضی سید امیر علی سے اس کی ملاقات ہے، وہ اُن کا اور ان کی ضیافت کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرتا ہے پس اگر اس وقت حضرت شاہ ولایتؒ حیات ہوتے تو یہ مشائخ کا معتقد آپ کی خدمت میں خواہ آپ کسی صحرا میں موجود ہوتے ضرور حاضر ہوتا، آپ کے ذکر خیر سے اپنے سفر نامہ کو زینت دیتا لیکن اس نے کوئی تذکرہ آپ کا نہیں کیا کیونکہ آپ اس کی تشریف آوری سے بارہ برس پہلے یعنی تقریباً ۷۳۰ھ میں، جیسا کہ کسی دوسری جگہ ظاہر کیا گیا ہے، واصل بحق ہو چکے تھے۔ دوسری روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ

شاہ ولایتؒ کے پوتے سید محمد ابدال و دادہ و ہاری جوان ہی سید عبدالعزیز کے فرزند تھے، اپنے دادا کے مرید اور خلیفہ تھے۔ پس اگر انہوں نے خرقۂ خلافت شاہ ولایتؒ کی عمر کے آخری سال میں حاصل کیا، تو سنہ ۷۴۰ھ میں جو شاہ ولایتؒ کا سنہ وفات ہے ان کی عمر کم از کم پچیس تیس برس کی تو ضرور ہوگی لہٰذا ایک ایسے شخص کے باپ کی عمر جو ۷۴۰ھ میں پچیس تیس برس کا ہو اس سنہ میں پچاس ساٹھ سال کی ہوگی اسلئے اس سے بارہ برس بعد یعنی ۷۵۲ھ میں، جو فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی کا سال ہے، سید عبدالعزیز کی عمر تقریباً ستر اسی برس کی تسلیم کرنا پڑیگی جو ہرگز ایسی عمر نہیں کہ وہ طالب علمی کرنے دہلی جاتے اور فیروز شاہ تغلق اپنی بیٹی کی ان سے شادی کر دیتا۔

الغرض مندرجہ بالا وجوہ سے اس روایت کی بھی کوئی اصلیت نہیں معلوم ہوتی کہ سلطان فیروز شاہ تغلق کی دختر سے سید عبدالعزیز کی شادی ہوئی تھی۔

اور اگر ان تمام تاریخی واقعات و حالات سے بھی قطع نظر کر لی جائے جو اوپر مذکور ہوئے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نہیں سید عبدالعزیز کی شادی کسی بادشاہ کی لڑکی سے ہوئی اور ضرور ہوئی، خواہ وہ بادشاہ خلجی ہو یا تغلق ہو یا اور کوئی ہو تو دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ کی جو صورت اس روایت میں مذکور ہے اسطرح اسکے وقوع پذیر ہونے کا امکان بھی ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ سید عبدالعزیز دہلی میں طالب علمی کرنے گئے تھے، بادشاہ کو جب یہ خبر ہوئی کہ شاہ ولایتؒ کے چھوٹے صاحبزادے یہاں طالب علمی کی غرض سے آئے ہیں اسنے اپنی دختران کے حبالۂ عقد میں دیدی۔ اس کی اطلاع جب شاہ ولایتؒ کو ہوئی تو چونکہ حضرت ممدوحؒ گوشۂ عزلت و قناعت اختیار کر کے ترک دنیا اپنا شیوہ قرار دیا تھا آپ کو یہ امر ناگوار ہوا کہ فقیر کا بیٹا بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرلے آپ نے فرمایا کہ اسے گردن شکستہ اچھے ہمارا فقر اچھا نہیں معلوم ہوا آپکے اس ارشاد کا یہ نتیجہ ہوا کہ سید عبدالعزیز دہلی میں گھوڑے پر سوار چلے جاتے تھے کہ یکایک گر پڑے، گردن ٹوٹ گئی اور فوت ہوگئے، بادشاہ کو اسکا صدمہ ہوا اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کی زوجہ حاملہ ہے بادشاہ نے فرمایا کہ جب بچہ پیدا ہو جائے تو شاہ ولایتؒ کی قدم بوسی کے لئے بھیجا جائے چنانچہ بعد ولادت فرزند شہزادی مذکور

شاہ ولایتؒ کے پوتہ کو لیکر بقول صاحب واسطیہ کسی قدر شاہی فوج کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئی الخ۔

مندرجہ بالا روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ سید عبدالعزیز طلب علم کے لئے دہلی گئے تھے، ظاہر ہے کہ طالبعلمی کا زمانہ نوعمری کا زمانہ ہوتا ہے آج بھی بالعموم اس عمر میں شادی بیاہ نہیں ہوتا، اور آج سے تقریباً چھ صدی پیشتر تو اس نوعمری کے زمانہ میں شادی بیاہ کا قطعاً دستور نہ تھا اور بالخصوص مشائخ کے بیٹے جب تک کسب کمالات نہ کر لیتے شادی بیاہ کی پابندیوں میں گرفتار نہ ہوتے تھے اس لئے یہ ماننا پڑیگا کہ اس نوعمر طالب علم کی کوئی شادی دہلی جانے سے پیشتر نہیں ہوئی تھی اور سید عبدالعزیز کی پہلی شادی یہی شادی تھی اور شادی ہونے کے چند روز بعد ہی وہ اپنے باپ کی بددعا سے گھوڑے پر سے گر کر فوت ہوگئے بادشاہ کی بیٹی کے سوائے اور کسی عورت کو عقد میں لانے کا انکو موقع ملا اور نہ صورت حالات اس کی مقتضی تھی کہ وہ ایسا کرتے یا ایسا ہوا ہوتا۔ پس نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ سوائے اس فرزند کے، جو ان کے انتقال کے وقت شکم مادر میں تھا ان کے کوئی دوسری اولاد نہیں تھی لیکن یہ حیرت انگیز امر ہے کہ جن "مورخین" نے ان کی شادی، ان کی (چانک موت) اور ان کے فرزند کے تولد کی یہ عجیب و غریب روایت نقل کی ہے ان ہی "مورخین" نے ان کے، دو اور فرزندوں یعنی سید محمد ابدال (دودہ دمعاری) جن کو حضرت شاہ ولایت کا خلیفہ بھی بتایا جاتا ہے) اور سید مجدالدین (جد امجد مؤلف اسرار یہ) کے نام بھی تحریر کئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر ان کے یہ دو اور فرزند کہاں سے آگئے؟ آپ تسلیم کریں گے کہ اس معاملہ کی صورت دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو سید عبدالعزیز کی شادی کی یہ روایت جس طرح بیان کی گئی ہے اور آب و تاب سے نام نہاد "مورخین" نے شایع کی ہے بے اصل و بے بنیاد ہے یا یہ دونوں فرزند فرضی اور مصنوعی ہیں۔ لیکن ان دو فرزندوں کا فرضی اور مصنوعی ہونا قرین قیاس نہیں، کم از کم ان میں ایک سے سلسلۂ نسل باقی رہا اور اب تک باقی ہے یعنی مؤلف اسرار یہ کا خاندان۔ اسلئے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ روایت ہی قطعاً بے بنیاد اور بے اصل ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ طالب علمی کرنے اور دہلی جانے سے پہلے سید عبدالعزیز کی شادی ہو چکی تھی، اور نہ صرف شادی ہو چکی تھی بلکہ زوجۂ اولیٰ سے کم از کم دو فرزند (اور ممکن ہے کہ کوئی دختر) بھی متولد ہو چکے تھے لیکن ایسا حالت پر بھی بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی ان کے ساتھ کر دی (حالانکہ مندرجہ بالا وجوہ سے یہ ناممکن الوقوع ہے) اور حسب روایت صاحب تاریخ اصغری "اپنے داماد سید عبدالعزیز کی اولاد کے لئے بہت گاؤں سلطنت سے جدا کر دئیے" تو آخر عطائے جاگیر و مواضعات کا کوئی ثبوت بھی پیش کیا جا سکتا ہے؟ قدیم کاغذات کے مطالعہ اور

تجسس حالات سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ عہد مغلیہ سے پہلے مالی حالت کے لحاظ سے امروہہ کے سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں کے مقابلہ میں اس خاندان کو کسی قسم کا تفوق حاصل نہیں تھا بلکہ برخلاف اس کے جیسا کہ کسی دوسرے موقع پر ظاہر کیا گیا ہے، سادات نوگانواں کے مورثوں کو مواضعات معافی زیادہ تعداد میں عطا ہوئے تھے۔ خاندان خلجی یا تغلق کی کوئی شہزادی اگر امروہہ میں سکونت پذیر ہوتی اور جیسا کہ مؤلف واسطیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کسقدر فوج شاہی کے ساتھ شہزادی امروہہ آئی اور یہاں مقیم رہی تو ظاہر ہے کہ اس کی سکونت کے لئے امروہہ میں کوئی قلعہ یا گڑھی یا بدرجۂ اقل محلات یا عالی شان مکانات تعمیر ہوتے، کیا کسی شہزادی کے محل یا سکونت کے مکان کا کوئی پتہ بتایا جا سکتا ہے یا اسکے آثار یا نشانات ہی دکھائے جا سکتے ہیں؟ فیروز شاہ تغلق کو اگر حضرت شاہ ولایت سے اس قسم کی عقیدت ہوتی جس کا ذکر افسانوں میں کیا جاتا ہے یا رشتہ کے تعلقات ہوتے تو یہ بادشاہ جس کو تعمیر عمارت کا بہت شوق تھا[۱] جو آپ کے زمانہ کے بہت بعد تک زندہ رہا اور اس کے خاندان میں سلطنت بھی اس زمانہ کے بعد عرصۂ دراز تک جاری رہی ضرور تھا کہ آپ کے مزار پر عالی شان مقبرہ تعمیر کرتا، خانقاہ بنواتا، مصارف کے لئے بڑی جاگیر عطا کرتا۔ حالانکہ آپ کے مرقد منور پر نہ کوئی مقبرہ بنا، نہ کوئی عالیشان خانقاہ تعمیر ہوئی اور نہ مصارف خانقاہ وعرس کے لئے کوئی جاگیر عطا ہوئی۔ فیروز شاہ نے اپنے سوانح حیات میں ان تمام تعمیرات کی تفصیل درج کی ہے جو مختلف مقامات پر اسنے تعمیر کرائی تھیں۔ فیروز شاہ خود لکھتا ہے کہ :-[۲]

و بعضے از مواہب الٰہی کہ ایں بندۂ بیچارہ	خدا تعالیٰ کی بعض انعامات میں سے جو اس عاجز بندہ
را عطا کردہ برتشئید مبانی خیرات	(یعنی فیروز شاہ تغلق) کو عطا ہوئے یہ ہے کہ خیرات کے
توفیق داد بسے مساجد و مدارس	کاموں کی توفیق دی، بہت سی مسجدیں، مدرسے اور
و خوانق بنا کردیم تا علما و مشائخ و زہاد	خانقاہیں میں نے تعمیر کیں تاکہ علماء، مشائخ، زاہد اور عابد
و عباد دراں مقامہا معبود بحق را عبادت کنند	لوگ ان مقامات میں معبود حقیقی کی عبادت کریں اور اپنی

[۱] فیروز شاہ بادشاہ نے اپنے عہد حکومت میں جو تعمیرات مختلف مقامات پر کرائیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:- ۳۰ مدرسے، ۲۰ خانقاہیں، ۴۰ مسجد جامع، ۱۵۰ کوئیں، ۱۰۰ کوشک، ۱۰۰ مقبرے، ۲۲ رباط، ۵ دارالشفاء، ۱۰ حمام، ۱۰ مینارہ کلاں، ۴۰ نہریں، ۱۰۰ حوض، دہلی اس کے باغات وغیرہ [۲] فتوحات فیروز شاہی قلمی -

بانیٔ خیر را بدعا مدد نمایند و حصر آبہا و غرس اشجار و وقف آراضی بر نہج شرع متفق و مجمع علیہ است و در ملت اسلام علمائے شریعت را در وی اجماع است و در وی شکے و شبہے نہ و در معین سہام مصارف معین کردند تا ہمیشہ حاصل آن بہ بندگان خدا برسد ذکر آن مشروح در وقف نامہ کردہ است

دعاء بانیٔ خیر کی مدد فرمائیں۔ پانی کا انتظام کیا گیا، درخت نصب کئے گئے، اور آراضی اس طریقہ پر ان کے مصارف کے لئے وقف کی گئی جو شرع میں متفق علیہ ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تاکہ ہمیشہ اس کی آمدنی بندگان خدا کو پہنچتی رہے۔ اسکی تفصیل وقف نامہ مذکور میں کی گئی ہے۔

غیروں کے لئے مقبرے اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں، ان کے لئے اراضی وقف کی گئی لیکن جن سے عقیدت یا رشتہ کا تعلق تھا، جہاں اس کی بیٹی اور نواسہ موجود تھے، وہاں نہ کوئی خانقاہ تعمیر ہوئی اور نہ مقبرہ۔ یہ بات قرین قیاس نہیں ہے۔

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء دہلویؒ کے مقبرہ کی درستی کے متعلق دوسرے موقع پر یہ بادشاہ لکھتا ہے کہ:۔ [1]

"درہائے گنبد و جعفریہائے مقبرہ شیخ الاسلام نظام الحق والدین ہم از صندل ساختہ و قندیلہائے زریں با زنجیرہائے زر در چہار زاویہ گنبد آویختہ و جماعت خانۂ جدید بنا کردہ کہ آنچناں پیش ازیں آنجا نبودہ۔"

مقبرہ شیخ الاسلام نظام الدین (اولیاء دہلوی) کے گنبد و جعفریوں کو بھی صندل کی لکڑی سے بنایا گیا اور سونے کی قندیلیں سونے کی زنجیروں سے گنبد کے چاروں کونوں میں آویزاں کی گئیں اور ایک نیا جماعت خانہ جیساکہ وہاں پہلے نہیں تھا تعمیر کیا گیا۔

"مورخین امروہہ" کی روایتوں کے مطابق جب اس بادشاہ کو حضرت شاہ ولایتؒ سے اس درجہ عقیدت اور نیازمندی تھی کہ مرید ہونے کی بار بار خواہش ظاہر کی مگر آپ نے قبول نہ فرمایا، پھر اسی نیازمندی و عقیدت کی بنا پر آپ کے فرزند اصغر کے عقد میں اپنی بیٹی بھی دیدی اور انکی اولاد کے لئے "بہت گاؤں بھی سلطنت سے جدا کر دئے" تو یہ امر حیرت انگیز ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کے مقبرہ کو جن سے نہ عقیدت تھی، نہ جن کا مرید تھا، اور نہ جن سے کوئی رشتہ کا تعلق تھا، تو آراستہ و مزین کرتا ہے، سونے کی قندیلیں لٹکاتا ہے، سونے کی زنجیریں

---

[1] فتوحات فیروز شاہی قلمی۔

آویزاں کرتا ہے مگر حضرت شاہ ولایت کی درگاہ میں ایک اینٹ بھی نہیں رکھی جاتی - کیا یہ طرز عمل حیرت انگیز نہیں ؟ کیا اس سے یہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ عقیدت و نیاز مندی در رشتہ کی روایت محض ایک افسانہ ہے جسکی کوئی اصلیت نہیں -

تاریخ سے ثابت ہے کہ سلطان فیروز شاہ طبعاً بڑا مخیر بادشاہ تھا - صرف مشائخ و علماء قرآن خوانوں وغیرہ کو جو رقوم سالانہ خزانہ شاہی سے دیجاتی تھیں ان کی تعداد ۳۶ لاکھ ٹنکہ تھی اور شرفا و غربا کے انعامات کی تعداد تقریباً ایک کروڑ سالانہ مقرر تھی - جابجا مدارس و شفاخانہ جات قائم کئے تھے - ایک دیوان خیرات اس غرض سے قائم کیا تھا کہ تہی دست لوگوں کو جو اپنی بیٹیوں کی شادی نہیں کرسکتے اس سے امداد دی جائے جس زمانہ کا مورخ سراج عفیف لکھتا ہے :-[1]

دیوان خیرات برائے تزویج بنا کردہ اعنی	شادی بیاہ کے لئے ایک دیوان خیرات قائم کیا تھا یعنی
آں مسلمانانِ غمگین و مومنانِ مساکین کہ	ان غمگین اور مسکین مسلمانوں کے لئے جن کی بیٹیاں
دختران دارند و آں دختران بحد بلوغت	ہیں اور یہ لڑکیاں بلوغت کی حد کو پہنچ گئی ہیں مگر
رسیدہ اند پدرانِ ایشاں اسباب کارِ خیر	ان کے باپ ان کی شادی کا سامان فراہم نہیں کر سکتے
ندارند بدیں سبب دائم دلہائے ایشاں پریشاں	اور اس وجہ سے ان کے دل ہمیشہ پریشان رہتے ہیں
مانند ..... حضرت جہاندار .... دریں محل	.... بادشاہ ..... نے اس بارہ میں یہ فرمان صادر
فرمان فرمود ہرآں کسے کہ دخترے دارد بالغہ باید	کیا کہ جو شخص کوئی بالغہ لڑکی رکھتا ہو اسے چاہئے کہ دیوان
کہ آں شخص در خیرات دیوان اخبار رساند شرح حالِ	خیرات میں اس کی اطلاع دے اور اپنے حال سے عہدہ
خویش بیان دل ریش پیش عہدہ داران دیوان خیرات	داران دیوان خیرات کو مطلع کرے ..... ہر ایک کی حالت
بازنماید ... براندازۂ حال ہر ایک وجہ تعین کنند -	کے اندازہ کے مطابق مدد مقرر کی جائے -

مندرجہ بالا بیانات سے یہ اچھی طرح واضح ہوگیا کہ سید عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولایت کی کسی بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ شادی ہونے کی روایت صحیح نہیں ، نہ کوئی شہزادی امروہہ میں کبھی سکونت پذیر ہوئی اور نہ اس کے یا اس کے اولاد

---

[1] تاریخ فیروز شاہی سراج عفیف -

کے مصارف کے لئے کسی بادشاہ نے کبھی "بہت گانوں سلطنت سے جدا کئے" اور نہ اس طرح امروہہ کی معافیات کی ابتدا ہوئی۔

پھر یہ روایت کیوں اور کب سے مشہور ہے؟

اس سلسلہ میں اب صرف یہ سوال حل طلب باقی رہجاتا ہے کہ پھر روایت کیوں اور کب سے مشہور ہوئی ۱۲۴۳ھ تک یعنی مقاصد العارفین کی تصنیف کے وقت تک یا پھر بفرض محال ۱۱۶۸ھ تک یعنی اسراریہ کی تالیف کے زمانہ تک تو یہ روایت مشہور نہیں ہوئی تھی یا کم از کم اسکو کوئی ایسا درجۂ اعتبار حاصل نہ ہوا تھا کہ مؤلف اسراریہ اسکا ذکر کرتا ۱۱۶۸ھ کا وہ زمانہ ہے جبکہ اس سے تقریباً ایک صدی پہلے سے سید عبدالعزیز کی نسل میں امارت و ریاست آگئی تھی۔ سید محمد میر عدل و سید مبارک اور ان کے نامور اخلاف کی لیاقت و قابلیت، ان کی شاندار خدمات اور کارناموں کی وجہ سے شاہان مغلیہ نے ان کو اعلیٰ مناصب اور جاگیریں عطا کی تھیں۔ اور اس خاندان کو تموّل و اقتدار کے لحاظ سے اپنے ہمچشموں پر تفوّق حاصل ہوگیا تھا۔ ان کے بعد کی نسلوں نے آنکھ کھولتے ہی ریاست کے ٹھاٹھ دیکھے، ان کے آبائے کرام نے تو اپنی محنت، جانفشانی، تلوار کی جھنکار اور قلم کی سرسراہٹ کی بدولت دولت پیدا کی تھی، علم و فضل و فنون سپہ گری کے ذاتی جوہر ان میں موجود تھے، ان کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئیں وہ پوتڑوں کے رئیس تھے، خوشامدی مصاحبوں اور حاشیہ نشینوں نے خاندانی تفاخر و اقتدار کے حاشیے چڑھانے شروع کئے، اس زمانہ میں خاندان شاہی سے تقرّب فخر و مباہات کا اعلیٰ ترین معیار سمجھا جاتا تھا، کسی نے شادی کی یہ روایت بھی گھڑ ڈالی ابتداءً اس کی صورت کچھ نادر ہوگی آنے والوں نے اس میں اور رنگ آمیزیاں کیں، اس زمانہ میں تو کسی نے مانا کسی نے نہ مانا، دو چار پشت کے بعد یہی بات "مسلمات تاریخ" میں داخل ہوگئی، اس نسل کے بعض حضرات اظہار تفاخر کے لئے اپنے کو "منتسبۂ فیروز شاہ تغلق" بھی لکھنے لگے نام نہاد "مورخین امروہہ" نے بھی اس کو آب و تاب سے شائع کرنا ضروری سمجھا۔ اور جو بات کبھی کسی نے "زیب داستان" کے لئے کہی تھی وہ اب "مسلمات تاریخ" میں شمار ہونے لگی۔ ورنہ جیسا کہ آپ اوپر پڑھ آئے ہیں اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کچھ بھی نہیں۔

---

[1] جو روایت مؤلف واسطیہ نے لکھی ہے جسکا اقتباس اوپر درج کیا گیا ہے ذرا اسکے آخری فقروں کو غور سے پڑھئے۔

معافیات کی ابتداء

ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قائم ہونے کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی سے علماء و مشائخ سادات و شرفاء کے خاندانوں کی پرورش کے لئے وظائف و مدد معاش میں حسب حیثیت املاک و اراضیات معافی عطا ہونے لگی تھیں امروہہ میں حضرت شاہ ولایت قدس سرہ کی تشریف آوری کے بہت پہلے سے جو خاندان علماء و مشائخ و سادات و شرفاء کے موجود تھے ان کو املاک و معافیات دی گئی تھیں مثلاً اولاد حضرت نظام گنج رواں قدس سرہ اولاد قاضی نظام الدین قریشی وغیرہ کو املاک معافیات عطا ہوتی تھیں ۔ سلطان علاؤ الدین خلجی کے عہد حکومت میں البتہ بہت سی معافیات ضبط ہو کر خالصہ میں شامل ہو گئی تھیں[1] لیکن فیروز شاہ بادشاہ نے اپنے حکومت کے پہلے ہی سال میں ستر سال پیشتر کے تمام عطیات کی اسناد کی جانچ پڑتال کرا کے مستحقین کو املاک و معافیات بحال کر دیں ۔[2]

"امثلۂ معافیات و ساله که از سلاطین ماضیه درباب ادارات و انعامات و دیہا و زمینہائے سادات و مشایخ و سائر مستحقان صادر شده بود و ہمه بخالصه باز آمده بر اولاد و احفاد ایشاں بر حکم آں امثله مقرر و مسلم شد و بتازگی فرمان ہائے طغرا و امثلۂ دیوانی یافتند و آناں که نداشتند و محتاج نفقه بود نه تجدید فوق الکفایه ایشاں ادرار و انعام دیہه و زمین مفرد و تعین شد ۔"	سادات و مشائخ و دوسرے کل مستحقین کے مواضعات و آراضیات انعامات و ادارات جو گذشتہ بادشاہوں نے عطا کئے تھے اور وہ سب پھر خالصہ میں شامل کر لئے گئے تھے ان کے متعلق ستر برس پیشتر کے کاغذات و امثلہ کو نکلوایا اور ان احکام کے مطابق ان عطیات کو ان کی اولاد و وارثوں کو دیا گیا اور از سر نو فرمان و امثلہ مرتب کئے گئے اور وہ لوگ جو تہی دست و صاحب احتیاج تھے ان کو اور بھی زیادہ مواضعات و اراضیات و انعامات وغیرہ عطا ہوئے ۔

(بسلسلۂ گذشتہ) بڑے بیٹے سید امیر علی کی اولاد میں شیخت اور چھوٹے بیٹے سید عبدالعزیز کے اخلاف میں ریاست کے الفاظ اس روایت کے تصنیف کرنے والوں کی کس قسم کی ذہنیت کا اظہار کر رہے ہیں ۔۔

[1] تاریخ فیروز شاہی [2] تاریخ فیروز شاہی ۔

امروہہ کی معافیات کی ابتدا اسی عہد فیروزی سے سمجھنی چاہیئے۔ سادات نوگیاں کے مورث خواجہ فخرالدین حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی کے جانشین خواجہ محمد امام کی اولاد میں تھے ان کو متعدد مواضعات اسی عہد میں امروہہ کے علاقہ میں عطا ہوئے۔ خاندان شیخ زادگان اولاد حضرت شیخ فریدالدین فاروقی گنج شکر کو بھی پرگنہ رجب پور میں مواضعات معافی ملے [1]

وخانوادہائے شیخ فریدالدین و شیخ بہاءالدین و شیخ نظام الدین (اولیاء دہلوی) .... و چندیں مشائخ قدیم دیگر بدیہا و زمین ہا و باغہا از شہر عطا شدہ است۔

حضرت شیخ فریدالدین (گنج شکر فاروقی) و شیخ بہاءالدین (زکریا ملتانی) و شیخ نظام الدین (اولیاء دہلوی) ...... نیز بہت سے دوسرے مشائخ قدیم کے خاندانوں کو مواضعات واراضیات و باغات عطا ہوئے۔

یہ عطیات معافی "علی الدوام والاستمرار" کے طریقہ پر عطا ہوئے تھے۔ کوئی قدیم دستاویز اور فرمان تو دستیاب نہیں ہوا لیکن امروہہ کے قاضی اور مشائخ وسادات کے خانوادہ ہونے کی حیثیت سے حضرت شاہ ولایت قدس سرہٗ کے اخلاف کو عہد خلجی و تغلقیہ میں املاک معافیات عطا ہوئیں۔ قاضی سید امیر علی کے انتقال پر ان کے فرزند سید محمد المعروف بہ سید تاج الدین بروایت ثمرات القدس ترکہ پدری میں "ملک و باغ" کے متعلق حصول فرمان کے لئے دہلی گئے تھے۔

"(برادر سید اشرف جہانگیر) گفت بیروم تا ملک و باغ را کہ از پدر ماندہ فرمانے بیارم تا کسے را مداخلت دراں نماند" [2]

اسی طرح صاحب اسرار یہ اپنے جد امجد کے متعلق، جو سید عبدالعزیز کے پرپوتے تھے، لکھتے ہیں کہ:-

سید چاند بن سید معروف بن سید مجدالدین بن سید عبدالعزیز بن صاحب ولایت در قریہ نوج پور از مضافات امروہہ سکونت داشتند و بہ عبادت مشغول و استغراق تمام بسر می بردہ واہل

سید چاند بن سید معروف بن سید مجدالدین بن سید عبدالعزیز بن صاحب ولایت امروہہ کے نواح میں نوج پور نام ایک گاؤں میں سکونت رکھتے تھے اور عبادت و ریاضت میں زندگی بسر کرتے تھے اور اہل

[1] تاریخ فیروز شاہی —

[2] تاریخ فیروز شاہی

این کاربود وقتے شیخ عمر شہ سنبھلی را بوے اتفاق
ملاقات افتاد و عمر شہ و فتح شہ دو برادر بودند
ہر دو عالم و فاضل و بزرگ از مشاہیر روزگار
صاحب جاہ آخر عمر شہ بہ سید چاند گفت بیدا
چرا نہ در شہر سنبھل آئی و اقامت گیری و
من دخترے دارم تا نامزد سید حامد پسر تو
کنم۔ سید چاند این معنی قبول کرد و بہ سنبھل
آمد۔ بی بی خدیجہ دختر شیخ عمر شہ بحبالۂ عقد
سید حامد در آمد و از آں ممر حویلی و باغ
و املاک بنام آں بی بی شد و اتفاق توطن
افتاد۔ امروز از آں باغ چند درخت انبہ
ماندہ کہ مشہور بہ چندن ٹپی ہست و آں حویلی ہمیں سادات واڑہ

کام کے اہل تھے۔ ایک موقع پر شیخ عمر شہ سنبھلی کو ان سے
ملاقات کا اتفاق ہوا۔ عمر شہ اور فتح شہ نامی دو بھائی
تھے۔ دونوں عالم، فاضل مشاہیر وقت اور صاحب
جاہ تھے۔ شیخ عمر شہ نے سید چاند سے کہا کہ میرے صاحب تم
سنبھل کیوں نہیں آتے اور وہاں سکونت اختیار کرتے
میں اپنی بیٹی کی تمہارے فرزند سید حامد کے ساتھ
شادی کر دونگا۔ سید چاند نے یہ بات قبول کی اور سنبھل
آگئے۔ شیخ عمر شہ کی دختر بی بی خدیجہ سید حامد کے حبالۂ
عقد میں آئیں اور حویلی و باغ و املاک ان بی بی کے
جہیز میں ملیں اور اسی طرح سنبھل میں توطن پذیر ہوئے۔
اب اس باغ میں سے آم کے چند درخت باقی ہیں جسے
چندن ٹپی کہتے ہیں اور وہ حویلی یہی سید واڑہ ہے۔

سید عبدالعزیز کی اولاد کے مصارف کے لئے کسی بادشاہ نے "بہت گانوں سلطنت سے جدا کر دئے" ہوتے تو ظاہر ہے کہ ان سے تیسری ہی پشت میں یہ حالت پیش نہ آتی کہ ان کے خلاف اس طرح ترک وطن کرکے دوسرے مقام پر سکونت اختیار کرتے۔ سادات و مشائخ و شرفا کے دیگر خاندانوں کی طرح یہ اراضیات املاک اس خاندان کو بھی عطا ہوئیں، ان میں سے بعض لوگ ان مواضعات معافی میں سکونت پذیر بھی ہوگئے۔

قاضی سید امیر علی کی نسل میں ایک خاندان اغوانپور چلا گیا تھا۔ وہاں کا عہدۂ قضا بھی ان پشت ہا پشت تک جاری رہا اور اس خدمت کے صلہ میں بھی انکو معافیات ملیں۔

حضرت شاہ ولایت رح کے خاندان کے علاوہ شاہان خلجی و تغلق کے عہد میں خاندان قاضی زادگان، خاندان حضرات ترکمان (دستار کلاں)، خاندان ملک بھورن، خاندان سالار ایوب وغیرہ کو اس کے بعد شاہان لودھی

لہ اسرار آریہ قلمی۔

کے زمانہ میں خاندان حضرات بخشی و خاندان بنو عباس کو اور ابتدائے عہد مغلیہ میں سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں یعنی خاندان حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ و خاندان سید حسن و خاندان مولانا سید اشرف دانشمند نیز دوسرے خاندانوں کو جو وقتاً فوقتاً امروہہ میں متوطن ہوئے حسب حیثیت جائداد املاک معافی ملتی رہیں اس عہد تک عطائے معافیات کے اعتبار سے امروہہ کے سادات و شرفا کے مختلف خاندان تقریباً مساوی الحیثیت تھے۔ شہنشاہ اکبر کے عہد حکومت کے نصف آخر میں اولاد سید منتجب نبیرہ سید عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولایتؒ کو عطائے مناصب و معافیات کے اعتبار سے درجۂ امتیاز حاصل ہوا۔

امروہہ کی معافیات عہد مغلیہ میں

عہد مغلیہ میں امروہہ کی معافیات کی دو اقسام تھیں (۱) **سیورغال**[۱] (۲) **جاگیر**۔ سیورغال ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مدد معاش کے ہیں یہ مدد معاش حسب ذیل چار گروہوں کو دی جاتی تھی:-

(۱) علماء (۲) مشائخ (۳) غربا و بیوگان (۴) سادات و شرفا۔

مدد معاش بھی دو صورتوں سے دی جاتی تھی یعنی بصورت نقد "روزینہ" درماہہ اسکو **وظیفہ** کہتے تھے اور بصورت مواضعات و آراضی اسکو **ملک** کہتے تھے۔

سیورغال علامہ ابو الفضل "آئین اکبری سیورغال" کے تحت میں لکھتے ہیں:-

"چہار گونہ مردم را بہ زمین و روزینہ کامیاب گردانند ...... نخستیں آگہی جویان آباد اندیشہ کہ پوست از ہمہ برگرفتہ در فراہم آوردن حقیقی علوم شب از روز نشناسند۔ دوم رنج کشان خویشتن گداز کہ دل بہ پیکار نفس خود آراستہ از جہانیاں بر کنار افتادہ سوم درماندگان تہید کہ توانائی جست نداز۔ چہارم بزرگ زادگان آزرم دوست از کم	چار قسم کے اشخاص کو **زمین** اور **روزینہ** سے مدد دی جاتی ہے۔ اولاً وہ **علما** جو اور سب مشاغل سے قطع تعلق کرکے شب و روز خدمت علم میں مصروف رہتے ہیں۔ دوم **مشائخ** جو اپنے نفس کو آراستہ کرتے اور دنیا کے لوگوں سے بے تعلق رہتے ہیں۔ سوئم **غربا** (بیوگان) جو کسی کام کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ چہارم سادات و شرفا جو عدم

---

[۱] سیورغال بالسین مہملہ مکسور و یائے معروف مضموم و رائے مہملہ ساکن و غین معجمہ و الف و لام ساکن در ترکی بمعنی **جاگیر** گویند۔ (عماد السعادت)

دانستی راہ پیشہ وری نسپرند - نقدرا بزبان وقت **وظیفہ** گویند و زمین را ملک و مدد معاش - و بہ این عنوان کرورہا دادہ اند و روز بروز افزودہ گردد۔[1]

قابلیت کی بنا پر کوئی پیشہ اختیار نہیں کرتے - نقدی کی صورت میں جو مدد ملتی ہے اسے **وظیفہ** کہتے ہیں اور زمین کو **ملک مدد معاش** - اس طریقہ پر کروروں کی امداد کی گئی ہے اور روز بروز تعداد زیادہ ہے

جو املاک سیورغال کے طور سے دی جاتی تھیں ان کے متعلق یہ قاعدہ مقرر تھا کہ نصف حصہ ان کا مزروع ہوتا تھا اور نصف غیر مزروع - اور اگر سب مزروع ہوتا تھا تو چہارم حصہ کم کر لیا جاتا تھا - اس وقت حاصل اراضیات تقریباً ایک روپیہ فی بیگہ تھا - یہ اراضیات معافی کہلاتی تھیں کیونکہ ہر قسم کے محصول سے معاف اور مرفوع القلم تھیں اور ان میں اکثر "علی الدوام والاستمرار" کے طریقہ پر عطا ہوتی تھیں - امروہہ میں ان سیورغالات کی تعداد سنہ ۱۰۰۴ھ تک حسب ذیل تھی :-

نام پرگنہ	تعداد بیگہ	کل جمع	سیورغال
امروہہ	۳۲،۶۵۴	۰۰،۴۲،۶۳ دام ۵۵۰،۵۸،۱ روپیہ	۳۵۸،۹۳،۹ دام مطابق ۲۴،۹۰۲-۱۵-۲ ۵/۵ روپیہ

گویا عہد اکبری میں سادات و شرفاء امروہہ کے مختلف خاندانوں کو جو معافیات بطور سیورغال ملی ہوئی تھیں ان کی سالانہ آمدنی تقریباً ۲۵ ہزار روپیہ تھی - ان میں زیادہ تعداد سادات کی تھی۔[2] ہمایوں و اکبر بادشاہ کے

---

[1] آئین اکبری صفحہ ۱۴۰ - [2] صاحب آئین اکبری نے "آئین احوال دوازدہ صوبہ" کے تحت میں تمام پرگنات کی جمع' تعداد سیورغال' وغیرہ کی تفصیلات درج کی ہیں - ان تفصیلات میں جن اقوام کے زمیندار کی تعداد جس پرگنہ میں زیادہ ہے ان اقوام کا نام بھی لکھدیا ہے چنانچہ پرگنہ امروہہ کی تفصیلات میں "سادات" کا لفظ تحریر ہے - مؤلف واسطیہ نے اس کی ایک مضحکہ انگیز توجیہہ یہ کی ہے کہ "قصبہ امروہہ کی زمینداری" سادات کو عطا ہوئی تھی - کجا پرگنہ امروہہ اور کجا "قصبہ امروہہ" - اپنی اس عجیب توجیہہ کے ثبوت میں بعض شاہی دستاویزات کی نقول بھی درج کی ہیں مثلاً صفحہ ۲۹،۳۰ پر جن دستاویزوں کی نقل درج ہے ان سے بھی ان کے قول کی تائید نہیں ہوتی "دستخط انیستان برطوامیر خالصہ شریفہ و جاگیرداران" کے الفاظ اپنا مطلب صاف بتا رہے ہیں - خالصہ کا حق زمینداری' معافیداری' چودھرایت و مقدمی وغیرہ کے حقوق گو تعداد میں سادات اولاد حضرت شاہ ولایت کو زیادہ

عرض شد

عکس پروانہ تصحیح سند

موسومہ حضرت شاہ [illegible] بن

حضرت

ہمہ شب [illegible] کرده [illegible] مستوجب [illegible] کشاده [illegible]

۸ [illegible] حضرت [illegible]

[illegible] حضرت [illegible]

[illegible] [illegible] اللهم [illegible]

[illegible] اللهم [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] قسمت مبارک [illegible]

[illegible] سلیمان [illegible] سکندر قدر سلیمان [illegible]

[illegible] [illegible] الله [illegible]

[illegible] ذاکر الله [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] باشند درین باب تاکید تمام دانسته [illegible]

[illegible] سنه جلوس میمنت مانوس سنه ۱۰۴۳ هجری

عہد میں امروہہ کے ممتاز علما و مشائخ کے جو نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں ان کو مختلف تعداد میں اراضیات سیور غال عطا ہوئی تھیں :-

علما :- مولانا سید عیسیٰ و مولانا سید قطب الدین (مورث سادات محلہ حقانی) کو سات سو بیگہ و یک ہزار یک صد بیگہ، مولانا لال محمد عباسی کو ایک ہزار ساٹھ بیگہ، مولانا بابن عباسی کو ضمنا بیگہ، مولانا عبد الملک نخشبی معروف بہ حقانی ضمنا بیگہ، مولانا عبد الغفور نخشبی مولانا عبد القدوس نخشبی و قاضی الہداد (آخرالذکر تین اشخاص کے عطیات معافی کی تعداد معلوم نہ ہو سکی) - اس کے بعد مولانا سید اشرف دانشمند مولانا سید اشرف بن سید سعید خان (محلہ لکڑہ) مولانا محمد عباسی اور متعدد دوسرے علما کو مدد معاش ملتی رہی۔

مشائخ :- اس عہد کے مشائخ کبار میں حضرت شاہ ابن بد چشتی تھے - آپ کے مصارف کے لیے اکبر بادشاہ نے چار سو بیگہ زمین معافی بموجب فرمان مجریہ ۲۳ شہر ذیقعدہ سنہ ۹۸۳ھ دی تھی - اصل فرمان خاکسار مؤلف کو باوجود امکانی کوشش کے دستیاب نہیں ہو سکا - لیکن اس کی تصدیق حسب ذیل پروانہ بصحیحہ مجریہ عہد عالمگیری سے ہوتی ہے جس کا اس موقع پر نقل کرنا تاریخی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا :-



عرش آشیانی

گماشتہائے جاگیرداران و کروریان حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل بدانند -

کہ چون بموجب فرمان عالی شان حضرت ... از قرار تاریخ ۲۳ شہر ذیقعدہ سنہ ۹۸۳

(بہ سلسلہ گذشتہ) حاصل تھے لیکن بعینہٖ یہی حقوق سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں کو بھی ملے ہوئے تھے جس کی تصدیق صدہا دستاویزات دیرینہ سے ہوتی ہے] [1] صاحب آئینۂ عباسی لکھتے ہیں کہ مولانا لال کو علاوہ چکوک دیہات چک امروہہ خاص قصبہ ایک ہزار بیگہ پختہ آراضی کا ملا اور اکثر دیہات میں املاک معافی ملیں فرمان عطیات موجود ہیں اور ان کے بیٹے عبد الحکیم کو بھی قصبہ خاص میں پانسو بیگہ پختہ چک ملا اور ان کے بھائیوں کو املاک و چکوک دیہات میں ملے" خاکسار مؤلف کو یہ فرامین دستیاب نہیں ہوئے البتہ مولانا لال عباسی کی اپنی جائداد حسب دستاویزات کے ذریعہ اپنی اولاد میں تقسیم کی تھی وہ خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں تعداد اراضی ایک ہزار و ساٹھ بیگہ درج ہے،

موازی چہار صد بیگہ زمین لطناب پس در وجہہ مدد معاش حضرت غفران پناہ
میاں شیخ ابن مقرر بود مشار الیہ ودیعت حیات سپرد و صدور سابق اراضی
مذکور را بر میاں شیخ نور محمد[۱] وغیرہ ورثہ مشار الیہ مسلم داشتند و دریں ولا
مشار الیہم با فرمان و اسناد صدور سابق حاضر آمدند و متولی پرگنہ مذکور تصدیق حیات
و قیام و قبض و استحقاق آنہا داد بنا بریں بندہ درگاہ بتصدق فرق مبارک
بندگان خدیو زمان و زمین حامی شرع سید المرسلین سکندر قدر سلیمان آئین مؤید
ملت خاتم النبیین خورشید نظر زمین مسطور بمشار الیہم حسب الضمن
مسلم داشتہ بتصحیح رسانید ۔ می باید زمین مذکور را بہ آنہا واگذارند کہ حاصلات آنرا
فصل بہ فصل و سال بہ سال صرف معیشت خود نمودہ بہ دعاگوئی دوام دولت ابد پیوند
اشتغال داشتہ باشند دریں باب تاکید تمام دانند ۔ تحریر فی التاریخ بست و ہفتم
جمادی الاول سنہ ۴ جلوس میمنت مانوس سنہ ۱۱۷۳ ہجری ۔

حضرت شاہ ابنؒ کے فرزندان باکمال میں سے شاہ قطب الدینؒ وغیرہ کو ۲۳۸ بیگہ ۴ بسوہ زمین بموجب فرمان ۵ جمادی الاول سنہ ۹۸۷ عطا ہوا اور شاہ نور الدینؒ کو سنہ ۴ جلوس جہانگیری مطابق سنہ ۱۰۱۵ھ میں ۶۲۵ بیگہ اراضی معافی عطا ہوئی ۔ حضرت شاہ صدر الدین قدس سرہ کو دو سو بیگہ سنہ ۱۰۲۹ھ میں دی گئی ۔ شاہ صاحب موصوف کی اولاد میں کوئی فرد اب باقی نہیں، اسلئے بطور یادگار ذیل میں عہد محمد شاہ بادشاہ کے پروانہ تصحیح کی نقل درج کرتا ہوں :-

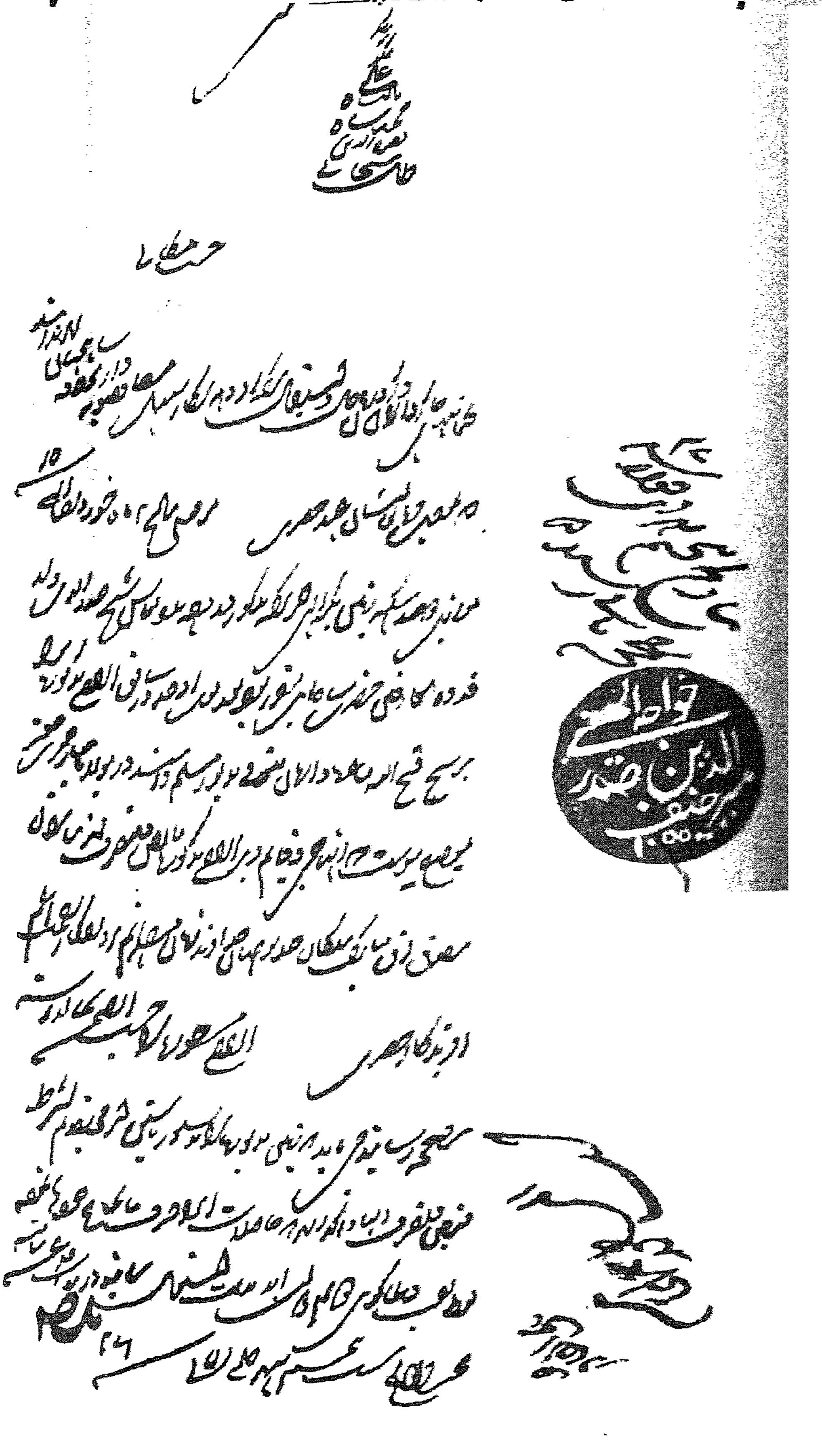
خلد سبحانی نصرۃ الدین محمد شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ ۔

جنت مکانی

گماشتہائے جاگیرداران عملہ و میان حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل مضاف صوبہ
شاہجہان آباد بدانند کہ بموجب فرمان عالی شان عہد حضرت

۱؎ غالباً شاہ نور الدینؒ سے مراد ہیں جن کا انتقال سنہ ۱۰۲۸ھ میں ہو چکا تھا لیکن انکے ورثہ کے نام پروانہ تصحیح کی پشت پر تحریر ہونے کی

عکس پروانہ مدد معاش شیخ صدرالدین ولد قدوۃ العارفین حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ



مرقوم بتاریخ ۲ ماہ خورداد الٰہی سنہ ۵ موازی دوصد بگیہ زمین بگز الٰہی از پرگنہ مذکور در وجہ مدد معاش **شیخ صدر الدین** ولد قدوۃ العارفین حضرت **شاہ ابن شیخ فتح اللہ** مقرر بود بعد فوت او صدور سابق آراضی مذکور را بہ وغیرہ وارثان متوفی مذکور مسلّم داشتند۔ دریں ولا اخبار مخبرین معتبر بوضوح پیوست کہ آنہا حاضر قائم و برآراضی مذکور قابض و متصرف اند بنا براں متصدق فرق مبارک بندگان خدیو جہان خداوند زمان مظہر اتم پروردگار رحمت اعم آفریدگار حضرت اراضی مسطورہ را حسب الضمن بحال داشتہ تصحیح رسانید می باید کہ زمین مذکور را بدستور سابق از محل قدیم بشرط قبض و تصرف آنہا واگذارند کہ حاصلات آں را صرف مایحتاج خود نمودہ بوظائف دعاگوئی دوام دولت ابد مدت اشتغال نمایند۔ دریں باب قدغن شناسند۔

تحریر فی التاریخ بست و پنجم جمادی الثانی سنہ ۲٦ جلوس

خواجہ محسن الدین صدر میر حنیف ۱۱۵۵

حضرت شاہ محمدی فیاض جعفری قدس سرہٗ کے اخلاف میں شاہ روشن محمد مدنی کی مدد معاش کے لئے بعہد محمد شاہ بادشاہ سنہ ۱۱۳۲ھ میں پچاس ہزار دام (مساوی ۔ الماقتہ ۱۲۵ روپیہ) کی املاک سرستہ خمار میں عطا ہوئی۔ اسی طرح امروہہ کے دیگر مشائخ کے خاندانوں کی مدد معاش میں املاک اور روزینہ ملتا رہا۔

روزینہ ۱۔ روزینہ داران کی بعض فہرستیں جو خاکسار مؤلف کی نظر سے گذری ہیں ان میں متعدد علماء مشائخ سادات و شرفا کے نام ملتے ہیں، مثلاً علماء میں شیخ فیض محمد (خاندان شیوخ کلاں) کو بعہد محمد شاہ بادشاہ ۴ روپیہ اور مشائخ و سادات و شرفا میں سے سنہ ۱۱۸۹ھ میں متعلقان حضرت شاہ عضد الدین جعفری ۴ مولوی حکیم جلال الدین ۱۲ روپیہ۔ سید جعفر شاہ (محلہ بھوکہ) ۸ ر۔ سید محمد اسحٰق ۳ ر حافظ غریب اللہ ۲ ر۔ مولوی عزیز اللہ (پیرزادہ) ۴ ر۔ سید صابر علی شاہ پسر شاہ جعفر (محلہ بھوکہ) ۸ ر متعلقان شاہ محمد اعظم ۴ ر محمد صلاح درویش ۵ ر۔ محمد سعید درویش ۱ ر

خواتین سادات و شرفا

امروہہ کے سادات و شرفا کے تقریباً ہر خاندان کی خواتین کو کسی نہ کسی صورت سے مدد معاش ملتی تھی۔ انکے نام کے صدہا فرامین وپروانے خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے۔ مولانا سید میر علی کی والدہ، خواہر، عمہ وغیرہ کو یک صد بگیہ زمین موضع یحییٰ پور میں بعہد عالمگیر عطا ہوئی۔ چک نامہ کی نقل تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ذیل میں درج کی جاتی ہے :-

هو الفیاض

چک حضرت بادشاہ عالمگیر

اراضی مدد معاش موازی یک صد بگیہ زمین افتادہ لایق زراعت خارج جمع بموجب فرمان عالی شان عہد حضرت ... در وجہ معاش مساۃ بی بی نور جہان وغیرہ وارثان سید میر علی در جاگیر اقبال پناہ ... در موضع یحییٰ پور انند سروپ شقدار و تلسی داس خوطہ دار و جریب کشان عالم خان و شیخ جلیل و سید بدھ برادر سید سلطان محمد متولی بہ اتفاق چودہریان و قانون گویان در موضع مذکور پیمودہ و چک بستہ داوند محدود بچہار حدود مفصلۂ ذیل :-

مساۃ	ماسیکہ مساۃ	مساۃ	
بی بی زینب عمہ سید میر علی	بی بی سکی خواہر سید میر علی	بی بی خالق دی والدہ سید میر علی	مشارٌالیہا
۲۵ بسوہ	۲۵ بسوہ	بسوہ	۲۵ بسوہ

تحریر فی التاریخ ۲۵ شہر ذی الحجہ سنہ ہجری ۱۰۷۶

اسی طرح امروہہ کی صدہا خواتین کو بالخصوص مساۃ نجم النسا دختر مولانا ابن عباسی کو بموجب فرمان عہد جہانگیر محررہ سنہ ۱۰۲۱ھ یکصد بگیہ ومساۃ شاہ گسائین وغیرہ متعلقہ "حقائق و معارف آگاہ میاں شیخ ابو اللیث فرزندان قدوۃ العارفین والمحققین حضرت شاہ اتن کو بموجب فرمان عہد شاہجہان مطابق تجدید سند بست و یکم شہر جمادی الاول سنہ ۲۵ جلوس عالمگیری کو موازی دو صد بگیہ

اور موازی ہشتاد بیگہ زمین" باسم عصمت مآب صالحہ ساجدہ مسمات فاطمہ از نبائر قطب العارفین حضرت شاہ ابن قدس سرہ" بموجب پروانہ مُہری علی قلی خان عالمگیری محررہ غرہ رجب المرجب ۳۵ جلوس عالمگیری" متعلقین شاہ قیام الدین محمد کو مجموعاً پانسو بیگہ بعہد عالمگیر آراضیات مدد معاش عطا ہوئیں۔

بعض خواتین کو بھی روزینہ ملتا تھا۔ مؤلف تاریخ واسطیہ کے جد امجد سید فتح مراد کی والدہ کو ۴ یومیہ ان کی دو بہنوں کو فی کس ۴ ریومیہ بموجب فرمان مرقومہ بست و سوم شہر ذیقعدہ ۱۰۸۶ھ روزینہ ملتا تھا (یہ اصل فرمان خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے)۔

اسی طرح سادات و شرفا میں صدہا اشخاص کو ملک مدد معاش اور روزینہ سلطنت اسلامی سے ملا کرتا تھا۔ ملک مدد معاش علیٰ قدر مراتب مقرر ہوتی تھی جس کی مقدار حسب حیثیت و ضرورت فی دعا بیگہ سے دو سو ڈھائی سو بیگہ ہوتی تھی اور روزینہ ا ریومیہ سے دو تین روپیہ یومیہ تک ان اشخاص کو جنہیں ملک مدد معاش عطا ہوتی تھی اصطلاحاً "ایمہ دار"[1] کہتے تھے۔ عہد عالمگیری کے "ایمہ داران" کی ایک تحریر کا عکس تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے علیحدہ درج کیا جاتا ہے دستخط کنندگان میں مختلف خاندانوں کے اشخاص شامل ہیں یعنی خاندان حضرت شاہ شرف الدین حرح خاندان عباسی، خاندان پیرزادگان اولاد حضرت شاہ ابن رح، خاندان نخشبی، خاندان حضرات ترکمان رجڑ بیگہ نعمتخاندان صدیقی و قریشی وغیرہ۔

جاگیر شاہان اسلام کے زمانہ میں عمال سلطنت اور منصبداروں کو علیٰ قدر مراتب جاگیریں عطا ہوتی تھیں انکی بھی دو اقسام تھیں، ایک موقت یعنی وہ جاگیریں جو دوران خدمت میں عمال و عہدہ داران حکومت و منصبداروں کو ان کے عہدہ و منصب کے مصارف اور تنخواہ کے لئے دیجاتی تھیں۔ ایسے بہت سے اعلیٰ جاگیرداروں کا تذکرہ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں جن کی جاگیر میں کل پرگنہ امروہہ وقتاً فوقتاً شامل رہا ہے۔ دوسری وہ جاگیریں تھیں جو بصلۂ خدمات

---

[1] بعض لوگ "ایمہ دار" کو "آیمہ دار" لکھتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے ایمہ ترکی میں خوراک و روزینہ کو کہتے ہیں۔

منصبداراور انکی نسلوں کو بطور مدد معاش بطریق معافی علی الدوام والاستمرار عطا ہوتی تھیں۔ ساکنان امروہہ بالخصوص سادات امروہہ کی جاگیریں اسی شق دوئم کی تھیں جو نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ معافی میں دی گئی تھیں، ان کا جزوی حصہ اب بھی امروہہ کے بعض خاندانوں میں باقی چلا آتا ہے۔

امروہہ کی جاگیروں کی ابتدا شروع عہد مغلیہ سے سمجھنی چاہیئے، اس عہد سے پہلے اہل امروہہ بالخصوص سادات اولاد حضرت شاہ ولایتؒ کے متعدد افراد شاہی فوج میں بہ سلسلۂ ملازمت منسلک تھے، بعض عہدۂ قضاۃ امروہہ پر مامور تھے لیکن اس زمانہ میں یہاں کسی کو کوئی بڑا منصب یا جاگیر عطا نہیں ہوئی تھی۔ امروہہ کے پہلے شخص جو اپنی ذاتی قابلیت اور سلطنت کی شاندار خدمات کی بدولت منصب جلیلہ پر پہنچے **مولانا سید محمد میر عدل** تھے۔ **میر عدل** کے بعد ۹۸۳ھ میں صوبہ بھکر (سندھ) کی **گورنری** کے اعلیٰ عہدہ پر مامور ہوئے، اسوقت ان کا منصب[۱] ہزاری ذات کا تھا جو آخر عہد مغلیہ کے دہ ہزاری منصب کے مساوی بلکہ وقعت میں اس سے بھی زیادہ سمجھا جاتا ہوگا کیونکہ اسوقت عطائے منصب کے لئے ذاتی لیاقت وقابلیت شرط تھی، عہد عالمگیری کے بعد سے تو منصب رعایتی یا موروثی ہوگیا تھا۔

عہد اکبری کے منصبدار

عہد اکبری میں امروہہ کے منصبداروں کی تقریباً کل تعداد صرف ایک ہی خاندان یعنی مولانا سید محمد میر عدلؒ ان کے بھائی سید مبارک اور ان کے نامور اخلاف پر مشتمل تھی، بعض اور خاندانوں کے منصبدار بھی تھے مگر خال خال۔ عہد اکبری میں امروہہ کے مندرجہ ذیل اشخاص منصب دار تھے:۔

---

[۱] امروہہ کے مؤرخین نے ان کا منصب ہزصدی لکھا ہے، آئین اکبری میں بھی یہی تعداد درج ہے لیکن تاریخ معصومی میں جو صوبہ سندھ کی تاریخ ہے اور جسکے مؤلف مولانا سید محمد میر عدل کے ہمعصر بلکہ شناسا تھے منصب کی تعداد ہزاری ذات درج ہے اور یہی صحیح ہے۔ ہزاری ذات کے منصبدار کو ۱۰۴ گھوڑے ۳۱ ہاتھی ۳۱۰ اونٹ ۴۰ قطار خچر اور ۲۴۰ عرابہ گاڑی رکھنے پڑتے تھے جسکے مصارف تنخواہ میں آٹھ ہزار دو سو ۸۲۰۰ روپیہ ماہانہ ملتا تھا

نمبر شمار	نام	تعداد منصب	نام بادشاہ	خاندان
۱	میر سید محمد میر عدل	ہزاری ذات	جلال الدین محمد اکبر	حضرت شاہ ولایتؒ
۲	سید ابو القاسم خلف میر عدل	پانصدی "	"	(اولاد سید عبد العزیز)
۳	سید مبارک برادر میر عدل	چہارصد و پنجاہی "	"	"
۴	سید ابو المعالی خلف "	سیصدی "	"	"
۵	سید ابو الحسن خلف "	دوصدی "	"	"
۶	سید عبد الواحد خلف مبارک	دوصدی "	"	"
۷	سید عبد الہادی " "	یکصد و پنجاہی "	"	"
۸	سید ابو الفضل خلف میر عدل	صد و بستی "	"	"
۹	سید عبد الجلیل خلف مبارک	صد و بستی "	"	"
۱۰	سید عبد الغفار " "	یکصدی "	"	"
۱۱	سید عبد الحفیظ " "	" "	"	"
۱۲	سید عبد الرشید " "	" "	"	"
۱۳	سید عبد المجید " "	چہار بستی "	"	"
۱۴	سید خضر (مورث سادات کٹرہؒ)	" "	"	اولاد قاضی امیر علی
۱۵	شیخ معظم صدیقی	دوصدی "	"	شیوخ صدیقی
۱۶	مولانا الہداد عباسی	یکصد و پنجاہی "	"	خاندان عباسی
۱۷	شیخ عبد المنان صدیقی	چہار بستی "	"	شیوخ صدیقی

عہد اکبری کے بعد سے سادات امروہہ بالخصوص اولاد سید عبد العزیز بن حضرت شاہ ولایتؒ کی اس شاخ میں جو خاندان سید نجیب بن سید بڑے سے موسوم ہے منصبداروں کی تعداد بھی زیادہ رہی اور ان میں بعض اشخاص کو اعلیٰ مناصب اور بڑی بڑی جاگیریں ملیں۔ ابتدائے عہد مغلیہ سے انتزاع سلطنت

اسلامی تک باشندگان امروہہ میں منصبداران شاہی کی مجموعی تعداد تقریباً **۲۰۰** تھی۔ اس میں صرف اولاد حضرت شاہ ولایتؒ میں تقریباً **۱۱۶** اور سادات و شرفاء امروہہ کے دوسرے خاندانوں میں **۸۴** منصبدار ہوئے جیسا کہ حسب ذیل گوشوارہ سے واضح ہوگا۔

خاندان	تعداد
خاندان حضرت شاہ ولایتؒ — مجموعی تعداد	۱۱۶
خاندان حضرت شاہ ولایتؒ — اولاد فرزند اکبر	۲۰
خاندان حضرت شاہ ولایتؒ — اولاد فرزند اصغر	۹۶
قاضی زادگان	۱۸
دانشمندان	۱۶
نخشبیان	۱۲
جڑودیہ سادات	۷
نوگیاں سادات	۶
صدیقیان	۷
پیرزادگان	۵
کمبوہ صاحبان	۶
کلال صاحبان	۶
خاندان عباسیہ	۱
مجموعی تعداد	۲۰۰

ذیل میں ہر خاندان کے منصبداروں اور جاگیرداروں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:۔

خاندان سید محمد میر عدل

عہد اکبری کے منصبداروں کی جو فہرست پہلے درج ہو چکی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ مولانا سید محمد میر عدل کے سب فرزند شاہی منصبدار تھے۔

سید **ابوالفضل** اپنے عالی منزلت باپ کے ساتھ صوبہ سندھ گئے، شاہی فوج کے سالار رہے متعدد معرکہائے جنگ سر کئے اور بعد وفات پدر بزرگوار کچھ عرصہ تک صوبہ بھکر کے **گورنر** رہے۔ ان کی اولاد میں دیوان سید ابراہیم ان کے فرزند دیوان سید محمد عاقل اور ان کے فرزند سید غلام علی جن کا کٹرہ مشہور ہے، نیز آخر الذکر کے فرزند سید مظہر علی خان یہ سب اپنے اپنے زمانہ میں نامور منصبدار شاہی ہوئے، بڑی بڑی جاگیریں نسلاً بعد نسلٍ عطا ہوئیں۔

سید ابوالفضل کے دو اور بھائی سید **ابوالقاسم** اور سید **ابوالمعالی** اپنی شجاعت و شہامت اور اپنے جنگی کارناموں کی وجہ سے زندۂ جاوید ہیں۔ یہ دونوں بھائی شہنشاہ اکبر کے نامور فوجی جنرلوں میں سے تھے۔ شجاعت ہاشمی و جلادت حیدری کے جوہر دکھائے، ان کی تلواریں کبھی بنگال میں چمکتی تھیں اور کبھی **قندھار** میں۔ کبھی **راجپوتانہ** کے معرکے سر کئے اور کبھی **بندیلکھنڈ** کے ایک ہندی دولہا ان دونوں کی شجاعت و شہامت اور جانبازیوں کا راجہ جمل فتح سنگھ کے مقابلہ میں ان بہادر فوجی افسروں سے ظاہر ہوئیں مشہور ہے:۔

دل وہا دل گنجر دگہنا فوج کافر نو کاٹے — عادل محمد کہا بلی سندر قاسم شاہے
(سید محمد میر عدل — سید ابوالقاسم)
پڑی دھمکے چوٹ تھر تھر کلپنے کوٹ — جائے چھپو گھر اوٹ
دہنتھ بکھرٹکے جائے چھپو مندوہی دھرلاج — جس کا بندلا یو چھٹا جیسے معالی قاسم باج
نارے ہم جلیں تم چلے چلے خاں سلطان — معالی قاسم جب چلیں جب پچھم اُگے بان

آخری مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ سید ابوالقاسم اور سید ابوالمعالی کا میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا' کیوں نہ ہو' آخر اُسی کرّار غیر فرار کی نسل سے تھے جس کی شان میں کہا گیا ہے لَا فَتیٰ اِلّا عَلِی وَلَا سَیْفَ اِلّا ذُوالْفِقَار۔ سید ابوالمعالی لا ولد رہے' سید ابوالقاسم کے فرزند سید محمد منعم عہد شاہجہانی میں ششصدی ذات کے منصبدار تھے[1]' ۱۰۴۵ھ میں انہوں نے لاولد انتقال کیا' ان کے ترکہ کی مالک ان کی بہن یعنی سید سراج الدین قادری مورث سادات حسنی محلہ حقّہ کی زوجہ بی بی اچھی ہوئیں۔

مولانا سید محمد میر عدل کے خلف اکبر شاہ سید ابوالحسن بذات خود بھی منصبدار تھے اور ان کے فرزند سید عبدالخالق کی اولاد میں دیوان سید عبدالماجد شاہجہانی عہد میں ہزاری ذات چار سو سوار کے منصب پر فائز تھے' بڑی جاگیر انعام پائی' انہوں نے اپنی سکونت کے لئے ایک قلعہ بطور گڑھی تعمیر کرایا تھا' اسکو نا تمام چھوڑ کر ۱۰۴۹ھ میں انتقال کیا۔ ان کے نامور فرزند دیوان سید محمود نے قلعہ کی تکمیل کی' وہ خود بھی بڑے منصبدار اور عہد عالمگیری میں صوبہ سنبھل کے دیوان اور اپنے زمانہ میں امروہہ کے سب سے بڑے جاگیردار تھے۔ دیوان سید محمود کی اولاد میں خاندانی اغراز اور تفاخر کے بہت کچھ مبالغہ آمیز قصے مشہور ہیں لیکن اس خاندان کو جو اقتدار اور تفوّق واقعتاً حاصل تھا اس کا ذکر نہ کہیں نام نہاد "مورخین" امروہہ نے کیا اور نہ اہل خاندان کو اس کا صحیح علم ہے حسن اتفاق سے خاکسار مؤلف کو دیرینہ کاغذات میں عمدۃ الملک نواب اسد خان[2] عالمگیری کی ایک تحریر دستیاب ہوئی جس سے ثابت ہے کہ

---

[1] شاہجہان نامہ ملا عبدالحمید لاہوری و عمل صالح۔ [2] محمد ابراہیم نام' عمدۃ الملک امیر الامرا اسد خان خطاب' قبلہ خان ذوالفقار خان منصبدار سہ ہزاری شاہجہانی کے بیٹے تھے۔ انکے دادا کا وطن ایران تھا۔

دیوان سید محمود اور ان کے خاندان کی جاگیر میں خاص قصبہ امروہہ عرصہ تک شامل رہا۔ نواب اسد خاں اس تحریر میں اُس زمانہ کے حاکم سنبھل کو لکھتے ہیں کہ کل قصبہ امروہہ چونکہ دیوان سید محمود اور ان کے خاندان کی جاگیر میں شامل ہے اسلئے قصبۂ مذکور کے کوتوال کا تقرر تم اپنی جانب سے نہ کرو اور جو تقرر غلطی سے ہوگیا ہے اسے مسترد کردو۔ یہ اصلی تحریر خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے کاغذ افشاں ہے اور خط دیدہ زیب اسپر طلائی نقش و نگار ہیں۔ ذیل میں اسکی نقل اور اسکا عکس جداگانہ شایع کئے جاتے ہیں:۔

"امارت و ایالت پناہ اُبہت و حشمت دستگاہ اخوت و خلّت انتباہ

خان عالی شان بلند مکان   در حفظ و حمایت ایزد منّان باشند

بر ضمیر محبت پذیر مخفی و مستور نماند که در ینولا وکیل سیادت پناہ سید محمود ظاہر نمود که سابقاً از بجہت **قصبہ پرگنہ امروہہ** از توابع سرکار سنبھل بجاگیر هیچ کس تعلّق داشت از طرف فوجدار سرکار مذکور کوتوال در قصبۂ مزبور مقرر بود و فی الحال که **قصبۂ مرقوم در بست بجاگیر موکل که مهین شرکسیت تنخواہ شد** امارت پناہ **نامدار خان** کوتوال خود را از اختیار طرف ساخت والحال آں امارت پناہ کوتوال خود را بر خلاف معمول در آنجا تعین کردہ اند امید وار است

(بسلسلہ گذشتہ) نسباً فاطمی سید تھے۔ شاہ عباس صفوی نے شیعہ مذہب اختیار کرنے کے لئے اس خاندان کو اسقدر تنگ کیا کہ بالآخر ترک وطن کرکے ہندوستان آئے۔ جہانگیری دور کی آخری منزل تھی۔ محمد ابراہیم عہد شاہجہانی میں بخشی دوئم تھے جب عالمگیری کا آفتاب چمکا تو چہار ہزاری منصبدار ہوئے اور ۲۶ رجب ۱۰۸۶ھ کو وزارت عظمیٰ کے منصب جلیلہ پر پہنچے ہفت ہزاری منصب اور عمدۃ الملک خطاب ہوا۔ تلوار اور قلم دونوں کے دھنی تھے۔ عالمگیر کو اُن کی ہر ادا پسند تھی یہ وزیر اور مدار المہام ہی نہ تھے بلکہ خلوت و جلوت کے رفیق اور مہمات ملکی میں مشیر خاص بھی تھے۔ انکی سیادت و بزرگی پر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا اسقدر اعتقاد تھا کہ ایک موقع پر جب مہم سر ہوئی تھی تو بادشاہ نے انہیں لکھا کہ "آں فدوی خود سید کریم النفس است اگر بحضور قلب دعا کنند گنجایش دارد"۔ ان کا پورا خطاب تھا" نواب عمدۃ الملک امیر الامرا آصف الدولہ اسد خان بہادر

عکس تحریر عمدۃ الملک نواب اسد اللہ خان امیر الامرا

دربارۂ جاگیر دیوان سید محمود

متعلق صفحہ ۳۱۰

امارت و ایالت پناه ایالت و حشمت دستگاه نصرت و جلالت انتباه

خان سعادت نشان بلند مکان در حفظ و حمایت الهی بوده باشند

بر ضمیر محبت پذیر مخفی و مستور نماند درین ولا دیگر سیادت پناه سید محمود ظاهر نمود که سابقا

از جهت قصبه پرگنه امروهه از توابع سرکار سنبهل بجاگیر خیدکس تعلق داشت از طرف خود

سرکار مذکور کوتوال در قصبه مزبور مقرر بوده و ثانی الحال در قصبه مزبور در سبب بجاگیر موکل

مهیش ترکیبت تنخواه شد الحال سیادت پناه از خان کوتوال خود را در آنجا بر طرف ساخت

و بحال آن عالی پناه کوتوال خود را بر خلاف معمول در آنجا تعین کرده از این معنی

بر دو باب طرف نمودن کوتوال بان حشمت دستگاه نگارش باید لهذا نگارش می رود

چون قصبه پرگنه مزبور بجاگیر موکل مهیش ترکیبت تعلق دارد دو ماه سیادت پناه از جانب سابقا

کوتوال آنجا را بر طرف ساخته بود حکم آن عالی دستگاه نیز کوتوال مزبور را بر طرف می سازند

زیاده چه نگارش رود ایام بکام باد تحریر فی تاریخ ۷ ربیع الاول سنه ۸

کہ درباب برطرف نمودن کوتوال آں حشمت دستگاہ نگارش یابد لہٰذا نگاشتہ می آید

کہ چوں قصبہ پرگنہ مزبور بجاگیر موکل کہ مہین شہر بکیست تعلق

دارد وامارت پناہ نامدار خان کوتوال آنجا را برطرف ساختہ بود آں امارت دستگاہ

نیز کوتوال مزبور را برطرف نمایند زیادہ چہ نوشتہ شود عواقب امور بخیر و خوبی مقرون باد

۷ اربیع الاول ۱۰۷۳ھ قلمی شد" ۔ سعم

اس سے ثابت ہو کہ اُس زمانہ میں دیوان سید محمود کے خاندان کو خاص قصبۂ امروہہ میں حاکمانہ اقتدار حاصل تھا۔ عہد عالمگیری تک کی متعدد قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے باشندوں کے نزاعی معاملات، عام اس سے کہ وہ سادات و شرفا کے ہوں یا اہل حرفہ کے، اولاد شاہ ولایتؒ کے ہوں یا دوسرے خاندانوں کے، دیوان سید محمود اور ان کے اخلاف کے "چبوترہ" یعنی عدالت میں تصفیہ کی غرض سے پیش ہوتے تھے۔ گویا یہ حضرات موجودہ زمانہ کے آنریری واسپیشل مجسٹریٹ کے فرائض بھی انجام دیتے تھے اور شہر کا انتظام بھی ان کے سپرد تھا۔

ذیل میں ایک دستاویز "صورت حال" کی نقل درج کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ہر قسم کے نزاعی معاملات ابتداءً بغرض تصفیہ ان حضرات کے یہاں پیش ہوتے تھے۔ اس دستاویز میں جس معاملہ کا ذکر ہے وہ ابتداءً سید عبدالمعالی بن دیوان سید محمود کی عدالت میں پیش ہوا تھا:۔

میراں سید عبدالمعالی

(مہر: الحسینی ابن سید محمود ۱۰۷۹ عبدالمعالی)

ذکر بیست دربیان آنکہ چوں سید اشرف ولد مرحومی میر سید عبدالقادر

بحضور سیادت و نقابت پناہ آمدہ

(بسلسلۂ گذشتہ) فدوی خاص "عالمگیری عہد کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ نے انہیں وکیل مطلق کا منصب عطا کیا جو وزارت عظمیٰ کے درجہ سے بڑھا ہوا تھا۔ ۱۱۲۹ھ میں بعمر نوّے۹۰ سال انتقال کیا۔

لہ (صفحہ ۳۱۰) عہد مغلیہ میں ہر پرگنہ میں دو حاکم اعلیٰ ہوتے تھے۔ اندرون شہر کے حاکم کو "کوتوال" اور بیرون شہر کے حاکم کو فوجدار کہتے تھے یعنی موجودہ زمانہ کے سٹی مجسٹریٹ کو کوتوال کہلاتا تھا اور سب ڈویژنل افسر فوجدار۔

ظاهر ساخت که شبنداس نام کاتبه زمین سرائے بنده بدست داؤد کلال ساکن
مرادآباد فروخته است سیادت ونقابت پناه میران مزبور کاتبه
مذکور را بحضور خود طلبیدند آمده رجوع شد و داؤد کلال و کشر
کلالان اسروته و دیگر همراه او آمدند چوں سیادت ونقابت پناه
میران مسطور استفسار این معنی کردند کاتبه مذکور جواب داد که در آں زمین خانه
پدر بنده و دو سه برادران دیگر موروثی بودند و بنده تا این مدت در لشکر بود چوں
زمین از آن ماست فروخته ایم سید شرف گفت که آنها همه رعیت ما بودند
سیادت ونقابت پناه میران مذکور بکاتبه مذکور حکم کردند که آں دو سه برادران
دیگر که هستند آنها نیز بیایند هر چه دعوی داشته باشند بکنند - کاتبه جواب داد
که آنها مُردند در او زاد و شان دو کس مانده اند در لشکر اند بنا بر آں اقرار اعتماد
که این زمین موافق شریعت غرا در بیع نمی آید تمسک که نا تحقیق و خلاف شرع
شده است آنرا پاره باید ساخت چون داؤد کلال حاضر بود از و تمسک طلب
کردند نداد و گفت که همراه آن نیست داده ایم در اینجا نیست هر چند که تاکید کردند
هرگز نداد بنا برآں چند کلمه صورت مجلس نوشته شد که تمسک موافق شریعت غرا
نا مسطور و منسوخ است و سید شرف و شبنداس و آں دو کس دیگر که در لشکر اند
جانبین در محکمهٔ عدالت العالیه رجوع شوند شخصی را که از روی
شرع شریف حق ثابت شود بموجب سند عدالت العالیه آمده
دخل خود نماید تا زمانیکه سند عدالت العالیه کسی نسپارد
جائے مسطور بدستور سابق بماند خرید و فروخت منظور نیست هر کرا از ایں حال آگاهی
اطلاعی باشد در ذیل ایں گواهی خود بنویسید یا نوشتن اجازت فرمایید تا عند الله ماجور
و عند الناس مشکور گردد تحریر فی التاریخ ۷ رجب المرجب سنه ۱۱۸۲ھ

بندهٔ درگاه سید عبد الرحمن بن سید حسن

گواه شد ... ولد ... حافظ - گواه شد ... ولد ... - گواه شد ... - گواه شد سید عبد الفتاح

گواه شد سید ... - گواه شد عبد ... سید ولد مولانا ... عباسی

شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے مولانا سید محمد میر عدل اور سید مبارک ان دونوں بھائیوں کی اولاد کو حق زمینداری خالصہ و آبادی شہر کا حاصل تھا۔ شہر کی آبادی کے متعلق یہ تصریح تھی کہ سادات و شرفا کی املاک کے علاوہ بازاروں، سرائیں اور میلوں وغیرہ کا حق زمینداری ان کا سمجھا جائے۔ یہ حقوق اس خاندان کو روہیلوں کے زمانہ حکومت تک بدستور حاصل رہے۔ نواب دوندے خاں کے حسب ذیل پروانہ سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے:—

نقـــــــــــــــل

پروانہ مہرخان صاحب دوندے خان بہادر   آنکہ

متصدیان مہمات حال و استقبال قصبہ امروہہ سرکار سنبھل مضاف صوبہ دارالخلافہ شاہجہان آباد بدانند چوں ارث زمینداری خالصہ و آبادی شہر بہ نبائران میر سید محمد (میر عدل) و میر سید مبارک مغفور و مبرور است وہمیشہ بہ امور متعلقہ   مدا ظلت لشانہ معزالیہا قائم و مستحکم ماندہ

لہ مؤلف تاریخ واسطیہ نے صفحات نمبر ۲۸ و ۲۹ پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ حق زمینداری تمام سادات اولاد شاہ ولایتؒ کو حاصل تھا اور یہ کہ ’’ اولاد شاہ ولایتؒ نے قوم تگا کو اس شہر (امروہہ) کی حکومت و ریاست و دیگر تعلقات وغیرہ سے بشجاعت و دلاوری خارج کر دیا اور خود ان کے جملہ تعلقات و زمینداری شہر و مکانات مسکونہ پر حسب الحکم بادشاہ وقت قابض و متصرف ہوئے۔ سلطان وقت نے زمینداری شہر و جملہ تعلقات انکا سادات موصوف کو عطا و مرحمت فرمایا اور قوم تگا کو مقام امروہہ سے مطلقاً نکال دینے کا حکم جاری فرمایا‘‘ یہ بیان محض لغو و مہمل ہے۔ حضرت شاہ ولایتؒ کی امروہہ میں تشریف آوری بلکہ آپ کی ولادت سے بھی تقریباً نصف صدی پیشتر سے اس شہر پر مسلمانوں کا پورا تسلط و قبضہ تھا اور مسلمانوں کے مختلف خاندان یہاں آباد تھے۔ البتہ عہد اکبری اور اس کے بعد پرگنہ امروہہ کی اراضیات خالصہ وغیرہ کی طوامیر یعنی کاغذات حساب کے دستخط کرنے کا حق جملہ زمینداران کو جن میں زیادہ تعداد اس خاندان کی تھی حسب ضابطہ حاصل رہا ہے۔ اس سے شہر امروہہ کے حق زمینداری سے کوئی واسطہ و تعلق نہیں۔

گا ہے غیر دخیل نشدہ حالاہم بدستور قدیم تعلقات زمینداری معزالیہا بحال ومسلم داشتہ باید کہ از فیما بین بحصہ نصفا نصف شو باد ترکہ وراثت دخیل بودہ بہرچہ از محصول وابواب زمینداری حاصل شود موافق حصہ مسطور میربانیدہ باشند احدے درامور متعلقہ مشارالیہا تعرض بیجا نرساند وسند مجدد نطلبند و دریں باب تاکید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند۔ تحریر فی التاریخ یازدہم شعبان سنہ ۳ جلوس عالمگیر ثانی

دیوان سید محمود کے سب بھائی اور ان کے سب فرزند جاگیردار و منصب دار تھے ان کی نسل میں متعدد اشخاص نے عہد مغلیہ میں مناصب جلیلہ پائے اور بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں۔ بالخصوص سید یوسف علی خاں بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود مذکور محمد شاہی عہد میں ہزاری ذات چارسو سوار کے منصب دار اور خطاب خانی سے سرفراز تھے ان کے فرزند سید عاشق علی خاں[1] بھی عہد عالمگیر ثانی میں ہفت صدی ذات پچاس سوار کے منصبدار اور "خاں" کے خطاب سے ممتاز تھے۔ سید عاشق علی خاں کے فرزند سید عزت علی خاں بھی پانصدی ذات[2] کے منصبدار ہوئے۔ اسی طرح اس خاندان کے دیگر اشخاص یعنی سید حسن علی خاں بن سید یوسف علی خاں مذکور اور سید رحم علی خاں بن سید عبدالعزیز خاں مذکور اور سید غلام شرف الدین بن سید عبدالباری بن دیوان سید محمود نامور منصبدار تھے، بڑی بڑی جاگیریں اس خاندان کو ملیں۔

سید شاہ ابوالحسن بن سید محمد میر عدل کی اولاد میں بھی متعدد اشخاص جاگیردار و منصبدار ہوئے۔ ان کے فرزند سید عبدالواسع خود بھی ذی اقتدار اور شاہی منصبدار تھے، ان کے اخلاف میں بھی بعض اشخاص مثلاً سید کرم علی خاں جاگیردار و منصبدار تھے۔ سید عبدالواسع کے دوسرے بھائی سید عبدالہادی باوجود امارت فقیر منش تھے ان کی اولاد میں سید عبدالرزاق جن کے نام

---

[1] در سطیعہ میں ان کا منصب دو صدی ذات تحریر ہے غالباً مؤلف ورسطیعہ کو انکے فرامین و کاغذات دیکھنے کو نہیں ملے خاکسار مؤلف کے پاس انکے اصلی فرامین منصب موجود ہیں جن سے منصب کی صحیح تعداد معلوم ہوتی ہے۔

[2] انکا منصب درسطیعہ نے پانصدی ذات لکھا لیکن یہ صحیح نہیں، مؤلف مذکور نے انکے فرزند سید عزت علی خاں کا کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا۔ ان حضرات کے اصلی فرامین منصب خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں۔

بازار رزاق موسوم ہے، جاگیردار ذی اقتدار تھے۔

خاندان سید مبارک

سید مبارک کے آٹھ فرزند تھے اور آٹھوں شاہی منصبدار ہوئے ان بھائیوں میں سید عبدالغفار، سید عبدالجلیل و سید عبدالواحد

اور سید عبدالہادی زیادہ نامور ہوئے۔ سید عبدالواحد اور سید عبدالہادی بعہد اکبری اپنے برادران عم زاد سید ابوالقاسم و سید ابوالمعالی کے ساتھ مہم بنگالہ پر متعین ہوئے تھے۔ سید عبدالہادی نے عنفوان شباب میں کارہائے نمایاں کئے، شجاعت حیدری کے جوہر دکھائے جس کے صلہ میں منصب بڑھا اور دربار شاہی سے کلمات تحسین و آفریں سے سرفراز کئے گئے۔ فرمان محررہ ۶ ربیع الثانی ۹۸۳ھ کا ایک فقرہ یہاں نقل کرنا بے محل نہ ہوگا سلہ

چوں سلالۂ سلسلہ نقویہ، زبدۂ دودۂ جعفریہ، فرد الحاضر والبادی سید عبدالہادی ؒ ولد سید مبارک بجلال اکبر تعالی و تبارک با وجود نو خاستگی کہ ہنوز بطفلی تعبیر میتوان کرد داد جلالت و مردانگی دادہ، جزائے شورہ بختی در کنارش نہادہ ذاتش کہ پنجاہی بود صدو سوار دیگر افزودہ وامید کہ بمنصب اعلیٰ سرفراز گردد

سید عبدالہادی نے عمر کم پائی، ان کے فرزند سید راجے جو جانی بیگم دختر عیوض بیگ کے بطن سے تھے عہد جہانگیر میں پانصدی ذات کے منصبدار اور بڑے جاگیردار تھے۔ ان سے نسل نہیں چلی۔ سید عبدالواحد جو خود بھی نامور منصبدار تھے

سلہ تاریخ اصغری میں بیان کیا گیا ہے کہ قوم تگا کے راجا ساجاندن کو جو امروہہ کا آخری راجہ تھا، سید عبدالہادی نے کسی قصور پر بحکم اکبر بادشاہ گرفتار کرنا چاہا وہ تیز دپیش آیا اور آمادہ جنگ ہوا اور ان کے ہاتھ سے مارا گیا" یہ بیان محض بے اصل و بے بنیاد ہے۔ امروہہ میں عہد اکبری سے چار سو برس پہلے سے مسلمانوں کی حکومت تھی اور برابر قائم رہی۔ یہاں اس عہد میں کسی ہندو راجہ کی موجودگی ہرگز قرین قیاس نہیں۔

سلہ سید عبدالہادی "کالے پہاڑ" کے نام سے مشہور تھے۔ کسی غیر کفو کی خاتون غالباً حبشن کے بطن سے تھے۔ بہت دراز قد و قوی الجثہ ہونے کی وجہ سے "کالا پہاڑ" مشہور ہو گئے تھے۔ بعض خاندانی تحریرات میں جو ان کے زمانہ سے بہت بعد کی ہیں ان کے نام کیساتھ "نواب" کا لقب بھی لکھا گیا ہے لیکن اس خطاب کا کوئی ثبوت مجھے نہیں ملا۔

ان کے فرزند سید **عبدالوارث** بعہد جہانگیر بڑے مرتبہ پر پہنچے۔ ابتداً سنبھل کے فوجدار رہے۔ پھر قنوج اور اودھ کے حاکم ہوئے۔ انھوں نے بھی عالم جوانی میں انتقال کیا۔ ان کے چھوٹے بھائی سید **عبدالباقی** ان کے قائم مقام ہوئے۔ بڑی کثیر جاگیر عطا ہوئی ان کی نسل سے امروہہ میں کوئی فرد نہیں ہے۔

سید عبدالغفار کے فرزند دیوان **سید محمد مختار** ۱۰۸۰ھ میں دو ہزار بذات کے منصبدار اور خطاب بہادر سے سرفراز تھے، کثیر جاگیر انعام میں پائی۔ ان کے چار فرزندوں میں سے **سید لطف علی و سید غضنفر علی** بھی منصبدار و جاگیردار تھے، اول الذکر سے عقب نہیں۔ سید غضنفر علی کے ایک فرزند سید وارث علی اور ان کے خلف الصدق سید عبدالواحد دونوں باپ بیٹے ہزاری ذات کے منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ سید غضنفر علی کے دوسرے فرزند سید ہزبر علی تھے ان کے ایک بیٹے سید **علی مرتضیٰ خاں** بعہد محمد شاہ بادشاہ ہزاری ذات و خطاب خانی سے سرفراز ہوئے۔ بڑی جاگیر انعام میں پائی ان کے نامور فرزند سید **علی اعظم خاں** بعہد شاہ عالم عالی گہر بادشاہ ^۱^ **سہ ہزاری** ذات و ۳۰۰ سوار کے منصبدار اور خطابات "بہادر" اور "خاں" سے سرفراز ہوئے۔ پندرہ مواضعات جاگیر میں پائے۔ اور ان کے دونوں بیٹوں سید امان علی خاں و سید بنیاد علی خاں کو بھی جاگیریں ملیں۔

سید علی مرتضیٰ خاں کے برادر زادہ سید محمد اسد اللہ خاں عرف **میر کلو** بھی اپنے زمانہ میں نامور منصبدار اور امیر کبیر ہوئے۔ شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں ان کا منصب **پنجہزاری** ذات کا تھا۔ کثیر جاگیر انعام میں ملی۔ ان کے آٹھ فرزند تھے جن میں سے تین بھائی یعنی سید **بدرالدین عرف میر لبادن** جن کے نام پر لبادن گنج منسوب ہے۔ سید ظہور اللہ اور سید نعیم اللہ بھی شاہی منصبدار ہوئے۔ ان کے اور بھائی بھی جاگیردار تھے۔ اس خاندان میں اور اشخاص مثلاً سید شجاعت علی بن سید ہزبر علی کی اولاد میں مولوی سید منور علی اور سید فضل علی عرف لکھو بھی منصبدار و جاگیردار تھے۔

---

۱ صاحب نخبۃ التواریخ نے ان کا منصب ۷ ہزاری ذات اور صاحب اصغری نے دو ہزاری ذات لکھا ہے جو صحیح نہیں ان کا منصب حقیقتاً سہ ہزاری ذات تھا۔

سید اعظم علی خان اور سید محمد اسد اللہ خاں عرف میر کلو اپنے زمانہ میں امروہہ کے مشہور اور ممتاز امرا اور بڑے جاگیرداروں میں سے تھے۔ ان کی نسل کے بعض افراد کے پاس اب بھی جزوی جاگیر باقی ہے۔

خاندان قاضی سید امیر علی

حضرت شاہ ولایت کے ولد اکبر قاضی سید میر امیر علی کی نسل میں ابتدا ہی سے زیادہ تر مشائخ اور علماء و فضلاء ہوتے رہے جنھیں طبعاً نہ ملازمت شاہی کی خواہش ہوتی ہے اور نہ مناصب و جاگیروں کے حصول کی آرزو۔ عہد اکبری میں البتہ سید خضر منصبدار ہوئے، صوبہ مالوہ اور سرکار سنبھل میں جاگیر ملی۔ اس خاندان کی دوسری شاخ دیوان سید منجھو اور ان کے اخلاف میں دیوان سید سعید خاں یہ سب حضرات شاہی منصبدار و جاگیردار تھے۔ ان کی نسل میں سید محمد منور اور ان کے فرزند سید محمد شاکر، سید ابدال محمد اور سید عظمت اللہ جاگیردار و منصبدار تھے۔ اول الذکر دونوں حضرات باوجود امارت کے فقر کی جانب مائل تھے۔ سید ابدال محمد کو نواب دوندے خاں اپنا پیر کہتے تھے۔ ان کے فرزند سید فیض احمد و سید عطا احمد وغیرہ اور ان کے برادر زادگان بھی موروثی منصبدار و جاگیردار رہے۔

خاندان قاضی زادگان

شاہان تغلقیہ کے زمانہ سے اس خاندان کے متعدد اشخاص امروہہ کے قاضی کی حیثیت سے جو اس زمانہ میں ایک معزز جوڈیشل عہدہ تھا نسلاً بعد نسلٍ صاحب منصب و جاگیردار ہوتے رہے۔ اس خاندان کی دوسری شاخوں میں قاضیوں کے علاوہ اور بھی چند اشخاص شاہی منصبدار و جاگیردار ہوئے لیکن نہ کوئی بڑا منصبدار ہوا اور نہ کوئی جاگیر ملی سے

سے سید رحیم بخش مؤلف واسطیہ نے جو اسی خاندان قاضی زادگان کی ایک شاخ سے اپنا سلسلہ نسب متصل کرتے ہیں اپنے خاندانی حالات کا تذکرہ بڑے شد و مد اور بہت تفصیل کے ساتھ کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ جابجا شدید غلط بیانیاں کی ہیں۔ یہ غلط بیانیاں اگر غلطیوں ہی کی حد تک محدود ہوتیں تو نظر انداز ہونے کے قابل تھیں لیکن جس شخص نے شہر اور اہل شہر کے تاریخی حالات قلمبند کئے ہوں وہ اگر قصداً اور عمداً غلط بیانیوں کا

خاندان نوگیاں

اس خاندان میں صرف چھ اشخاص منصبدار ہوئے جن میں سید عبدالرسول عرف میراں خاں پنجہزاری ذات کے منصبدار اور بڑے جاگیردار تھے۔ ان کے برادرزادہ سید غلام محی الدین بھی دوہزاری ذات کے منصبدار ہوئے۔ اور اشخاص کو بھی جاگیریں ملیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۲) مرتکب ہو تو مقتضائے انصاف وصداقت یہ ہے کہ اس کی غلط بیانیوں بلکہ دروغ بافیوں کے "بیت عنکبوت" کا تار و پود بکھیر دیا جائے۔

پہلی غلط بیانی۔ مولف واسطیہ نے اپنی تالیف کے تقریباً ۲۶ صفحات خاص اپنے خاندانی حالات میں رنگے ہیں، ان میں انھوں نے اپنے خاندان کے عروج، امارت و ریاست کی جو حکایتیں درج کی ہیں ان سے مجھے مطلق سروکار نہیں، مثلاً وہ صفحہ ۲۵ پر ارقام فرماتے ہیں کہ "اس محلہ (صابون گران) کو میراں سید یعقوب (نے) کہ جو بزمانہ سلطان ابراہیم لودھی و ظہیر الدین بابر بادشاہ میں بڑے عالی منزلت والامرتبت منصبدار ذی اقتدار گزرے ہیں" آباد کیا تھا، محلات، بنگلے بنائے جو دربار کے نام سے مشہور ہوئے یا مثلاً "دیوان خانہ عالی شان" کی "کوٹھریوں کا چھجہ سنگ سرخ کا تھا" و "پیش آں چبوترہ کرسی دار" تھا۔ اور "زیر چبوترہ ایک باغیچہ درختاں بہار پھلوار و اشجار میوہ دار ذائقہ دار" سے "مزین و تعمیر کرایا"۔ مجھے اس سے ہرگز انکار نہیں کہ صاحب تاریخ واسطیہ کے بزرگوں نے جو محلات یا عالی شان دیوانخانے تعمیر کرائے "ان کی کوٹھریوں کا چھجہ سنگ سرخ کا" تھا یا "زیر چبوترہ" کوئی باغیچہ "درختان بہار پھلوار و اشجار میوہ دار ذائقہ دار" سے "مزین و تعمیر" کرایا تھا یا ان کے بزرگوں میں کوئی صاحب سید سعادت اللہ نام "میراں" یا "دیوان" کے لقب سے ملقب نہ تھے۔ اگرچہ اس لقب کا کوئی ادنیٰ ثبوت بھی انھوں نے پیش نہیں کیا۔ تاہم مجھے ان میں سے کسی بات سے انکار نہیں البتہ صفحہ ۲۳ پر جو وہ ایک شخص سید سعادت اللہ کے منصب و جاگیر کا ذکر کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے اجداد میں بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سید سعادت اللہ مذکور عالمگیری عہد میں کسی لڑائی میں مارے گئے۔ تو ان کا "منصب و جاگیر بنام اشخاص دیگر تبدیل و تعمیر ہوگیا۔ مگر تنخواہ سی و یک ۳۱ روپیہ سہ پاؤ یومیہ

خاندان سادات جڑودیہ

ان میں بھی تقریباً چھ منصبدار تھے۔ سید **رفیع الزماں خاں** ولد سید عمر بعہد شاہ عالم عالی گہر بادشاہ یک ہزاری ذات کے منصبدار اور خطاب سے سرفراز ہوکے معقول جاگیر معافی میں ملی۔

(بقیہ نوٹ ص۲۱۸) سید سعادت اللہ موصوف کی وراثتاً بنام سید لطف اللہ وغیرہ پنج سالہ و ششش سالہ پسران عنایت اللہ موصوف (؟)، وبی بی رحمت جہاں وبی بی صاحبنی دختران سعادت اللہ وبی بی پیاری زوجہ" کو بموجب "فرمان والا شان مذکورہ بالا مورخہ ۱۹سنہ جلوس مقدس" ملتی رہی۔ نیز اسی سلسلہ میں صفحات ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸ پر جو" فرمان عطیہ عالمگیر اورنگ زیب بادشاہ" کی جو نقل شائع کی ہے اور اس فرمان میں بھی یومیہ مذکور کی تعداد سی ویک روپیہ وسہ پاؤ تحریر کی ہے اس کے تسلیم کرنے سے انکار اور قطعاً انکار ہے۔ کیونکہ یومیہ مذکور کی تعداد کے اظہار میں انہوں نے قصداً غلط بیانی کا ارتکاب کیا ہے یہ تعداد لہ ۳۱ ۱۳ ہرگز نہ تھی بلکہ صرف ۱۲ یومیہ تھی۔ لفظ سی کا اضافہ صاحب واسطیہ کے قلم صداقت رقم (؟) کا ایک ادنےٰ کرشمہ ہے۔ آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ شاید یہ کتابت کی غلطی ہو کیونکہ اول تو کتابت آخر میں جو نو صفحات کا صحت نامہ شامل کیا گیا ہے اس میں کہیں اس کی تصحیح نہیں کی گئی حالانکہ ص۲۴۷ پر جہاں اس فرمان کی نقل درج ہے وہاں کتابت کی ایک اور غلطی کی توضیح دی گئی ہے۔ لیکن لفظ سی جس کا دو جگہ مع رقم ہندسہ کے اضافہ کیا گیا ہے، اسے بدستور رہنے دیا گیا ہے۔ اس سے صاف طور سے ظاہر ہے کہ یہ کتابت کی غلطی نہیں بلکہ یہ کارروائی عمداً کی گئی ہے۔ واقعہ صرف اتنا تھا کہ امروہہ کے ایک شخص سید سعادت اللہ نام، جنہیں صاحب واسطیہ اپنا جد اعلیٰ بتاتے ہیں، عالمگیری عہد میں فوج شاہی میں ملازم تھے ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معمولی سپاہیوں کے زمرہ میں منسلک تھے۔ کسی لڑائی میں جو شاہی فوج اور افغانوں کے مابین ایک پہاڑی (یعنی کتل) پر جو" کتل خیر الدین" یعنی خیر الدین کی پہاڑی کہلاتی تھی۔ واقع ہوئی تھی، مارے گئے۔ مقتول نے ایک زوجہ، دو بیٹے جن کی عمریں چھ اور پانچ سال کی تھیں اور دو بیٹیاں وارث چھوڑے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں عام قاعدہ تھا مقتول کے ورثہ کا روزینہ مقرر ہوا۔ یعنی آٹھ آٹھ آنے یومیہ ان دو خورد سال بچوں کے نام اور چار چار آنہ فی کس زوجہ اور دونوں بیٹیوں کے نام یعنی کل

خاندان نخشبی

اس خاندان میں تقریباً ۱۲- اشخاص منصبدار ہوئے جن میں خواجہ احمد خاں و خواجہ خیر اللہ خاں زیادہ نامور تھے - انہیں بھی معقول جاگیریں ملیں -

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۹) ۸؍ یومیہ - جس فرمان کے ذریعہ یہ روزینہ مقرر ہوا تھا اور جس کی نقل صاحب واسطیہ نے بڑے طمطراق کے ساتھ صفحات ۳۴۶ و ۳۴۷ پر درج کی ہے وہ اصل فرمان خاکسار مولف کو دستیاب ہو گیا ہے اور یہ یقیناً وہی فرمان ہے جو صاحب واسطیہ کے زیر تصرف رہا ہے کیونکہ اس میں جہاں جہاں ۸؍ کی رقم درج تھی اس کو چاقو سے چھیل دیا گیا ہے لیکن چھیلنے والے نے ہوشیاری سے کام نہیں لیا کیونکہ فرمان مذکور کی عبارت کے تحت میں ۸؍ یومیہ کی جو تفصیل درج ہے اس کو مٹایا نہیں گیا جس سے یومیہ مذکور کی تعداد صاف طور سے معلوم ہو جاتی ہے اور شاید اسی بنا پر صاحب واسطیہ نے بھی اس تفصیل کو اپنی کتاب میں درج کرنا پسند نہیں کیا اور صرف یہ کہہ دینے پر اکتفا کیا کہ "اور نیچے اس کے تقسیم سہام ورثا اور پشت پر نو مہریں تصدیق اہلکاران مع عبارت تصدیق ثبت ہیں" جی ہاں، نو مہریں تو پشت فرمان پر ضرور ثبت ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ آپ نے فرمان مذکور کی نقل تو اپنی کتاب میں درج کرنا ضروری سمجھی، اس کی کل عبارت بھی نقل کر دی اور "ستی و یک روپیہ و سہ پاؤ" کی تعداد بھی لکھ دی اور "تقسیم سہام" سے بھی ناظرین کتاب کو مطلع فرمانا ضروری سمجھا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ پھر تفصیل کیوں نہ درج فرمائی؟ کیا جس طرح لفظ ستی کا اضافہ آپ نے اپنی عالی ہمتی سے کر دیا تھا "تقسیم سہام" نہیں کر سکتے تھے ؟ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب واسطیہ کو "فن تاریخ" کے سوائے فن ریاضی میں ایسی کوئی مہارت حاصل نہیں تھی بہرحال تاریخ واسطیہ کے ناظرین کی اطلاع کی غرض سے مولف واسطیہ کی فروگذاشت کو خاکسار مولف پورا کرتا ہے - تحت فرمان حسب ذیل تفصیلات درج ہیں :-

مشار الیہ ـــــــــــ مسماۃ ـــــــــــ ۸؍ بلا قصور

وغیرہ پسران ـــ عہ؍ ـــ [illegible] ـــ پیاری منکوحہ ـــ ۴؍

نفران ـــ اسامی

خاندان دانشمند	اس خاندان میں تقریباً ۱۶ ۔ اشخاص منصبدار وجاگیردار ہوئے جن میں **سید تاج محمود خاں و سید محمد فیاض** صاحب جلیلہ

پر ممتاز تھے ۔ بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں ۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۰) موسیٰ الیہ   پسر مشارٌ الیہ

۶ سالہ   ۸/   ۵ سالہ   ۸/

مسماۃ   مشارالیہ   مسماۃ

رحمت جہاں وغیرہا دختران دداسامی   ۴/   صاحبنی   ۴/

اور اگر حسن اتفاق سے یہ اصل فرمان خاکسار مولف کو دستیاب نہ ہوتا تب بھی مولف واسطیہ کی یہ کارستانی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی ۔ ۳۱/۱۲ یومیہ کے حساب سے روزینہ کی ماہوار مقدار ۹۵/۲ اور سالانہ رقم ۱۱۴۳/۰ ہوتی ہے ۔ سالانہ رقم کی یہ تعداد ایسی ہے کہ اس عہد میں امروہہ کے کسی بڑے سے بڑے جاگیردار کی سالانہ آمدنی بھی اتنی نہ تھی ۔ عالمگیری عہد سے تقریباً ایک صدی بعد سید علی اعظم خاں کو حسن خدمات میں جو جاگیر عطا ہوئی تھی جس میں پندرہ مواضعات شامل تھے اسکی مجموعی آمدنی صرف ۳۳۷ تھی گویا ان بچوں اور ایک خاتون کے روزینہ کی مجموعی سالانہ رقم کے ثلث سے بھی کم! یا بالفاظ دیگر سید علی اعظم خاں، سید محمد اسد اللہ خاں عرف میر کلو اوران ہی جیسے ایک اور امیر کبیر کی جاگیروں کی مجموعی آمدنی جناب مولف واسطیہ کے اجداد میں سے چھ سالہ و پنج سالہ دو لڑکوں، ان کی دو بہنوں اور ان کی ماں کی مدد معاش میں محض اس لئے مقرر کر دی گئی تھی کہ اس خاندان کا روزی کمانے والا جو معمولی سپاہی تھا، کسی لڑائی میں مارا گیا تھا!!

یہ ہے مولف واسطیہ کی صداقت بیانی اور تاریخ نویسی کی حقیقت!! ؎

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

دوسری غلط بیانی ۔ مولف واسطیہ نے اپنے خاندانی شجرۂ نسب میں سید سعادت اللہ مذکور کے سید عنایت اللہ ایک فرزند قائم کر کے ان کے دو بیٹے سید لطف اللہ اور سید فتح محمد ظاہر کئے

خاندان پیرزادگان

خاندان پیرزادگان اولاد حضرت شاہ ابّن بدر چشتی قدس سرہ میں کم از کم چھ اشخاص منصبدار و جاگیر دار تھے۔

(بقیہ نوٹ صـ۳۲۱) ہیں حالانکہ محولہ بالا فرمان سے بخوبی ثابت ہے کہ سید لطف اللہ مذکور سید سعادت اللہ مذکور کے پوتے نہیں بلکہ بیٹے تھے ملاحظہ ہو حصہ سوم) بہر حال وہ ان سید لطف اللہ کے بھائی سید فتح مراد کو اپنا جد امجد بتاتے ہیں اور ان کے متعلق صـ۳۳۲ پر یہ ارقام فرماتے ہیں کہ "ممدوح عہد بادشاہ عالمگیر اورنگ زیب میں بڑے عالی مقدرت والا منزلت منصبدار تھے" اس کا ثبوت وہ اسی صفحہ پر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں کہ "موصوف اپنے زمانہ مقدرت و منصب میں احکامات اپنے بنام اہلکاران شاہی جاری کرتے تھے" اس کے ثبوت میں وہ فرماتے ہیں کہ "چند پروانے ان کے حکمی مولف (یعنی سید رحیم بخش مولف واسطیہ) کی نظر سے گزرے ہیں" چنانچہ اس سلسلہ میں صـ۳۳۵ پر "نقل پروانہ بحکم سید فتح مراد بن سید عنایت اللہ" کے عنوان سے ایک تحریر کی نقل بھی درج کی ہے جو ۲۵ بیگھ اراضی کی واگذاشت کے متعلق ہے جو ان کی جاگیر کے ایک موضع میں شامل تھی اور جو اس زمانہ کے دستور کے مطابق انہوں نے اپنے کارندوں کے نام لکھی تھی۔ اس زمانہ میں یہ عام دستور تھا کہ جو مواضعات کسی جاگیر دار کی جاگیر میں شامل ہوتے تھے ان میں اگر دوسرے اشخاص کی اراضیات ملک مدد معاش و سیورغالات عطیہ شاہی بھی پہلے سے شامل ہوتی تھیں یا بعد میں دی جاتی تھیں اور ان کے متعلق کوئی نزاع ہوتا یا جاگیردار کے کارندے ان پر قبضہ کر لیتے تو یہ جاگیر داران کے اوائے محاصل یا واگذاشت کے متعلق تحریر دیتا تھا جس کی عبارت حسب دستور مقرر تھی۔ سید فتح مراد کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بڑے جاگیر دار نہ تھے اور نہ بقول مولف واسطیہ "عہد عالمگیر کے بڑے عالی مقدرت والا منزلت منصبدار" تھے بلکہ برخلاف اس کے شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد کے معمولی جاگیر دار تھے۔ ان کی جاگیر کے موضع کالی لیٹ میں "حقائق و معارف آگاہ شاہ قیام الدین محمد درویش" کے خاندان کی کسی خاتون کی ۲۵ بیگھ زمین عطیہ شاہی بھی شامل تھی۔ اس اراضی کے متعلق سید فتح مراد مذکور اس تحریر میں جسے صاحب واسطیہ نے بڑے جلی الفاظ میں "نقل پروانہ بحکم سید فتح مراد" تحریر کیا ہے، اپنے

آپ کے فرزند باکمال شاہ نورالدین کچھ عرصہ سرکار سنبھل کے عہدہ صدارت پر ممتاز رہے۔ ان کے پوتے شیخ محمد عاشق بھی جزو صدرست تھے۔ آپ کے دوسرے فرزند شاہ احمدؒ کی اولاد میں کئی اشخاص

(بقیہ نوٹ صـ۳۲۲) کارندوں کو لکھتے ہیں کہ :-

"شیخت پناہ شیخ علی محمد و شیخ نقیر عالم کو معلوم ہو کہ موازی ۲۵ بیگہ زمین جو حقائق و معارف آگاہ شاہ قیام الدین محمد درویش کے گھرانے کی بعض مسماۃ کے نام بموجب پروانہ صدور حکام سابق موضع کالی لیٹ میں مقرر تھی اب کچھ مدت سے موضع مذکور اینجانب کی جاگیر میں شامل ہے ابتداءً دو تین فصلوں تک یہ زمین بے کاشت پڑی رہی اور پھر چند فصلوں سے اس زمین کی آمدنی بیمہ دارہ مزبورہ کو نہیں پہنچی اس میں خلل واقع ہوا۔ اس لئے لکھا جاتا ہے کہ اینجانب کی اس تحریر کے مطابق اس اراضی کو ان کے حق میں واگذار کر دو"۔ الخ

یہ لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے اس پروانہ کا جسے صاحب واسطیہ نے بڑے طمطراق سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے مگر اس میں انہوں نے اپنی صداقت کا یہ عبرتناک ثبوت پیش کیا ہے کہ "حکام سابق" کے بجائے قصداً اور عمداً حکم سابق کے الفاظ تحریر کر دئے ہیں۔ یہ بھی حسن اتفاق سمجھئے کہ سید فتح مراد مذکور کی یہ اصل تحریر اور یقیناً وہ ہی تحریر جو صاحب واسطیہ کے زیر تصرف رہی ہے، خاکسار مولف کو دستیاب ہو گئی۔ اس تحریر میں جہاں "بموجب پروانہ صدور حکام سابق" کے الفاظ تحریر ہیں وہاں یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ تحریر صاحب واسطیہ کے جد امجد کا پروانہ اور حکم ہے لفظ حکام کے آخری حصہ یعنی ک ا م کی جگہ کاغذ میں سوراخ کر دیا گیا ہے مگر یہ کارروائی بھی ایسے بھونڈے طریقہ سے کی گئی ہے کہ پڑھنے والا "حکم" کے بجائے اصلی لفظ "حکام" ہی کو پڑھے گا اور اگر یہ لفظ بالکل ہی مٹا دیا جاتا تب بھی اس تحریر کی عبارت ایسی نہیں ہے کہ کوئی پڑھا لکھا شخص "حکام" کے بجائے "حکم" پڑھ سکے مولف واسطیہ نے شاید اپنی طرح اپنے ناظرین کتاب اور اہل شہر کو بھی فارسی زبان سے ناآشنا سمجھ لیا تھا کہ "بموجب پروانہ صدور حکام سابق" کے بجائے "حکم سابق" مہمل الفاظ کو کوئی نہ پہچان سکتا یہ دارہ

صاحب منصب و جاگیر ہوئے یعنی **شیخ محمد شاکر** بن شیخ ولی محمد بن شاہ احمد مذکور اور ان کے فرزند **شیخ رحمت اللہ** عرف شیخ بدھا بن شیخ محمد شاکر مذکور۔ ان حضرات کے فرامین و اسناد جن سے

(بقیہ نوٹ ص۳۲۳) "مرزبورہ" کے الفاظ صاف بتا رہے ہے کہ یہ زمین عطیہ شاہی تھی۔ صاحب واسطیہ کا مبلغ علم شاید اتنا نہ تھا کہ ترکی زبان کے لفظ یمہ دارہ کے معنی سمجھ سکتے!

ایک اور جگہ یعنی ص۳۲۴ پر شاہ قیام الدین محمد درویش کے خاندان کا تذکرہ کرتے ہوئے صاحب واسطیہ نے پھر اسی "پروانہ" کا ذکر کیا ہے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ سید فتح مراد، جن کو وہ اپنے اجداد میں بیان کرتے ہیں، اتنے بڑے جاگیردار تھے کہ دوسروں کی مدد معاش میں اراضیات عطا کرتے تھے اور ان کے احکامات "بنام چودھریان و متصدیان و قانون گویان حال و استقبال" جاری ہوتے تھے۔ حالانکہ یہ بیان ان کا محض لغو اور بے اصل و بے بنیاد ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں مولف واسطیہ نے حضرت **شاہ قیام الدین محمد** رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا تذکرہ جس طریقہ پر کیا ہے وہ نسلی تعصبات کا نتیجہ ہے۔ شاہ صاحب ممدوح کا خاندان **قوم کلال** میں شامل تھا، وہ بذات خود اپنے زمانہ کے عمائد میں سے تھے۔ عہد عالمگیری میں مرادآباد کے عہدہ محتسب پر فائز تھے طبیعت کا رجحان فقر کی جانب تھا، یہ معزز عہدہ ترک کرکے درویشی اختیار کر لی تھی۔ آپ کا مفصل تذکرہ حصہ دوئم میں ملاحظہ ہو۔ اس خاندان کے دیرینہ کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمول اور تعزز کے اعتبار سے مولف واسطیہ کے خاندان کے مقابلہ میں یہ خاندان کسی لحاظ سے کم نہ تھا لیکن مولف واسطیہ نے جس پیرایہ میں اس خاندان کا تذکرہ کیا ہے وہ افسوسناک ہے مثلاً ص۳۳۲ پر وہ لکھتے ہیں کہ شاہ قیام الدین محمدؒ کو "کچھ روزینہ برائے مدد خرچ ملتا تھا" روزینہ کی تعداد نہیں لکھتے، پھر فرماتے ہیں "ایک ملک تعدادی ۲۵ بیگھہ اراضی واقع موضع کالی لیٹ .... حسب پروانہ بمہر سیاست فتح مراد" مقرر تھی یہاں تعداد اراضی ظاہر کرتے ہیں لیکن چند سطروں کے بعد "ایک ملک واقع موضع بہوپور" کا ذکر کرتے ہیں تو اراضی کی تعداد کا مطلق حوالہ نہیں دیتے۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ یہ اراضی ۲۵ بیگھہ نہیں بلکہ ۵۰۰ بیگھہ تھی۔ روزینہ کی تعداد اس لئے نہیں بتاتے کہ ان کے اجداد کے روزینہ کی اصلی تعداد ۳/ روپیہ

منصب کی صحیح تعداد معلوم ہوتی، باوجود امکانی کوشش کے خاکسار مولف کو نہیں دکھائے گئے میر ابن علی صاحب نے جو شیخ رحمت اللہ مذکور سے چھٹی پشت میں ہوتے ہیں، خاندان کے اور اشخاص سے تو کاغذات دکھانے کا وعدہ کیا تھا جسے وہ پورا نہ کر سکے لیکن خاکسار مولف جب انکی خدمت میں حاضر ہوا تو کاغذات کے تلف ہو جانے کا عذر فرمایا۔ بہرحال شیخ رحمت اللہ مذکور کی بعض تحریرات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اور ان کے پدر بزرگوار اور ان کے بھائی شاہی منصبدار و جاگیردار تھے۔ یہاں دو تحریروں کی نقول اور ایک کا عکس شائع کیا جاتا ہے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۴) اس خاندان کے یومیہ کی تعداد زیادہ تھی۔ وہاں پانچ اشخاص کو عہ/ر یومیہ ملتا تھا۔ جسے صاحب واسطیہ نے لہ ۱۳/۱۲ ر یومیہ کر دکھایا تھا اور یہاں تنہا ایک شخص کو عہ دو روپیہ یومیہ ملتا تھا۔ اس حرکت سے مولف واسطیہ کا مطلب دوسرے خاندانوں کی تنقیص یا ان کی کم مائیگی کا اظہار ہے۔ اور اپنے خاندان کا فرضی و مصنوعی بلکہ جعلی اعزاز و اکرام۔ مگر مثل مشہور ہے کہ دروغ کو فروغ نہیں۔ مولف واسطیہ نے مکڑی کے جالے کے مانند اپنے پندار میں دروغ بافی کا ایک "بیت عنکبوت" تیار کیا تھا، "اوھن البیت لبیت العنکبوت" مکڑی کی طرح انہوں نے بھی کیسے کیسے زاویئے، دائرے اور بیل بوٹے بنائے تھے جنہیں صداقت کی ایک ہی پھونک نے ھباءً منثورا کر دیا۔ الحق یعلو ولا یعلی۔

مجھے افسوس ہے کہ اس موقعہ پر یہ بحث چھیڑنی اور ناظرین کو یہ بے مزہ داستان سننی پڑی لیکن ان واقعات کا اظہار اس لیئے ضروری تھا کہ جو شخص اپنے خاندانی حالات کے اظہار میں قصداً وعمداً غلط بیانی کا ارتکاب کرتا ہے، لوگوں کو غلط واقعات باور کراتا ہے، کاغذات کے نقل کرنے میں جعلی کارروائیوں تک سے پرہیز نہیں کرتا اسکی تالیف، جو شہر اور اہل شہر کے تاریخی حالات میں ہو کہاں تک قابل اعتبار و اعتماد ہو سکتی ہے۔

نقل اقرارنامہ اقراری شیخ رحمت اللہ وغیرہ نبیرگان حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہ

سید علی مرتضیٰ خان احد ۱۱۲۵

ولی محمد ابن شیخ محمد شاکر احد

اقرار معتبر شرعی کرد مخبر باسم و نسب خود مسمی شیخ رحمت اللہ و شیخ لطف اللہ ابنائے شیخ محمد شاکر بن شیخ ولی محمد ابن شاہ احمد بن حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہ) ساکن قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل فی حال صحیح اقرارہ بدیں وجہ کہ شیخ پیرو شیخ عبدالرحمن دما مقران ہر چہار برادران عینی با خودہا مشترک بود بعقد عنان و بعد فوت مشارٌ الیہا مامقران با خودہا ہماں عقد شرکت عنان مقرر داشتیم کہ ہر یک از ما..... است و خرچ خوراک پوشاک شادی و غمی ہمہ مشترک است و آنچہ از جنس اسلحہ و دواب ظروف و فروش و زمین و سکنائی و باغات وغیرہ از جنس عروض عقارات از مبلغ آمدنی تحصیل مواضع جاگیر اینجانب بموجب تمسکات باسم ہر یکے از مایان و یا باسم و لینعمی جیو (یعنی ان کے والد شیخ شاکر) کہ والی وکیل مطلق اند از طرف مایان زر خرید و گروی باشد ہمہ مشترک علی السویہ باشد مامقران ہمہ زر خرید و گروی را با خودہا قسمت بالمناصفہ کردہ بگیریم و ما دامے کہ واہہائے جاگیر بنام کسے از مایان بحال و مسلم باشد ہمہ شرکت عنان باقی است بنا بران ایں چند کلمہ بطریق اقرارنامہ شرکت عنان نوسیانیدہ تا ثانی الحال عند الحاجت سند گردد تحریر فی التاریخ چہارم شہر ربیع الثانی ۱۱۲۵ھ

اس تحریر سے ثابت ہے کہ شیخ محمد شاکر اور ان کے بیٹے جاگیردار تھے۔ دو سال کے بعد جب شیخ لطف اللہ کا انتقال ہو گیا اور صغر سن فرزند عزیز اللہ عقب چھوڑا تو شیخ رحمت اللہ نے حسب ذیل تحریر بطور مچلکہ لکھی اس تحریر میں انہوں نے صاف طور سے اپنے کو منصبدار

عکس مچلکه نوشته شیخ رحمة الدین بن شیخ محمد شاکر نبیره حضرت شاه ابن(؟)







[illegible] هزار دام

مچلکه شیخ رحمت الله منصبدار سرکار دارالامان [illegible]

از پرگنه [illegible] و غیره سرکار [illegible] که از [illegible] شیخ لطف الله برادر حقیقی

[illegible] در ایام سابق [illegible] عرس غوث [illegible] بحال [illegible]

[illegible] درگاه [illegible] نوشته [illegible] درگاه

[illegible] مذکور [illegible] سرکار [illegible] مذکور

[illegible] رحمت الله [illegible]

مذکور [illegible]

[illegible] لطف الله [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] سنه ۱۱۲۷ هجری

"سرکار والا" لکھا ہے :-

نقل اقرار نامہ اقراری شیخ رحمت اللہ منصبدار شاہی

سید علی
مرتضیٰ خان احد
۱۱۲۵

شیخ ولی محمد
محمد ابن
شاکر احد

منکہ شیخ رحمت اللہ منصبدار سرکار والا ام چون مبلغ نود ہزار دام از پرگنہ امروہہ وغیرہ سرکار سنبھل کہ از انتقال شیخ لطف اللہ برادر حقیقی بندہ کہ در مایباستے درآمدہ بسبب صغر سن عزیز اللہ پسر متوفی بجاگیر بندہ درگاہ تنخواہ شدہ لہذا نوشتہ میدہیم و اقراری نمایم کہ ہرگاہ عزیز اللہ مذکور جوان و قابل نوکری سرکار والا باشد دامہائے مذکورہ برائے تنخواہ مرمی الیہ بلا حجت وحیلہ گذاشت نمایم و ما دامے کہ دامہائے مذکورہ بجاگیر بندہ تنخواہ است انچہ کہ از تحصیل مبلغ جاگیر از عروض وعقارات خرید نمایم نصفی از آں من باشد و نصفی از آں عزیز اللہ مذکور قسمت کردہ باہم چنانکہ شیخ لطف اللہ مذکور شریک عنان من مقر بود ہمچناں عزیز اللہ مذکور قایم مقام پدر خود شریک عنان من مقر باشد و خبر خوراک و پوشاک و شادی و غمی ذمہ بندہ است بنابراں ایں چند کلمہ بطریق مچلکہ نویسانیدہ دادہ شد تا سند باشد تحریر فی التاریخ ہشتم شہر رجب المرجب سنہ ۷ جلوس والا مطابق سنہ ۱۱۲۷ھ

رحمت اللہ

شیخ رحمت اللہ کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شیخ محمد حسین بھی جو میر بہادن کے عم بزرگوار تھے جیسا کہ حسب ذیل اقرار نامہ نوشتہ شیخ عزیز اللہ بن شیخ لطف اللہ سے ثابت ہے جاگیر دار تھے۔ اس اقرار نامہ پر سید مصطفیٰ علی و سید شجاعت علی ساکنان محلہ گذری، و سید عنایت غوث کی مہریں بطور شاہد ثبت ہیں :-

نقل اقرار نامہ شیخ عزیز اللہ بن شیخ لطف اللہ

منکہ شیخ عزیز اللہ ولد شیخ لطف اللہ ساکن قصبہ امروہہ ام چوں بدعوی محال پدر خود کہ بجاگیر شیخ رحمت اللہ و از محال شیخ رحمت اللہ بجاگیر شیخ محمد حسین پسرش تنخواہ شدہ با شیخ محمد حسین مذکور مناقشہ داشتم در یولا بحسب صلاح سادات عظام و مردم مصلحین بتراضی طرفین صلح کردم از دعوی مذکورہ بر فصلانہ مبلغ چہل و ہشت و نیم روپیہ کہ نصف آں بست و چہارم و پاؤ روپیہ از محصول موضع یعقوب پور عملہ پرگنہ امروہہ محال جاگیر مشار الیہ من ابتدائے فصل ربیع پارس ئیل ۱۱۵۳ فصلی پس بعد ازیں تاریخ ہیچ حقے و دعوے بندہ بوجہے من الوجوہ بابت جاگیر بذمہ شیخ محمد حسین مذکور نیست و نماندہ اگر احیاناً در صورت وصول فصلانہ مذکور دعوی نمایم باطل گردد آنچہ از وجہ فصلانہ من ابتدائے فصل مذکور بگیرم و آنچہ بابت درماہہ لغایت حال از مشار الیہ گرفتہ ام واپس دہم و بشرط وصول فصلانہ مذکور را از دعوی مذکور ابرا کردہ ام در صورت عدم وصول فصلانہ ابرا نامعتبر دعوی بندہ باقی باشد و در صورت وصول فصلانہ ابراء بندہ صحیح است و دعوی باقی نیست۔ بنابراں ایں چند کلمہ بطریق سند نویسانیدہ دادم تا ثانی الحال حجت گردد تحریر فی التاریخ غرہ شہر ربیع الثانی سنہ ۲۹ بست و نہم از جلوس میمنت مانوس مطابق سنہ ۱۱۵۹ھ

غرضیکہ حضرت شاہ احمد بن حضرت شاہ ابن بدر چشتی کی اولاد میں یہ سب اشخاص منصبدار و جاگیردار رہتے۔

حضرت شاہ ابن کے تیسرے فرزند شاہ قطب الدین کی اولاد میں شیخ عبد الباری بن شیخ عبد الوالی حسب فرمان مجریہ یکشنبہ شہر ربیع الاول سنہ ۳ جلوس مطابق سنہ ۱۱۲۶ھ یکصدی ذات کے منصب و جاگیر پر سرفراز ہوئے اس فرمان میں جو خاکسار مولف کے پاس موجود ہے انکے نام کے ساتھ یہ الفاظ تحریر ہیں "شیخ عبد الباری ولد شیخ عبد الوالی عموزادہ شیخ رحمت اللہ

ولد شیخ محمد شاکر از بندہائے چوکی خاص بمنصب یکصدی ذات سرفراز باشد" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ رحمت اللہ مذکور عرصہ دراز سے منصبدار اور غالباً کسی اعلیٰ منصب پر سرفراز تھے اس زمانہ میں یہ بھی دستور تھا کہ جس شخص کو جو یا منصب ملتا تھا اس کے عطائے منصب و جاگیر کے فرمان پر کسی دوسرے منصبدار کی ضمانت بھی درج ہوتی تھی۔ سید شیر زماں ولد سید محمد خواہرزادہ سید علی مرتضیٰ خاں (مورث خاندان گھڑیاوالے) کے منصب کی سند پر بضمانی شیخ رحمت اللہ بن محمد شاکر تحریر ہے۔ یہ بھی ایک اور ثبوت اس امر کا ہے کہ شیخ رحمت اللہ کسی اچھے منصب پر ممتاز تھے۔ ان کے برادر حقیقی شیخ پیر بن شیخ محمد شاکر بھی بڑے جاگیردار تھے اپنے خاندان کی ایک خاتون کو انہوں نے ۹ رجمادی الاول ۳۰ جلوس عالمگیری میں اپنی جاگیر میں سے للغہ بیگہ زمین مدد معاش میں دی تھی۔

خاندان صدیقیاں الملقب بہ میرزا

اس خاندان میں چار پانچ اشخاص منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ شیخ محمد فاضل عہد عالمگیر میں یکصد و پنجاہی ذات کے منصبدار تھے۔ ان کی نسل میں شیخ غلام قلندر کو میر ابوالفضل کا خطاب ملا، شیخ جلال الدین ابن شیخ کمال الدین پانصدی ذات پنجاہ سوار کے منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ ان کے علاوہ شیخ معظم بعہد شہنشاہ اکبر صدیقیوں کی دوسری شاخ میں منصبدار و جاگیردار تھے۔

خاندان عباسی

اس خاندان میں سوائے مولانا الہداد عباسی کے جو عہد اکبری کے نامور منصبدار تھے اور کوئی شخص صاحب منصب و جاگیر نہیں ہوا۔ مسٹر نیول مولف ڈسٹرکٹ گزیٹر صفحہ ۱۷۹ پر خان عباسی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ

> عبداللہ کے فرزند ابوالمکارم (شہنشاہ) اورنگ زیب کی فوج میں بھرتی ہوئے۔ یہ مشہور و معروف لشکری جو "جاں نثار خاں" کے خطاب سے زیادہ مشہور ہیں ۱۶۷۵ھ میں شہزادہ معظم کی فوج میں منسلک رہے

دس سال بعد راجپوتانہ کی ایک مہم میں کارنمایاں کئے اور باغی شہزادہ مسمی شہزادہ اکبر کی فوج کو جو تعداد میں بھی زیادہ تھی شکست دی تب وہ (یعنی ابوالمکارم) جلوے شاہی میں داخل ہوئے۔ اور اس کے بعد سنہ ۱۷۰۱ء میں قلعہ گوالیار کے قلعہ دار ہوئے اور پھر سنہ ۱۷۰۹ء میں خاندیس (یعنی برار) کے گورنری کے عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ چونکہ وہ (مذہباً) سنّی تھے اسلئے سادات بارہہ سے ان کا نزاع ہوا جس کی بنا پر انہیں سنہ ۱۷۲۲ء میں اپنے عہدہ سے دستکش ہوکر خانہ نشین ہونا پڑا۔ ان کے فرزند علی اکبر یا کامیاب خاں اور رمضان علی یا داراب خاں حملہ نادر شاہ کے بعد امروہہ میں سکونت رکھتے تھے۔ موخرالذکر البتہ ملک بنگال کی ایک لڑائی میں مارے گئے"۔

خاکسار مؤلف کو تاریخ نویسی میں اگر صداقت بیانی مطلوب نہ ہو اور جو عبرت آموز مثال مولف واسطیہ نے قائم کی ہے صرف اسی کی تقلید کی چاہتے تو اپنے خاندانی حالات کے تذکرہ میں کم از کم سرزمین امروہہ پر ہی بغداد کا افسانہ کہن تو ضرور دوہرا دینا چاہیئے تھا۔ لیکن میں نے بتوفیق ایزدی راست بیانی کو اپنا مسلک قرار دیا ہے۔ مسٹر نیول کی مندرجہ بالا عبارت نقل کر دینے کے بعد خاموش رہنا ہی راست بیانی وصدق مقالی کے مذہب میں گناہ سمجھتا ہوں۔ مندرجہ بالا اقتباس میں ابوالمکارم عباسی کے جو حالات اور کارنامے بیان کئے گئے وہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہیں۔ معلوم ہوتا ہے مسٹر نیول کو کسی نے غلط معلومات بہم پہنچائیں۔ جن خواجہ ابوالمکارم المخاطب بہ جاں نثار خاں[1] کا تذکرہ مستند کتب تاریخ میں ملتا ہے جن کے فرزندوں کے نام داراب خاں وکامیاب خاں ہیں وہ بالکل جدا شخص دہلی کے باشندے تھے اور وہ ابوالمکارم عباسی جن کے فرزند علی اکبر و رمضان علی تھے قطعاً دوسرے شخص امروہہ کے باشندے اور غالباً

---

[1] مآثر الامراء۔

معمولی اہلکار شاہی تھے۔ اس ثبوت میں متعدد دیرینہ کاغذات خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ امروہہ کے خاندان عباسیہ کے مورث اپنے عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ علماء کے طبقہ کو طبعاً نہ حصول مناصب کا شوق ہوتا ہے اور نہ ذوق علمی دوسرے مشاغل اختیار کرنے کا محرک۔ ابوالمکارم عباسی کے اجداد میں مولانا اکبر ان کے فرزند مولانا احمد اور مولانا احمد کے فرزند ملا صدرالدین عباسی یقیناً اپنے زمانہ کے عالم فاضل تھے لیکن ہر عالم و فاضل کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ بادشاہ یا شاہزادگان کا استاد و اتالیق بھی ہو۔ جہاں تک تاریخی حالات کے تجسس اور دیرینہ کاغذات سے معلوم ہوسکا ان سب حضرات کا قیام امروہہ میں رہا۔ ممکن ہے کہ مولانا احمد اور ان کے فرزند ملا صدرالدین عباسی بقول ڈسٹرکٹ گزیٹر "عہد جہانگیر و شاہجہاں میں شاہزادگان بنی تیموریہ کے اتالیق ہوں" لیکن دیرینہ کاغذات سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ البتہ صاحب آئینہ عباسی و صاحب تاریخ اصغری کے بیان کے مطابق مولانا ابن عباسی شاہزادگان تیموریہ کے اتالیق تھے۔[1] ان کے اخلاف میں مولانا احمد، مولانا عبدالصمد و مولانا فتح محمد بھی دربار شاہی سے منسلک رہے۔ لیکن عہد شاہجہانی کے بعد سے اس خاندان کے علماء کا افادہ درس زیادہ تر امروہہ میں جاری رہا اس زمانہ میں یہی حضرات مسلمانان امروہہ کے دینی مقتدا و پیشوا اور مرجع انام تھے۔ سلطنت اسلامی ان کے اخراجات کی کفیل تھی۔ جس کے ثبوت میں متعدد فرامین اور پروانے خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں خاکسار مولف کے اجداد میں مولانا عنایت اللہ اور ان کے فرزند مولانا عبدالرحیم پرگنہ بھوگپور عرف جوالاپور میں بعہد فرخ سیری و محمد شاہی معزز عہدوں پر مامور رہے ان کو، ان کے ورثا اور ان کے خاندان کی بعض خواتین کو املاک اور جاگیر پرگنہ مذکور میں ملی۔ اس خاندان کی دوسری شاخوں میں بعض اشخاص معلمی کا پیشہ بھی کرتے تھے جو دور انحطاط و تنزل میں مکتب کے "میاں جی" کے درجہ تک پہنچ گیا تھا اور آج ان کی اکثر نسلوں میں وہ حالت بھی باقی نہیں۔[2]

---

[1] آئینہ عباسی ص۱۰ [2] تاریخ اصغری ص۱۲۹

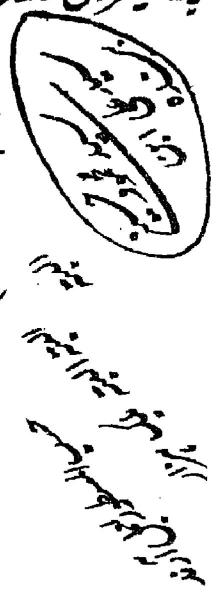
دادا کو دیکھا عالم و فاضل تھے مستند

پوتے سے پوچھتے ہیں تو حرف آشنا نہیں

صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں کہ[1]

"اکثر لوگ اس خاندان کے صاحب علم اور لائق ہوتے رہے اور بیشتر سادات امروہہ نے ان سے پڑھا لکھا ہے"

دیوان سید محمود اور ان کے سب فرزند مولانا عبدالرشید اور ان کے خاندان کے شاگرد تھے۔ دیوان سید محمود کے اخلاف کی متعدد تحریرات خاکسار مولف کی نظر سے گذری ہیں۔ جن میں ان حضرات کو جا بجا "پیر و مرشد" "قبلہ دوجہاں" وغیرہ القاب سے مخاطب کیا گیا ہے۔ ذرا اس زمانہ کے استاد و شاگرد کے تعلقات کا اندازہ حسب ذیل تحریر سے کیجئے جو سید[2] علی بن دیوان سید محمود نے اپنے استاد مولانا عبدالرفیق عباسی کے مشاہرہ کے متعلق اپنے کارندوں محمد شریف و گنج بہاری کے نام تحریر کی ہے۔ آج بیسویں صدی کے مہذب زمانہ میں اسکول و کالج کے ٹیچر و پروفیسر وں کے ساتھ ان کے شاگردوں کے عقیدت و خلوص کی ایسی کتنی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں؟



"مشیخت مآب محمد شریف و خیر اندیش گنج بہاری بعنایت و التفات امیدوار گشتہ بدانند کہ چوں برات مولانای محمد رفیق مخدوم زادہ از برات مخدومی مولوی اخوند جیو علیحدہ نمودہ بلاتوقف و اہمال میرسانیدہ باشند کہ شہور الخیر ایشاں و رضامندی اینجانب دریں معنی است البتہ بلک ہزار البتہ برات ایشاں بلااہمال رسانند کہ تمام رضامندی اینجانب دریں است و تعجب تمام دست داد کہ در وصول برات ایشاں تغافل نمایند می باید کہ از ہمہ پیشتر ایشاں را دادہ تا دیگرے را بدہند و عجب است پیر و مرشد و استاد

[1] تاریخ اصغری صفحہ ۱۷۹ [2] ان کا نام تاریخ واسطیہ نے عدم مبالاۃ کی بنا پر ترک کر دیا سید محمود کے جن فرزند کا نام سید معالی درج کیا ہے ان کا صحیح نام سید عبدالمعالی تھا۔

مایاں رائی فہمند دریں صورت زیادہ از زیادہ قلمی میگردد کہ سعادت دارین خود انگاشتہ خدمت ایشاں را صلاح دولت خود دانستہ بلا توقف رسانند رضا مندی ایشاں عین رضامندی اینجانب دانند و پٹی موضع نوراحسن پور کہ در تنخواہ حضرت قبلہ اخوند جیو مطابق طلب مقرر ساختہ برات مولانای محمد رفیق مخدوم زادہ علیحدہ میرسانیدہ باشند دریں باب تاکید تمام دانستہ و انحراف نورزند۔ تحریر فی التاریخ غرہ شعبان المعظم ۱۰۴۲ھ

خاندان شرفائے کمبوہ

خاندان ساکن محلہ صندو کے بزرگوں میں نامور طبیب اور منصبدار وجاگیردار ہوئے۔ حکیم قوام الدین خاں منصبدار پانصدی ذات عہد محمد شاہ اور ان کے دونوں فرزند حکیم رضی الدین خاں و حکیم امام الدین خاں بھی جاگیردار و منصبدار تھے حکیم امام الدین کا منصب یک ہزار و پانصدی ذات اور حکیم الملک خطاب تھا ان کی اولاد میں بھی بعض اشخاص منصبدار و جاگیردار ہوئے۔

دوسرا خاندان ساکنان محلہ شاہی چبوترہ ہے۔ ان میں بھی کئی خاندان ہیں جن کے بزرگ وقتاً فوقتاً امروہہ میں توطن پذیر ہوئے ایک خاندان دائم خاں برادر عینی دیوان محمد عاقل خاں عالمگیری کا تھا ان میں حکیم منصور علی خاں ولد محمد مسعود تھے ان کے اخلاف کو معقول جاگیریں ملیں۔ دوسرا خاندان فاخر علی خاں بن دیوان محمد عاقل خاں عالمگیری کا ان میں بھی منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ ان کے علاوہ خاندان محمد محتشم خاں وغیرہ میں بھی بعض اشخاص صاحب جاگیر ہوئے۔

شرفائے کلال

ان میں درویش علی خاں منصبدار پنجہزاری عہد فرخ سیری کا خاندان ہے۔ ان کو بہت بڑا جاگیر پرگنہ امروہہ و سنبھل پور وغیرہ میں عطا ہوئی تھی۔ ان کے اخلاف میں بھی دو دو ہزاری و ہزاری ذات کے متعدد منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں اس خاندان کی جاگیریں ضبط ہو گئیں +

معافیات کی نوعیت

سادات و شرفائے امروہہ کو جو اراضیات سیور غال و مواضعات جاگیر شاہان مغلیہ کی جانب سے عطا ہوئے ان کا بیشتر حصہ علی الدوام والاستمرار کے طریقہ پر دیا گیا تھا۔ جن فرامین و اسناد کے ذریعہ یہ عطیات شاہی دے گئے ان کی عبارت خود اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ یہ معافیات جن خاندانوں کو عطا ہوئیں تھیں ان کی اور ان کی نسلوں کی دائمی پرورش و مدد معاش ان سے مطلوب تھی فرامین میں اس کی صراحت کی گئی تھی کہ یہ عطیات صرف اس شخص اور اسکی اخلاف کی مدد معاش کے لئے ہیں اور ہر طرح کے تغیر و تبدل "مصوّن و محروس" اور ہر قسم کے محصولات سے "معاف و مرفوع القلم" ہیں۔ مثالاً یہاں اس قسم کے فرامین کے ایک فقرہ کا نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔

" باید کہ فرزندان نامدار کامگار والا تبار و وزرائے عالی مقدار و حکام کرام و عمّال کفایت فرجام و متصدّیان مہمات دیوانی و متکفلان معاملات سلطانی و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال ابداً و مؤبداً در استقرار و استمرار ازیں حکم مقدس و معلّٰی کوشیدہ داہہائے مواضعات مرقومہ را نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ خالداً و مخلداً بتصرفاً نہاد گذارند واز صوادم تغیر و تبدل مصوّن و محروس داشتہ بعلت پیشکش صوبہ داری و فوجداری و مال و جہات و سائر اخراجات مثل قنلغہ و محصلانہ و داروغانہ و ضابطانہ و شکار و بیگار و دہ نیمی و مقدّمی و صدروئی و قانون گوئی مزاحم و معترض نشوند واز کل تکالیف دیوانی و مطالبات خاقانی معاف و مرفوع القلم شمارند"

اسناد خمسہ

سلطنت مغلیہ کے بعد جو جو حکومتیں اس علاقہ پر قائم ہوئیں ان سب نے ان معافیات کو بدستور برقرار و بحال رکھا یعنی روہیلہ حکومت، سلطنت اودھ و حکومت برطانیہ۔ معافیات کی بحالی کے متعلق مختلف حکومتوں نے جو اسناد

وقتاً فوقتاً دیں وہ یہ ہیں (۱) پروانہ بجانب نواب علی محمد خاں، (۲) پروانہ منجانب نواب دوندے خاں وفرزندان (۳) سند منجانب نواب شجاع الدولہ بہادر (۴) سند منجانب نواب آصف الدولہ بہادر (۵) سند منجانب نواب وزیر الممالک بمہر مسٹر بالفور مرقومہ ۱۱۹۴ھ۔ ان پانچ اسناد کو "اسناد خمسہ" کہا جاتا ہے۔

روہیلوں کی حکومت نے ابتدائے امروہہ کی جاگیروں پر ملازمان ومتصدیان حکومت کی تنخواہوں کا بار ڈالدیا تھا لیکن دوندے خاں کے حسب ذیل پروانہ کے بموجب سادات وشرفائے امروہہ کی جاگیریں واگذار کی گئیں :۔

نقل

پروانہ بمہر خان عالی شان دوندے خاں بہادر   آنکہ

معتمد الخدمت محمد دیندار در پناہ الٰہی باشند۔

دریں ولا کہ دیہات امروہہ واجب پور جاگیر سادات وغیرہ سکنہ امروہہ و یارہہ کہ بعلت اجارہ وتنخواہ ساہوکاراں ومتصدیان وغیرہ بآں معتمد الخدمت تفویض یافتہ بود چوں پاس خاطر سادات بہمہ وجوہ منظور است جمیع دیہات جاگیرات وآئمہ (ہمہ) آنہارا واگذاشت نمودہ شد ودر مقدمہ اجارہ وغیرہ سادات معزالیہا را محتاج نگردانیدہ در آنچہ بہبود خودہا بدانند بعمل آرند از سرکار بوجہے من الوجوہ تعرض ومزاحمت آں مقدمات نیست لہذا قلمی میگردد کہ بمجرد وصول پروانہ آں معتمد الخدمت از دیہات جمیع سادات وغیرہ بابت پرگنات مذبورہ بعلت مرقومات مزاحمت نہ نمودہ در تصرف جاگیرداران واگذارند. واگر احیاناً بہ کسے عنوان عذر درمیان خواہد آورد ودرجوع خود بہتر نداند، رضانامہ سادات نویسانیدہ بحضور ابلاغ دارند دریں باب تاکید دانند زیادہ۔

نواب وزیرالممالک کی جانب سے بھی سنہ ١٢٢٠ھ میں جو آخری پروانہ واگذاشت جاگیرات واملاک معافی کے صادر ہوا اس کی نقل ذیل میں درج کیجاتی ہے :-

رفعت وعوالی پناہ مہدی علی خاں محفوظ باشند۔

جاگیرات دمیہ سادات وشرفائے امروہہ کہ از عہد نواب صاحب غفراں مآب نیاز مقرر ومعاف ومرفوع القلم است بدستور سابق معاف دانستہ نائبان مال وسائر امروہہ تقید نمایند کہ خلاف معمول از جاگیرات و دمیہ مذکور تعرض نہ نمایند۔ موافق معمول گذشتہ وپیوستہ بعمل آوردہ از پروانجات علیحدہ علیحدہ اسم باسم تکرار وحجت نیارند واز دستکاب واخذ بہنیٹ و فرمائشات دیہات راخراب وویراں نسازند واظہار تخالفان وغرض گویان بنوع نباید نمود۔ دریں باب تقید مزید دانستہ حسب المسطور عمل آرند۔ دوم ربیع الاول سنہ ١٢٠٢ھ -

ایسٹ انڈیا کمپنی اور معافیات کی تحقیقات

سنہ ١٨٠١ء میں جب روہیلکھنڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر حکومت آگیا تو دوسرے ہی سال یعنی سنہ ١٨٠٢ء میں مسٹر لیسٹر[١] نے تمام علاقہ میں بذات خود دورہ کرکے مالیات کا جائزہ لیا اس کو بندوبست اول کہنا مناسب ہوگا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد (نواب) امیر خاں کے حملہ کی وجہ سے وہ سب انتظام درہم وبرہم ہوگیا تو سنہ ١٨٠٥ء میں بندوبست دوم شروع ہوا جو سنہ ١٨٠٧ء میں ختم ہوا۔ پھر تیسرا بندوبست مسٹر لائڈ[٢] نے سنہ ١٨٠٨-٩ء میں شروع کیا جو سنہ ١٨١١-١٢ء تک جاری رہا۔ اس زمانہ میں معافیات علی حالہ قایم وبرقرار رہیں۔ سنہ ١٨١٧ء میں مسٹر اینڈروز جن کو اس زمانہ کے محاورہ میں "قاضی صاحبان انگریز" سے تعبیر کیا گیا تھا تبقریب دورہ" مع صاحبزادے

---

[٢] M. Loyd ۔ [١] M. Leycester

مسمی فشر صاحب" امروہہ آئے اور سیدامان علی خاں دگھڑیال والے کے مکان پر مقیم ہوئے۔ اس وقت معافیات کی تحقیقات شروع ہوئی اور "اسناد خمسہ" ملاحظہ کی گئیں۔

اس سلسلہ میں صاحب موصوف کے نائب کا مندرجہ ذیل پروانہ موسومہ سیدامان علیخاں دگھڑیال والے) جن کو اس زمانہ کی تحریرات میں "نواب" کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ دلچسپی سے پڑھا جائیگا:۔

"نواب صاحب مشفق مہربان سلامت"

وقت کوچ دائرہ دولت حضور کہ آں مہربان فرستادن مختارکار مع اسناد مقرری اقرار بالمشافہہ حضور نمودہ بودند۔ ہنوز کدام کس را روانہ حضور نساختند دریں صورت کمال استعجاب است درحالیکہ آں مہربان ایں طور خلاف وعدہ نمایند پس دیگر اشخاص چرا زیادہ تر مرتکب لیت ولعل نگردند۔ لہذا نظر بہ ہرج کار سرکار قلمی میگردد کہ آں مہربان برفور ورود پروانہ کدام شخص مختارکار خود را مع اصل اسناد مقرری برائے ملاحظہ روانہ حضور سازند کہ بوادید روانگی مختارکار آں مہربان اشخاص دیگر ہم اسناد مقرری خود ہا بحضور بگذارند و ہرج کار سرکار رو ندہد۔ برائے اطلاع قلمی آمد مرقوم بست و پنجم مارچ ۱۸۱۷ء

دستخط آر۔ ایس۔ الیگزنڈر"

غرضکہ بموجب قانون دوئیم ۱۸۱۹ء معافیات کی تحقیقات شروع ہوئی، امروہہ کے معافی داروں کا وفد بمقام پانی پت نواب گورنر جنرل کی خدمت میں باریاب ہوا۔ بچھراؤں وغیرہ کے معافیدار شریک حال تھے۔ اکثر اشخاص دہلی تک ساتھ رہے۔ چنانچہ بہت سے دیہات برائے دوام واگذاشت ہوئے لیکن افسوس اس زمانہ میں معافیداروں نے عاقبت اندیشی سے کام نہ لیا اگر اسی زمانہ میں اسکی کوشش کی جاتی کہ یہ معافیات جس غرض و منشا سے شاہان اسلام نے

عطا کی تھیں اس کا ہمیشہ کے لئے تحفظ و انتظام ہو جاتا اور کوئی ایسا قانون نافذ ہو جاتا کہ معافیات بیع و شرا اور انتقال در انتقال کے انقلابات سے مستثنےٰ کر دی جاتیں۔ اور جس طرح تعلقداران اودھ کے متعلق خاص قانون ہے یا پنجاب میں ایکٹ اراضیات نافذ ہے اسی طرح امروہہ کی معافیات کو جو "نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ" کی تصریح کے ساتھ دی گئی تھیں جن کے دائمی حیثیت "خالداً و مخلداً" کے الفاظ میں بیان کی گئی تھی، جن کو "عوادم تغیر و تبدل" سے مستثنےٰ "مصئون محروس" رکھنے کی تاکید تھی، جو ہر قسم کے محصولات سے "معاف و مرفوع القلم" تھیں اور جن کے عطا کرنے کی غرض و غایت یہی تھی کہ جن اشخاص نے اپنی جانبازیوں و جانفروشیوں یا کمالات اور کارناموں سے سلطنت کی خدمات لائقہ انجام دی تھیں وہ اور انکی نسلیں ان سے دائمی طور پر متمتع ہوں۔ ان کا بالآخر یہ حشر نہ ہوتا کہ قرضہ و سود در سود کی بلا میں گرفتار ہو کر ان خاندانوں سے نکلکر جن کی نسلوں کی پرورش ان سے مطلوب تھی غیروں کے قبضہ میں چلی جائیں!

سنہ ۱۱۹۵ھ میں امروہہ کے جاگیرداروں نے ایک تحریر کے ذریعہ جس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ باہم یہ معاہدہ کیا تھا کہ جاگیر کے فروخت کرنے کی اگر نوبت پیش آئیگی تو اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور خاندان کے افراد کے یا بدرجہ اقل اپنے ہم قوموں اور ہم وطنوں کے ہاتھ فروخت کرینگے کسی غیر اور اجنبی شخص کے ہاتھ جائیداد فروخت نہ کی جائیگی۔ اس معاہدہ پر سادات و شرفائے امروہہ میں سے اکثر جاگیرداروں کے دستخط ثبت ہیں مثلاً سید قمر علی خاں (دربار کلاں)، سید اعظم خاں (محلہ گذری)، سید دوست علی (دگشکوئی)، سید فیض احمد (دکٹرہ)، وغیرہ کے نیز لالہ محکم چند قانون گوئی کے اس پر دستخط ہیں۔

عرش آرام گاہ

نقل

بمہر خادم شرع قاضی سید الہ بخش و حکومت پناہ نتھے خاں و دیگر جمیع سادات و شرفا آنکہ

ما یانکہ جمیع سادات و شرفائے منصبداراں و جاگیرداراں سکنہ امروہہ تابع سرکار سنبھل

مضاف صوبہ۔ دار الخلافہ شاہجہاں آباد ایم چوں سررشتہ حضور معلی بعد عہد حضرت مرزا احمد
درست نماندہ در روزے بقضائے الہی وفات ہر یک خواہد شد لہذا بنا بر رفع تکرار ومناقشہ یکدگر
فی مابین قرار یافتہ کہ جاگیر کسانیکہ از عہد مزبور تا حال در تصرف او ماندہ مالک است اسناد و تغیری
کسے سوائے گذاشت از وقت حضرت معتبر نیست، بعد متوفی وارث او بموجب دستخط
حضرت قرار بالاتفاق یکدگر اولاد پسر و نبیرہ و اگر ایشاں نباشند پدر و الا خویش
و برادر و اگر اینہا نباشند نواسہ و اگر ایں ہم نباشد برادر زادہ است و اگر اینہا نیز نباشد ہر کہ
ذی حق و قریب تر باشد قابض و متصرف باشد و اگر بر تقدیرے کسے جاگیردار و زمیندار بحسب
ضرورت جاگیر و زمینداری تعلقہ خود گذاشت و بیع و شرا کردن خواہد بدست احق و قریب
خود نماید و اگر احق و قریب را مقدور نباشد بدست سادات و شرفائے ہم وطن۔ غرضیکہ
بدست غیر و اجنبی گذاشت و بیع نسازد و شخصے کہ در اسناد و تنخواہی عہد سابق شریک
توجیہ بودہ دخل و تصرف نیافتہ اگر ثانی الحال بدعوی شراکت توجیہ پیش آید باطل و نامسموع باشد
بموجبیکہ در عمل افغاناں الی آن تبضہ و تصرف شدہ آمدہ آں را تغیر و تبدل ندہند۔ دریں باب
حجت و تقریر کسے پذیرا نباشد۔ تحریر بتاریخ یازدہم شہر ربیع الاول ۱۱۹۵ھ ہجری"

سلطنت مغلیہ کے بعد جو اور حکومتیں وقتاً فوقتاً قائم ہوئیں انہوں نے بھی ان معافیات
کو بدستور بحال و برقرار رکھا، ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ علاقہ از روئے معاہدہ حاصل کیا تھا اس لئے
وہ اپنی پیش رو حکومت کے ان احکامات کی پابند تھی جو "حکام کرام و عمال کفایت فرجام و کروریان
حال و استقبال" کے نام جاری ہوئے تھے اور جن کی پابندی کے لئے "ابداً و موبداً" کے الفاظ
فرامین میں درج کئے گئے تھے اور اس پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ اس کے "استقرار
و استمرار" کا لحاظ رکھتی۔ لیکن افسوس ایسی کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ ایسا کوئی قانون نافذ
نہ ہوا اور اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ان حالات کے اندر ہر جگہ ہوا ہے یعنی آیندہ نسلوں کی غفلت و
عیش و پرستی اور نااہلی کی وجہ سے بڑی بڑی جاگیریں تباہ و برباد ہوگئیں۔ بڑے بڑے

گھرانے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے۔ پشتینی رئیس فقیر بے نوا ہو گئے۔ بہت سے اب نانِ شبینہ کو محتاج ہیں ؎

جن کی عمارتیں بہ فلک سر کشیدہ تھیں ۔۔۔ منزلوں میں ان کی رہنے کا اب جھونپڑا نہیں
جن کے گھروں میں مخمل رومی کے فرش تھے ۔۔۔ اب ان کے پاس بیٹھنے کو بوریا نہیں
تنور گرم رہتے تھے جن کے شبانہ روز ۔۔۔ نوبت یہ ہے کہ چولھے پہ ان کے توا نہیں

معافیداروں اور جاگیرداروں کی تباہی

انتزاع سلطنت اسلامی کے بعد تک امروہہ کے سادات و شرفا کے قبضہ و ملکیت میں تقریباً سات سو مواضعات جاگیر و معافی میں تھے جو زیادہ تر پرگنہ امروہہ، سنبھل، رجب پور، اعظم پور، پاستہ، بچھراؤں، اسلام پور بہرو، مرادآباد، ٹھاکردوارہ اور بجنور میں تھے تقریباً ایک صدی کے اندر اندر ان سات سو مواضعات میں سے چھ سو سے زیادہ مواضعات تو ان پاس سے قطعاً نکل گئے۔ بقیہ تقریباً سو مواضعات میں سے باستثنائے معدودے چند مسلّم مواضعات کے جزوی حصص باقی ہیں۔ ان میں بھی اکثر پر قرضہ کا بار ہے۔

معافیداران امروہہ کی جائدادوں کی تباہی کا مرقع مولف ڈسٹرکٹ گزیٹر نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ ؎[1]

"امروہہ کے معافیدار زیادہ تر سادات ہیں ان کی جائدادیں اکثر معافیداریاں ہیں لیکن من حیث الجماعت سادات مفلوک الحال ہیں اور یہ نتیجہ ہے اس امر کا کہ نسلاً بعد نسلٍ ان کی جائیدادیں متواتر تقسیم ہوتی چلی آتی ہیں۔ یہ لوگ تقریباً سب کے سب بہت زیادہ مقروض ہیں اور حالانکہ بہت سے سیدوں کے پاس رشتہ حیات قائم رکھنے کو بھی کافی آمدنی نہیں مگر یہ لوگ "رئیس" کہلانے کے بہت زیادہ دلدادہ ہیں"

---

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹر ص ۹۷

روسائے سادات امروہہ کی تباہی کی داستان نہایت درد انگیز اور عبرت آموز ہے۔ مال و دولت کی بہتات نے پچھلی نسلوں میں سے اکثر کو اپنے نفس میں قابلیت پیدا کرنے سے باز رکھا، جائداد کا کاروبار زیادہ تر چالاک، حریص اور خودغرض کارندوں کے ہاتھ میں رہا۔ جن اشخاص نے جاہل آناؤں کی گودوں میں پرورش پائی ہو، جو آغاز جوانی تک ان کے گھونٹے سے لگے رہے ہوں، وہ جب ترکہ پدری کے مالک ہوئے تو جو تباہی نہ آنی تھی وہ آئی اور جو نہ ہونا تھا وہ ہوا۔ کارندوں اور ملازمین نے خوب لوٹا کھسوٹا۔ بعض روسا کے ادنیٰ ادنیٰ ملازم، حمال اور تولئے تک اپنے آقاؤں کی بدانتظامی اور بے وقوفی کی بدولت دولتمند بن گئے۔ ادنیٰ نوکروں اور خدمتگاروں کی اولاد آج رئیس، زمیندار و معافیدار ہے، اور آقاؤں کی اولاد نان شبینہ کو محتاج !

فاعتبروا یا اولی الابصار !!

امروہہ کے مسلمانوں کی جاگیروں اور جائدادوں کا کثیر حصہ ان کی غفلت، بدانتظامی فضول خرچی کی بدولت ساہوکاروں اور بنیوں کے قرضہ اور سود در سود کی بلا میں پھنس کر ضائع ہوا کسی دل جلے نے نصف صدی پیشتر کی حالت کا خاکہ ایک نظم میں کھینچا ہے جس کا پہلا مصرعہ ہے "قابض ہوئے جو ترکہ مورث پہ اک جناب" اس میں ایک نوجوان رئیس کی حالت کا اظہار کیا گیا ہے کہ عیاشی اور عیش پرستی کی فضول خرچیوں میں جب جائداد کی آمدنی کافی نہ ہوئی تو قرضہ کی فکر ہوئی۔ فن شعر کے اعتبار سے نہیں بلکہ عبرت کے لحاظ سے پڑھئے کہ کس طرح آنکھیں بند کرکے ساہوکاروں سے قرضہ لیا جاتا تھا ؎

چاروں طرف سے قرض کی ہونے لگی جو مار　　تب فکر یہ ہوئی کہ کہیں سے لو اب اُدھار
بنیئے بھی ان کی فکر میں رہتے تھے تین چار　　چمٹے وہ اس طرح کے کہ تتو دے کے لیں ہزار

بیٹھے گھات میں تھیلوں پہ وہ اپنے پڑے ہوئے
خوش ہو کے قرض دینے کو پھر اٹھ کھڑے ہوئے

بنیئے بھی وہ کہ جن کا نہ جاتا رہا درخت　　کوڑی نہ چھوڑیں سود کی لینے کے ایسے سخت

صدہا بنے گھروں کو بگاڑا تھا ایک لخت — قرضہ وہ ان سے لیتا تھا لٹتا تھا جن کا بخت
ممکن نہیں تھا ان کا جو پا جائے کوئی پھیر
بچتا نہیں تھا قرضہ میں جسکو وہ لائے گھیر
بنیوں کی سمت جاتا تھا کوئی جوان کا یار — بھلا کے اس کو پوچھتے تھے ان کا تاربہار
اس طرح سے لگاتے تھے سب انکی وہ ہتہار — جب گھر کو وہ چلا تو دیا تیل کا اچار
کہتے تھے سیکھی (شیخ جی) کبھی تم پھر بھی آئیو
کچھ کرج (قرض) لیں میاں جی تو ہم سے دلائیو
کچھ خرچ کی طرف سے ہوئے جبکہ پھر ملول — بنیہ گئے بلانے کو وہ شیخ جی جہول
لالہ بھی بیٹھے آن کے دھوتی کی جھاڑ دھول — یہ بولے قرض دوگے؟ وہ بولے کہ ہے کبول (قبول)
من مانتا جو لوگے تمہیں کرج (قرض) دیں گے ہم
دکّت (دقت) کی بات کچھ نہیں جب دوگے لیں گے ہم
گہہ آئے سیل چند کبھی لالہ خانچند — لے بیٹھتے اپنے مال سے پھر قرض یہ دوچند
القصہ ان کے مال کو پھر ہو گیا گزند — اور قرض خواہوں میں ہوئے مشہور نادہند
بنیوں کی ڈگریاں ہوئیں ہر اینٹ اینٹ پر
سوسی کا پھر تو لگ گیا پیوند پیٹ پر

سادات و شرفاء امروہہ

غرضیکہ امروہہ کے اکثر مسلمان جاگیرداروں کی املاک وجاگیر وجائیداد کا جزو کثیر زیادہ تر بدانتظامی غفلت مدہوشی وعیاشی کی بدولت قرضہ اور سود در سود کی بلا میں گرفتار ہوکر ان کے پاس سے نکلتا اور رفتہ رفتہ دوسری قوم کے قبضہ میں جاتا رہا۔ گذشتہ ستر اسّی برس میں انتقال جائداد کی رفتار نہایت تیز رہی اور اسی نسبت سے ان میں افلاس ونا داری بڑھتی گئی۔ سادات و شرفا کے بعض چوٹی کے گھرانے ہمیشہ کے لئے تباہ وبرباد ہو گئے۔ یہ سچ ہے کہ دولت ہمیشہ کسی قوم میں نہیں رہتی

یہ چلتی پھرتی چھانو ہے، آج کہیں اور کل کہیں، لیکن رونا یہ ہے کہ مال و دولت کے ساتھ ساتھ وہ اوصاف بھی رخصت ہو گئے جو کسی قوم و ملت کی قومی زندگی میں بمنزلہ روح کے ہوتے ہیں ؎

عرقِ غیرت بھی دلیل اپنی شرافت کی نہ مال
چھپتی ہے جس سے دولت وہ شرافت ہم میں تھی

ننگ تھا ہم کو مشقت سے نہ مزدوری سے عار
جو بزرگی تھی مشقت کی بدولت ہم میں تھی

یہ اور اس قسم کے دیگر اوصاف حسنہ ایک ایک کر کے معدوم ہو گئے۔ سیرتیں بدل گئیں، صورتیں مسخ ہو گئیں۔ اب نہ چھوٹوں میں وہ آداب باقی ہیں نہ بزرگوں میں شفقت، عزیزوں میں الفت ہے نہ بھائیوں میں محبت، شریفوں میں غیرت نہ حمیّت، اسلامی اخوۃ اور قومی مودۃ کا صرف نام باقی ہے، دو مسلمان ایسے کم ملیں گے جن میں بے غرضانہ خلوص و محبت ہو اور قومی بھلائی کا ملکر کام کر سکیں، اگر میل ملاپ ہے بھی تو۔ ع "غرض کی تواضع غرض کی مدارا" یا یہ حالت تھی کہ ہم میں ثقہ و نیک کردار تو درکنار اوباطوار و اوباش تک محبت و یگانگت کے تعلقات کو نباہتے تھے۔ مولانا حالی نے اس کا صحیح خاکہ کھینچا ہے ؎

جس سے کرتے تھے محبت بے ریا کرتے تھے ہم
جس سے ہوتی تھی شکایت برملا کرتے تھے ہم

شکوہ ہوتا تھا تو اکثر منہ پہ کہہ دیتے تھے ہم
شکر کرتے تھے تو غیبت میں سوا کرتے تھے ہم

دوست بن جاتے تھے جس کے اس سے کرتے تھے نباہ
عہد کرتے تھے تو عہدوں کو وفا کرتے تھے ہم

جن کے ہو جاتے تھے ساتھی انکا ہم دیتے تھے ساتھ
رنج و راحت میں شریک انکے رہا کرتے تھے ہم

کرتے تھے عسرت میں انکے واسطے فکرِ معاش
ان کی بیماری میں تدبیر اور دوا کرتے تھے ہم

کام میں یاروں کے اپنے کام سب دیتے تھے چھوڑ
اپنے روزے اور نمازیں تک قضا کرتے تھے ہم

یار کوئی مر کے اپنے سے بچھڑ جاتا تھا جب
یار کی اولاد پر جانیں فدا کرتے تھے ہم

سنتے تھے اپنے بڑوں کا جن سے پیار اور اتحاد
ان کی نسلوں سے وہی رسمیں ادا کرتے تھے ہم

دشمنوں کی زد میں دیتے تھے نہ آنے ہمکو دوست
ٹوک دیتے تھے ہمیں جب کچھ خطا کرتے تھے ہم

آج وہ کام آئے اپنے کل ہم ان کے کام آئے
بارہا باہم سلوک ایسا کیا کرتے تھے ہم

برعکس اس کے اب نسلی تعصبات اور مذہبی اختلافات کا یہ عالم ہے کہ ایک دوسرے کا دشمن بنا ہوا ہے۔ بدعتی اور وہابی کے لغو اور مہمل جھگڑے اس شدت سے شاید کہیں بھی نہ ہونگے جس شدت کے ساتھ کچھ عرصہ سے امروہہ میں شروع ہوئے ہیں۔ منبع فساد زیادہ تر وہ لوگ ہیں جنہیں علم و عمل سے خود کوئی واسطہ اور تعلق نہیں، اگر کسی نے خیر سے دو ایک کتابیں اردو فارسی کی الٹی سیدھی پڑھ لی ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ مجھے اجتہاد کا درجہ حاصل ہو گیا، علم غیب و امکان کذب اور اسی طرح کے بیکار و بے نتیجہ مباحث پر کج بحثی کرتے اور سیدھے سادھے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر کے جنت و دوزخ کے ٹھیکیدار بن گئے ہیں۔ کسی کو کافر و مردود کہہ کے دوزخ میں بھیجتے اور کسی کو جنت کا سارٹیفکٹ عطا کرتے ہیں۔ جس طرح پہلوانوں کے اکھاڑے اور دنگل ایک دوسرے کے مد مقابل ہوتے ہیں یا جس طرح لکھنؤ میں انیسؔ اور دبیرؔ کے دو مخالف ٹولیاں شاعروں کی بن گئی تھیں جو ایک دوسرے کی تنقیص و تفضیح میں شاعری کا کمال دکھاتے تھے بعینہ اسی طرح یہاں بھی مذہبی دیوانوں کی ٹولیاں ہیں۔ باہر سے کرائے کے واعظ بلوائے جاتے ہیں انہیں تو اپنے حلوے مانڈے سے کام ہوتا ہے۔ اسلامی اخوۃ کا مردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں، وہ تو تعصبات لایعنی کے خوفناک شعلے بھڑکا کے اور لطیف و مرغن غذائیں کھا کے واپس چلے جاتے ہیں لیکن امروہہ کے مذہبی دیوانے آپس کی تو تو میں میں میں برابر مصروف رہتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ہمارے مولوی صاحب نے کیسی معرکۃ الآرا تقریر کی، دوسرا اکڑ کے جواب دیتا ہے کہ واہ ہمارے حضرت نے کیا نکتہ کی بات بیان کی لیکن ان احمقوں کو کیا معلوم کہ یہ لڑانے والے واعظ خود حقیقت سے ناآشنا ہیں ؟ چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند۔ ایسے ہی علماء کے متعلق ایک صاحب نے سچ کہا ہے ؎

چار عالم جس جگہ بیٹھیں کھڑے ہوں سو فساد ۔۔۔ جب یہ صاحب جاگتے ہوں فتنہ سو سکتا نہیں
دل سے استفسار پہ پایا یہ سنجیدہ جواب ۔۔۔ ریلیں اور عالم نہ ٹکرائیں یہ ہو سکتا نہیں

الغرض وہ سادات عظام کا گروہ ہو یا شرفائے کرام کا، ذرا ذرا فروعی معاملات پہ

دانتا کل کل ہوتی رہتی ہے۔ ان ہی میں ایسے بھی ہیں کہ طبیعت میں شرافت کا جوہر اور نہ نفس میں قابلیت، آبائے کرام کے کارنامے اور پدرم سلطان بود کی داستانیں الاپتے پھرتے ہیں اور خود ہیچ ہیں۔ بعض شریف خاندانوں کے افراد کا مذاق طبیعت دیکھئے، انگریزوں کا بیرا[۱] بننے اور خانساماں گری کو معراج کمال سمجھتے ہیں، ان کا اترن پہن کر اکڑتے پھرتے ہیں۔ میں کسی پیشہ کو بشرطیکہ اکل حلال ہو، ذلیل نہیں سمجھتا۔ اگر کسی شریف زادے نے انگریزوں کی خانگی خدمت کا پیشہ کسی مجبوری سے کر لیا تو خیر کیا مضائقہ لیکن بد مذاقی دیکھئے اپنی اولاد کو بھی اسی دھرّے پہ ڈالتے ہیں، یہ لوگ انگریزوں کے بیرا اور خانساماں، جو کماتے ہیں اس کا جزوی حصہ بھی اپنی اولاد کی تعلیم پر صرف کریں۔ انہیں کوئی صنعت سکھا دیں تو اپنی برادری اور سوسائٹی کا اچھا عنصر نہیں اور "نام نیک رفتگاں" کو بھی ضائع نہ ہونے دیں۔ بعض ایسے ہیں جنہیں اسلاف پرستی کا مرض لاحق ہو گیا ہے اور مثل زن بیوہ آبائے کرام کے نام پہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے بھی ہیں کہ اپنے آباؤ اجداد سے منکر ہو کر کسی دوسرے مشہور خاندان سے سلسلہ نسب ملانے میں انہیں تامل نہیں، ان ہی میں وہ بھی ہیں کہ چند پیسوں پر جھوٹی گواہی دینے میں انہیں باک نہیں۔ یتیموں کا مال یہ کھاتے، وقف کی آمدنی یہ ہضم کر جاتے ہیں۔ غرضیکہ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے، مٹ گئے، تباہ و برباد ہو گئے، مگر مزاجوں میں اب تک نسلی تعصبات، نسبی فخر مباہات کی رعونت باقی ہے۔ سیادت و شیخیت، شرافت اور بزرگی کے دعویدار ہیں اور اپنے سامنے دوسروں کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے، سادات امروہہ میں بالخصوص کبر و نخوت کے عجیب و غریب نمونے ملتے ہیں ؎

ہو گئی ہیں رسیاں جل جل کے سب خاک سیاہ
لیک نکلے ہوں کسی کے بل چلے پر کیا مجال

نازش بیجا بڑوں پر اور خود نا اہل ہیں
راگنی بے وقت کی، بے تک نہ اسمیں سُر نہ تال

اینٹھنے لگتے ہیں احمق ماش کے آٹے کی طرح
گر کہیں سے اتفاقاً مل گئی کھانے کو دال

---

[۱] Bearer

اُٹھ گیا امروہہ سے اب اتفاق و اتحاد　　　اور اسی نا اتفاقی کے ہیں یہ سارے وبال
اب یہ حالت ہے کہ گویا ایک کا دشمن ہے ایک　　　بس چلے اور دسترس پائے تو کر ڈالے حلال
ایسے سفّاکوں سے کس کی آبرو محفوظ ہے　　　شیر مادر ہے جو پا جائیں کسی کا مفت کا مال
جنگ ہوتی دیکھ، مذہب آن کو دا بیچ میں　　　تا نہ رہنے پائے کوئی آشتی کا احتمال
یہ وہ حضرت ہیں لگے رہتے ہیں ہر دم تاک میں　　　مکر و تلبیس و فریب و زور کا پھیلائے جال
کیا ہوا ہم میں اگر آسودہ ہوں بھی بعض بعض　　　کیا ہوا ہم میں اگر خوشحال ہوں بھی خال خال
بالیقیں آدھے سے زائد مبتلائے مخمصہ　　　جن کو جو کچھ وقت پر مل جائے کھا لینا حلال
دن کو کھا لیتے ہیں موٹا جھوٹا آدھے پاؤ پیٹ　　　رات کو فاقے سے سو رہتے ہیں سب اہل و عیال
یا گھروں سے ہو کے مضطر عورتیں پردہ نشیں　　　بھیک کی خاطر نکل پڑتی ہیں برقع سر پہ ڈال
اس قدر دُبلے کہ تن پر نام کو بوٹی نہیں　　　حلقے آنکھوں میں پڑے، پچکے ہوئے اندر کو گال
ہڈیوں کے ڈھانچ باقی رہ گئے ہیں سوکھ کر　　　پیٹ دیکھو کھول کر جیسے کوئی خالی کھال
ہو چکے دور رے وہ عبداللہ و احمد بخش کے　　　اب ہیں ماتا دین، تلسی داس و بابو شام لال

میں اس سے منکر نہیں کہ امروہہ کے سادات و شرفا میں ایسے گھرانے بھی ہیں جن میں علم و فضل بھی ہے اور دولت و تمول بھی، ذی علم، نیک کردار، غیور و باحمیت، سنجیدہ و با اخلاق افراد بھی موجود ہیں لیکن خال خال، مستثنیات سے بحث نہیں، سوال عمومیت کا ہے، اقلیت کا تذکرہ نہیں، اکثریت کا ذکر ہے، اور اس لحاظ سے حالت اندوہناک ہے۔ میں یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ گذشتہ زمانے کے لوگوں میں کوئی عیب نہ تھا اور ہمارا ہی زمانہ بدیوں سے بھرا ہوا ہے۔ کوئی وقت اور کوئی زمانہ عیب سے خالی نہیں ہوتا، فرق صرف اتنا ہے کہ اس زمانہ کے نیک کردار آج کے نیک کرداروں سے، اس زمانہ کے بدکردار آج کے بدکرداروں سے اچھے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس زمانہ کے دشمن آج کے دوستوں سے بہتر تھے، قول کے پابند اور بات کے پکّے تھے ؎

جیسے رہزن اور لٹیرے تھے ہمارے راستباز رہنماؤں میں نہیں پاتے ہم آج ان کی نظیر

سادات و شرفائے امروہہ کے اسلاف کرام کے عام حالات زندگی اور ان کے علمی و عملی کارناموں کے مقابلہ میں ان کے موجودہ اخلاف کی پستی اور بدحالی پر جب نظر کی جاتی ہے تو ایک حساس دل غم و اندوہ سے بھر جاتا ہے۔ ان ہی سادات، ان ہی شیوخ اور ان ہی شرفائے امروہہ کے بزرگوں کے گذشتہ علم و فضل، ان کے گذشتہ فضل و کمال، ان کے گذشتہ جاہ و جلال، ان کی گذشتہ عظمت و ابہت، ان کی گذشتہ شجاعت و شہامت، ان کی گذشتہ شوکت و صولت، ان کی گذشتہ تمکنت و رفعت، غرضیکہ ان کے گذشتہ عادات و اطوار، اخلاق و شمائل، صفات و خصائل، کے دھندلے نشان بھی اب ڈھونڈھے نہیں ملتے۔ لیکن ان کے حالات زندگی آج بھی چشم تصور کے سامنے ان کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کر دیتے ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں نہ حد سے بڑھا ہوا تعصّب تھا، نہ مقدار سے زیادہ تشخّص نہ افراط تھی نہ تفریط، نہ بے سبب نفرت تھی نہ بے وجہ عداوت، نہ نسلی تعصبات تھے نہ اس طرح کے مذہبی اختلافات، نہ خود پسندی تھی نہ خود بینی، کہیں ٹہی ہوئی حاجتمندی تھی نہ کہیں گھٹی ہوئی حوصلہ مندی، نہ جھوٹا فخر تھا نہ بیجا تعلّی، نہ نسب پر ناز تھا نہ کمال پر مباہات، نہ اعتدال سے زائد فروتنی تھی نہ اندازے سے افزوں سرکشی، وہ مسلمانوں کا یا یوں کہئے کہ انسانوں کا اچھا نمونہ تھے۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت اور مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کا خاتمہ کیا ہوا رفتہ رفتہ ان کے تہذیب و تمدن اور اس اسلامی ماحول کا بھی خاتمہ ہو گیا جو "مشرقی تہذیب" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امروہہ کے مسلمانوں بالخصوص سادات و شرفا کے خاندانوں پر، جن کے اسلاف اپنے علمی و عملی کارناموں اور گوناگوں اوصاف کی بدولت شانِ امتیاز رکھتے تھے۔ آج تنزل و ادبار کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے انہیں اگر اپنی اس حالت زار کا صحیح احساس ہو تو اب بھی آئندہ نسلوں کی حالت بہتر بنانے کی صورتیں نکل سکتی ہیں۔ اسی جذبہ سے متاثر ہو کر میں نے یہ داستان غم چھیڑی ہے اور قصداً ان کی برائیوں کا دکھڑا بیان کیا ہے یہ ضرورتہً

کہ "عین الرضا" (خوشنودی کی آنکھ) ہر فردِ بشر کو پسندیدہ ہے اور "عین السخط" کی نقادیوں سے سب گھبراتے ہیں۔

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ　　ولکن عین السخط تبدی المساویا

خوشنودی کی آنکھ عیب کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے　　وہ تو غصہ ہی کی آنکھ ہے جس کو برائی نظر آتی ہے

کاش میرا یہ نالہ غم انگیز عزیزوں کو چونکانے کا باعث ہو، میں نہایت دلسوزی سے عرض کرتا ہوں کہ۔ اے سادات و شرفائے امروہہ! کیا تمہارے بزرگوں کی روحیں تمہاری اس حالت زار پر بے چین و بے قرار نہیں ہونگی؟ جس تہذیب و تمدن پر، جن باکمال بزرگوں پر، جن واجب الاحترام اسلاف پر تمہیں ناز ہے، جن کے تم نام لیوا ہو، خدارا اٹھو اور ان کے نقوش قدام پر، جو انقلاب زمانہ سے مٹتے جاتے ہیں جلکر اپنی گرتی حالت کو سنبھالو!

تا چند رہو گے مست و سرشار؟　　اٹھو! کہ سحر ہوئی نمودار
سوچو تو ذرا! کہ حال کیا ہے؟　　کس خواب میں ہو، خیال کیا ہے؟
غفلت میں جو شب بسر ہوئی ہے　　واب تو اٹھو! سحر ہوئی ہے
کچھ تم کو خبر ہے، یا نہیں ہے؟　　کچھ دل پر اثر ہے، یا نہیں ہے؟
اغیار کے طنز کو بھی سن کر　　لگتے نہیں کیا جگر پہ نشتر
دیکھو تو ذرا یہ حالتِ زار　　کیوں قیدِ بلا میں ہو گرفتار؟
ہو گردِ رہِ صفِ پسیں کیوں؟　　اس بزم میں خوار ہو تمہیں کیوں؟
کیوں تیر ستم کے ہو نشانہ؟　　بگڑا ہے تمہیں سے کیوں زمانہ؟
کس نے تمہیں اوج سے اتارا؟　　اقبال نے کیوں کیا کنارا؟
کیوں بار ہو تم دلِ زمیں پر؟　　کیوں برقِ بلا گری تمہیں پر؟
کس پیچ میں رہ گئے ہو پھنسکر؟　　کیا ہے کہ اجڑ گئے ہو بسکر؟
شکوے ہیں جو بے زری کے تم کو　　لالے ہیں جو نوکری کے تم کو

حرفت کو جو کر چکے ہو غارت — برباد جو ہو چکی تجارت
ہر علم و ہنر سے بے خبر ہو — صنعت میں جو تم شکستہ پر ہو
مدخل جو نہیں کمال میں کچھ — وسعت جو نہیں خیال میں کچھ
رونا ہے تمہیں اب آج جن کا — خود کردہ ہیں کیا علاج ان کا
غفلت میں جو خوب سو چکے ہو — ہونا جو نہ تھا، وہ ہو چکے ہو
دنیا کے نہ کام کے، نہ دیں کے — افسوس! رہے نہ تم کہیں کے
نکبت کی گھٹا ہے سر پہ چھائی — افلاس کی ہر طرف دُہائی
اب عیش نصیب ہے، نہ آرام — گھر گھر میں مچا ہوا ہے کہرام
برباد پڑے ہیں کارخانے — نکبت نے مٹا دئے گھرانے
رونق کا اثر، نہ عیش کی بو — اک خاک سی اڑ رہی ہے ہر سو
امید کے دن کی ہو چکی شام — خورشید اب آگیا لب بام
اب وقت اخیر ہے خبر لو — جو کچھ کرنا ہے اب بھی کر لو
دعوے ہیں تو کچھ ہنر دکھاؤ — ہمت کے قدم ذرا بڑھاؤ
اندازِ عرب اگر ہے خو میں — باقی ہے وہ جوش اگر لہو میں
کر دو جو گذشتہ کی تلافی — ثابت ہو زمانے پر کہ اب بھی
گو دورِ فلک ہوا دگرگوں — پھر بھی تو رگوں میں ہے وہی خوں
اسلاف کے وہ اثر ہیں اب بھی — اس راکھ میں کچھ شرر ہیں اب بھی
اس حال میں بھی روش وہی ہے — دن ڈھل بھی گیا طپش وہی ہے
اس جام میں ہے شراب باقی — اب تک ہے گہر میں آب باقی

گو خوار ہیں، طرز و خو وہی ہے
مرجھا گئے پھول، بو وہی ہے

اسلامی اوقاف

اسلامی شریعت میں وقف جس خیر و برکت کا اصول ہے وہ محتاج تشریح نہیں انتزاع سلطنت اسلامی کے بعد سے اسلامی اوقاف کی نگرانی کا عرصہ دراز تک منجانب حکومت کوئی انتظام نہ ہوسکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے طول و عرض میں ہزاروں اوقاف متولیوں کی بدانتظامی یا بدنیتی کی بدولت نیست و نابود ہوگئے۔ امروہہ کے متعدد اوقاف کا بھی یہی حال ہوا۔ ان کی تباہی کا تذکرہ اوہناک ہے۔ دیرینہ کاغذات سے جن اوقاف کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں سے بعض کا آج وجود بھی باقی نہیں۔ مشائخ کی درگاہوں، خانقاہوں، مساجد و مدارس کے متعدد اوقاف میں سے، جو اسلامی عہد میں قائم ہوئے، آج صرف دو تین وقف باقی ہیں۔ انکی انتظامی حالت بھی درست نہیں لیکن بہت سے متوسط درجہ کے اوقاف متولیوں یا ان کے جانشینوں کے تغلب و تصرف کا شکار ہوگئے۔ جو اوقاف دست برد زمانہ سے باقی بچے ہیں ان کی تنظیم کا کام کسی صحیح اصول کے ماتحت کیا جائے تو واقفین کے منشاء کے مطابق مسلمانوں کے بہت سے قومی کاموں کی فلاح و بہتری کا ذریعہ پیدا ہوسکتا ہے۔ امروہہ میں سنّی و شیعہ اوقاف کی مجموعی تعداد ۶۲ ہے جن کی سالانہ آمدنی جو محض مصارف خیر سے متعلق ہے، تقریباً ساٹھ ہزار روپیہ ہے۔ ذیل میں سنّی و شیعہ اوقاف کی فہرستیں درج کی جاتی ہیں۔ مجھے اس کا دعویٰ نہیں کہ یہ فہرستیں مکمّل ہیں، بہت ممکن ہے کہ بعض اوقاف کا اندراج عدم معلومات کی بنا پر نہ ہوسکا ہو، ناظرین سے التماس ہے کہ وہ اپنی معلومات سے خاکسار مولف کو مستفید فرمائیں۔

سنّیوں کے اوقاف

مندرجہ ذیل فہرست کے مطابق ان کی تعداد ۳۶ ہے۔ اور سالانہ آمدنی، جو محض مصارف خیر سے متعلق ہے تقریباً مبلغ ۴۷۰۰۰ ر ہے۔ ان میں چھ اوقاف ایسے شامل ہیں جن کا ثبوت تو مستند دیرینہ کاغذات

میں ملتا ہے لیکن ان کا وجود اب باقی نہیں۔ ان میں سے بعض پر کچھ اشخاص مالکانہ حیثیت سے قابض ہو گئے۔ ابتدائی بندوبستوں کے کاغذات میں ان کا اندراج وقف کی حیثیت سے کیا گیا تھا لیکن بعد میں جن لوگوں کے نام کسی غلطی کی بنا پر مالکانہ حیثیت سے درج ہو گئے انہوں نے یا ان کے ورثا نے یا تو انہیں خورد برد کر کے ختم کر دیا یا اب تک یہ لوگ مالکانہ حیثیت سے قابض ہیں۔ یہ کام وقف کمیٹی کا ہے کہ وہ ان اوقاف کو ناجائز قبضہ سے نکالے تاکہ واقف کے منشا اور اغراض وقف کے مطابق ان کی آمدنی صرف ہو۔

اس سلسلہ میں وقف کمیٹی کو ماخذ[۱۵۱] کے اراضی متعلقہ روضہ حضرت شاہ آلبنؒ، ماخذ[۲۵] کے اراضی درگاہ حضرت شاہ عبدالمجید علویؒ، ماخذ[۲۶] کے اراضی متعلقہ عرس حضرت شاہ ولایتؒ اسی طرح بعض مساجد کی متعلقہ اراضیات مثلاً ماخذ کے اراضی مسجد عباسیاں کی جانب خاص طور سے متوجہ ہونا چاہیئے۔

اس موقع پر ایک اور وقف کا تذکرہ شاید بے محل نہ ہوگا۔ حضرت شاہ عبدالہادی صدیقی قدس سرہ کے فرزند شیخ ظہور اللہ عرف شیخ کڈھو نے یکم ربیع الاول ۱۱۹۲ھ کو بعض اراضیات جن کی مجموعی تعداد دیرینہ کاغذات سے ماخذ[۱] بیگہ خام معلوم ہوتی ہے اپنے پدر بزرگوار حضرت شاہ عبدالہادیؒ کے "مصارف عرس و آذوقہ آیندہ و روندہ مجمع فقرا" کے لئے، نیز ایک دوسری دستاویز مرقومہ ۱۹؍ محرم الحرام ۱۱۹۱ھ کے ذریعہ ایک قطعہ باغ برائے "مصارف خوردم مقبرہ و مصارف صادر و وارد زائرین" وقف کی تھی۔ وقف نامہ کی نقل ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

نقل وقف نامہ شیخ ظہور اللہ صدیقی

مہر شیخ ظہور اللہ پسر دوم حضرت شاہ عبدالہادی

غرض این نوشتہ آنکہ اقرار می نماید و اعتراف میکند شیخ ظہور اللہ عرف شیخ کڈھو ساکن قصبہ امروہہ من اعمال سرکار سنبھل بدیں وجہ کہ منمقر زمین مزروعہ معلومۃ الحدود مملوکہ خود بیرون احاطہ خندق پیرامون روضہ مقدس والد خودؒ

کہ بجیزٌ رابطہ فرزندی واسطۂ رسوخ عبودیت و غلامی دارد محض بنا بر مصارف اخراجات روشنی وغیرہ لوازم عرس و آذوقہ آیندہ و روندہ جمع فقرا کہ ہر سال بطور عرس فراہم می آیند خیریدہ درحین حیات خود مقرر داشتہ است من بعد منمقر ابنائے منمقر چہ از اناث وچہ از ذکور کہ ہر یکے مسمی شیخ عبدالباری و شیخ دوست محمد و محمد عظیم و نجیب اللہ و حفیظ اللہ و حمد اللہ اند محصول زرعی سوائے اثمار و فواکہ اشجار زمین مذکور را مخصوص برائے ہمیں وجوہ دانستہ دست تصرف خود ہا را بر محاصل آراضی مذکورہ دراز نسازند و بجز ایں وجوہ مذکورہ ماسبق کہ آرزوئے کلی منمقر آن است بوجہے از ما یحتاج خود ہا نگذارند و اگر مصارف بر مداخل فوق باشد از نزد خود ہا ہر یکے درا فزایند و اگر نتوانند بر آں اکتفا نمایند و در بیع و قسمت آراضی مذکورہ باہم قصد نکنند الا بمحافظت و اہتمام و ہر کسے از اشخاص اسمار مذکورہ بالا یا وارثان اینہا نظر بر ثواب متابعت حکم والد خود نماید بموجب کلام الٰہی "وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا" کہ در دنیا موجب دولت است و در عقبیٰ سبب نجات و سعادت متوبٌ و بر خلاف آں بعذاب دنیا کہ فلاکت است و عقاب عقبیٰ کہ نارضامندی خالق است معذّب گردد و نعوذ باللہ منہا و من سوء انفاس الطامع بنا براں ایں چند کلمہ بر سبیل ہدایت ایشاں براہ ارشاد بقلم آید او سبحانہ توفیق متابعت و تخویف معاقبت بخشاد بفضلہ و کرمہ بتاریخ غرہ ربیع الاول سنہ ۱۱۹۲ھ مرقوم گردد۔

العبد شیخ ظہور اللہ مذکور — العبد شیخ عبدالباری مذکور — العبد شیخ محمد عظیم مذکور — العبد شیخ نجیب اللہ مذکور

العبد شیخ دوست محمد مذکور — العبد شیخ حفیظ اللہ مذکور — العبد[1] علامت دستخط شیخ حمد اللہ مذکور

---

[1] ان کے علاوہ اس دستاویز پر اور بھی متعدد اشخاص کے دستخط بطور شاہد ثبت ہیں۔

وقف نامہ کی عبارت سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ واقف نے اپنے اخلاف کو کن الفاظ میں تاکید کی تھی کہ اراضیات موقوفہ پر "دست تصرف دراز" نہ کریں، اسی غرض سے انہوں نے اپنے سب بیٹوں کے دستخط بھی وقف نامہ پر ثبت کرائے تھے۔ وقف نامہ کی عبارت کے آخری فقرے واقف کی دلی کیفیت کا اظہار صاف طور سے کر رہے ہیں کہ "من سوء انفاس الطامع" سے محفوظ رکھنے کا انہیں کس درجہ خیال تھا لیکن افسوس کہ سوائے درگاہ کی زمین کے دیگر اراضیات زرعی کی جو موقوفہ تھیں، یہ حیثیت اب باقی نہیں۔ غالباً ۲۲-۱۹۲۱ء سے ان پر بعض اہلخاندان مالکانہ تصرف رکھتے ہیں ان حضرات کو اس وقف کا اگر علم نہیں اور کسی غلطی کی بنا پر ان کے ناموں کا اندراج مالکانہ حیثیت سے سرکاری کاغذات میں ہوگیا ہے تو کیا وہ اس علم کے بعد اپنے واجب الاحترام مورث کے منشاء وقف کو پورا کرنے کا اہتمام کریں گے؟

اس کے علاوہ ایک اور وقف، جو امروہہ کا سب سے بڑا وقف ہے، سید نبیاد علیخاں دگھڑیال والوں کے خاندان کا ہے، اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ سید علی اعظم خاں گھڑیال والے کے دو فرزند تھے، ایک سید نبیاد علی خاں اور دوسرے سید امان علی خاں، ان دونوں بھائیوں کی املاک اور جاگیریں تقریباً مساوی تھیں۔ سید نبیاد علی خاں کے کوئی اولاد نہ تھی، سید امان علیخاں کے دو فرزند سید علی احسن خاں اور سید علی منظفر خاں ہوئے۔ اول الذکر سے بھی نسل نہیں چلی۔ سید علی منظفر خاں کی نسل میں موجودہ خاندان ہے۔ سید نبیاد علی خاں مذکور، اصل واقف طبعاً صوفی منش، علم دوست اور علوم دینیات سے خود بھی بہرہ وافر رکھتے تھے، بعض مسائل شرعیہ کے متعلق علمائے اہل سنت والجماعت کے فتاوی پر، جو خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں، ان کی مہریں ثبت ہیں۔ ۱۲۶۱ھ میں انہوں نے اپنی کل جائداد صحرائی و سکنائی کو ان اغراض کیلئے وقف کیا جن کی تصریح تولیت نامہ میں کی گئی ہے اور اپنے برادرزادگان سید علی احسن خاں اور سید علی منظفر خاں کو نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ متولی اور منتظم بنایا۔ ذیل میں تولیت نامہ کی نقل، جس سے وقف کی نوعیت اور اغراض کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے درج کرتا ہوں:—

نقل وقف نامہ سیّد محمد بنیاد علیخاں گھڑیال والے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد وحسبی اللہ نعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر انک ولی فی الدنیا والاخرۃ الٰہی انت حی القیوم ابداً و مویداً

اقرار معتبر شرعی صحیح کردہ مخبر باسم ونسب خود سید محمد بنیاد علی خاں بن سید محمد علی اعظم خاں بن سید محمد علی مرتضیٰ خاں از وارثان نواب[1] سید عبدالہادی خان بہادر مرحوم ومغفور ساکن قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل مضافات صوبہ دارالخلافہ شاہجہاں آباد فی حال تصحیح اقرارہ شرعاً بدیں وجہ کہ چوں منمقر ہمگیں وتمامی دیہات معافی و زمینداری و اراضیات واملاک واقع پرگنہ امروہہ وسنبھل پور، سیوہارہ وغیرہ متعلقہ ضلع مرادآباد وبجنور و حویلیات واراضیات سکنائی وحصص سرایات وبازار واقع آبادی قصبہ امروہہ مذکور وقطعات اراضیات مزروعہ وباغات سردرختی واقع سواد قصبہ مذکور و زمینداری قصبہ خاص ودیہات خالصہ معلوم الحدود مفصلہ ذیل وجملہ اثاث البیت از قسم ظروف و فروش واسلحہ وکتب وغیرہ مندرجہ فرد علیحدہ مملوکات ومقبوضات خود را وقف فی سبیل اللہ وثواب آں بنام جملہ دوستان خدائے تعالیٰ نمودہ بطور تولیت ومنتظمی برآں قبض ودخل خود وازواج وحرمہا واولاد خود کہ پیدا شود واشتہ۔ حاصلات آنرا در مصارف دین دنیوی یعنی ریاست بلوازمات واریں می آرم فی الحال من مقر درحالت صحت ذات وثبات عقل وہوش وحواس خود طائعاً وراغباً بلااکراہ واجبار سید محمد علی احسن خاں وسید علی مظفر خاں برادرزادگان خود راکہ بہر کیف استحقاق دارند متولی ومنتظم آں نسلاً بعد نسل وبطناً بعد بطن دائماً

---

[1] خاندان والے ان کے نام کے ساتھ "نواب" لکھتے ہیں لیکن دیرینہ کاغذات سے اس خطاب کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

ابداً غیر منقطع ولا منفصل علی سبیل الاستمرار والاستقلال گردانیدم واگرچہ بالفعل تولیت
وانتظام کل اشیاء موقوفہ بدست خود وازواج خود مقرر داشتہ بودم لیکن حسب صلاح
وتفویض من مقر وازواج من مقر متولیان مذکوران جملہ کار وانتظام ریاست واخراجات
اشیاء موقوفہ وسبیل العیال زر باقیات محال وغیرہ بطریق نیابت وقائم مقامی
بلادعوی حق کہ از طرف من مقر وازواج وحرمہائے من مقر باشد بموجب اقرار نامہ
مرقومہ ومقبولہ خود ہا محررہ بست و دویم شہر ذیقعد سنہ ۱۲۶۲ھ مدام می نمودہ باشند
وباید کہ خرچ ذات من مقر مع ازواج وحرمہا کہ حال موجود اند وآیندہ راخواہند
بود از آمدنی بسوات موضع گمٹائی ویا مختار پور نوادہ می نمودہ باشند
واز ما بقی جائداد خرچ سادات وعلماء وفقراء وحکماء واقرباء واعزا
باعزاز واکرام وصرف مساکین ومحتاجین ومسافرین ومتعلقین ملازمین
ومتوسلین قدیم وجدید وشرفاء مہاجرین وانصار وغیرہ ومصارف ریاست
ودربارداری وتیاری اسباب بلوازمات دارین واخراجات آیند وروند
واخراجات عدالتہا از اضلاع تا بصدر ونسبت اشیاء موقوفہ وخرچ دربار
سلاطین وامراء وخرچ لنگر فی سبیل اللہ ودیگر اخراجات ضروری بقدر آمدنی
محال موقوفہ می نمودہ باشند وحساب وکتاب ہر مقدمہ متعلقہ اشیاء موقوفہ
مذکورہ بمکان من مقر نمایند وزر رہن بعض اشیاء موقوفہ از جائداد مرہونہ ادا
نمودہ جائداد مرہونہ را نیز انفکاک نمایند وزر قرضہ وغیرہ ذمہ ہر کسے کہ گرفتنی اینجانب از
روئے واجبیت وحقیت ثابت ومحقق شود بسہل ترین نمط وصول سازند وبہر کسے را
کہ جائداد نوکری معین است وتاحیات خواہم کرد آنرا بحال داشتہ راضی دارند ورنہ
صاحب جائداد بشرط خیرخواہی وحاضرباشی از آمدنی جائداد مذکورہ تاحیات خود بہ
تصرف خود خواہد آورد وحق نیابت خود ہا بموجب آمدنی اشیاء موقوفہ بعد

خرچ مناسب بلوازمات دارین در ہر فصل وسال بشرط ادائے اقرار ہائے مرقومہ خود ہا باجازت من مقر می گرفتہ باشند و در ہر فصل وسال رسید و راضی نامہ دادہ باشند و جملہ کار اشیاء موقوفہ از ملازمین من مقر کہ از سادات و شرفاء اہل سنت وجماعت و دوستان اہل بیت و دوستان این خاندان اند بہر وجہ و ہمہ جا گرفتہ باشند و مفسدان و بدکاران دخل ندہند و اعمال حسنہ بظاہر و باطن و اسلام و اعتقاد درست و اطاعت و بندگی خدائے تعالیٰ بموجب آیہ کریمہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم بہر وجہ و ہمہ جا علی الدوام می کردہ باشند و من مقر و ازواج من مقر و حرمہا را راضی دارند و آیندہ را بجمیع الوجوہ بر تمامی اشیاء موقوفہ مذکورہ قائم مقامی بجائے من مقر قابض و دخیل بودہ مدام حاصلات آنرا بالاستقلال بمصارف مذکورہ می آوردہ باشند تا فی الحال اگر احدے ہیچگونہ دعوے و استحقاقے حیلۃً خواہ صریحۃً بنسبت کل اشیاء موقوفہ مذکورہ از متولیان مذکوران و من بقوم مقامہا نزاعے و خصومتے و مواخذہ و مطالبہ بمیان آرد علی الدوام عند اللہ و عند الناس و عند شرع شریف و عدالت عالیہ و پنچایت کاذب و دروغی باشد غرضکہ متولیان مذکوران قائم مقام من مقر و ازواج من مقر قابض و منتظم اشیاء موقوفہ مذکورہ مدام ہر امور خواہند ماند و دیگر کدام کس را بوجہ من الوجوہ و بسببے من الاسباب واسطہ و سروکارے نیست و نخواہد بود۔ فقط

بنا براں این چند کلمہ بطریق تولیت نامہ نوشتہ دادہ شد کہ تا فی الحال سند شود و عند الحاجت بکار آید۔

دیہات معافی پرگنہ امروہہ وغیرہ

۱	۲	۳
الہ داد پور کلاں	شاہ محمد پور نواد مع زمینداری۔	علی نگر ٹی محصولہ پرگنہ امروہہ حال متعلق پرگنہ نورپور تحصیل چاندپور
۲ بسوہ ۱۶ بسوانسی	۵ بسوہ	۱۰ بسوہ

۴ حسین پور معہ زمینداری — ۲۰ بسوہ

۵ باری پور معہ ملک معافی زمینداری — ۵ بسوہ ۴ بسوانسی، ۲۰ بسوہ

۶ مختار پور معہ زمینداری — ۱۰ بسوہ

۷ نوادہ معہ زمینداری — ۱۰ بسوہ

۸ مجھولہ معہ پٹی علی نگر — ۹ بسوہ

۹ سرسہ گوجر معہ حق زمینداری — ۱۰ بسوہ ۱۲ بسوانسی

۱۰ سرسہ منہیار معہ زمینداری — ۲۰ بسوہ

۱۱ مجھولہ — ۸ بسوہ

۱۲ پٹی علی نگر مذکورہ بالا — ۱۰ بسوہ

۱۳ گمسانی معافی — ۱۰ بسوہ

۱۴ رائے پور کلاں معافی معہ زمینداری — ۱۲ بسوہ ۴ بسوانسی

۱۵ ٹبھیلہ — ۳ بسوہ

۱۶ نگلی اسد اللہ معافی زمینداری — ۱۰ بسوہ ۵ بسوہ

۱۷ پٹی علیحدہ موضع اتراسی موسومہ امان نگر معافی و زمینداری — ۵ بسوہ

۱۸ آکسی معافی معہ سورت — ۱۶ بسوہ

۱۹ بکھالہ — ۴ بسوہ ۱۴ بسوانسی

۲۰ ٹھاٹھہ مع حق زمینداری — ۱۷ بسوہ

۲۱ بادشاہ پور معافی — ۱۹ بسوہ ۱۳ بسوانسی

۲۲ سعداللہ پور معہ حصہ زمینداری — ۱ بسوہ

۲۳ راجے پور معہ حصہ زمینداری — ۶ بسوہ ۷ بسوانسی

۲۴ صالح پور عرف مولہ پرگنہ سیوہارہ دہ معافی — ۱۰ بسوہ

دیہات و املاک

زمینداری موضع گنندوپال — حصہ

زمینداری موضع کورالہ معہ ملک

زمینداری موضع حاکم پور — حصہ

زمینداری جلال آباد — حصہ

زمینداری موضع زمان پور — حصہ

زمینداری قصبہ امروہہ خاص — ۵ بسوہ

زمینداری موضع زاہد پور — حصہ

زمینداری موضع خان پور — حصہ

زمینداری موضع جوگی پور — حصہ

زمینداری موضع رسول پور — حصہ

ملک قاضی سرائے — حصہ

حویلیات و مکانات واقع آبادی قصبہ امروہہ خاص

دیوانخانہ و محلسرائے مسکونہ من مقر موسومہ — نصف

حویلی قدیم واقعہ محلہ گذری معہ دیوانخانہ — نصف

حصہ حویلی متروکہ سید منیر علی مرحوم خریدہ شدہ منمقر واقع محلہ گندری — اراضی مکان پیش دروازہ دیوانخانہ میر کلو نصف

سرائے و گنج بازار زر خرید از وارثان سید غلام علی نصف — حصہ بازار گندری — اراضی واقع محلہ نوبت خانہ قدیم زر خرید از سید حسین علی

حصہ اراضی دربار سید عبد الباقی زر خرید سید بہادر علی دربار والہ — متصل حویلی سید بہادر علی خرید از وارثان سید عبد الباقی

حصہ کارواں سرائے — اراضی کٹڑہ سید غلام علی والہ زر خرید — اراضی راجو سرائے — اراضی متصل حویلی سید مرد علی متولی

اراضی سرائے باسدیو معہ چاہ پختہ — اراضی کوٹھہ (کوٹھ) — اراضی پشت محلسرائے فیل خانہ سکونت گاذران

حصہ بازار و سرائے و دکاکین از متروکہ سید منیر علی مذکور رسیدہ — اراضی واقع محلہ چکلی از ترکہ سید منیر علی مذکور رسیدہ

باغات قصبہ مذکور حصہ نصف منمقر

ستّی والا — لال باغ — رانی والہ — باغ دونڈہ — مختار والہ — وارث والہ — فیض باغ — بانس والہ

باغ تودہ شاملات

اراضیات واقع سواد قصبہ

اعظم سرائے — قطعات حاتم والہ — خانونی والہ — سرائے شاہ محمدی معہ دیوار پختہ احاطہ — باغ مکند والہ مع اراضی بیرون احاطہ مذکور

حصہ نولکھا — نصف پلکھن والہ

تحریر بتاریخ ۲۲ر شہر ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ

مندرجہ بالا فہرست جائداد موقوفہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر یہ سب جائداد صحیح سالم رہتی، کوئی حصہ اس کا ضائع نہ ہوتا اور خوش انتظامی کے ساتھ متولی اس کا اہتمام کرتے تو موجودہ زمانہ میں اس کی آمدنی پچاس ہزار سالانہ سے کم نہ ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ موقوفہ اشیاء میں سے "اثاث البیت از قسم ظروف و فروش و اسلحہ و کتب وغیرہ" تو تقریباً کل اور جائداد صحرائی و سکنائی میں سے بھی معقول حصہ متولیوں کی غفلت اور بد انتظامی کی بدولت ضائع ہو گیا تاہم اب بھی تقریباً تیس ہزار روپیہ سالانہ آمدنی اس وقف کی ہے۔

۱۹۱۸ء تک اس وقف کے متولی و منتظم اس وقف کو مصارف خیر کے لئے سمجھتے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل فقرہ سے ظاہر ہے جو سید محمد علی مظفر خاں وغیرہ مدعا علیہم کے جواب دعویٰ

بمقدمہ مسماۃ عجائب النسا مدعیہ میں تحریر ہے :—

"یہ کہ محمد بنیاد علی خاں نے بحیات اپنی جملہ جائداد کو وقف فی سبیل اللہ کر کے مدعا علیہم کو بہ نظر جاری رکھنے مصارف خیر کے متولی قرار دیا۔ اور بست و دوئم ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ کو وثیقہ تولیت نامہ بواہیر مردم برادری و روسا، شہر کے لکھ دیا ہے کہ مدعا علیہم بذریعہ تولیت نامہ کے قابض ہیں نہ بوجہ وراثت کے۔[1] اب کچھ مدت سے اس کو وقف علی الاولاد کہا جاتا ہے لیکن مندرجہ بالا تولیت نامہ کی عبارت سے اس خیال کی تائید ہرگز نہیں ہوتی ——————————

سید بنیاد علی خاں اصل واقف کے حالات زندگی، رجحان طبیعت، علمی ذوق، نیز اس زمانہ میں جب یہ وقف کیا گیا تھا، واقف کے برادر زادگان کی مالی حالت کو بھی پیش نظر رکھا جائے، جنہیں متولی اور منتظم بنایا گیا تھا اور جو تقریباً اسی قدر جائداد کے مالک و قابض تھے جو وقف کی گئی تھی تو سوائے اس کے کوئی دوسرا نتیجہ نکالنا قرین انصاف نہیں کہ واقف کا اپنی جملہ جائداد کے وقف کرنے سے یہ مقصد و منشا، ہرگز نہ تھا اور نہ ان حالات میں ہو سکتا تھا کہ آیندہ زمانہ میں متولیوں کے ورثا اپنے کو اس وقف پر مالکانہ حیثیت سے قابض و متصرف سمجھنے لگیں اور وقف کی آمدنی کلیتاً یا اس کا جزو کثیر ان کے ذاتی اخراجات اور معاش میں صرف ہو اور جو مصارف خیر یعنی "خرچ سادات و علماء و فقراء و حکما و اقربا باعزاز و اکرام" یا "صرف مساکین و محتاجین و مسافرین" یا "تیاری اسباب بلوازمات دارین" یا "خرچ لنگر فی سبیل اللہ" وغیرہ تصریحاً تولیت نامہ میں مندرج ہیں ان پر مطلق خرچ نہ ہو اور اگر ہو بھی تو برائے نام !

خاکسار مولف کو موجودہ افراد خاندان میں سے اکثر کی خدمت میں نیازمندی کا تعلق حاصل ہے، ان حضرات نے دوران گفتگو میں بار بار ہائیکورٹ کی تجویز کا حوالہ دیا ہے۔ مجھے

---

[1] فیصلہ صدر دیوانی عدالت آگرہ ۴۹ ۱۸۵۱ء بمقدمہ محمد علی مظفر خاں وغیرہ مدعا علیہم اپیلانٹان بنام مسماۃ عجائب النسا مدعیہ رسپانڈنٹ منفصلہ ۱۲ جولائی ۱۸۵۱ء +

اس معاملہ میں دنیاوی حکومت کے قانون یا کسی عدالت کے فیصلہ کی صحت و عدم صحت پر رائے زنی کرنا ہرگز مقصود نہیں، تاریخی حالات کے تجسس و تلاش میں اس وقف کے حالات بھی معلوم کرنے کا موقع ملا، تولیت نامہ کی نقل بھی بدقت تمام حاصل کی گئی، دیگر تحریرات بھی نظر سے گذریں جن کے مطالعہ، نیز واقف کی خصوصیات اور عام خاندانی حالات کو پیش نظر رکھکر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ یہ وقف بھی عام اوقاف کی طرح وقف فی سبیل اللہ اور مصارف خیر سے متعلق ہے، اس کو وقف علی الاولاد سے تعبیر کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ تولیت نامہ کی رو سے سید علی مظفر خاں کے اخلاف اس کے نسلاً بعد نسلٍ متولی و منتظم ضرور ہیں۔ متولیوں کو ان تمام مدات میں، جن کی تصریح تولیت نامہ مذکورہ میں کی گئی ہے۔ نیز ان شرائط اور پابندیوں کے ساتھ وقف کی آمدنی کو خرچ کرنا لازم ہے جو اقرار نامہ "منقولہ و مقبولہ" سید علی احسن خاں و سید علی مظفر خاں میں درج ہیں جس کا تذکرہ تولیت نامہ میں متعدد جگہ کیا گیا ہے۔ افسوس کہ اس اقرار نامہ کی نقل، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں تلف ہوگیا۔ خاکسار مؤلف کو حاصل نہیں ہوئی، اس اقرار نامہ کی اصل یا نقل اگر دستیاب ہوجائے تو اب بھی وقف کی نوعیت اور اصل حالت پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ واقف نے متولیوں کو کن شرائط کا پابند کیا تھا، ان کے "حق نیابت" کے لئے کیا رقم مقرر تھی، نیز دیگر مدات میں وقف کی آمدنی کا کتنا حصہ متعین کیا گیا تھا بعض اشخاص تولیت نامہ مذکورہ کے آخری فقرے کا یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ متولی و منتظم پر وقف کے باضابطہ حساب رکھنے کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ وہ ہر طرح مجاز و مختار ہیں کہ وقف کی آمدنی جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ لیکن خود تولیت نامہ کی عبارت سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ یہ فقرہ حقیقتاً ان اشخاص کے دعوے سے متعلق ہے جو اشیاء موقوفہ پر بطور حق وراثت کسی وقت میں کوئی مطالبہ پیش کریں یا متولی و منتظم سے حساب فہمی چاہیں یا اس بارے میں کوئی مواخذہ کریں لیکن متولی و منتظم ہرگز اس کے مجاز نہیں اور نہ ہوسکتے ہیں کہ واقف کے منشاء کے خلاف اشیاء موقوفہ کو آپس میں تقسیم کریں اور مالکانہ حیثیت سے اس پر قابض و متصرف ہوں

وقف ہونے کے بعد جائداد موقوفہ پر حسب شریعت اسلامی کسی خاندان کے یا کسی انسان کے تمام حقوق مالکانہ ختم ہوجاتے ہیں اور مالکانہ حق تو صرف خالق اکبر ہی کو حاصل رہتا ہے۔ اس لئے دنیاوی ہائیکورٹوں کے فیصلوں اور تجویزوں کے مقابلہ میں صرف اسی ہائیکورٹ کی نظیر قابل تسلیم و تعمیل ہونی چاہیئے جو حقیقی معنی میں ہائی کورٹ ہے اور وہ یہ کہ واقف نے جن اغراض کے لئے یہ وقف کیا تھا، جن کی تصریح تولیت نامہ میں کی گئی ہے، متولی و منتظم نے اقرارنامہ مذکورہ میں جن شرائط اور پابندیوں کا اپنے کو پابند کیا تھا ان ہی اغراض اور ان ہی شرائط کے مطابق وقف کی آمدنی صرف کی جائے، جائداد موقوفہ کی بہتری و افزائش کی پوری کوشش ہو، حساب باقاعدہ رکھا جائے اور متولی و منتظم اپنی حیثیت متولیانہ و منتظمانہ سمجھیں نہ مالکانہ!

مندرجہ بالا اوقاف کے علاوہ چند اوقاف البتہ وقف علی الاولاد ہیں، ان میں جو مدات مصارف خیر سے متعلق ہیں ان کی تصریح فہرست میں کردی گئی ہے:۔

سنیوں کے اوقاف

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱	سلطنت مغلیہ	عہد اکبری	اراضی ۵ ما ضلکہ پختہ متصل روضہ حضرت شاہ ابن رح	تخمیناً [illegible]	اولاد و امجاد حضرت شاہ ابن رح	برائے مصارف عرس و خانقاہ حضرت شاہ ابن بدر چشتی رح
۲	"	"	اراضی ۲ بیگہ پختہ موضع پیرک سرائے	۱۰۰/ ر	اولاد شیخ عمر حسین بن شیخ پیرک رح	خدمت مسجد و مقبرہ شیخ عمر حسین واقع محلہ گنگوئی
۳	"	عہد شاہجہانی	ما ۲ ضلکہ پختہ یعنی ۱۰۰ بیگہ موضع سیملا و میراں پور ما ضلکہ موضع مدھوا و موضع مدہوئی	۱۰۰۰/ ر	اولاد شیخ فیض اللہ برادر و جانشین حضرت شاہ عبدالمجید علوی رح	برائے اخراجات خانقاہ و عرس شاہ عبدالمجید علوی رح و آیندہ روندہ و فقرا

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۴	"	عہد عالمگیری	اراضی خشکہ پختہ سواد قصبہ امروہہ	۴۰/ما	اولاد مولانا عبدالرشید عباسی	خدمت مسجد معروفہ مولانا محمد عباسی (واقع محلہ مولانا)
۵	سید ابدال محمد سید محمد شاکر پسران سید محمد منور و سید سیف علی وغیرہ پسران سید رحمت اللہ	۱۱۵۰ھ	سترہ ہزار دام موضع پاپڑی پرگنہ رجب پور	۴۲۵ للعاملہ ۵/	سید مظہر علی پیرزادہ از فرزندان سید جمال	برائے خرچ خانقاہ حضرت شاہ عبدالمجید علوی رح
۶	سید ابدال محمد		۶۷ بیگہ زمین موضع جلال پور و کنیچ و محمود پور و نصیر نگلہ و دیرہ و جیدہ ۲۵ بیگہ خام موضع جلال پور مذکور	۲۰۰۰ عہ/	کچھ عرصہ سے شیعہ حضرات قابض ہیں اور سید نفیس الحسن ملنوی ہیں	در وجہ کفاف مؤذن و امام و جاروب کش و سکان مسجد و مسافرین و آیندہ و روندہ
۷	مولوی سید منور علی وغیرہ پسران سید شجاعت علی		زمینداری موضع محابہ پور پرگنہ امروہہ	۲۵۰ ما ۵/	اہل خاندان	مصارف خیر و خدمت مسجد محلہ گذری قایم
۸	سید امان اللہ نبیرہ سید غلام مرتضی بن دیوان سید محمود	تقریباً ۱۱۷۵ھ	اراضی موضع گوہاور جیت پرگنہ پڑپور تحصیل دھام پور	۲۰۰ ما/	سید قدرۃ اللہ الحسینی	اخراجات مسجد سرائے سید امان اللہ مذکور (یعنی سرائے کہنہ)
۹	سید اسد اللہ خاں عرف میر کلو	۷ شعبان ۱۱۸۳ھ	موضع جہرن	۶۰۰۰ سکہ/	سید سبط رسول	در وجہ کفاف مؤذن و امام و مدرس و طلبا و حفاظ و تدریس علوم دینی و اشتغال حدیث

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱۰	شیخ ظہور اللہ صدیقی ابن حضرت شاہ عبد الہادی	۱۹ محرم ۱۱۷۰ھ و یکم ربیع الاول ۱۱۹۲ھ	اراضیات مزروعہ و باغ متصل روضہ حضرت شاہ عبد الہادی رح ماضہ ۱۰/ بیگہ خام	۲۰۰ ما	اولاد شیخ ظہور اللہ مذکور	مصارف عرس و خوراک خادم مقبرہ حضرت شاہ عبد الہادی و آذوقہ صادر و وارد زائرین
۱۱	حکومت نواب وزیر الممالک اودھ	۱۵ رجمادی الثانی ۱۲۱۵ھ	۲۵ سکہ پختہ از سواد موضع داؤد سرائے علاقہ چبوترہ خالصہ شریفہ	تخمیناً ۵۰	خدام درگاہ شاہ ولایت	۲۵ برائے مصارف عرس درگاہ حضرت شاہ ولایت رح بنام سے عبدالقادر خادم درگاہ
۱۲	شاہ دوست محمد صدیقی رح	۱۲۲۰ھ	۱۸۲ سکہ پختہ اراضی ۱۸ بسوہ موضع براہی پرگنہ سنبھل	۶۰۰ سالانہ	شاہ سلیمان احمد صدیقی	برائے عرس شاہ عبد الہادی و شاہ دوست محمد رح و خوراک آئندہ و روندہ داخلین سلسلہ و مصارف خانقاہ و مسجد
۱۳	سید محمد بنیاد علیخاں	۲۲ ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ	۱۲ مواضعات مسلّم و غیر مسلّم (مختلف پرگنہ جات) و اراضیات و باغات و سرایات و دوکاکین بازار و حویلیات و مکانات قصبہ امروہہ	۳۰۰۰ سالانہ	اولاد سید امان علی خاں	موضع گمسانی یا مختارپور نواده برائے خرچ ذاتی و مابقی برائے خرچ سادات و علما و فقرا و حکما و اقربا و اعزا باعزاز و اکرام و صرف مساکین و محتاجین و مسافرین و متعلقین ملازمین و متوسلین قدیم و جدید از شرفا و

مہاجر و انصار وغیرہ مصارف ریاست و دربار داری و تیاری اسباب لوازمات دارین و خرچ لنگر فی سبیل اللہ وغیرہ +

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱۴	مسماۃ ربیو بنت سید رمضان علی نبیرہ سید مصطفےٰ علی ابن سید سرزہ علی		حقیت موضع باگڑپور پرگنہ مرادآباد	تخمیناً ۵۰۰؍	شرف احمد خاں	برائے مصارف مسجد معمرہ مسماۃ مذکورہ (واقع محلہ گنذری)
۱۵	منجانب حکومت بمعاوضہ یومیہ مقررہ سلطنت اسلامی		بیگہ ۲ اراضی موضع نوراہن پور	[illegible]	قدرت اللہ خاں	مصارف مسجد معمرہ شیخ عمر حسین (بہلول خاں والی)
۱۶	خاندان شیخ عبدالمناف صدیقی		آمدنی دوکانات متعلق مسجد	تخمیناً ۱۲۰۰؍	حاجی خورشید علی صدیقی	مصارف مسجد معمرہ شیخ عبدالمناف صدیقی (واقع محلہ گھیر مناف)
۱۷	صوفی خدابخش عباسی و دیگر اشخاص	باوقات مختلف	اراضیات قصبہ و موضع گولڑیا وغیرہ	تخمیناً ۲۰۰؍	مولانا حافظ عبدالرحمن	مصارف مسجد جامع (واقع محلہ مولانا)
۱۸	شیخ حسین بخش	سنہ ۱۳۰۱ھ	۲ بسوہ موضع قائم پور و اراضی موضع اتراسی	۲۵۰ / ۱۴ صہ؍	سید قدیر اللہ الحسین	مصارف مسجد بصری بیگم
۱۹	مسماۃ سراج النسا زوجہ پیر محمد علیجان		حقیت موضع مراہٹ	۳۵۰ / سا صہ؍	پیر رئیس الدین احمد (علی جان منزل)	مصارف خیر امداد غربا و مساکین
۲۰	سادات محلہ شاہ علی سرائے		اراضیات قصبہ وغیرہ	۱۰۰ / ۱۲؍	اہل خاندان	مصارف مسجد شاہ علی سرائے
۲۱	مسماۃ وجیہ النسا زوجہ عبدالغفار خان	سنہ ۱۹۱۰ء	اراضیات موضع القیاپور بہوٹ پرگنہ حسن پور وغیرہ	۵ [illegible]	شیخ گلزار احمد (محلہ کنکوئی)	خدمت مسجد شاہ حنیف اللہ و اخراجات فاتحہ واقف وغیرہ

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۲۲	حافظ عباس علی خاں		اراضیات قصبہ	تخمیناً ۳۰۰ ر	مولوی احمد حسین خاں	مصارف مسجد حافظ عباس علی خاں
۲۳	نواب وقار الملک مرحوم	۲ر جون ۱۹۱۵ء	ملک پہاڑ منو و حقیت ڈھائی شیخوپورہ، کوراں، ہادی پور و ناظر پور وغیرہ و باغات وغیرہ	۴۰۰۰ ر	نوابزادہ مشتاق احمد بیرسٹر ایٹ لا	ما ۲۱۶ سالانہ مصارف خیر امداد مدارس و مساجد و بقیہ وقف علی الاولاد
۲۴	پیر محمد احسن خاں	جولائی ۱۹۱۵ء	موضع پانتی محال لنگاری	تخمیناً ۳۰۰۰ ر	پیر حمید احمد	نصف آمدنی برائے مصارف خیر امداد مدارس و طلبا و غربا و نصف وقف علی الاولاد
۲۵	پیر محمد محسن الدین	اکتوبر ۱۹۱۵ء		تخمیناً ۲۰۰۰ ر	پیر محمد محسن الدین	تقریباً ۱۰ سالانہ برائے مصارف خیر و بقیہ وقف علی الاولاد
۲۶	مولوی بشیر احمد فاروقی وغیرہ		اراضیات و دوکانات	تخمیناً ۸۰ ر	آل محمد سلمہ	مصارف مسجد معمورہ شیخ احمد الدین فاروقی واقع محلہ شیخزادگان بحلہ جھنڈا شہید
۲۷	رحیم بخش ولد حسین بخش	۲۶ر جون ۱۹۲۰ء	اراضیات موضع نوراہن پور، محمد پور، اکبر پور، راتے و چک عثمان پور وغیرہ و مکانات	تخمیناً ۴۰۰۰ ر	غلام مصطفیٰ	مالیت ۱۳۰ ر سالانہ مصارف خیر امداد مساجد اور باقی وقف علی الاولاد
۲۸	والدہ زبیر خاں		اراضیات موضع رہرٹی پرگنہ امروہہ	۵۰ ر	نور شاہ خاں	خدمت مسجد معمورہ شیخ عمر حسین (بہلول خاں والی)

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۲۹	شیخ عبدالحق بن شیخ فیروز علی		اراضیات موضع چھاوی وغیرہ	تخمیناً صمار	شیخ اعجاز الحق (محلہ گھیر مناف)	برائے مصارف فاتحہ حضور سرور کائناتؐ و اعراس سلسلہ حضرت غوث الاعظمؒ حضرت معین الدین اجمیریؒ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فرید شکر گنجؒ و حضرت شاہ ولایتؒ وغیرہ
۳۰	زوجہ سید بشیر اللہ		اراضیات موضع جانگی پور	تخمیناً صـہ/	سید قمر النبی	مصارف مسجد بٹھی متصل بازار کلاں
۳۱	یسین علی		قطعہ باغ ترشادہ	تخمیناً صـہ/	حکیم خلیل احمد (محلہ کشکوئی)	مصارف مسجد معمرہ شیخ عمر حسین واقع محلہ کشکوئی
۳۲	حاجی علی بخش	۲۲ نومبر سنہ ۱۹۰۲ء	اراضیات قصبہ ۱۴ لعہ بیگہ	تخمیناً صـــہ/	وزیر احمد نوگزہ	مصارف درگاہ شاہ قیام الدینؒ
۳۳	مولوی احمد حسین خاں		آمدنی باغات	قمار	مولوی احمد حسین خاں	مصارف مسجد و روضہ حافظ عباس علیخاںؒ
۳۴	منشی محمد حسنین وغیرہ		اراضیات واقع امروہہ و ہاپوڑ	تخمیناً ـــہ/	منشی محمد حسنین وغیرہ	صرف مسجد شاہ ابو بنا فاضلؒ
۳۵	مستری ہدایت اللہ	سنہ ۱۹۲۵ء	آمدنی دوکانات	ماہ ـــہ/		صرف مسجد محلہ بٹھی
۳۶	حاجی کلیم اللہ عباسی		اراضی قصبہ	تخمیناً عـہ/	منشی سردار احمد عباسی	صرف مسجد مولوی عبدالحی
۳۷	یسین خاں	سنہ ۱۳۴۳ھ	اراضیات قصبہ وغیرہ	تخمیناً ماہ	عبدالقیوم خاں	صرف مسجد محلہ کشکوئی

شیعوں کے اوقاف

مندرجہ ذیل فہرست کے مطابق ان کی تعداد ۲۷ ہے اور مجموعی سالانہ آمدنی تقریباً پچیس ہزار روپیہ ہے۔ ان میں بیشتر اوقاف امام باڑوں کے ہیں، تقریباً آٹھ ہزار روپیہ سالانہ کے اوقاف مدارس دینیہ، امام المدارس اور شیعہ کالج لکھنؤ کے متعلق ہیں، باقی مساجد اور دیگر مصارف خیر کے لئے سید آباد آل محمد کے وقف کو کچھ عرصہ سے شیعہ وقف بتایا جاتا ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ نہ واقف مذہباً شیعہ تھے اور نہ یہ وقف شیعہ مذہب کے مقاصد و اغراض کے لئے کیا گیا تھا، اس پر تفصیلی بحث مسجد سید آباد آل محمدؐ کے سلسلہ میں کی گئی ہے لیکن اس موقع پر ایک اور وقف کا جو شیعوں کا وقف ہے اور امام باڑہ شیش محل سے متعلق ہے، تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی بنت شیخ سعادت علی زوجہ شیخ غلام علی انصاری بن خلیفہ عبد اللہ انصاری نے یکم اگست ۱۸۳۷ء کو حسب ذیل وقف نامہ کے ذریعہ اپنی کل جائداد صحرائی و سکنائی وقف کی:-

نقل وقف نامہ مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی

اقرار معتبر شرعی کرتی ہوں میں مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی بنت شیخ سعادت علی زوجہ شیخ غلام علی انصاری مرحوم قوم شیخ سکنہ امروہہ ضلع مرادآباد متعلقہ صدر الہ آباد جو کہ ایک منزل مکان امام باڑہ مشتمل بر عمارت دو در دالان شمال رویہ جانب غرب و یک کوٹھری بازوئے آں مع حصہ تہ خانہ و اراضی زیر عملہ و صحن و دروازہ کہ قدیم الایام رو برو ئے شوہر مجھ مقرہ سے مکان مذکور میں تعزیہ داری و مجالس ماتم داری جناب امام حسین علیہ السلام کی ہوتی ہے اور وہ موقوفہ ہے اور ایک منزل حویلی اندرونی شمال رویہ مسکونہ من مقرہ مشتمل بر یک دالان شمال رویہ و دو کوٹھری جانبین و یک مطبخ غرب رویہ مع اراضی تحت عمارت و صحن و راستہ و پاخانہ و دروازہ پختہ جملہ مکانات معمرہ پختہ مسقف بچوب و لکڑی و چھپات و چھپاوں و چوکھٹ و کواڑ مع اراضی زیر عملہ و صحن و دروازہ آمد و رفت و جملہ حق حقوق متعلقہ و اضافیہ و داخلی و خارجی آنہا واقع محلہ چاہ غوری من محلات امروہہ

موازی چوراسی بیگہ دو بسوہ خام اراضی حصہ نصفی حقیت خود مقبوضہ و مرہونہ بموجب دستاویز رہن نامہ
اقراری من مقرہ بمختاری شبیر علی مختار عام موسومہ مسماۃ نظام النساء بنت بشارت علی، زوجہ الٰہی بخش
و رحیم بخش ولد ذریبہ علی مرتہنان تعدادی [illegible] روپیہ مورخہ ۲۰ اگست ۱۸۷۶ء از جملہ ایک سو اڑسٹھ[۱۶۸] بیگہ
چار بسوہ خام اراضی زرعی موسومہ ملک انیاوالی واقع موضع ہادی پور کلاں پرگنہ امروہہ مملوکہ و مقبوضہ
من مقرہ محدودات بحدود مفصلہ ذیل مالیتی مبلغ دو ہزار روپیہ تخمیناً جو ترکہ شوہر سے قبض و دخل میں
مجھ مقرہ کے ہے اب میں نے جائداد مذکورہ کو قربتاً الی اللہ ہمیشہ کو واسطہ تعزیہ داری و صرف اخراجات
مجالس ماتم داری حضرت امام حسین علیہ السلام کے وقف موبد کر کے واسطے انتظام و انصرام جائداد
مذکورہ موقوفہ کے مسمیان سید زاہد حسین ولد سید ارشاد علی و سید جعفر حسن ولد سید مسیح
قوم سید پیشہ معافی و شیخ سبحان بخش بن کریم بخش قوم شیخ پیشہ نوکری ساکنان امروہہ کو
متولی مقرر کر کے قائم مقام ذات اپنی کا کیا، چاہیئے کہ متولیان مذکوران امام باڑہ مذکور میں حسب دستور
قدیم تعزیہ داری اور مجالس عزا اور ماتم داری جناب امام حسین علیہ السلام کی اور حویلی اندرونی مذکورہ
میں قبض و دخل اپنا رکھکر مہمانداری مستورات کی جو واسطے سماعت مرثیہ کے آتی ہیں اور آمدنی ملک
مذکور سے صرف مجالس مذکورہ کا کرتے رہیں اور جس قدر آمدنی ملک خرچ مجالس سے بچے اس کو فراہم
کر کے زر رہن اراضی ملک مرہونہ کا ادا کر دیں اور بعد ادائے زر رہن مذکورہ کے کل آمدنی ملک مذکورہ
مستخلصہ و مقبوضہ کی تعزیہ داری و روضہ و مجالس اسی امام باڑہ مذکور میں صرف کیا کریں اور چونکہ
روضہ اربعین قدیم سے اس امام باڑہ ممدوحہ میں اٹھتا ہے آئندہ کو بھی بدستور قدیم ہمیشہ روضہ ہائے
اربعین کو اٹھایا کریں اور حتی الامکان ترقی مراسم تعزیہ داری و مجالس امام عالی مقام ممدوح میں سعی
و کوشش رکھیں اور خورد و نوش اور صرف میت مجھ مقرہ کا اور بھی خرچ عدالت جو ضروریہ بابت اس
جائداد کے کسی طرح کا واقع ہو آمدنی ملک مذکورہ سے کریں اور متولیان مذکوران اپنی طرف سے ملک
مذکور کا جس کے نام چاہیں ٹھیکہ یا نقشی یا جو بندوبست چاہیں کریں اور یہ بھی متولیان کو اختیار ہوگا
کہ جس کو واسطے اہتمام و انتظام و انصرام امور مذکورہ بالا کے لائق سمجھیں اپنی حیات میں متولی جائداد

مذکورہ کا کریں مگر شرط یہ ہے کہ متولی و مہتمم جائداد مذکورہ کا مذہب شیعہ اثنا عشری رکھتا ہو اور کسی وقت میں کسی متولی کو اختیار بیع یا رہن یا ہبہ یا کفالت یا انتقال کسی نوع جائداد مذکورہ کا حاصل نہ ہوگا۔ اگر کوئی متولی کسی طرح کا انتقال عارضی یا دوامی بجز تبدیل تولیت کے کرے گا وہ باطل و ناجائز ہوگا اگر بر تقدیر کوئی متولی کسی زمانہ میں من جملہ اس جائداد کے جزو یا کل کسی حیلہ سے بیع یا رہن یا ہبہ کرے یا متولی سوائے مذہب اثنا عشریہ کے کرے تو جملہ اشخاص مذہب اثنا عشریہ کو اختیار کلیہ حاصل ہے کہ اس کو منسوخ کرا دیں اور متولیان خلیفہ محمد سلیمان اور ان کی اولاد کو مداخلت اہتمام مجالس و روضہ و راہ آمد رفت سے جو راستہ ان کے مکان مسکونہ کا قدیمی ہے اس میں متولیان یا وارثان مقرہ میں سے کسی وقت میں مزاحمت و امتناع نہ کرینگے اور ہمشیرہ اور اولاد ہمشیرہ مقرہ سے اہتمام مہمانداری اندرونی و بیرونی اگر بخوشی خاطر اپنی کریں لیتے رہیں اور بعد تحریر اس وثیقہ کے مجھ مقرہ کو یا کسی قائم مقام میرے کو اختیار تنسیخ وثیقہ ہذا کا اختیار واپسی یا معزولی متولیان مذکوران کا یا تحریر وقف نامہ و تولیت نامہ دیگر بنام دیگر اشخاص کے اور استحقاق تملیک حاصل نہ ہوگا کوئی وارث یا قائم مقام میرا امورات مذکورہ مصدورہ میں کسی طرح کا مانع و مزاحم نہ ہوے لہذا یہ تولیت نامہ بابت جائداد موقوفہ مذکورہ کے لکھدیا کہ سند ہو اور ہر وقت کام آوے۔ فقط تحریر بتاریخ یکم ماہ اگست ۱۸۷۴ء

۳ر اگست ۱۸۷۴ء کو وقف نامہ مندرجہ بالا کی رجسٹری ہوئی۔ حسب ذیل عبارت تصدیق رجسٹری پشت دستاویز وقف نامہ پر درج ہے:۔

"یہ دستاویز اقراری مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی کی دفتر رجسٹرار پرگنہ امروہہ ضلع مرادآباد میں بروز دوشنبہ بتاریخ ۳ر اگست ۱۸۷۴ء مابین ۱۰-۱۱ گھنٹہ بجے دن کے واسطے رجسٹری کے مسمی سبحان بخش ولد کریم بخش قوم شیخ پیشہ روزگار ساکن محلہ سرائے کہنہ من محلات امروہہ مذکور نے، جس کے حق میں یہ دستاویز تحریر ہے، پیش کر کے بیان کیا کہ تصدیق اس دستاویز کی خود مقرہ مذکورہ سے اس کے مسکن پر فرمائی جاوے۔

العبد

شیخ سبحان بخش بقلم خود

(دستخط) ایسری پرشاد سب رجسٹرار

"آج بتاریخ و روز مذکورہ بالا مابین ۵ و ۶ گھنٹہ بجے دن کے ہم خود محلہ چاہ غوری میں محلات امروہہ مسکن پر مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی مقرہ مذکورہ کے واسطے تصدیق کرنے اس دستاویز کے اور واسطے حصول اطمینان کے آئے تو مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی مذکورہ نے اندرون دروازہ مسقف شرق رویہ حویلی مسکونہ اپنی کے پس کواڑ کھڑے ہو کر حرف بحرف جملہ مضمون اس دستاویز کو سنکر باواز بلند تکمیل و تحریر اس دستاویز سے اقبال کیا اور کہا کہ میں نے یہ دستاویز اپنی خوشی سے لکھوائی ہے اور سب عبارت ومضمون مندرجہ دستاویز کو لفظ بلفظ تصدیق کیا اور کہا کہ بعد تکمیل رجسٹری کے یہ دستاویز حکیم نیاز علی خاں کو دیدی جائے۔ فقط

دستخط مقرہ کے ذیل میں ثبت ہیں۔ فقط ایسری پرشاد سب رجسٹرار۔ العبد

مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی بقلم نیاز علی خاں

بعدہ حکیم نیاز علی خاں[1] ولد حکیم نثار علی خاں قوم شیخ پیشہ معافی ساکن محلہ سدّو منحلات امروہہ و پیر تہور علی[2] ولد پیر گنج بخش قوم پیرزادہ پیشہ معافی محلہ سدّو مذکور نے شناخت مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی مقرہ مذکورہ کی اندر دروازہ مذکور کے جاکر کری اور بیان کیا کہ مظہرہ وہی مسماۃ مقرہ مذکورہ ہے اور کوئی نہیں اور ہم حکیم نیاز علی خاں مذکور سے واقف ہیں اور پیر تہور علی مذکور کی شناخت سید باقر نذر ولد سید احمد نذر قوم سید پیشہ روزگار محرر رجسٹری امروہہ محلہ ستّی منحلات امروہہ مذکور نے جس کو ہم پہچانتے ہیں کری۔ (دستخط) ایسری پرشاد سب رجسٹرار۔"

غالباً اس وقت کا حسب ضابطہ عملدرآمد نہیں ہو سکا۔ منشی شبیر علی[3] بن شیخ امانت علی جو مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی کے حقیقی بھانجے ہیں مختار عام کی حیثیت سے اسکا اہتمام کرتے رہے۔

---

[1] یعنی پدر بزرگوار حکیم راحت علی خاں صاحب۔

[2] یعنی جد امجد پیر تمیز علی صاحب پنشنر سب رجسٹرار۔

[3] مسماۃ علیم النسا عرف مینڈھی اور مسماۃ کوڑی دو حقیقی بہنیں تھیں۔ اول الذکر شیخ غلام علی بن خلیفہ عبد اللہ انصاری کی زوجہ تھیں، ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ خلیفہ عبد اللہ انصاری کے یہ شیوخ انصاری کے ابی

شیعوں کے اوقاف

اغراض وقف	نام متولی	سالانہ آمدنی	تفصیل جائداد	کب وقف کیا	نام واقف	نمبر شمار
مصارف امام باڑہ دوست علی وامام باڑہ مسماۃ پدلی	سید اعزاز علی (دربارکلاں)	۲۰۰ ما/	اراضی موضع لوہی پور پرگنہ چاند پور	۲۷ر اکتوبر ۱۸۶۵ء	سید تحسین علی (دربار کلاں)	۱
برائے مصارف مسماۃ صغیرن	سید انیس حسن (محلہ گندری)	المار/	اراضی موضع سرسہ خمار	۴ر مارچ ۱۸۶۸ء	مسماۃ صغیر النسار	۲

(بقیہ نوٹ صت۳۷) خاندان سے تھے جس میں مولوی مظہر علی انصاری کا خاندان ہے، شرفائے کمبوہ شیعی مذہب ساکنان محلہ صدّو سے تعلقات یگانگت تھے۔ وہاں وہ درس بھی دیتے تھے ان حضرات کی صحبت میں انہوں نے بھی مذہب شیعہ اختیار کرلیا تھا۔ اور اپنے مکان مسکونہ میں تعزیہ داری شروع کی، بعد میں اسے ترمیم کرایا جو "شیش محل" کے نام سے مشہور ہوا۔ مسماۃ مینڈھی ان ہی خلیفہ عبداللہ انصاری کی بہو تھیں۔ مسماۃ مینڈھی کی حقیقی بہن مسماۃ کوڑی تھیں جو شیخ امانت علی بن شیخ ولایت علی ساکن محلہ مولانا کے عقد میں آئیں۔ منشی شبیر علی ان ہی مسماۃ کوڑی کے فرزند ہیں۔ یہ محلہ مولانا کی سکونت ترک کرکے اپنی خالہ کے یہاں چلے آئے۔ منشی شبیر علی کے بنی اعمام میں منشی محمود حسن بن شیخ کرامت علی بن شیخ ولایت علی مذکور کا خاندان ہے یہ حضرات شیوخ صدیقی ڈیکوری مشہور ہیں لیکن اب بعض اشخاص اپنا نسب فاروقی بھی بتاتے ہیں۔ "شیش محل" کے احاطہ میں ایک مکان میاں منگھا انصاری کا تھا وہ غدر ۱۸۵۷ء کی داروگیر میں ماخوذ ہوتے اور مکان ضبط کیا گیا جو شیخ محمد حسین ساکن محلہ گھیر منافؔ نے خرید لیا تھا بعد میں ان سے شیخ ضیا علی انصاری وکیل نے خرید کیا، اب اس میں مولوی محمد اسمٰعیل انصاری رہتے ہیں دوسرا مکان خلیفہ سلیمان کا تھا جنکے فرزند شیخ محمد اصغر ہیں، انہوں نے یہ مکان منشی عبدالرب شکیب بن منشی شبیر علی مذکور کے لائق فرزند شیخ ضیاء الرب بی۔ اے (علیگ) ڈسپرنٹنڈنٹ محکمہ صنعت وحرفت کے ہاتھ فروخت کردیا جسے انہوں نے بعد ترمیم از سرنو تعمیر کرایا ہے +

نمبرشمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۳	مسماۃ ملک النساء زوجہ شیخ امانت علی و حکیم امجد علی خاں و مسماۃ ریاست النساء	۱۹؍مارچ سنہ ۱۸۷۰ء یکم مارچ سنہ ۱۸۷۷ء ۲؍جنوری سنہ ۱۹۰۴ء	اراضی ٹھوہ وچک ٹھوہ، ٹکیا وچک ٹکیا، پرگنہ امروہہ و بادن پور پرگنہ حسن پور	۱۰۰۰ الـــ؍	حکیم راحت علیخاں (محلہ صدور)	برائے مصارف امام باڑہ جہمی
۴	مسماۃ علیم النساء و عرف مینڈھی زوجہ شیخ غلام علی بن خلیفہ عبداللہ انصاری	یکم اگست سنہ ۱۸۷۴ء	۱۲ کا ۱۲ شکر اراضی ملک موضع ہادی پور و مکانات	۱۰۰ مار	سید زاہد حسین و سید جعفر حسین و شیخ سبحان بخش	برائے تعزیہ داری و اخراجات مجالس امام باڑہ شیش محل
۵	سید غلام حسنین خاں و صادق حسین خاں (دانشمند)	۳؍ستمبر سنہ ۱۸۷۶ء ۲۵؍مارچ سنہ ۱۸۷۳ء	اراضی رجب پور و اراضی سکنائی محلہ دانشمنداں و باغیچہ بنگلہ والا پرگنہ امروہہ و منجھولی و رسول پور پرگنہ مذکور	۱۶۰۰ السما؍	سید اختر حسنین خاں (محلہ دانشمنداں)	مصارف امام باڑہ زنانہ سید اختر حسنین خاں
(۶)	سید محمد حسن خاں و سید علی حسن خاں و سید حامد حسن خاں	۱۱؍مئی سنہ ۱۹۲۶ء	رجب پور و کلالی باغ امروہہ	۶۰۰ سما	سید فیاض حسن خاں وغیرہ	برائے مصارف حکام رسی و دربار داری و فاتحہ بزرگان
۷	سید نورالحسن و مسماۃ کنیز رقیہ و سید ولایت حسین	۲۴؍نومبر سنہ ۱۸۸۲ء	جلیل پور بقال و حسن پور کنیہ و مجھولی رسولپور پرگنہ امروہہ	۴۰۰۰ للعمـــ؍	محمد مہدی رضا و محمد طاہر حسن (متنازعہ)	اخراجات مجالس امام باڑہ مسماۃ وزیر النساء (محلہ دانشمنداں)

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۸	سید داد علی	وقف نامہ موجود نہیں	زمینداری یک ثلث موضع سلطان پور	۴۵ للعہ	سید نورین احمد	مسجد سید داد علی واقع امروہہ محلہ بنگلہ
۹	سید محمد باقر و سید مقبول احمد وغیرہ	۲۲ مارچ ۱۸۸۵ء	اراضی موسومہ بازار سید داد علی واقع امروہہ محلہ بنگلہ	۱۵۰۰ الصہ	سید نورین احمد (محلہ بنگلہ)	اخراجات امام باڑہ و مسجد متصل امام باڑہ
۱۰	سید قربان حسین (محلہ دانشمنداں)	۱۷ نومبر ۱۸۸۵ء	رسولپور مزرعہ جھولی و جھولی پرگنہ امروہہ	۳۵۰ ساصہ	مولانا حاجی سید مرتضیٰ حسین (دانشمنداں)	مصارف امام باڑہ خاتون دولت و اعانت مسافرین
۱۱	مسماۃ بتول دولت عرف جھونی محلہ دانشمنداں	۷ فروری ۱۸۸۹ء	اراضی ملک کوکرجھنڈی پرگنہ مرادآباد	۲۰۰ مہ	سید مجر حسن (محلہ دانشمنداں)	مصارف امام باڑہ مسماۃ جھونی (محلہ دانشمنداں)
۱۲	سید علی احمد محلہ دانشمنداں	۲۹ ستمبر ۱۸۹۰ء	تگری پرگنہ حسن پور و چودھیرپور و جہاولی و فیاض نگر و سیدولی و چک جہاولی پرگنہ امروہہ	۱۰۰۰ الـــ	سید حکیم رضا محلہ دانشمنداں	مصارف امام باڑہ مسماۃ فہیم النساء مشہور رانڈوں والا (محلہ دانشمنداں)
۱۳	سید مقبول احمد سید محمد باقر وغیرہ (محلہ بنگلہ)	۴ جولائی ۱۹۰۱ء ۵ جولائی ۱۹۰۱ء ۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء ۲۱ مارچ ۱۹۱۵ء	قاسم پور پرگنہ امروہہ ٹھنڈ نشرہ پرگنہ حسن پور و گوگرٹیا پرگنہ ٹھاکردوارہ	۱۰۰۰ الـــ	مولوی سید محمد مجتبیٰ عرف مولوی سید چاند محلہ بنگلہ	مدرسہ امام المدارس
۱۴	مسماۃ شبینہ رہبرا (محلہ کشکوئی)	۲۰ جون ۱۹۰۲ء	پیپلی تگا پرگنہ حسن پور و گہنسورپور پرگنہ امروہہ	۲۰۰ مہ	سید سجاد حسین (محلہ کشکوئی)	امام باڑہ و مسجد امام باڑہ سید دولت علی (محلہ کشکوئی)

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱۵	مسماۃ ہاجرہ خاتون (محلہ گذری)	۹ جون ۱۹۰۴ء	اراضی موضع جبارپور، چودھرپور پرگنہ امروہہ، لطیف پور و گت ولی پرگنہ ٹھاکردوارہ	۷۰۰ معہ/	سید احمد حسنین (محلہ گذری)	برائے مصارف علوم دینیہ مذہب امامیہ
۱۶	سید نورالحسن (محلہ دانشمنداں)	۲۸ دسمبر ۱۹۰۴ء	اراضی موضع کہیڑہ و ماندن کہیڑہ و مجھولی جلیل پور بقال کلی لیٹ و رام سرائے پرگنہ امروہہ وغیرہ	۳۰۰۰ ؏ // ۳۰۰۰	محمد مہدی رضا و محمد طاہر حسن (متنازعہ)	مدرسہ نورالمدارس
۱۷	مسماۃ ریاست النسا زوجہ نورالحسن مذکور	۲۹ دسمبر ۱۹۰۴ء	جلالپور و جلیل پور بقال و اراضی قصبہ امروہہ	؏ //	//	//
۱۸	مسماۃ بشارت النسا (محلہ بہوکہ)	۷ جولائی ۱۹۰۵ء	کنپورہ و اکبرپور پرگنہ امروہہ	۲۰۰ ما/	سید انیس الحسن (محلہ بہوکہ)	مصارف امام باڑہ محلہ بہوکہ و امداد حاجیان و زوار مذہب امامیہ
۱۹	سید محمد جواد (محلہ گذری)	یکم مئی ۱۹۰۵ء	موضع ناچنی پرگنہ سنبھل	۶۰۰ سعہ/	سکریٹری شیعہ کالج لکھنؤ	شیعہ کالج لکھنؤ
۲۰	سید شاکر حسین (محلہ بہوکہ)	۴ اکتوبر ۱۹۱۱ء	کنپورہ پرگنہ امروہہ	۱۰۰ ما/	سید ابرار حسین (محلہ بہوکہ)	امام باڑہ زنانہ مسماۃ قمرالنساء
۲۱	سید مدد علی (محلہ کٹکوئی)	۲ شوال ۱۳۴۸ھ	اراضی موضع مہوہ پرگنہ امروہہ	۳۰۰ ہار/	سید نہال محمد (محلہ کٹکوئی)	امام باڑہ و مسجد امام باڑہ (محلہ کٹکوئی)

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۲۲	سید نذر حسن (محلہ گذری)	۲۰ جون ۱۹۱۲ء	دہنوری و دہنوپورہ و مجھولی پرگنہ امروہہ	۶۰۰ سمار	سید احمد حسین (محلہ گذری)	مصارف علوم دینیہ مذہب امامیہ
۲۳	مسماۃ حاجرہ خاتون (محلہ دربار کلاں)	۲۲ جون ۱۹۲۶ء	موضع پائنتی پرگنہ امروہہ	[illegible]	مولوی سید محمد صاحب (محلہ شفاعت پوتہ)	امام باڑہ مسماۃ راحت بی بی و امام باڑہ دربار کلاں
۲۴	مسماۃ سعیدہ خاتون (محلہ لکڑہ)	۱۷ مارچ ۱۹۲۲ء	موضع عالمپور و کھنیچ پرگنہ امروہہ	۶۰۰ سمار	″	امام باڑہ کلاں محلہ لکڑہ و امداد فقراء و مساکین و مشاہد مقدسہ
۲۵	سید محمد فصیح و مسماۃ خوب دولت و مسماۃ ہدایت النسا	۱۲ جنوری ۱۹۲۶ء	امیرہ و کوڑی و محمد پور بنگر پرگنہ امروہہ	۱۶۰۰ [illegible]	سید نبی ہادی (گھیر کرم علیخاں)	امام باڑہ و مسجد (محلہ سٹھی)
۲۶	حاجی محمد اشرف	•	جبار پور و چوہی کمن پور پرگنہ امروہہ	۲۵۰ ماصہ	مولوی سید محمد عبادت	مصارف اشرف المساجد (جامع مسجد شیعان)
۲۷	حاجی محمد اشرف (عظیم آبادی)	•	ملک دہنو پورہ پرگنہ مرادآباد و مجھولی پرگنہ امروہہ	۱۵۰ ماصہ	سید زوار حسین	″
			میزان کل	۲۴۰۴۰ [illegible]		

فقراء کے زاویوں اور تکیوں کے اوقاف

مشائخ کی خانقاہوں کے علاوہ امروہہ میں فقرا کی مختلف جماعتوں کے زاویے اور تکیے بھی تھے ان فقرا میں سب سے قدیم جماعتیں حیدری اور جلالی فقیروں کی تھیں مشہور سیاح ابن بطوطہ

کی آمد کے زمانہ (یعنی ۱۳۳۳ء) میں یہاں حیدری فقیروں کی جماعت موجود تھی انکے متعلق ابن بطوطہ کا بیان ہے:-

"اس شہر (یعنی امروہہ) میں میرے پاس حیدری فقیروں کی ایک جماعت آئی انہوں نے پہلے
تو سماع سنا اور پھر آگ جلوائی اور آگ میں گھس گئے اور ان کو آگ سے کچھ نقصان نہ پہنچا"۱؎

جلالی فقیروں کی یادگار کے طور سے محلہ بچدرہ کا ایک حصہ "نیب جلالیاں" کے نام سے مشہور ہے اور اب بھی کچھ افراد جلالی فقیر کہلاتے ہیں جو اب زیادہ تر باجہ بجانے کا پیشہ کرتے ہیں۔ حیدری فقیروں کی جماعت شیخ قطب الدین حیدری یا شیخ حیدر زخراسانی سے منسوب ہے اور جلالیہ فقیر سید جلال الدین بخاری سے۔ ۲؎

کڑک علی شاہ کا تکیہ جو درگاہ شاہ ولایتؒ کے متصل ہے اور کچھ عرصہ پیشتر تک آباد تھا حیدری فقیروں کا تکیہ تھا ۱۱۷۲ھ میں شاہ روح القدس درویش نے اس تکیہ کو خوب رونق دی تھی۔ سید لطف علی بن سید طفیل محمد اور سید میر علی بن سید غلام علی (ساکنان محلہ حقانی) نیز بزرگان سادات محلہ لکڑہ نے کچھ اراضی شاہ موصوف کو "برائے احداث و بنائے جائے و اماکن آرام گاہ فقراء و مساکین صادر و وارد" کیلئے ہبہ کی تھی، اس تکیہ کے متعلق اور بھی متعدد اراضیات زرعی وقف تھیں جو بعد میں بددیانت متولیوں نے فروخت کر دیں۔ کڑک علی شاہ متبنائے پیر شوق علی شاہ متبنائے پیر قطب علی شاہ کے زمانہ ۱۳۲۶ھ تک یہ تکیہ خوب آباد تھا۔ اب ویران پڑا ہے شہر کے اور تکیوں کا بھی یہی حال ہے +

۱؎ سفرنامہ ابن بطوطہ ۲؎ حیدری و جلالی و مداری و رفاعی فقراء کے یہ کل فرقے جاہل اور غیر مہذب ہیں اور جن مشائخ کی جانب منسوب ہیں اعمال اور عقیدے کے لحاظ سے ان کو کوئی مناسبت نہیں، حیدریوں میں بھنگ کا استعمال عام ہے، یہ عرف عام میں ملنگ کہلاتے ہیں اس زمانہ میں انکی تعداد بہت کم ہو گئی ہے لیکن سابق میں انکی جو حالت تھی اس کا اندازہ صاحب دبستان کی تحریر سے ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:-

"جلالیان سب شیخین (مانند روافض) کنند و نماز نہ گذارند و روزہ ندارند و ریاضتے و شغلے کہ صوفیہ راست ندانند و بنگ بسیار خورند و نشق مار و کژدم خوردن رسانند و چوں کاملان ایشاں مار را ببینند سر پائے او را بخایند دفرو برند و گویند ماہی مرتضیٰ علی است و کژدم خورند و گویند جھینگہ علی ست و مانند مداریاں برہنہ باشند و چوں مداریاں در سرما سخت چیزے نہ پوشند و پیش آتش نشینند، اما جلالیان رو دیدہ مونباشند و اکثر چار ضرب زنند و گرد جہاں گردند الخ"

امروہہ کے میلے اور تیوہار

ہندوؤں کے میلے اور تیوہار

سلونو:- ساون کے مہینہ کی آخری تاریخ ہوتا ہے، برہمنوں کا خاص تیوہار ہے، راکھی اور پوجا کی رسمیں گھروں پر ادا کی جاتی ہیں، تالاب بانسدیو پر میلہ بھی لگتا ہے۔

رام ڈول:- یہ تیوہار کنہیا جی کے جنم کی خوشی کا تیوہار ہے، اس کا دوسرا نام جنم اشٹمی ہے، بھادوں بدی اشٹمی کو ہوتا ہے دوسرے دن تمام مندروں میں جلوس جاتا ہے۔

دسہرہ:- یہ تیوہار اس سفر کی یادگار کے طور سے منایا جاتا ہے جو رام چندر جی نے راون کے مارنے کے لئے رامیشور سے لنکا کا کیا تھا۔ کنوار بدی دسویں کو ہوتا ہے، درگا پوجا بھی اسی تیوہار کو کہتے ہیں تقریباً ایک ہفتہ کو چھپہ کھتریاں میں (ڈرامہ) ہوتی ہے پھر آٹھ روز تک رام لیلا کا میلہ ہوتا ہے جس میں بڑا ہجوم ہوتا ہے، گھروں پر پوجا ہوتی ہے۔ اس تیوہار میں کسان اور دیہاتی زمینداروں کو قسط کا روپیہ ادا کرتے ہیں۔

دیوالی:- آدھے کارتک[1] کی آخری تاریخ میں ہوتا ہے۔ اس میں دولت کی دیوی لکشمی کا پوجن ہوتا ہے۔ اس دن امروہہ کے ہندو دوکاندار اپنی دوکانیں آراستہ کرتے، کوزہ گر اور حلوائی مٹی اور مٹھائی کی مورتیں بناتے ہیں، رات کو بازاروں اور مکانوں میں چراغاں ہوتا ہے۔

ہولی:- یہ تیوہار ہندوؤں کا نوروز ہے۔ سال کے ختم ہونے کے آخری دن یعنی پھاگن کے آخری دن شروع ہوتا ہے۔ موسم بہار کے آنے سے پہلے نئے اناج کا ہون ہوتا ہے اس کو نگ کہتے ہیں۔ لوگ گنوں کو جن میں گیہوں اور دوسرے غلہ کے پودوں کی بالیں بندھی ہوتی ہیں آگ کے ڈھیر کے گرد گھوم گرم کرتے ہیں۔ مختلف مقامات پر ایندھن کا انبار لگا کر رات کو اس میں آگ دیجاتی ہے اس کو ہولی جلنا کہتے

---

[1] اصل لفظ "کارتک" ہے لوگ غلطی سے "کاتک" کہتے ہیں۔

ہیں۔ دن میں ہندو آپس میں ہولی کھیلتے ہیں، رنگ کی پچکاریاں بھر بھر کر ایک دوسرے پر چھڑکتے اور گلال ملتے ہیں۔ دیہات کے ہندو ٹولیاں بنا بنا کر ناچتے گاتے خوشی مناتے ہیں یہ ہندؤں کے نوروز کا دن ہوتا ہے، مختلف مقامات پر سوانگ بھی بنتے ہیں جسے قدیم زمانہ کا ڈرامہ سمجھئے۔

ظاہر دیوان کی چھڑیاں

چھڑیوں کے میلے بھی اسی مہینہ میں لگتے ہیں جس میں تیجوں اور سلونو کے تیوار ہوتے ہیں۔ پہلے دن محلہ احمد نگر میں دوسرے دن کسگوئی پر تحصیل کے دروازے آگئے تیسرے دن بساون گنج میں اور چوتھے دن یعنی میلہ کی آخری تاریخ میں باغیں کے کنویں پر۔ اس دن دیہاتیوں اور عوام کا بڑا ہجوم ہوتا ہے اور صبح سے شام تک میلہ رہتا ہے۔

ظاہر دیوان کی چھڑیوں کے میلہ کی وجہ تسمیہ تاریخی دلچسپی سے خالی نہیں اسلئے یہاں اسکا مختصراً بیان نامناسب نہ ہوگا۔ "ظاہر دیوان" کو مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ نواح دہلی اور علاقہ شمالی دوآبہ میں "گوگا پیر" اور جنوب میں "ظاہر پیر" کہتے ہیں۔ "بارہ ماسہ" میں اسکے کارنامہ بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب "قانون اسلام" اور مشہور فرانسیسی مستشرق گارسن دتاسی اس کی قبر ملک دوآبہ میں بتاتے ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ اس کی قبر ضلع حصار کے جنوب مغرب میں "ددریرہ" مقام پر ہے۔ اس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ یہ شخص واچا نامی ایک چوہان راجپوت کا بیٹا تھا، بعض لوگ اسکے باپ کا نام جیوار اور ماں کا نام "بچل" بتاتے ہیں، بہرحال باپ کا نام جو کچھ بھی ہو کہا جاتا ہے کہ "گوگا پیر" کے دو بھائی اور تھے اور یہ خود ان کی پیدائش کے بہت عرصہ بعد "گورکھ ناتھ" کی دعا سے پیدا ہوا تھا، اپنی قوم کا حکمراں تھا اور اسکا علاقہ ہانسی سے گڑھ تک تھا پرتھی راج کا ہمعصر بھی اسے بتایا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں سے اسنے بڑی گھمسان لڑائیاں لڑی ہیں، مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس زمانہ سے بہت پہلے ہوا ہے کیونکہ اسکے کارناموں کے منظوم قصوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ مع اپنے ۴۵ بیٹوں اور ۶۰ بھتیجوں کے سلطان محمود غزنوی کے مقابلہ میں گارا ندی کے کنارے پر مارا گیا۔ اسی کے ساتھ یہ روایت بھی بیان کیجاتی

ہے کہ علاقہ کی تقسیم میں اپنے اپنے بھائیوں سے جھگڑا کر کے انھیں قتل کر دیا پھر ماں کی بد دعا سے بچنے کے لئے کسی جنگل میں چلا گیا اور وہاں پہنچکر چاہتا تھا کہ کسی طرح معہ اپنے گھوڑے کے زمین میں دھنس جائے[1] کہ یہ آواز کان میں آئی کہ "اگر تو کلمہ پڑھ کے مسلمان ہو جائے تو تیری خواہش پوری ہو سکتی ہے" چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ غرضکہ اس عجیب و غریب ہستی کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ ہندوؤں کے مختلف طبقوں کے لوگ اس کو مانتے ہیں۔ بھادوں کے مہینہ میں چار و بھنگی بھی اس کے نام کے جھنڈے اٹھاتے ہیں۔ ہندوؤں کی دوسری قوم والے بالخصوص بعض اگروال بنئے بھی اس کے معتقد ہیں اور جین میں "گوگا شہید" کا مندر بھی ہے۔ بھادوں کے مہینہ میں ان ایام کی نویں تاریخ جس میں چاند نہیں نکلتا اس کی یادگار منائی جاتی ہے۔ اس کے معتقد بالعموم سیاہ جھنڈے نکالتے ہیں۔

مسلمانوں کے میلے اور تہوار

۱۔ گیارہویں :۔ یعنی عرس حضرت غوث الاعظم محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی۔ گیارہویں ربیع الثانی کو محلہ جلہ میں دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ امروہہ میں اس عرس کو ابتداً شیخ جان محمد نے تقریباً ۱۰۴۰ھ میں شروع کیا تھا صاحب اسرار یہ کا بیان ہے کہ :۔

"شیخ جان محمد ...... از مریدان شیخ عبداللہ ہٹہ ..... چند سال است
که عرس غوث اعظم می کند اجتماع فقرا خوش تر می شود و سرود خوشتر"

بعد میں اس عرس کو حضرت شاہ گدا قادری کی اولاد نے اور رونق دی۔ بالخصوص سید سراج الدین ثانی بن سید نور اللہ کے زمانہ میں یہ عرس بڑے پیمانہ پر ہوتا تھا۔ ان کے اخلاف میں سید نوازش علی عرف شاہ بڈھا متوفی ۱۲۵۳ھ نے جن کے کوئی اولاد نہ تھی اور جو بذات خود صوفی مشرب تھے اپنی کل جائداد

---

[1] ظاہر دیوان کے گھوڑے کا نام "جوادیا" مشہور ہے۔ قصوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ ظاہر دیوان کے اولاد نہ تھی۔ اس کے دیوتا نے جو کی دو بالیں دیں جن میں سے ایک اس نے اپنی زوجہ کو دیدی اور دوسری

صحرائی وسکنائی مصارف عُرس کے لئے وقف کردی تھی' اب اس جائداد موقوفہ میں سوائے ایک مکان کے جس میں زمانہ میلہ لگتا ہے' اور کچھ باقی نہیں۔

۹ ربیع الثانی سے ۱۱ ماہ مذکور تک عرس ہوتا ہے' شہر کے عوام کا ہجوم ہوتا ہے'

۲۔ غازی میاں کے نیزے

ابتدائً یہ میلہ میر لیساون کے کوٹلہ کے متصل لگتا تھا' کوٹلہ مذکور کے انہدام کے بعد سے چبوترہ پر موضع پوران پور کے میلہ کے دوسرے روز اس بدھ کو لگتا ہے جو ہولی جلنے کے بعد آتا ہے۔

غازی میاںؒ کے نیزے شمالی ہند کے اکثر مقامات پر جیٹھ کے مہینہ میں اُٹھتے ہیں' حقیقتاً یہ بھی ہندی عوام الناس کے میلے ہیں اور باوجودیکہ سالار مسعود غازیؒ جن کی یادگار میں یا بالفاظ صحیح جن کی شادی کی یادگار میں یہ میلہ لگتا ہے' نوعمری کے زمانہ میں شوق جہاد میں ہندوستان آئے اور ہندؤں سے لڑکر شہید ہوئے بایں ہمہ ہندؤں کی بعض نیچ اقوام بھی ان کو اپنا پیر مانتی ہیں ۔[۲] سب سے بڑا میلہ بہرائچ میں جہاں سالار موصوف کا مزار ہے ہر سال دھوم دھام سے لگتا ہے۔ "آرائش محل" کی روایت کے مطابق قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی کے ایک تیلی نے ابتدائً غازی موصوف کے شادی بیاہ اور برات کی رسم کی ابتدا کی تھی۔ اس میلہ میں چونکہ ہندوانہ اور مشرکانہ رسوم زیادہ ہونے لگی تھیں اسلئے سلطان سکندر لودھی نے' جو دیندار بادشاہ تھا اور خود بھی علم سے بہرہ وافر رکھتا تھا' اس کے سدِباب کی تدابیر اختیار کیں مگر کامیابی نہوئی۔

امروہہ کے میلے میں اب زیادہ اژدہام نہیں ہوتا۔ زیادہ تر عوام الناس شریک ہوتے ہیں۔

شاہ مدار کی بیرق: - یہ میلہ جمادی الاول کی چوتھی تاریخ حضرت شاہ ابنؒ کے روضہ کے متصل لگتا ہے' اس روز وہاں پر مرغ ذبح ہوتے ہیں۔ شاہ بدیع الدین مدارؒ

(بسلسلۂ گذشتہ) اپنی گھوڑی کو اس سے یہ "جوادیا" نامی گھوڑا پیدا ہوا۔ [۲] (صفحہ ۴۸) بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ کی نسل سے تھے مطبوعہ شجرہ میں آپکا نام درج نہیں ہے تاہم قدیم دستاویزات سے آپکا سلسلۂ نسب اسطرح ثابت ہوتا ہے' شیخ جان محمد بن شیخ سلطان محمد بن شیخ کبیر بن شاہ احمد شاہ ابنؒ

جن کی یادگار میں یہ میلہ شمالی ہند کے اکثر مقامات پر لگتا ہے، اصلاً حلب کے باشندے اور نسباً یہودی تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد مشائخ کبار میں سے ہوئے۔ سلطان ابراہیم شرقی کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور ۸۳۸ھ میں واصل بحق ہوئے۔ "ساکن بہشت" تاریخ وصال ہے مزار پُرانوار مکن پور میں ہے۔ عوام کے خیال میں وہ اب تک زندہ ہیں اسلئے "زندہ شاہ مدار" کہلاتے ہیں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حبس دم پر عامل تھے اسلئے نہایت طویل عمر پائی۔ مداریہ فقیروں کا طبقہ ان ہی سے موسوم ہے۔

۴۔ **عرسِ حضرت شاہ ولایت رح** :۔ سابق میں یہ عرس دھوم دھام اور بہت کچھ اہتمام سے ہوتا تھا، مصارف عرس کے لئے کچھ اراضیات سلطنت اسلامی کی عطیہ تھیں لیکن جب سے اہل خاندان کی اکثریت نے اختلاف مذہبی کی بنا پر عرس کے اہتمام سے دلچسپی لینا ترک کر دی، موقوفہ اراضیات بھی باقی نہ رہیں تو عرس کی سابقہ حیثیت بھی باقی نہ رہی۔ اس کے بعد سے درگاہ کے مجاور، بڑھ تلے والے کالیستھ اور شہر کے قسائی اور تیلی وغیرہ جن کو اس درگاہ سے موروثی عقیدت ہے، عرس کا اہتمام کرتے ہیں۔ اُنتیسویں سے اکیسویں رجب تک تین دن عرس ہوتا ہے، میلہ بھی لگتا ہے اور عوام النّاس کا مجمع بھی خاصہ ہو جاتا ہے، کچھ اہل خاندان اور شرفائے شہر بھی شریک ہوتے ہیں۔

۵۔ **عرسِ حضرت شاہ عبدالہادی رح** :۔ ماہ شوال میں ۱۱ سے ۱۷ تاریخ تک عرس ہوتا ہے میلہ بھی لگتا ہے، جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے آپ کے صاحبزادے شیخ ظہور اللہ عرف شیخ کلّو نے ناحکہ اراضی مصارف عرس کے لئے وقف کی تھی۔ عرس کا اہتمام اہل خاندان کرتے ہیں۔ مجمع بھی کافی ہو جاتا ہے۔

۶۔ **عرسِ حضرت شاہ اٹن رح** :۔ ماہ ذی الحجہ میں گیارہویں سے پندرہویں تاریخ تک پانچ روز عرس ہوتا ہے۔ گیارہویں و بارہویں صدی ہجری میں یہ عرس بڑے پیمانہ پر ہوتا تھا، بیرونجات سے مرید و معتقد بکثرت آتے تھے۔ صاحب اسرار یہ تقریباً ہر سال عرس میں شریک ہوتے وہ شاہ مخدوم عالم کے

(متعلق صفحہ ۴۴۸) لہ یعنی سید بدرالدین عرف میر بساون بن سید محمد اسد اللہ خان عرف میر کلو لہ میلو گرس سرہنری ایلیٹ صفحہ ۱۶۱

تذکرہ میں اس عرس کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

امروز مریدان خانوادۂ ایشان کہ در ہنگامۂ عرس شیخ ابن جمع می شوند ہزاران اند بل از شمار زیادہ و این معاملہ روز افزون است۔	آجکل اس خاندان بزرگ کے مریدوں کی تعداد جو (حضرت) شیخ ابنؒ کے عرس کے موقع پر جمع ہوتے ہیں ہزاروں کی ہے بلکہ شمار سے بھی زیادہ ہے اور روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔

قدیم تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں زائرین و داخلین سلسلۂ ہندوستان کے دور دراز مقامات سے عُرس کی شرکت کے لئے آتے تھے، جن کے قیام کے لئے متصل روضۂ منوّرہ مکانات موجود تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ المعروف بہ خواجہ بیرنگ کے فرزند باکمال خواجہ عبداللہ جو سید کمال محمد مؤلف اسراریہ کے شیخ اور پیر طریقت تھے، نیز اسی مرتبہ کے چند اور بزرگ عرس کے موقع پر امروہہ تشریف لاتے اور حال وقال کی مجالس میں شریک ہوتے، صاحب اسراریہ نے بعض ایسے حضرات کا بھی ذکر کیا ہے جو جونپور جیسے دور دراز مقامات سے شرکت عرس کے لئے امروہہ آیا کرتے تھے مثلاً سید ضیاء الدین جونپوریؒ کے تذکرہ میں، جو اپنے زمانہ کے عالم فاضل اور عارف باللہ تھے، وہ لکھتے ہیں :-[1]

"من آں سید ضیاء الدین را در امروہہ دیدہ ام ہنگامۂ عرس شیخ ابن سر و پا برہنہ"	میں نے ان سید ضیاء الدین کو اولاً امروہہ میں (حضرت) شیخ ابنؒ کے عرس کے موقع پر دیکھا تھا، سر و پا برہنہ تھے۔

مصارف عرس و خانقاہ کے لئے اراضیات اسلامی سلطنت کی عطیّہ تھیں، عرس کا انتظام اہل خاندان کرتے رہے ہیں، بزرگان سادات دربار کلاں و کٹہرہ غلام علی بھی بربنائے عقیدت اہتمام میں شرکت کرتے تھے۔ امروہہ کے دوسرے مشائخ کے عرسوں کی طرح بعض اقوام اہل حرفہ کو اس خانوادہ مشائخ سے عقیدت و ارادت چلی آتی ہے اسی بنا پر دھنی جولاہے اب تک عرس کی ایک شب کا اہتمام کرتے ہیں۔

---

[1] اسراریہ قلمی صفحہ ۱۰۲۸۔

پچھلی صدی سے عرس میں بے رونقی ہوگئی تھی اب چند سال سے اہل خاندان کی کمیٹی نے ازدیاد رونق کا انتظام کیا ہے اجتماع بھی کافی ہوتا ہے اور میلہ بھی لگتا ہے۔ بیرونجات سے بھی کچھ لوگ شرکت کی غرض سے آتے ہیں۔ ان ہی ایام میں خانقاہ میں تبرکات کی زیارت بھی ہوتی ہے جس میں زیادہ تر حضرت بابا فرید شکر گنج رح کے تبرکات ہیں اور کچھ حضرت شاہ ابن بدر چشتی رح کے۔

شب برات:- تقریباً اسی برس پہلے امروہہ میں یہ تیوہار بڑے اہتمام سے منایا جاتا تھا، ہر خاندان اور ہر محلہ میں ہفتوں پہلے سے آتشبازی کے سامان تیار ہوتے تھے، مختلف ٹولیاں آتشبازی کی پیچ کھیلتیں اور ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتیں لیکن یہ سب دولت کے کھیل تھے جب مرفہ حالی کا وہ سابقہ حال باقی نہ رہا تو آتشبازی بھی سرد پڑ گئی۔

عید الفطر:- تقریباً سوا صدی پیشتر تک امروہہ کے سب مسلمان اس یوم سعید میں ایک ہی مقام پر نماز عید کے لئے مجتمع ہوتے۔ شہر کے قاضی مختصر سے جلوس کے ساتھ نماز پڑھانے عید گاہ آتے شروع شروع میں جو حضرات شیعہ مسلک کے متبع تھے وہ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ عید کی نماز میں شرکت کرتے لیکن بعد میں جب عقائد کی کشمکش نے باہمی مخالفتوں کی شکل اختیار کرلی تو عیدین کے ادائے فرائض میں بھی جدائی ہوگئی حتٰی کہ بعد میں شیعہ حضرات کا عیدگاہ جانا حکومت کے حکم سے ممنوع ہوگیا اور وہ اپنی جامع مسجد (اشرف المساجد محلہ شفاعت پوتہ) میں عیدین کی نماز پڑھنے لگے۔ عید گاہ میں شہر اور مضافات کے مسلمانوں کا اجتماع کثیر ہوتا ہے۔ پندرہ بیس ہزار کا مجمع بالعموم ہو جاتا ہے جس کے لئے عیدگاہ کا وسیع صحن فراخ سیڑھیاں قطعًا ناکافی ہوتی ہیں نیچے فرش خاک پر لوگوں کو نماز پڑھنی پڑتی ہے عیدگاہ کے بانی شیخ غلام محمد کی طرح اب اگر کوئی صاحب ہمت امروہہ میں نہیں تو کیا صوفی خدابخش عباسی کی طرح بھی جنھوں نے بعد میں اس کی مرمت کرائی تھی چند اشخاص نہیں جو عیدگاہ کے صحن کو وسیع نہ کرا سکیں تو کم از کم سامنے کی زمین ہی کو ہموار کرکے پختہ کردی جائے تاکہ نمازیوں کو ناہموار اور ریتلی زمین پر بیٹھنے کی اذیت نہ رہے۔ عید کے دن محلہ شیخ زادگان (محلہ جھنڈا شہید) میں حضرت بابا فرید الدین شکر گنج کی اولادان کے پیر طریقت حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح کے تبرکات کی زیارت

کی زیارت کی تقریب میں مردانہ و زنانہ مجلسیں منعقد کرتی ہے۔

۹۔ عید الضحیٰ:- عیدین کی نماز سنی عیدگاہ میں اور شیعہ اشرف المساجد (شفاعت پوتہ) میں ادا کرتے ہیں قربانی زیادہ تر گائے کی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ مینڈھے اور بکرے کی بھی قربانی کرتے ہیں۔

۱۰۔ عشرہ محرم:- امروہہ کی عزاداری دور دور مشہور ہے۔ امام باڑے بڑے اہتمام سے آراستہ کئے جاتے ہیں۔ عورت، مرد، بچے، بوڑھے اور جوان سب غم امام میں سر و پا برہنہ ماتم کرتے، نالہ و بکا کی آوازیں دور دور تک جاتی ہیں۔

۳ محرم سے ۸ محرم تک حسب ذیل امام باڑوں سے علم و تعزیہ نکلتے ہیں:- امام باڑہ ولیاں[1] (محلہ بچپڑہ)، امام باڑہ حضرت شاہ[2] (محلہ مچھر ہٹہ)، سقوں[3] کا امام باڑہ (محلہ صندل)، امام باڑہ نورن[4] ——— امام باڑہ کٹرہ غلام علی[5]، امام باڑہ چاند سورج[6] (قاضی زادہ)۔ نویں محرم کو امام باڑہ دربار کلاں سے نشان اٹھکر امام باڑہ دوست علی واقع محلہ کٹکوئی میں جاتے ہیں اور دسویں محرم کو محلہ شفاعت پوتہ سے تربت و تخت و مسند تکیہ مع روشن چوکی وغیرہ نکلتے ہیں اور امام باڑہ میر آسیاں کے سامنے ہوکر قسائی خانہ سے محلہ کو واپس جاتے ہیں۔ محلہ قاضی زادہ میں تسبیح کی زیارت ہوتی ہے اور امام باڑہ ستھی و محلہ دانشمند ان سے بھی تربتیں نکلتی ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف محلوں سے روضے (تعزیئے) نکلتے ہیں۔ ان سب تاریخوں کے علموں، تعزیوں وغیرہ کی تعداد و تفصیل حسب روبکار مسٹر ہارڈی کلکٹر و مجسٹریٹ ضلع مرادآباد مجریہ ۲۳ جنوری ۱۸۹۵ء معین و مقرر ہے۔ اور ان کے متعلق حکم ہے کہ بعد گشت قبل غروب آفتاب اپنی جگہ پر واپس پہنچ جائیں۔

۱۱۔ چہلم:- دسویں ماہ صفر سے انتیسویں تک اربعین کی مجلسیں ہوتی ہیں۔ سابق میں لکھنؤ وغیرہ سے ذاکر آتے تھے اب بھی بعض حضرات بیرونجات سے آکر مجلسیں پڑھتے ہیں۔ مجالس کے بعد بیسویں صفر کو تعزیئے اٹھتے ہیں یعنی روضہ محلہ دانشمندان بلا آرائش اور اسی طرح کا روضہ محلہ چاہ غوری (شیش محل[1]) سے اٹھتا ہے اور معینہ راستوں سے کربلا میں پہنچکر دفن ہوتے ہیں۔

---

[1] جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے خلیفہ عبداللہ انصاری نے تقریباً ۱۲۲۰ھ میں مذہب امامیہ اثنا عشریہ اختیار کیا تھا اور اپنے مردانہ مکان میں عزاداری شروع کی تھی جسے انہوں نے آراستہ کرکے "شیش محل" نام رکھا تھا۔ خلیفہ غلام علی انصاری انکے فرزند لاولد فوت ہوگئے۔ انکی زوجہ مسماۃ مینڈھی نے کچھ جائداد اس امام باڑہ کیلئے وقف کی جسکا باضابطہ عملدرآمد ہوا۔ مسماۃ مینڈھی کے خواہرزادہ منشی شبیر علی بن شیخ امانت علی اسکا انتظام کرتے ہیں۔

فہرست اسمائے خادمان شرع شریف (قاضیان) امروہہ

نمبر شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سند تقرر	کیفیت
۱	قاضی نظام الدین قریشی	قاضی محمد قریشی	سلطان غیاث الدین بلبن		
۲	قاضی سید امیر علی	حضرت شاہ ولایت	سلطان محمد تغلق		
۳	قاضی سید بدیع		سلطان فیروز شاہ تغلق		قاضی سید بدیع نسباً حسینی تھے، جو لوگ انہیں حضرت شاہ ولایت کی نسل میں کہتے ہیں یہ محض غلط ہے۔ مؤلف تاریخ واسطیہ نے اس خاندان کا شجرۂ نسب جو قاضی سید قاضی کبیر اور اس خاندان کی دوسری شاخوں کا درج کیا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو حصۂ دویم و سویم۔
۴	قاضی سید منیر	قاضی سید بدیع	سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ سے شروع عہد مغلیہ تک		

نمبر شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سند تقرر	کیفیت
۵	قاضی سید اشرف	قاضی سید منیر	سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانے سے عہد شیر شاہ تک		
۶	قاضی سید ظہیر	قاضی سید اشرف			
۷	قاضی سید حسین	قاضی سید ظہیر			
۸	قاضی سید امین	قاضی سید ظہیر			
۹	قاضی سید سالار	قاضی سید حسین			
۱۰	قاضی سید الہدیہ	قاضی خدادیہ عرف قاضی میاں		سنہ ۹۷۳ھ	
۱۱	قاضی سید کبیر	قاضی سید سالار	شہنشاہ اکبر	سنہ ۹۸۳ھ	
۱۲	قاضی سید طاہر	〃	〃	سنہ ۹۹۷ھ	

عدد شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سنہ تقرر	کیفیت
١٣	قاضی سید یوسف	قاضی سید سالار	شہنشاہ جہانگیر	سنہ ١٠٣٠ھ	
١٤	قاضی سید عبد الرسول	قاضی سید کبیر	شاہجہان	سنہ ١٠٣٨ھ	
١٥	قاضی سید راجے	قاضی سید طاہر	شہنشاہ عالمگیر	سنہ ١٠٧٤ھ	شریک حاصلات عہدۂ قضاء امروہہ۔
١٦	قاضی سید ولی محمد	قاضی سید عبد الرسول	"	سنہ ١٠٨٦ھ	برطرف شدہ غرہ ربیع الثانی سنہ ٢٢ جلوس عالمگیری
١٧	قاضی سید یار محمد	"	"	سنہ ١٠٩٠ھ	
١٨	قاضی سید تاج الدین	قاضی سید راجے	"	سنہ ١٠٩٨ھ	شریک حاصلات عہدۂ قضاء امروہہ
١٩	قاضی سید مراد	قاضی سید یار محمد	محمد شاہ بادشاہ	سنہ ١١٣٩ھ	
٢٠	قاضی سید محمد طفیل	"	"	سنہ ١١٥٤ھ	
٢١	قاضی سید عنایت غوث	قاضی سید محمد مراد	احمد شاہ بادشاہ	سنہ ١١٨١ھ	
٢٢	قاضی سید عنایت اللہ	سید محمد شاکر بن قاضی سید ولی محمد	نواب آصف الدولہ	سنہ ١١٨٦ھ	

نمبر شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سنہ تقرر	کیفیت
۲۳	قاضی سید اللہ بخش	قاضی سید محمد طفیل	نواب آصف الدولہ	سنہ ۱۱۹۲ھ	
۲۴	قاضی سید رحمان بخش	قاضی سید اللہ بخش	″	سنہ ۱۲۰۶ھ	
۲۵	قاضی سید سبحان بخش	″	ایسٹ انڈیا کمپنی	سنہ ۱۲۳۴ھ ۲ جون ۱۸۱۹ء	قاضی و امین پرگنہ امروہہ
۲۶	قاضی سید ولایت بخش	قاضی سید سبحان بخش	″	۱۶ محرم سنہ ۱۲۵۳ھ ۲ اپریل سنہ ۱۸۳۷ء	″
۲۷	قاضی سید ایزد بخش	قاضی سید ولایت بخش	″	۲۲ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۴ھ ۱۸ مارچ سنہ ۱۸۶۸ء	
۲۸	قاضی احمد علی عباسی	مولوی سعد اللہ عباسی		سنہ ۱۲۹۰ھ	نائب قاضی وحکاک ″
۲۹	قاضی نبی بخش عباسی	خویش قاضی احمد علی عباسی			قاضی نکاح خوان اہل سنن
۳۰	قاضی ابن عباس	قاضی نبی بخش عباسی			″

ماخذ تالیف

نمبر شمار	نام کتاب	موضوع کتاب	نام زبان	مطبوعہ یا قلمی	نام مصنف
۱	المعارف	انساب	عربی	مطبوعہ	ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری متوفی سنہ ۲۷۶ھ
۲	فتوح البلدان	تاریخ وجغرافیہ	"	"	امام ابو العباس احمد بن یحییٰ بن جابر بغدادی، بلاذری متوفی سنہ ۲۷۹ھ
۳	تقویم البلدان	"	"	"	ابو الفدا حموی
۴	عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب	انساب	"	"	سید جمال الدین احمد داؤد یحییٰ حسنی متوفی سنہ ۸۲۸ھ
۵	صناجۃ الطرب فی تقدمۃ العرب	تاریخ "	"	"	نوفل آفندی طرابلسی
۶	تحفۃ النظار فی غرائب الامصار مشہور بہ رحلہ ابن بطوطہ	سفرنامہ	"	"	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الملقب بہ شمس الدین ابن بطوطہ طنجی متوفی سنہ ۷۷۹ھ
۷	رسالہ زینبیہ	تاریخ	"	"	علامہ جلال الدین سیوطی متوفی سنہ ۹۱۱ھ
۸	ینابیع المودۃ از جامع صغیر	"	"	"	" "
۹	اسعاف الراغبین	"	"	"	مطبوعہ مصر
۱۰	کنز العمال	"	"	"	"
۱۱	لسان العرب	لغات	"	"	"
۱۲	تاریخ فیروز شاہی	تاریخ	فارسی	"	ضیاء الدین برنی متوفی سنہ ۷۶۱ھ
۱۳	" "	"	"	"	سراج عفیف
۱۴	فتوحات فیروز شاہی	"	"	"	سلطان فیروز شاہ تغلق

نمبر شمار	نام کتاب	باعتبار مضمون	بلحاظ زبان	قلمی یا مطبوعہ	نام مصنف
۱۵	تاریخ مبارک شاہی	تاریخ	فارسی	مطبوعہ	یحییٰ بن احمد بن عبد اللہ سرہندی
۱۶	تاریخ فرشتہ	"	"	"	محمد قاسم فرشتہ
۱۷	تاریخ وصاف	"	"	"	عبد اللہ بن فضل اللہ شیرازی
۱۸	منتخب التواریخ	"	"	"	ملّا عبد القادر بدایونی
۱۹	آئین اکبری	"	"	"	علّامہ ابو الفضل بن شیخ مبارک
۲۰	شاہجہان نامہ	"	"	"	ملّا عبد الحمید لاہوری
۲۱	عمل صالح	تاریخ	فارسی	مطبوعہ	محمد صالح کنبوہ منصبدار عہد شاہجہانی
۲۲	تزک جہانگیری	"	"	"	شہنشاہ جہانگیر
۲۳	مرآت آفتاب نما	"	"	"	سید عبد الرحمن المخاطب بہ شاہنواز خان ہاشمی
۲۴	مثنوی دول رانی	مثنوی	"	"	حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ
۲۵	مآثر الامراء	تاریخ و سیر	"	"	شاہنواز خان
۲۶	ثمرات القدس من شجرات الانس	"	"	قلمی	لال بیگ بخشی شاہزادہ مراد
۲۷	اسراریہ	"	"	"	کمال محمد بن سید لال از اولاد شاہ ولایت امروہہ
۲۸	تاریخ سندھ	تاریخ	"	"	سید معصوم المتخلص بہ نامی بن سید صفائی الحسینی الترمذی
۲۹	مقاصد العارفین	تذکرہ مشائخ	"	"	حضرت شاہ عضد الدین جعفری رح
۳۰	مآثر عالمگیری	تاریخ	"	"	مستعد خان
۳۱	مآثر الکرام	سیر	"	مطبوعہ	علّامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی
۳۲	عماد السعادت	تاریخ	"	"	سید غلام علی خان

نمبر	نام کتاب	قسم علم	زبان	قلمی یا مطبوعہ	نام مصنف
	جام جہاں نما	"	"	قلمی	محمد قدرت اللہ صدیقی
	جواہر فریدی	تذکرہ	"	"	
	طبقات ناصری	تاریخ	"	مطبوعہ	قاضی صدر جہاں منہاج الدین سراج جورجانی
۳۶	آثار الصنادید	"	اردو	"	سر سید احمد خان علیہ الرحمۃ
۳۷	سیرۃ النبیؐ	سیر	"	"	علامہ شبلی نعمانی مرحوم
۳۸	گل رعنا	تذکرہ	"	"	مولوی حکیم سید عبد الحی مرحوم
۳۹	تمدن عرب	تاریخ	"	"	جرجی زیدان
۴۰	تزک بابری	"	"	"	ترجمہ
۴۱	سفرنامہ مولوی سمیع اللہ خان	سفرنامہ	"	"	
۴۲	کنز التاریخ	تاریخ	"	"	مولوی رضی الدین بسمل
۴۳	آئینۂ عباسی	"	"	"	مولوی محب علی خان عباسی
۴۴	نخبۃ التواریخ	"	فارسی	"	مولوی آل حسن نخشبی
۴۵	تاریخ اصغری	"	اردو	"	سید اصغر حسین امروہوی
۴۶	فرہنگ آصفیہ	لغات	"	"	مولوی سید احمد دہلوی
۴۷	فرہنگ محتشمی	"	فارسی	"	
۴۸	تحفۃ الکرام	تاریخ	"	"	میر علی شیر سندھی
۴۹	حملہ حیدری	"	"	"	سید مصطفیٰ ایرانی
۵۰	سیرۃ العباس	"	اردو	"	مولوی حکیم فرید احمد عباسی
۵۱	مقدمۂ تاریخ ابن خلدون	"	"	"	ترجمہ کتاب العبر فی دیوان المبتدا و الخبر فی ایام العرب والبربر

نام کتاب معہ نام مصنف	نمبر شمار
Imperial Gazetteer of India Vol. II.	۵۲
District Gazetteer of Moradabad.	۵۳
Journal of the U. P. Provinces Historical Society.	۵۴
Historical Memoirs of Bullandshehr by E. S. Growse.	۵۵
History of India by Sir Henry M. Elliot and Dawson.	۵۶
Memoirs of the History, Folk-lore and Distribution of the races of the N. W. Provinces by Sir H. M. Elliot, K.C.B.	۵۷
The Preaching of Islam by T. W. Arnold	۵۸
District Gazetteer, Shahjehanpur (1883)	۵۹
The Civilization of Ancient India (R. C. Dutt.)	۶۰
Geneologische Tebellen (Wästenfeld)	۶۱
Francis Johnson's Dictionary.	۶۲

قطعۂ تاریخ

طبع زاد سید سالم حسین صاحب سالم امروہوی

(از اولادِ دیوان سید محمود دنبیرہ سید محمد میر عدل)

لو دیکھو یہ ہے بوستانِ حقیقت ۔ لگایا نیا گلستانِ حقیقت

درایت کے سب حق ادا کر دیئے ہیں ۔ بدل معترف ہے لسانِ حقیقت

سیر کا تواریخ کا ہے خلاصہ ۔ ذرا دیکھ لیں واقفانِ حقیقت

فصاحت، سلاست کے دریا بہا کے ۔ میں کہتا ہوں اسکو زبانِ حقیقت

نسب میں بھٹکتے تھے امروہہ والے ۔ چلو مل گیا اب نشانِ حقیقت

صداقت سے مملو یہ تاریخ لکھی ۔ اسے کہتے ہیں دیکھو شانِ حقیقت

بڑی جانچ کی تم نے محمود احمد ۔ بلا شبہ ہو ہمہ دانِ حقیقت

حقیقت میں تم نے وہ تاریخ لکھی ۔ کہ حیرت میں ہے آسمانِ حقیقت

بڑی مشکلیں اور بڑے مرحلے تھے ۔ یہ تاریخ ہے ہفتخوانِ حقیقت

کیا کام وہ تم نے محمود احمد ۔ کہ ہے مرحبا بر زبانِ حقیقت

حقیقت میں تم نے وہ تاریخ لکھی ۔ کہ چھانا ہے تم نے جہانِ حقیقت

وہ تاریخ لکھی نہیں جس کا ثانی ۔ یہ بتلا رہا ہے گمانِ حقیقت

یہ ہے واقعی قابلِ دید نسخہ ۔ حقیقت میں ہے داستانِ حقیقت

سطریں ہیں یا لعل و گوہر کی لڑیاں ۔ کہ کوزہ میں ہے بند جانِ حقیقت

بجا ہے کہوں گر اسے بزمِ اعلیٰ ۔ کہ ہیں جلوہ گر کاملانِ حقیقت

جو تم نے باطل جہالت کے قصے ۔ بنایا ہے اس کو بیانِ حقیقت

کہ سالم نے ہاتف پکارا ۔ یہ ہے بے بہا ارمغانِ حقیقت

۱۵ ۶ ۳۰

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷	۱۷	بلاذی	بلاذری	۱۳۲	۲	دو کھلے	در
۷	۲۱	متاین	ستین	۱۳۴	۴	یہ حالت	بہ ح
۸	۱	المسمعی	السمعی	۱۳۸	۲۱	حقہ بید جانا	حلقہ
۹	۱۳	آنچہ	انچہ	۱۵۲	۶	۷۱,۶۶۷	۶۶۷
۳۷	۱۹	سنہ ۲۸ھ	سنہ ۲۸۷ھ	۱۶۶	۱۳	اکھیرا نہ	اکھیر
۳۹	۱۸	حداوت	عداوت			مولشی	مویش
۳۹	۲۱	معاملا	معاملات	۱۸۴	۶	ٹڑودہ	جڑ
۴۴	۱۹	بہد	بعہد	۱۸۴	۱۶	ایک جداگانہ	ایک
۴۵	۲۱	بطور سیورغال	بطور سیورغال ملک				قبیب
		و	و مدد معاش ملے ہوئے تھے	۱۸۴	۱۸	ہوتی ہیں	ہوتا
				۱۸۶	۱۶		
				۲۱۷	۵	یہی ہے کہ	یہی
۶۴	۹	فرزغ	فروغ	۲۳۰	۷	ربع سکوں	ربع مس
				۲۹۴	۴	طبعًا	طبعاً
۷۴	۷	گلال	کلال	۲۹۹	۱۳	آئین اکبری سیورغال	آئین اکبر
				۳۰۱	۱	آراضیات	اراض
۷۶	۱۹	کوچ	کوچ کیا	۳۰۵	۳	آراضیات	اراض
				۳۰۷	۱۹	ریادہ	زیادہ
۷۹	۸	گلال	کلال	۳۱۹	۱۱	کتابت آخر	کتاب
۱۰۵	۱۳	موجود نہ تھا	موجود تھا	۳۲۰	۷	سوعر	